

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
تجوید قرآن

مِنْ تَفْسِيرِ آيَاتِ الْقُرْآنِ
مجلد پنجم

سورة البقرة آيات 196-242

اُرشاتِ قلم در شمشیرِ قلم
محقق قاضی عبدالرزاق میرزا علی

جامعہ غنیۃ العلوم

رحیم پور شکرپور راولپنڈی

کتاب الاریب کی توضیحات و تشریحات، علوم عقلیہ، نقلیہ کی روشنی میں
علمی و تحقیقی ذوق رکھنے والوں کے لئے قدیم و جدید احکامات و مسائل پر احاث کا حسین مجموعہ
تفسیر القرآن بالقرآن، ارشادات نبویہ، اقوال صحابہ تحقیقات اہل اہل و روایات صحیحہ پر مشتمل تفسیر

مسمیٰ بہ

نجوم الفرقان

من تفسیر آیات القرآن

جلد پنجم

(سورۃ البقرۃ آیات 196 تا 242)

از رشحات قلم

حافظ قاضی عبدالرزاق بھترالوی، حطاروی

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم

رحیم ناون شکرپال، راولپنڈی

نام کتاب	نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن، جلد پنجم
تالیف	حافظ قاضی عبدالرزاق، ہترالوی، طاروی
کمپوزنگ	مفتی محمد محمود احمد، محلہ لطیف شاہ غازی، کھاریاں، ضلع گجرات
بارطاعت	اول
تاریخ اشاعت	
ناشر	جامعہ جماعتیہ مہر العلوم رحیم ٹاؤن، شکرپال، راولپنڈی
ملنے کے پتے	

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

☆ فرید بک شال اردو بازار لاہور

☆ نیو مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی

☆ احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی

☆ جامع مسجد غوثیہ ایف سکس ون اسلام آباد

☆ جامعہ جماعتیہ مہر العلوم رحیم ٹاؤن، شکرپال، راولپنڈی

☆ مکتبہ قادریہ نزد سستا ہوٹل گنج بخش روڈ لاہور

☆ مکتبہ برکاتیہ گنج بخش روڈ لاہور

☆ جامع مسجد کنز الایمان ۱۰-۱۱ اسلام آباد

اور ہر اچھے بک شال سے طلب فرمائیں

فہرست

نجوم الفرقان فی تفسیر القرآن

جلد پنجم

سورۃ البقرۃ آیات 196 تا 242

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
38	تنبیہ	33	آیت ۱۹۶
39	میتقاتوں کے اندر رہنے والوں کے لئے عمرہ کا حکم	34	مختصہ مطلب
39	عمرہ کیسے کریں	35	ما قبل سے رابطہ
39	مواقیت	36	عمرہ کرنا سنت ہے
40	تنبیہ	36	اعتراض
40	فائدہ	36	جواب
40	عمرہ کی فضیلت	37	عمرہ کے ارکان و شرائط وغیرہ
41	حج مفرد کے مسائل	37	عمرہ اور حج میں فرق
42	وضاحت حدیث	37	رمضان میں عمرہ کرنا افضل ہے
42	حج کب فرض ہوا؟	38	فائدہ
43	فائدہ	38	اعتراض
44	وضاحت حدیث	38	جواب

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
54	منی میں جانا	44	تج میروریا ہے؟
55	مسند	45	عورت بغیر حرم کے حج نہیں کر سکتی
55	حرفات میں جانا	46	احرام باندھنا
55	تنبیہ	47	تنبیہ یہ ہے
55	مقام عرفات میں ٹھہرنا فرض ہے	47	مسند
56	مقام عرفات میں دعا کرنا	47	مسند
57	مزدلفہ میں آنا	48	مسند
57	مقام متوجہ	48	مسند
57	مزدلفہ میں فجر کی نماز	48	مسند
58	مزدلفہ سے منی میں آنا	48	مسند
58	فائدہ	48	طواف قدم
58	کنکریاں مارنا	51	طواف طیم سے باہر کرے
59	فائدہ	52	طواف قدم میں اضطباع کرے
59	کنکریاں مارنے کا مستحب وقت	52	پہلے تین چکروں میں رمل کرے
60	قربانی کرنا	52	مقام متوجہ
60	حلق یا قصہ کرنا	53	حکایات کے آخری پارہ پر
60	حلق کے ساتھ احرام کی کافی پابندیاں ختم	53	تنبیہ
61	طواف زیا کرنا	53	طواف قدم کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا
61	تنبیہ	54	تنبیہ
61	عورتوں کا حال ہونا	54	تقی کرنا

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
71	فقدہ من صیاء او صدقة او نسک	61	تنبیہ
72	ظلمات کرام توجب فرما میں	61	کیا ربوہی الحج کو نکلیاں مارنا
73	تنبیہ	62	بارہوی الحج کو نکلیاں مارنا
74	اعتنا اس	62	تیرہوی الحج کو نکلیاں مارنا
74	جواب	63	طواف وداع
	فادائہم فمن تسع بالعمرہ الی الحج	63	مسئلہ
74	فما سیر من الہدی	63	مسئلہ
74	فادائہم	63	مسئلہ
74	فمن تمتع بالعمرہ الی الحج	64	آیتہ زبیرہ کا شان نزول
74	قرآن کیا ہے؟	65	واتسوا الحج والعمرہ للہ
75	قرآن ادا کرنے کا طریقہ	65	فائدہ
75	فائدہ		فان احصرتم فمما سیر من الہدی ولا تحلقوا
75	تمتع کیا ہے اور کیسے ادا کیا جائے	68	رو سکھ حتی یبلغ الہدی محلہ
76	مقام توجہ	69	مسئلہ
76	تنبیہ	70	مسئلہ
	فمن لم یجد فصیاء تلک ایاہ فی الحج وسعد	70	مسئلہ
76	ادار جعتم بلک عمرہ کاملہ	70	مسئلہ
77	مسئلہ	70	فائدہ
77	مسئلہ	70	ادسارے متعلق احادیث مبارکہ
77	وسبعة اذار جعتم	71	وضاحت حدیث
77	مسئلہ		فمن کان مکم مریضا و وہ اذی من راسہ

صفحہ نمبر . عنوان صفحہ نمبر عنوان

89	فائدہ	77	مسئلہ
90	فائدہ	78	دلک لمن لم یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام
91	تنبیہ	78	تنبیہ
92	تنبیہ	78	واتقوا اللہ
92	روح حج زیارۃ النبی ﷺ	78	واعلموا ان اللہ شدید العقاب
93	سوال	79	وہ شکر اور دم جنائیہ میں فرق
93	جواب	80	بدی اور قربانی میں فرق
94	تنبیہ	80	وہ جنائیہ اونٹ یا گائے ذبح کرنا ضروری
94	علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا مختار	81	وہ جنایات جہاں بکری کا ذبح کرنا کافی ہے
94	اعتراض	82	تنبیہ
95	جواب	83	تنبیہ
98	زیارۃ النبی ﷺ پر راقم کی دلیل	83	غیر کی طرف سے حج کرنا
100	مدینہ طیبہ میں حاضری کے آداب	83	پہلی قسم
101	مزار پر انوار پر بدیہ درود و سلام پیش کرے	86	نتیجہ
102	نبی کریم ﷺ سے شفاعت کی عرض کرے	86	دوسری صورت
104	پھر دعاء کرے	86	نفل حج کا بدل
104	متبرک مقامات سے حصول برکت	86	فرض حج کا بدل
106	آیت ۱۹۷	87	مذہب کا بدل بنانے کا قانون شرعی
106	ما قبل سے تعلق	87	حج کی کثوت حدیث پاک سے
107	حج کے مہینے کون سے ہیں	88	حج بدل کی شرائط

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
124	سوال	109	تمام احادیث میں تطبیق
124	جواب	109	راقم کے نزدیک چار اقوال میں تطبیق
125	دینی طلبائے کرام توجہ فرمائیں	110	اعتراض
126	تین چیزوں سے ممانعت کی حکمت	110	جواب
127	مقصد عظیم	110	اعتراض
128	گذشتہ سے پیوستہ	110	جواب
129	وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ	111	امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب
130	ذکر خیر میں حکمت	112	اعتراض
131	وتزودوا فان خیرا لزااد التقوی	112	جواب
131	شان نزول	113	فمن فرض فیہن الحج فلارفت ولا فسوق ولا جدال فی الحج
133	ابن عربی کا شاندار موقف	114	فلارفت
133	دینی طلبائے کرام توجہ فرمائیں	115	وجہ فرق کیا ہے
134	بہتر زاد راہ تقویٰ کی ہے	116	فائدہ
134	دوسرا دروازہ راہ	116	رفت کی تمام اقسام منع ہیں
134	تقویٰ کی بہتری کی وجہ	116	ولا فسوق
136	واتفون یا ولی الالباب	118	فائدہ
137	حج کی تکمیل	118	مندرجہ بالا بحث سے ایک اور مسئلہ سمجھ آیا
138	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	119	ولا جدال
139	آیت ۱۹۸	121	مختصر الفاظ، کثیر مطالب
139	شان نزول	124	حاصل کلام

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
153	شہر امپتہ کے لئے نئے نام یہ ہیں	149	تج کے دنوں میں تجارت نہ کرنا افضل ہے
154	واذکروہ کما ہدکم		نزول آیت سے پہلے تجارت کے ناجائز
155	فائدہ	142	ہونے کا گمان کیوں ہوا
155	سوال		تج میں اور کاموں کی آمیزش کو شدید جرم
156	جواب	142	سمجھنا آیا تھا
159	وان کنتم من قبلہ لمن الضالین	143	لس علیکم جناح ان تبغوا فضلا من ربکم
159	ضالین کے معنی میں ہدایت کے معنی میں ضلالت ہے	143	اعتراض
160	دینی طلباء پر اہم خصوصیت توجہ فرمائیں	144	جواب
161	ایک اور توجہ	144	دینی طلباء پر اہم توجہ فرمائیں
161	ایک اور توجہ	145	فضلا من ربکم
162	ایک اور توجہ	145	فائدہ
162	تفسیر نبیہ سے مزید اقتباسات	145	فضل کے معنی میں وسعت
162	یوم الترویۃ کی وجہ تسمیہ	147	فائدہ جلیلہ
162	ایک قول	148	فضل کے معنی میں مزید وسعت
162	دوسرا قول	149	تنبیہ
162	پہلے قول میں پھر تین وجوہ ہیں		فاد القصہ من عرفات فادکروا اللہ عند
162	ایک وجہ	149	المسعر الحراد
163	دوسری وجہ	149	مشعر حرام
164	تیسری وجہ	150	مقام عرفات سے غروب آفتاب کے بعد لوٹنا
164	دوسرے قول میں بھی تین وجوہ ہیں	153	اعتراض
		153	جواب

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
173	پانچ اور نام	164	ایک وجہ
173	مزاحمتی وجہ تسمیہ	164	دوسری وجہ
174	آیت ۱۹۹	165	تیسری وجہ
176	وضاحت حدیث	166	یومِ مذکور کی وجہ تسمیہ
177	دریئی طلبائے مرام توجہ فرما میں	166	چوتھی وجہ
177	یومِ عرفہ اور وقفِ وفات کی تفسیرات	166	پانچویں وجہ
178	وضاحت حدیث	167	تیسری وجہ
180	وضاحت حدیث	167	چوتھی وجہ
180	اعتراف	167	پانچویں وجہ
180	جواب	167	چھٹی وجہ
182	مشکل الفاظ کے معانی	168	ساتویں وجہ
184	فائدہ	168	آٹھویں وجہ
185	زیادہ ہشتے الٰہی مردہ و بوجہ تسمیہ	168	حرفِ معنی اعتراف
186	وضاحت	168	حرفِ معنی خوشبو
186	مقامِ افسوس	169	دوسرا نام
186	واستغفرو اللہ	170	تیسرا نام
187	ماں	170	چوتھا نام
187	جواب	170	پانچواں نام
188	ان اللہ عفور رحیم	171	فائدہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
208	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	189	آیات ۲۰۰ تا ۲۰۲
	اولنک لہم نصیب مما کسبوا	190	ما قبل سے تعلق
209	واللہ سریع الحساب	190	نقشہ بن حسین ہے یہ ترتیب
210	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	191	شان نزول
211	سب نیا ہے؟	191	فاذا قضیتہ مناسککم
211	سوال	192	ذکر مردہ معنی حدیث پاک سے
211	جواب	192	فاذکرو اللہ کذا کرکم اباءکم
212	واللہ سریع الحساب	195	فادہ
212	طلباء کرام کی توجہ کے لئے	196	تنبیہ
212	حساب لینے کا کیا مطلب	197	اواشدذکرا
213	جدی حساب لینے کا کیا مطلب ہے؟	197	مقام توجہ
215	فائدہ	198	پہلا احتمال
215	تنبیہ	199	دوسرا احتمال
217	آیت ۲۰۳	200	دنیاوی مشکلات سے بچنے کی بھی دعا کرتا رہے
217	ما قبل سے تعلق	201	دنیاوی مراتب
218	مختصر مطلب	202	طالب دنیا کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں
218	اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی خوبی	203	دنیا اور آخرت کی بھلائی سے کیا مراد ہے؟
219	واذکرو اللہ فی ایام معدودات	206	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد
	ومن تعجل فی یومین فلاثم علیہ	207	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں
221	ومن تاخر فلاثم علیہ	207	وقنا عذاب النار

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
244	آیت ۲۰۵	222	لمن اتقی
244	شان نزول	224	واتقوا اللہ
244	واذا تولى	224	واعلموا انکم الیہ تحشرون
244	سعی فی الارض	225	فائدہ
245	لیفسد فیہا	225	احادیث مبارکہ
245	ایک اور تفسیر	230	آیت ۲۰۴
246	تیسری تفسیر	230	ما قبل سے تعلق
246	واللہ لایحب الفساد	231	شان نزول
246	اعتراض	231	تنبیہ
246	جواب	234	تمام اقوال میں محاکمہ
248	معتزلہ کی غلط فہمی اور اس کا ازالہ	234	عموم پر دلالت کی وجوہ
249	تنبیہ	235	اس سے بھی زیادہ عموم بہتر ہے
249	فائدہ	237	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے
250	گزشتہ سے پیوستہ	238	ویشہد اللہ علی ما فی قلبہ
251	آیت ۲۰۶	238	تنبیہ
251	مختصر مطلب	239	وہو الدالخصام
251	واذا قیل لہ اتق اللہ	241	تنبیہ
251	ما قبل سے تعلق	243	نتیجہ
252	اخذتہ العزۃ بالاثم		

صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر
277	نفس و اسلام میں داخل رہنا	252	مخبرت قرآن پر قربان
277	نفس و اسلام میں داخل رہنا	254	فحسہ جہنم
278	روح و اسلام میں داخل رہنا	254	ولیس السہاد
278	اسلم بمعنی سلج	254	وہابی علیہ قلوب فرما میں
279	اسلم بمعنی معرفت و تصدیق قاب	256	بارہن الرشید کا خوف خدا
279	اسلم بمعنی رضا و رقتہ پر	257	آیت ۲۰۷
279	اسلم بمعنی ترک انتقام	257	شان نزول میں چند وجود
280	کافہ	259	حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ
281	ولا تتبعوا خطوات الشیطان	263	تنبیہ
282	فانہ لکم عدو مبین	265	حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت
282	اعتراض	267	شراہہ بمعنی خریدنا
282	پہلا جواب	267	واللہدروف بالعباد
284	اظہار تشکر	269	آیت کریمہ میں موم
284	اعتراض	270	فائدہ جلیلہ
285	جواب	270	آیت ۲۰۸
286	آیت ۲۰۹	273	شان نزول
286	شان نزول	276	فائدہ
286	فان زللتہم	276	ما بمعنی
286	من بعد جاء تکم البینات	277	انسان معنی
289	واضح دلائل نیامیں		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
304	بادلوں میں عذاب کرنے کی حدیث	290	مسئلہ
304	فصلی الامر	290	فاعلموا ان الله عزيز حكيم
305	والی اللہ جمع الامور	291	دو صفات ذکر کرنے کی وجہ
305	تسمیہ فرقہ کی غلط فہمی	293	حکیم ہونے کا ایک اور مطلب
305	ان کی غلط فہمی کا ازالہ	293	ایمان افروز واقعہ
306	تسمیہ کی طرح سندھی کی غلط فہمی	294	مسئلہ
307	سندھی کی شیب غلطی	294	اوتہ اشل
307	سندھی کی دوسری غلطی	294	جواب
308	عالمہ نووی رحمہ اللہ کی تحقیق	295	آیت ۲۱۰
308	استدلال الاذوال	295	شان نزول
309	اوتہ اشل	295	هل ينظرون
309	جواب	296	دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے
310	قیام ممنوع پر فیصد ان بات	296	الا ان ياتيهم الله
311	فائدہ	297	ایک شیب نکتہ حل ہوتا ہے
312	آیت ۲۱۱	298	خواصورت اشعار
312	ما قبل سے رابطہ	298	بہرور عالم متکلمین کا مذہب
313	شان نزول مختصہ و طاب	299	تراجم میں تقابلی جائزہ
313	دینی طلباء کرام کی توجہ سے	300	اللہ تعالیٰ آنے جانے کیوں پالت ہے؟
313	سل بنی اسرائیل	303	فی ظلل من الغمام
314	کہم الیہم من الہ یبذل	303	دینی طلباء کی توجہ سے

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
322	واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب	314	دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے
323	قرآن پاک کی عظمت	314	احلی نشانیوں سے مراد کیا ہے؟
323	رزق اخروی کے چند مطالب	315	ومن یدل نعمۃ اللہ من بعد جاءہ
325	دنیاوی رزق کے چند مطالب	315	فان اللہ شدید العقاب
326	مومن کی تذلیل پر وعید	316	نعمت سے اور مراد یہ ہے
327	غریب کی شان	316	مقام توجہ
329	نصیحت آموز واقعہ	316	تنبیہ
330	فوائد	317	عقاب کی وجہ تسمیہ
331	فائدہ جلیلہ	317	فائدہ
332	آیت ۲۱۳	318	آیت ۲۱۲
333	ما قبل سے تعلق	318	ما قبل سے رابطہ
333	قرآن پاک عظیم کتاب ہے	319	شان نزول
335	تنبیہ	319	تمام صورتوں کا مجموعہ ہی شان نزول ہے
335	ایک اور مطلب	320	ذین للذین کفرو الحیوة الدنیا
	فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین	321	ویسخرن من الذین امنوا
335	وانزل معہم الکتاب بالحق	321	والذین اتقوا فوقہم یوم القیامة
336	پہلی صفت	321	فوقیت حاصل ہونے کی وجہ
336	دوسری صفت	321	امتہ اش
336	بشارت کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ	322	جواب
336	تیسری صفت	322	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
347	آیت ۲۱۳	336	اعتراض
347	ما قبل سے تعلق	337	جواب
348	شان نزول	337	انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق عقیدہ
	آیت کریمہ اپنے مضمون کے لحاظ پر نئی	338	وہ انبیاء کرام جن کے اسماء گرامی قرآن پاک میں ہیں
348	واقعات پر مشتمل ہے	338	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے
349	مختصر مطلب	339	ذرا اور توجہ
349	ام حسبکم ان تدخلوا الجنة	339	تنبیہ
351	ایک اور توجہ	340	فیما اختلفوا فیہ
351	ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم	340	وما اختلف فیہ الا الذین اوتوه
351	مستہم البأساء والضراء	340	من بعد جاء تہم البینات
352	والضراء	341	بغیابینہم
352	یہاں تک مطلب		فہدی اللہ الذین آمنوا الما اختلفوا
352	وزلزلوا	341	فیہ من الحق باذنه
	حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ	342	اہل کتاب کے اختلاف کی وجوہ
353	متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب	344	تنبیہ
353	اعتراض	344	واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم
353	پہلا جواب	344	ایمان والوں کی شان حدیث پاک سے
354	دوسرا جواب	345	تنبیہ
355	تنبیہ	345	نبی کریم ﷺ دعا فرماتے تھے
355	ایک حدیث پر سے تائید		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
367	دینی طلباء کو رامتوجہ فرمائیں	357	آیت ۲۱۵
368	مشادات	357	ما قبل سے تعلق
370	جہاد کے فوائد	358	شان نزول
370	واللہ یعلم و اسمہ لا یعسر	359	تنبیہ
371	ذوالنون مفسر کی رحمت اللہ کا ارشاد	359	علامہ رازی رحمہ اللہ تفصیل بیان فرماتے ہیں
372	مقلد و چاہنے	360	ماں و غیرہ بنے ہیں
372	ابراہیم خواجہ رحمہ اللہ کا ارشاد	361	رب کے کارنامے میں حمت
374	روح جہاد	362	و ما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیہ
375	آیت ۲۱۷	363	مسدود
376	شان نزول	363	مسند
379	تنبیہ	364	آیت ۲۱۶
380	بعض مفسرین کو اصرار ہے کہ	364	کتب علیکم القتال
380	آیت مرید کے نزول کے بعد	366	و ہو کرہ لکم
380	قیدیوں کا معاملہ	366	دینی طلباء کو رامتوجہ فرمائیں
381	سوالیوں کے کیا؟	366	کرہ
382	حرمت و گناہوں میں برائی و گناہ کا جواب ہے	366	امتناع
382	دینی طلباء کو رامتوجہ فرمائیں	367	جواب اول
383	اور غلطی کی طرف طلباء کو رامتوجہ فرمائیں	367	جواب دوم
384	دینی طلباء کو رامتوجہ فرمائیں	367	و عسیٰ ان یکرہوا سباً و ہو حبر لکم
384	اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب؟	367	و عسیٰ ان یکرہوا سباً و ہو حبر لکم

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
390	اولنک یرجون رحمت اللہ	384	و کفر بہ
390	تنبیہ	384	تنبیہ
391	ایک اور وجہ	385	واخراج اہلہ منہ
391	واللہ غفور رحیم	385	اکبر عند اللہ
392	رحمت کی امید پر اللہ کا کرم	385	والفتنة اکبر من القتل
393	فائدہ		ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم
393	ہجرت کی دو قسمیں ہیں	386	عن دینکم ان استطاعوا
394	جہاد کی دو قسمیں ہیں		ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وهو کافر
394	اگر تو رب تعالیٰ کی رحمت چاہتا ہے تو مخلوق پر رحم کر		فالنک حبطت اعمالہم فی الدنیا والآخرۃ
	آیت ۲۱۹	386	واولنک اصحاب النار ہم فیہا خالدون
395	شراب کو تد ر سجا (آبت آہستہ) حرام کیا گیا	387	تنبیہ
395	شراب کو تد ر سجا (آبت آہستہ) حرام کیا گیا	387	اعتراض
398	تنبیہ	387	جواب
399	شراب کی حرمت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تقویٰ	388	مسئلہ
399	شراب کب حرام ہوئی	388	مسئلہ
399	شراب کو تد ر سجا حرام کرنے میں فائدہ	388	مسئلہ
400	حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا کمال	389	آیت ۲۱۸
400	مومن کی شان کے لائق یہ ہے		ما قبل سے تعلق
400	شرابی سے قطع تعلقی کی جائے	389	ان الدین امنوا والذین ہاجر ووا جاہلوا
401	شرابی کو رشتہ نہ دیا جائے		فی سبیل اللہ
401	تنبیہ	389	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
416	مختصر مطلب	401	انگوری شراب اور دوسرے شرابوں میں فرق
416	ویسٹلونک ماذا ینفقون	402	برنشہ اور مشروب قلیل و کثیر حرام ہے
416	قل ... العفو	405	تنبیہ
417	تنبیہ	405	شراب کی حرمت پر صیہ کرام کا شراب انڈیل دینا
418	عفو کی تین قسمیں	406	نبی کریم ﷺ کا نبیذ پینا
420	اعتراض	407	نبیذ کیا ہے؟
420	جواب	407	شراب کی خرید و فروخت ناجائز ہے
	وہ احادیث جن میں تمام مال خرچ کرنے	408	شراب سے متعلق دس شخصوں پر نبی کریم ﷺ کی لعنت
421	کی فضیلت کا بیان ہے	409	شراب (خمر) نجاست غلیظہ ہے
422	فائدہ	409	شراب کے مختلف نام اور ان کی حرمت
422	غریب کے لئے خوشخبری	410	آیہ کریمہ میں خمر سے مراد
423	فائدہ	410	والمیسر
	کذلک بین اللکم الآیات لعلکم	411	بہت خوب نتیجہ
424	تتفکرون فی الدنیا والآخرۃ	412	تنبیہ
424	تنبیہ	412	قل فیہما اثم کبیر
424	اعتراض	414	جو امیں بڑا گناہ
425	جواب	414	و منافع للناس
425	دنیا و آخرت میں فکر کرنے سے مراد کیا ہے؟	414	واثمہما اکبر من نفعہما
427	آیت ۲۲۰	415	آیت ۲۱۹، ۲۲۰
427	ما قبل سے رابطہ	415	شان نزول

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
438	اعتراض	427	شان نزول
438	جواب	428	مختصر مطلب
438	اخوت اسلامی اخوت نسبی سے بہتر ہے	429	یسئلونک عن الیتامی
439	واللہ یعلم المفسد من المصلح	429	یتیم کون ہے؟
440	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	429	سوال حال سے یا قال سے
440	قرآن پاک کا کمال	430	قل اصلاح لہم خیر
441	ولو شاء اللہ لأعنتکم	430	یتیم کی اصلاح کیا ہے؟
441	مشقت میں ڈالنے کا کیا مطلب؟	431	اعتراض
442	ان اللہ عزیز حکیم	431	جواب
442	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	432	یہ جملہ ولی کی بھلائی کو شامل ہے
442	فائدہ	432	یتیم کی اصلاح کے متعلق چند مسائل
443	یتیم پر رحم کرنا	432	مسئلہ
444	فائدہ	432	مسئلہ
445	ادب سکھانے پر اجر حاصل ہوتا ہے	432	مسئلہ
446	فائدہ	432	مسئلہ
447	آیت ۲۲۱	432	وان تخالطوہم فاخوانکم
448	ما قبل سے رابطہ	433	ان الفاظ مبارکہ کی تفسیر میں چند جوہر پائی جاتی ہیں
448	شان نزول	434	فائدہ جلیلہ
450	دوسری وجہ پر گرفت	435	راقم کے نزدیک تین اقوال میں تعارض نہیں
450	راقم کا محاکمہ	438	تنبیہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
459	سب سے بڑا نقصان	450	اہل کتاب عورتوں سے نکاح کا حکم
459	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	450	کتابیات سے نکاح کرنا صحابہ کرام نے ناپسند فرمایا
460	زمحشری معتزلی کی خوبصورت عبارت	453	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا سخت موقف
460	اولئک یدعون الی النار	453	کفر و شرک میں فرق
460	واللہ یدعو الی الجنة والمغفرة	453	شرک
461	باذنہ	453	کفر
461	مقام توجہ	454	آیت کریمہ میں محققین کا موقف
461	سب سے بڑی خرابی	455	تنبیہ شدید
462	مسئلہ	456	مشرکین کے ایمان لانے پر ان سے نکاح جائز ہے
462	و یبین آیاتہ للناس لعلہم یتذکرون	456	لو نڈی سے نکاح کرنا
	شادی کرنے کے لئے صرف دین دار	456	غلام سے نکاح کرنا
462	عورت کا انتخاب کیا جائے	457	مسئلہ
463	وضاحت حدیث	457	مسئلہ
464	حسب سے مراد کیا ہے؟	457	مسئلہ
465	ضروری ہدایت	457	مسئلہ
467	آیت ۲۲۲	457	مسئلہ
467	لفظی مختصر مطلب	457	مسئلہ
467	ویستلونک عن المحیض	458	مسئلہ
468	قل ہواذی	458	مسئلہ
468	فاعتزلوا النساء فی المحیض	458	کفار اور مشرکین کا تعجب میں ڈالنے کا کیا مطلب؟
		459	ولو اعجبکم

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
479	حیض کی حالت میں جو کام جائز ہیں	468	ولا تقربوہن حتی یطہرن
481	اعتراض	468	فاذا تطہرن فاتوہن من حیث امرکم اللہ
481	جواب	469	ان اللہ یحب التوابین
481	تنبیہ	469	ویحب المتطہرین
481	مسئلہ	470	شان نزول
482	عورتوں کا ناقصات العقل والدین ہونا	471	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے
483	نفاس کے احکام	471	فائدہ
483	استحاضہ کے احکام	472	عورت کو آنے والے خون تین قسم کے ہیں
483	مسئلہ	472	حیض کیا ہے؟
483	مسئلہ	472	حیض کے خون کے رنگ
484	مسئلہ	473	حیض کتنے دنوں کے بعد آتا ہے
484	عورت کے لئے ایک مشکل مسئلہ	473	نفاس
484	استحاضہ میں نماز ادا کرنے پر ارشاد مصطفوی	474	استحاضہ
485	طہر متخلل	475	حیض کے احکام
486	آیت ۲۲۳	476	مسجد میں داخل ہونا اور طواف کرنا منع ہے
486	شان نزول	476	قرآن پڑھنا منع ہے
487	تمام وجوہ کا اجتماع	476	حیض والی عورت کا قرآن پاک کو ہاتھ لگانا منع ہے
487	مختصر مطلب	477	فائدہ
487	نساء کم حرث لکم	477	تنبیہ
488	طلباء کرام توجہ فرمائیں	477	مقام توجہ
		478	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
509	واللہ سمیع علیم	488	قرآن پاک کی عظمت
510	قسم کے متعلق چند احادیث	488	بعض روایات سے بعض حضرات غلطی کا شکار ہو گئے
510	نبی کریم ﷺ کا قسم توڑنا	491	کھانچے کرنے میں اصل مقصد اور اس کی پیدائش ہو
512	فوائد	492	عزائم کے متعلق احادیث
512	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قسم توڑنا	494	حرث اور زرع میں فرق
514	وضاحت حدیث	495	فاتوا حوثکم انی شنتم
515	وہ مہمان کون تھے؟	498	وقدموا لانفسکم
515	اس واقعہ میں عجیب کرامت کا ظہور	498	نیب اعمال آگے کرنے سے کیا مراد ہے؟
516	نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے	501	واتقوا اللہ
	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	502	واعلموا انکم ملاقوہ
516	نبی کریم ﷺ کے کامل قمع تھے	503	وبشر المؤمنین
516	قسم فی اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات سے اٹھائی جائے	503	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں
517	تنبیہ	504	آیت ۲۲۲
519	صفات ذات اور صفات افعال میں فرق	504	شان نزول
519	واضح رہے	504	آیت کریمہ کے معنی میں دو احتمال
519	مسئلہ	506	سوال
520	وضاحت	506	جواب
520	اعتراض	507	اس بحث کے بعد
520	جواب	507	دوسرا احتمال
521	سوال	509	اصلی نکتہ زائد کا ترجمہ دونوں احتمالات کا جامع ہے

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
529	تین چیزیں ہنسی مزاح سے بھی ثابت ہو جائیں گی	521	جواب
530	ولکن یؤخذکم بما کسبت قلوبکم	522	آیت ۲۲۵
530	شیخ احمد المدعو بملا جیون رحمہ اللہ کی علمی تحقیق	522	لا یؤخذکم اللہ
531	قسم کا کفارہ	522	باللغو فی ایمانکم
532	واللہ غفور حلیم	523	لغو بمعنی فعل باطل
532	غفور	523	لغو بمعنی قول باطل
532	حلیم	523	لغو بمعنی کلمہ فاحشہ
533	آیت ۲۲۶، ۲۲۷	523	لغو بمعنی باطل کلام
533	مختصر مطلب	523	لغو بمعنی کفر و کلام قبیح
534	تنبیہ	524	لغو بمعنی آواز بلا مقصد
534	شان نزول	524	یمین کو یمین کہنے کی وجہ
	للذین یولون من نسائهم	524	یمین کی تین صورتیں
534	تربص اربعة اشهر	525	یمین منعقدہ
535	دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے	525	یمین غموس
536	تربص اربعة اشهر	525	یمین لغو اور اہل علم کو دعوتِ فکر
536	ایلاء کے الفاظ	526	راقم کا موقف
537	تنبیہ	526	یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
537	لفظ حرام کا حکم	529	تنبیہ
538	مسئلہ	529	اعتراض
538	نوٹ	529	جواب

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
549	دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے	538	مسئلہ
549	سوال	538	فان فاء و افان اللہ غفور رحیم
549	جواب	538	وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم
549	سوال	538	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے
549	جواب	539	اگر وطی کرنا ممکن نہ ہو تو پھر کیا کرے؟
549	ثلاثة قروء	539	ایلاء سے متعلق چند احادیث
550	ولا یحل لهن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامهن	540	چار ماہ میں زوجہ سے ایک مرتبہ وطی کرنا
551	ان کن یؤمن باللہ والیوم الآخر	544	آیت ۲۲۸
	وبعولتھن احق بر دھن فی	545	ما قبل سے تعلق
551	ذلک ان ارادوا اصلاحا	545	مختصر مطلب
551	وبعولتھن	545	قدرے تفصیل
552	ایک قول	547	دینی طلباء کرام کے لئے
552	دوسرا قول	547	سوال
552	فی ذلک	547	جواب
553	ان ارادوا اصلاحا	548	تنبیہ
553	اعتراض	548	سوال
553	جواب	548	پہلا جواب
553	ولهن مثل الذی علیهن	548	دوسرا جواب
553	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	549	سوال
554	بالمعروف	549	جواب

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
571	شان نزول	555	خاوند اور بیوی کے حقوق
572	فامساک بمعروف او تسریح باحسان	555	عورت کے حقوق خاوند پر
573	واضح ہوا	556	تنبیہ
574	خلع کے مسائل	556	مسئلہ
575	شان نزول	557	خاوند پر زوجہ کے اخلاقی حقوق
576	مسئلہ	558	زوجہ پر خاوند کے حقوق
577	تنبیہ	560	وضاحت حدیث
577	مقام توجہ	561	فائدہ
577	مسئلہ	561	تنبیہ
577	مسئلہ	563	عورت پر خاوند کے اخلاقی حقوق
578	مسئلہ	565	واللرجال علیہن درجۃ
578	مسئلہ	565	درجۃ
578	فائدہ	565	مرد کو عورت پر فضیلت
578	رجوع کیسے ہو سکتا ہے؟	566	پہلا احتمال
578	فائدہ	567	تنبیہ
578	اعتراض	567	دوسرا احتمال
579	جواب	568	واللہ عزیز حکیم
579	خلع اور طلاق بالمال میں فرق	569	آیت ۲۲۹
579	تنبیہ	570	مختصر مطلب
580	جب صلح کسی طرح ممکن نہ ہو تو جدائی کر لی جائے	570	ما قبل سے تعلق

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
589	ایک مرتبہ تین طلاقیں دینے پر احناف کا مذہب	580	طلاق دینے پر شیطان خوش ہوتا ہے
590	احناف کے دلائل	581	طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے
590	احادیث مبارکہ سے ثبوت	582	عورت کا بلاوجہ طلاق کا مطالبہ کرنا عظیم جرم ہے
591	اعتراض	582	طلاق بحیثیت ثواب و عذاب چار قسم ہے
591	جواب	582	حرام
592	عطاء الخراسانی کے متعلق اصحاب الجرح والتعدیل کی آراء	583	تنبیہ
594	حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد	583	مکروہ
597	مسئلہ	583	واجب
597	مسئلہ مذکورہ پر احادیث	583	مستحب
597	شیعہ اور غیر مقلدین کا مسلک	584	تنبیہ
599	غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات	585	آیت ۲۳۰
599	روایت ابو داؤد	585	مختصر مطلب
600	دلیل کارد	585	طلاق کی تین اقسام
601	رد کی پہلی وجہ	586	طلاق احسن
601	مجہول راوی کا حکم	586	ایک طلاق دینے کا فائدہ
602	رد کی دوسری وجہ	587	خیف کی حالت میں طلاق ناپسندیدہ لیکن
602	رد کی تیسری وجہ	587	واقع ہو جاتی ہے
603	حدیث مسند احمد	588	طلاق حسن
604	اس دلیل کا رد	588	تدریجاً طلاق دینے کا حکم رب تعالیٰ کی رحمت ہے
604	حدیث مسلم	589	طلاق بدی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	اصل اختلاف کی وجہ حدیث کی تشریح	606	اس دلیل کا رد
619	و توضیح میں اختلاف ہے	607	شاذ اور معطل حدیث قابل عمل نہیں
620	امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے جواب	607	شاذ اور معطل ہونے کی ایک اور وجہ
621	لعنت دلیل ظنی کیوں؟	609	شاذ اور معطل ہونے کی اور وجہ
621	امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول	609	شاذ اور معطل ہونے کی اور وجہ
622	امام محمد رحمہ اللہ کا قول	610	راقم کا موقف
623	شرط تحلیل بالاتفاق گناہ ہے	610	مغالطہ یا غلط استدلال
623	نوٹ	611	طلاق بدعت اور ثلاثہ کا حکم
623	اعتراض	613	نتیجہ واضح ہوا
624	جواب	613	تنبیہ
624	امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل کا کوئی جواب ہی نہیں	614	حرام کو کوئی حلال سمجھے تو ہم کیا کریں
624	مقام تفکر	614	فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حی تکح زوجا غیرہ
	حلالہ کرنے والی عورت اور اس کے پہلے	614	اعتراض
626	خاوند سے تو پوچھئے	614	جواب
626	گناہ سے بچنے کا شاندار حیلہ	616	حلالہ کیا ہے؟
	فان طلقھا فلا جناح علیہما ان یتراجعا	616	حلالہ کے نام کی وجہ
626	ان ظنا ان یقیماحدود اللہ	617	حلالہ کا یہ حکم اجماع امت سے ثابت ہے
627	دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے	618	دوسرے نکاح اور مجامعت میں حکمت
627	اعتراض	618	بغیر شرط کے حلالہ جائز ہے
627	جواب	619	شرط کے ساتھ حلالہ مکروہ ہے

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
639	وما نزل علیکم من الكتاب والحكمة یعظکم به	628	وتلک حدود اللہ یبینہا لقوم یعلمون
639	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	629	آیت ۲۳۱
640	واتقوا اللہ	630	مختصہ مطلب
640	واعلموا ان اللہ بکل شیء علیم	630	شان نزول
640	اس میں وسیع بھی پائی گئی ہے	631	امور شرعیہ
641	طلاق کا حق مردوں کو دیا گیا	631	جواب
642	آیت ۲۳۲	631	واذا طلقتم النساء
642	شان نزول	632	فیلعن احلهن
644	الفاظ مبارکہ کی مختصر وضاحت	632	تنبیہ
645	بالغیر کی خود مختار ہے	633	قرآن پاک میں اور مثالیں
646	باپ اپنی لڑکی کا نکاح جبراً نہ کرے	633	فامسکوهن بمعروف
648	وضاحت حدیث	634	اوسر حوهن بمعروف
648	عورت اپنے نکاح میں بزرگوں سے مشورہ کرے	634	ولا تمسکوهن ضرار التعتدوا
649	وضاحت حدیث	634	سوال
650	نیک مرد پر عورت کا اپنے آپ کو پیش کرنا سنت ہے	634	جواب
651	نکاح کے لئے عورت یا اس کے والدین استخارہ کریں	634	ضرر پہنچنے کا کیا مطلب
651	استخارہ کیسے کرے	635	لنعتدوا
652	تنبیہ	636	ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسه
652	ولی کے بغیر نکاح نہ ہو سکنے پر احادیث اور ان کے جوابات	636	سوال
653	جواب	636	جواب
653	جواب	637	ولا تتخذوا آیات اللہ ہزوا
654	جواب	637	تنبیہ شدید
654	جواب	637	ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے
655	احناف کا فیصلہ کن جواب	638	واذکروا نعمت اللہ علیکم وما نزل علیکم
657	نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری	638	من الكتاب والحكمة یعظکم به
657	یہ قول باطل ہے	639	نعمت اللہ سے کیا مراد ہے
657	نکاح مسجد میں مستحب ہے		مقام توجہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
670	تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ والی احادیث منسوخ ہیں	658	نکاح میں خطبہ پڑھا جائے
672	دو سال تک دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی	659	اور خطبہ میں یہ تین آیتیں پڑھی جائیں
672	اس مسئلہ پر احادیث مبارکہ	659	تنبیہ
674	رسول اللہ ﷺ کا اختیار	660	آیت ۲۳۳
676	خاوند اپنی زوجہ کا دودھ پی لئے تو کیا حکم ہے؟	661	مختصر مطلب
676	دودھ پلانے کی مدت میں زوجہ سے جماع کرنا		والوالدات یرضعن اولادھن حولین
677	تنبیہ	662	کاملین لمن اراد ان یتیم الرضاعة
678	رضاعت کی نسبت مذکر کی طرف	662	والوالدات میں تین قول ہیں
679	رضاعت کے مسائل سمجھنے کے لئے ایک ضابطہ	662	پہلا قول
680	دودھ پلانے والی ماں کا احترام	662	دوسرا قول
680	و علی المولود لہ رزقھن و کسوتھن بالمعروف	664	تیسرا قول
681	فائدہ	664	پسندیدہ قول
681	رزقھن و کسوتھن بالمعروف	664	اعتراض
681	فائدہ	664	پہلا جواب
683	لا تکلف نفس الا وسعھا	664	دوسرا جواب
683	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	665	یرضعن اولادھن
684	لاتضار والدہ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ	665	اس مسئلہ میں امراض میں استحباب کے لئے ہے
684	ماں کو ضرر نہ دیا جائے بچے کی وجہ سے	666	امرد جو ب کے لئے ہو سکتا ہے
684	باپ کو ضرر نہ دیا جائے بچے کی وجہ سے	666	حولین کاملین
685	تنبیہ	667	رضاعت کے متعلق بیان
685	یہ بھی ممکن ہے	667	صاحبین کی دلیل
685	دودھ طبیعتوں کو بدل دیتا ہے	667	امام اعظم رحمہ اللہ کا ارشاد
686	و علی الوارث مثل ذلک	668	صاحبین کے قول پر فتویٰ کیوں؟
686	مقام توجہ	668	رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں
	فان اراد افصلا عن نراض مہماو	668	جو نسب سے حرام ہوتے ہیں
687	نشاو ر فلا جناح علیہما	670	دودھ قلیل پئے یا کثیر پئے حرمت ثابت ہو جائے گی
	وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
706	کتابیہ عورت اور عدت	687	فلاحناح علیکم اذاسلمتم ماآتیتم بالمعروف
706	دینی طلبائے کرام کی توجہ کے لئے	688	وانفوا اللہ
706	مسئلہ	688	واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر
707	تنبیہ	689	آیہ کریمہ سے راصل ہونے والے فوائد
708	آیت ۲۳۵	690	حقوق و صورت میں بچہ کی پرورش کا حق کسے دیا جائے
709	مختصر مطلب	690	سات سال کا استدلال حدیث پاک سے
709	تعریض کیا ہے؟	692	امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب
710	کتابیہ اور تعریض میں فرق	693	امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا شاندار محاکمہ
710	خطبہ	693	اسلام کے شہری اصول لیکن معاشرے کا بگاڑ
710	خطبہ نکاح (پیغام نکاح) کی تین قسمیں	695	آیت ۲۳۲
712	تعریض کیسے کرے؟	695	ما قبل سے تعلق
713	نتیجہ واضح	695	شان نزول
713	او اکنتم فی انفسکم	696	والذی یتوفون منکم
714	الفاظ مبارک کا مفہوم	698	ویدرون ارواحا
714	علم اللہ انکم ستذکرونہن ولكن لاتواعلوهن سرا	698	یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشر
715	الا ان تقولوا قولا معروفا	698	مسئلہ
715	ولاتعزموا عقد النکاح حتی یبلغ الكتاب اجله	698	مسئلہ
716	واعلموا ان اللہ یعلم ما انفسکم فاخذروہ	699	عورتوں کا اپنے آپ کو روک کر رکھنے سے کیا مراد ہے؟
716	واعلموا ان اللہ غفور حلیم	702	چار مہینے دس دن عدت میں حکمت
717	آیت ۲۳۶	702	تنبیہ شدید
717	مختصر مطلب	703	فادابلغ اجلھن
717	شان نزول	703	فلاحناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن
717	ایک وجہ	704	بالمعروف
718	دوسری وجہ	704	واللہ بما تعملون خبیر
718	دونوں وجہ کا اجتماع ممکن ہے	704	مسئلہ
718	اوتہ اض	705	اوتہ اض
719	جواب	705	بہت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
730	او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح	719	مسئلہ کی تفصیل
730	بہن کے ہاتھ میں مرد نکاح کی وہ کون ہے	719	متدلیا ہے؟
730	خاوند مراد ہونے پر داخل	719	مسئلہ کی چار صورتیں
731	نتیجہ واضح ہوا	720	تنبیہ
732	ولی مراد لین	720	دینی مدارس کے طلبائے کرام توجہ فرمائیں
732	زوج کا زیادہ مہر دینا عفو کیسے ہے؟	720	نوٹ
733	وان تعفو اقرب للتقویٰ		اصل میں مفسرین کرام نے یہاں دو طرح
734	تنبیہ	720	کی تفاسیر بیان فرمائی ہیں
734	تقویٰ کے قریب ہونے کی دو وجہ	722	اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ اور روح المعانی
735	ولا تنسوا الفضل بینکم	723	اعتراض
735	ان اللہ بما تعملون بصیر	723	جواب
736	آیت ۲۳۸	723	و متعوہن
736	ما قبل سے رابطہ	723	متدینے میں حکمت
736	پہلی وجہ	724	خلوت صحیحہ کیا ہے؟
736	دوسری وجہ	724	علی الموسع قدرہ و علی المقتر قدرہ
737	تیسری وجہ	725	متاعا بالمعروف
737	پانچ نمازوں پر شاندار دلیل	725	حقا علی المحسنین
738	نمازوں کے اوقات کا ثبوت قرآن پاک سے	725	فائدہ جلیلہ
739	حفظوا علی الصلوات	726	تنبیہ
740	محافظة جو معنی ہے	727	آیت ۲۳۷
740	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	728	مختصر مطلب
742	نماز پر عید اور اقوال احمد	728	وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن
744	نماز کی اشیات	728	وقد فرضتم لهن فريضة
745	نماز کی	728	فنصف ما فرضتم
745	درمیانی نماز سے مراد نماز فجر	729	الا ان یعفون
745	درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز	729	دینی طلبائے کرام توجہ فرمائیں
745	درمیانی نماز سے مراد نماز عصر		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
766	قدر تفصیل		عصر کی نماز کو ضائع کرنے پر احادیث
766	والذین یتوفون منکم	749	مبارکہ سے وعید ثابت ہے
766	ویدرون ازواجاً وصیۃ لازواجہم	750	درمیانی نماز سے مراد نماز مغرب
767	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	751	درمیانی نماز سے مراد نماز عشاء
767	شان نزول	752	تمام اقوال میں شاندار محاکمہ
768	شان نزول کا قول ضعیف ہے	754	وقوموا للہ فانتین
768	آیہ کریمہ کے منسوخ ہونے کا قول	754	قنوت بمعنی طاعت
770	عدم منسوخیت کا قول	755	قنوت بمعنی خشوع
770	تنبیہ	755	قنوت بمعنی دعاء و ذکر
771	مسئلہ	756	قنوت بمعنی سوت
771	اعتراض	758	قنوت بمعنی قیام
771	جواب	758	فائدہ
772	تنبیہ	759	تنبیہ
772	واللہ عزیز حکیم	760	آیت ۲۳۹
773	آیت ۲۳۱	761	تنبیہ
773	مختصر مطلب اور ماقبل سے تعلق	761	اعتراض
773	شان نزول	761	جواب
774	”متاع“ میں دو قول	762	امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل حدیث پاک سے
775	وللمطلقت مناع بالمعروف	762	اعتراض
775	بیان کردہ تفسیر کے بعد دیکھیں	762	جواب
776	مقررہ کا تفصیلی نوٹ	763	تنبیہ
776	طلاق شدہ عورت	764	مسئلہ
778	راقم کا تبصرہ	764	مسئلہ نماز خوف کی رعتوں کی تعداد کم نہیں ہو سکتی
783	آیت ۲۳۲	764	اعتراض
783	کذلک	764	جواب
783	یبین اللہ لکم آیاتہ	765	آیت ۲۳۰
784	لعلکم تعقلون	765	مختصر مطلب

وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ
وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ
فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ
عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ☆ (سورہ بقرہ آیت، ۱۹۶)

﴿۱﴾

اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو، پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے
اور اپنا سر نہ منڈاؤ، جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے، پھر جو تم میں بیمار ہو
یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو بدلہ دے روزے یا خیرات یا قربانی، پھر جب تم
اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے اس پر قربانی ہے جیسی میسر
آئے، پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات، جب
اپنے گھر پلٹ کر جاؤ، یہ پورے دس ہوئے، یہ حکم اس کے لئے ہے جو مکہ کا رہنے
والا نہ ہو، اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

﴿۲﴾

اور مکمل کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے، پھر اگر تمہیں کہیں روک لیا جائے تو جو میسر ہو

ہدی، اور نہ منڈاؤ اپنے سروں کو یہاں تک کہ پہنچ جائے ہدی اپنی (ذبح کی) جگہ، پھر ہو جائے تم میں سے کوئی شخص مریض یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جائے تو فدیہ دے روزے یا صدقہ یا جانور ذبح کرنے سے، پھر جب تم امن میں ہو تو جو شخص نفع حاصل کرے عمرہ سے حج تک تو جو میسر ہو اسے ہدی، تو جو شخص (ہدی) نہ پائے تو روزے ہیں (تمہارے ذمہ) تین دن حج کے دنوں میں اور سات جب فارغ ہو جاؤ تم، یہ دس دن مکمل ہیں۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جو نہ ہو باشندہ حدود میقات کا اور ڈرو اللہ سے اور جان لو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

مختصر مطلب:

حج اور عمرہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے مکمل کرو، اس میں کوئی دکھلاوا اور چہ چا اور سیر و تفریح مقصود نہ ہو، خصوصاً جب حج اور عمرہ کی نیت کر لو احرام باندھ لو تو پھر حج اور عمرہ کو مکمل کرنا تم پر لازم ہے، جب جی چاہے حج اور عمرہ کو مکمل کئے بغیر چھوڑ دینا منع ہے۔ اگر حج یا عمرہ میں جانے کے لئے تمہیں روک دیا جائے تو بطور ہدی ایک جانور حرم میں بھیج دو جس شخص کے ہاتھ وہ بھیجو اس سے ایک تاریخ مقرر کر لو کہ فلاں تاریخ یہ ہدی حرم میں پہنچ جائے گی اس دن تم احرام سے فارغ ہو جاؤ۔ اگر مرض یا سر میں تکلیف کی وجہ سے تمہیں حالت احرام میں سر منڈانا پڑے تو سر منڈا لو اس کے بدلے تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو دو وقت طعام کھلا دو یا کوئی جانور ذبح کر دو، پھر جب تم امن میں ہو اگر اس ایک سفر میں ہی عمرہ سے بھی حج تک نفع حاصل کر لو یعنی قرآن یا تمتع کر لو تو بطور شکر جو ہدی تمہیں میسر ہو اسے ذبح کرو۔ اگر تمہیں ہدی میسر نہ ہو تو تین دن حج کے دنوں میں روزے رکھ لو یعنی تین دن روزے یوم عرفہ (نوزی الحج) تک مکمل کر لو، اور پھر حج سے فارغ ہو تو سات دن اور روزے رکھو، یہ کل دس دن ہو گئے۔ یعنی جو شخص ہدی ذبح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دس دن روزے رکھے ان میں تین دن ایام حج میں اور سات دن حج سے فارغ ہونے کے بعد، قرآن یا تمتع

کرنے کی ان لوگوں کو اجازت ہے جو آفاقی ہوں یعنی حدود و موافقت سے باہر سے آئے ہوئے ہوں، جو آفاقی نہیں میقاتوں کے اندر اندر رہنے والے ہیں ان کے لئے قرآن یا تمتع کی اجازت نہیں۔ جتنے احکام بیان کر دیئے ہیں ان پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ ان احکام کی مخالفت کر کے اور اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو کر اپنے آپ کو عذاب کا مستحق نہ بناؤ، یہ یقینی طور پر جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

ما قبل سے رابطہ:

رب تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمایا کہ آپ سے چاند کی حالتوں کے بدلنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے وقت کی علامتیں ہیں اور حج کے لئے۔

تو جب پہلے یہ بیان کر دیا کہ حج وقت مقررہ میں ہوتا ہے تو یہاں حج کے مسائل کی تفصیل بیان کرنی شروع فرمائی۔

اور وجہ یہ ہے کہ پہلے ذکر فرمایا ”وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اس کے بعد حج کا ذکر فرمایا کہ اس میں بھی مال خرچ ہوتا ہے۔ عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ ”بدنی، مالی، اور بدنی و مالی کا مجموعہ“۔

بدنی عبادت، جیسے نماز اور روزہ، اس عبادت میں کسی دوسرے کو اپنا نمائندہ نہیں بنایا جاسکتا بلکہ انسان خود ہی یہ عبادت کرے خواہ کوئی عذر ہو یا نہ ہو، دوسرے کے ذمہ یہ عبادت نہیں لگائی جاسکتی۔

عبادت مالی، جیسے زکوٰۃ، اس میں عذر اور بغیر عذر کے ہر حال میں دوسرے شخص کو اپنا نمائندہ بنایا جاسکتا ہے۔ اور بدنی اور مالی کا مجموعہ عبادت حج ہے، اس میں بغیر عذر کے تو اپنا نمائندہ نہیں بنایا جاسکتا، لیکن عذر کی حالت میں اپنا بدل کسی اور کو بنایا جاسکتا ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

عمرہ کرنا سنت ہے:

عمرہ فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت اور مستحب ہے، کیونکہ اس آیت کریمہ میں بھی ”وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ“ کہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کو پورا کرو، یعنی جب عمرہ کی نیت کر لی، احرام باندھ لیا تو پھر مکمل کرنا واجب ہوگا، لیکن ابتدائی طور پر واجب نہیں۔

”عن محمد بن المکندر عن جابر بن عبد اللہ قال سأل رجل النبی ﷺ عن الصلوة والحج او اوجب قال نعم وسأله عن العمرة اهي واجبة قال لا ولان تعتمر خير لك“
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کیا نماز اور حج فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، پھر اس نے عمرہ کے متعلق سوال کیا، کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، ہاں البتہ تم عمرہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

”عن ابی صالح قال قال رسول اللہ ﷺ الحج جهاد و العمرة تطوع“
ابو صالح کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔ یعنی حج فرض ہے اور عمرہ مستحب ہے۔

اعتراض: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں تو ذکر ہے۔

”قال رسول اللہ ﷺ الحج والعمرة فريضان واجبتان“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج اور عمرہ فرض ہیں۔

تو کس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ عمرہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

جواب: ”فاما حديث جابر في وجوب العمرة من طريق ابن لهيعة فهو ضعيف“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن لہیعہ سے مروی ہے، اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے۔ ضعیف

(ماخوذ از احکام القرآن للجصاص)

حدیث سے فرضیت اور وجوب ثابت نہیں۔

عمرہ کے ارکان و شرائط وغیرہ:

عمرہ کا احرام شرط ہے، اور طواف کرنا رکن ہے، اس کے بغیر اشیاء کوئی واجب، کوئی سنت اور کوئی مستحب ہیں۔
طواف کے زیادہ چکر فرض اور کم واجب اور سعی کرنا واجب اور سر منڈانا یا بال کٹانے واجب ہیں۔
باقی احکام عمرہ کے وہی ہیں جو حج کے لئے، جس طرح حج کے احرام کے منافی جو کام ہوں گے وہی عمرہ کے احکام کے بھی منافی ہوں گے۔

عمرہ اور حج میں فرق:

حج کا وقت مقرر ہے اور عمرہ کا وقت مقرر نہیں، حج وقت مقررہ سے رہ جائے یعنی احرام کے بعد وقت پر مقام عرفات پر نہ پہنچا تو حج فوت ہو گیا۔ لیکن عمرہ کا احرام باندھ کر جس وقت بھی مکہ مکرمہ میں پہنچ جائے عمرہ ادا ہی ہو گا۔ اس میں فوت ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔ اور حج میں مقام عرفات میں قیام فرض ہے عمرہ میں نہیں۔

حج میں مزدلفہ میں آنا اور رمی میں کنکریاں مارنا اور منی میں ٹھہرنا واجب ہے عمرہ میں نہیں، حج میں طواف قدوم اور طواف صدر ہیں لیکن عمرہ میں نہیں۔ اسی طرح مقام عرفات میں دو نمازیں ظہر اور عصر اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنا ہے عمرہ میں نہیں۔ آفاقی لوگوں کے لئے حج اور عمرہ کے احرام کے میقات ایک ہی ہیں۔ لیکن میقاتوں کی حدود کے اندر رہنے والے مکی کہلاتے ہیں ان کے لئے عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ حرم کی زمین سے باہر جا کر احرام باندھیں، لیکن حج کا احرام حرم شریف کے کسی مقام سے بھی باندھ سکتے ہیں۔ حرم کے باہر سے احرام نہیں باندھ سکتے۔

رمضان میں عمرہ کرنا افضل ہے:

عمرہ کے لئے وقت مقرر نہیں جب چاہے عمرہ کر لے لیکن رمضان میں عمرہ کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

”عن ابن عباس عمرة فی رمضان تعدل حجة“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنے سے حج کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ”وكان السلف رحمنا الله تعالى بهم يسمونها الحج الا صغر“ سلف صالحین اللہ تعالیٰ ان کے طفیل ہم پر بھی رحم فرمائے عمرہ کا نام حج اصغر (چھوٹا حج) رکھتے تھے۔

فائدہ: ”وقد اعتمر رسول الله ﷺ اربع عمرات كلهن بعد الهجرة في ذي القعدة“

نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد چار عمرے کئے ہیں وہ تمام ذیقعد میں تھے۔ تاہم رمضان کی افضلیت کے یہ منافی نہیں۔

اعتراض: بعض کتب میں ملتا ہے کہ عمرہ کرنا رجب میں سنت ہے۔ اس کے متعلق سنت ہونے کا قول کیسے درست ہے؟

جواب: رجب میں عمرہ کرنا اس وجہ سے تو سنت نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا ہو یا آپ نے رجب میں عمرہ کرنے کا حکم دیا ہو۔ البتہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ جب کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے ستائیس رجب کو عمرہ کیا اور بطور شکر جانور بھی ذبح کئے اور اہل مکہ کو بھی عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

”ولا شك ان فعل الصحابة حجة ومارآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن“

اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام کا فعل نجت ہے، اور خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ والے رجب میں عمرہ کرتے ہیں۔ واضح ہوا کہ رجب میں عمرہ کرنا سنت صحابہ ہے۔

تنبیہ: نوذی الحج اور چاردن اس کے بعد عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں اگر وہ شخص قرآن کرنے والا ہو اور دیر سے پہنچے، نوذی الحج کی صبح کو پہلے عمرہ کر لے پھر مقام عرفات پر پہنچ جائے تو اس کے لئے جائز ہے کوئی مکروہ نہیں۔

میقاتوں کے اندر رہنے والوں کے لئے عمرہ کا حکم:

میقاتوں کی حدود کے اندر رہنے والے لوگوں کے لئے شوال، ذیقعد اور ذی الحج کے دس دن عمرہ کرنا منع ہے، کیونکہ یہ لوگ قریب ہونے کی وجہ سے ہر سال حج کر سکتے ہیں اور جب چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں اس لئے یہ حج کے مہینوں میں دور سے آنے والوں کو موقع دیں کہ وہ آسانی سے عمرہ کر سکیں۔

عمرہ کیسے کریں؟

آفاقی حضرات یعنی میقاتوں سے باہر رہنے والے میقات سے احرام باندھیں اور میقاتوں کے اندر رہنے والے حرم شریف کے باہر سے احرام باندھیں۔ پھر طواف کریں۔ پھر صفا اور مروہ کی سعی کریں۔ پھر سر منڈالیں یا بال کٹالیں، اس طرح عمرہ ادا ہو گیا۔

مواقیت:

وہ مقام جس سے آگے احرام کے بغیر تجاوز جائز نہیں اسے میقات کہتے ہیں، اس کی جمع مواقیت ہے۔ وہ مقامات کون سے ہیں جن سے احرام کے بغیر تجاوز منع ہے؟

”عن ابن عباس قال وقت رسول الله ﷺ لاهل المدينة ذا الحليفة ولاهل الشام الجحفة ولاهل نجد قرن المنازل ولاهل اليمن يللمم فهن لهن ولمن اتى عليهن من غير اهلن لمن كان يريد الحج والعمرة فمن كان دونهن فمهله من اهلها وكذاك كذاك حتى اهل مكة يهلون منها“ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ کتاب الحج)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ میقات مقرر فرمایا، اور شام والوں کے لئے جھہ اور نجد والوں کے لئے قرن المنازل اور یمن والوں کے لئے یلمم، یہ مقامات ان لوگوں کے لئے بھی ہیں اور جو ان راستوں سے دوسرے علاقوں سے حج

اور عمرہ کرنے کے ارادہ سے آئیں، جو ان میقاتوں کے اندر ہوں وہ اپنے گھروں سے ہی احرام باندھ لیں، اسی اسی طرح جو قریب ہوتے چلے جائیں، یہاں تک کہ مکہ والے (حج کے لئے) اپنے گھروں سے ہی احرام باندھ لیں۔ (البتہ عمرہ کے لئے حرم کے باہر سے احرام باندھیں)

خیال رہے کہ ہندوستان و پاکستان والوں کا میقات بھی یلملم ہے۔ اب فضائی سروس کی وجہ سے احرام ایئر پورٹ سے ہی باندھ لیا جاتا ہے، ویسے بھی قانون شرعی یہی ہے کہ احرام میقات سے پہلے باندھا جاسکتا ہے، لیکن میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کرنا جائز نہیں۔

تذہیب: جو شخص مکہ مکرمہ میں میقاتوں کے باہر سے آئے اس کے لئے احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے۔ خواہ وہ حج کی غرض سے آئے یا عمرہ کے لئے آئے یا کسی اور کام کے لئے آئے یعنی تجارت وغیرہ کے لئے آئے، کیونکہ یہ حرم کا احترام ہے، البتہ وہ لوگ جو میقاتوں کے اندر ہیں ان کو بغیر احرام کے آنا جائز ہے، اور جو شخص میقاتوں سے باہر سے آئے اور حرم کے باہر اس کے عزیز واقارب ہوں ان کو ملنے کی غرض سے آئے تو احرام کی ضرورت نہیں۔ پھر وہاں سے عمرہ کی نیت کر لے۔ لیکن راقم کا موقف یہ ہے کہ جو لوگ عمرہ کا ویزہ لگواتے ہیں وہ خواہ راستہ میں اقارب کے پاس ٹھہریں بھی احرام میں ہی رہنا چاہئے وعدہ کا تقاضا یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فائدہ: مکہ والوں کے لئے حرم سے باہر کہیں سے بھی عمرہ کے لئے احرام باندھنا جائز ہے لیکن تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے، اس لئے کہ.....

”امر علیہ الصلوٰۃ والسلام عبدالرحمن بن یذہب باخته عائشة الى التنعیم لتحرم منه“
نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی بہن عائشہ کو تنعیم میں لے جاؤ تا کہ وہاں سے یہ احرام باندھ لے۔

عمرہ کی فضیلت:

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ العمرة الى العمرة كفارة لما بينهما والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة“
(نسائی ج ۲ باب فضل العمرة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک عمرہ سے لے کر دوسرے عمرہ تک درمیان میں گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور حج مبرور کی جزاء نہیں سوائے جنت کے۔
حج مبرور کی وضاحت ان شاء اللہ قریب ہی آرہی ہے۔

یعنی ایک عمرہ کیا تو وہ پہلے گناہوں کا کفارہ ہے، پھر اس عمرہ کے بعد گناہ ہو گئے تو دوسرا عمرہ کیا تو وہ ان گناہوں کا کفارہ ہے لیکن گناہوں سے مراد صغائر گناہ ہیں۔ کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔

حج مفرد کے مسائل:

حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، صحت میں ہو کہ حج ادا کر سکے، اور اس کے پاس آنے جانے کا کرایہ اور وہاں کا خرچ اس کے پاس ہو اور واپس لوٹنے تک اہل و عیال کا خرچ بھی موجود ہو تو حج فرض ہوتا ہے۔

حج مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے لیکن عورت کے لئے محرم کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے، بغیر محرم کے عورت کو حج کرنا منع ہے، خواہ جوان ہو یا بوڑھی خواہ وہ اور عورتوں کی جماعت سے مل کر جائے یا مردوں کے ساتھ جائے ہر حال میں بغیر محرم کے حج کرنا سوائے پیسے ضائع کرنے اور مشقت اٹھانے کے کچھ نہیں۔ رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی عدولی کر کے کون سائیکی کا کام کر لیا۔ جھوٹے محرم بنانا جرم پر جرم ہے۔

”عن ابی ہریرۃ قال خطبنا رسول اللہ ﷺ قال یا ایہا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا قال رجل اکل عام یا رسول اللہ فسکت حتی قالہا ثلاثا فقال لو قلت نعم لوجبت ولما استطعتم ثم قال ذرونی ماترکتہم فانما ہلک من کان قبلكم بکثرة سؤالہم واختلافہم علی انبیائہم فاذا امرتکم بشئ فأتوا منہ ما استطعتم واذانہیتکم عن شئ فدعوه“
(رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ کتاب المناسک)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا تو آپ نے فرمایا اے لوگو

تحقیق تم پر حج فرض کر دیا گیا پس حج کرو۔ ایک شخص (اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟ تو آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ سوال کیا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) واجب ہو جاتا تمہیں اس کی طاقت نہ ہوتی۔ پھر آپ نے فرمایا جب میں تمہیں چھوڑ دوں تو تم بھی مجھے چھوڑ دیا کرو بیشک تم سے پہلے لوگ انبیاء کرام سے زیادہ سوال کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو تم اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو، اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو تم اسے چھوڑ دو۔

وضاحت حدیث: ”یا ایہا الناس قد فرض علیکم الحج“ اے لوگو تم پر حج فرض کر دیا گیا۔

حج کب فرض ہوا؟

حضرت ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج نو یا چھ یا پانچ سن ہجری میں فرض کیا گیا۔ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”والأظهر أنه عليه الصلوة والسلام آخره عن سنة خمس أوست لعدم فتح مكة واما تأخيره عن سنة ثمان فلاجل النسي واما تأخيره عن سنة تسع في موقف الصديق هذا“
زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ حج پانچ یا چھ ہجری کو فرض کر دیا گیا تھا، لیکن ان سالوں میں حج نہ کیا جاسکا کیونکہ مکہ مکرمہ اس وقت کفار کے زیر تسلط تھا، لیکن آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے بعد کچھ لوگوں نے عتاب بن اسید کی معیت میں حج کیا۔

خود نبی کریم ﷺ نے اس سال حج نہ کیا تا کہ امت کے لئے یہ جائز ہو سکے کہ جب حج کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے تو اسی سال اگر وہ حج نہ کر سکیں تو وہ گناہگار نہیں ہوں گے۔

پھر نو ہجری میں نبی کریم ﷺ نے خود حج نہ کیا بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت لوگوں نے حج کیا۔

راقم کے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت حج کرانے سے اس طرف اشارہ تھا کہ میرے بعد آپ ہی مسلمانوں کے اجماع سے منصب خلافت پر فائز ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ کے حج میں تاخیر کی عظیم وجہ یہ تھی۔

”وتأخيره عليه الصلوة والسلام ليس يتحقق فيه تعريض الفوات وهو الموجب للفور

لانه كان يعلم انه يعيش حتى يحج ويعلم الناس مناسكهم تكميلاً للتبليغ“

کہ عام لوگوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ حج کے فرض ہونے پر جلدی حج کر لیں کہ زندگی کا پتہ نہیں ہو سکتا ہے کہ موت واقع ہو جائے تو فرض کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے گناہگار ہو کر نہ مرے، لیکن نبی کریم ﷺ کو اپنی زندگی کے متعلق یقین تھا کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو وفات کا علم دے رکھا تھا۔ لہذا آپ پر حج جلدی کرنا ضروری نہیں تھا بلکہ تاخیر میں فائدہ تھا کہ امت کے لئے تاخیر کا جواز ثابت ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو آپ کے ساتھ حج کرنے کا وقت مل سکے تاکہ آپ احکام حج کامل طور پر لوگوں کو سکھاسکیں۔ (ازمرقاۃ، ج ۵، ص ۲۶۳)

فائدہ: ہجرت سے پہلے اگرچہ نبی کریم ﷺ پر حج فرض نہیں تھا لیکن

”قال ابن الاثير كان عليه الصلوة والسلام يحج كل سنة قبل ان يهاجر“

ابن اثیر کہتے ہیں نبی کریم ﷺ ہجرت سے پہلے ہر سال حج کرتے تھے۔

ابن جوزی کا بھی یہی قول ہے۔ اسی کو روایت حاکم کی تائید بھی حاصل ہے۔

”واخرج الحاكم بسند صحيح عن الثوري انه عليه الصلوة والسلام حج قبل ان يهاجر

حججا“

حاکم نے سند صحیح سے ثوری سے روایت کی کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے پہلے کئی مرتبہ حج کیا۔

”واما ما روى الترمذى عن جابر ان النبي ﷺ حج قبل ان يهاجر حجتين وفي رواية

لابن ماجه والحاكم ثلاثا فمبنى على علمه ولا ينافى اثبات زيادة غيره“

ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی کہ ہجرت سے پہلے نبی کریم ﷺ نے دو حج کئے اور ان سے ہی ابن ماجہ نے اور حاکم نے تین حج کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علم کی بات ہے دوسرے حضرات نے اپنے علم کے مطابق ہر سال حج کرنے کا ذکر فرمایا یہ اپنے علم کی بات ہے ان میں کوئی منافات نہیں۔

ہاں البتہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، یہ دس ہجری میں تھا اس کے بعد آنے والے ربیع الاول میں آپ کا وصال ہو گیا۔ (مرقاۃ، ج ۵، ص ۲۶۳)

”وعن ابی ہریرۃ قال سئل رسول اللہ ﷺ ای العمل افضل قال ایمان باللہ ورسولہ قیل ثم ماذا قال الجہاد فی سبیل اللہ قیل ثم ماذا قال حج مبرور“

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ کتاب المناسک)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کون سا عمل افضل ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لانا، پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر پوچھا گیا اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا حج مبرور۔

وضاحت حدیث: ایمان سب سے افضل ہے کیونکہ تمام اعمال کا دار و مدار ایمان پر ہے، پھر جہاد افضل ہے۔

”لان المجاہد لا یكون الا مصلیا وصائما“

کیونکہ مجاہد یقیناً نماز ادا کرنے والا ہوتا ہے اور روزہ رکھنے والا ہوتا ہے۔

اس لئے نماز اور روزہ جہاد سے افضل ہیں ان کے نہ ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد حج مبرور افضل ہے۔

حج مبرور کیا ہے؟

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اصہبانی رحمہ اللہ سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا،

حج مبرور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

”یرجع زاهد فی الدنیا راغب فی الاخرة“

دنیا میں زاہد ہو کر لوٹنا اور آخرت کی طرف رغبت کرنا حج مبرور ہے۔

حج مبرور کا معنی حج مقبول ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے۔

”بر اللہ عملہ ای قبلہ کأنہ احسن الی عملہ بقبولہ“

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل قبول کر کے اس پر احسان فرمایا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے ”برہ ای

احسن الیہ“

واضح ہوا کہ حج مبرور وہ ہے کہ انسان خلوص سے حج کرے، ثواب کی نیت ہو، گناہوں سے محفوظ رہے تو اللہ

تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے، اس کا قبول کرنا بندے پر احسان عظیم ہے۔

☆ حج اس شخص پر فرض ہوتا جو آنے جانے کا خرچ رکھے اور واپسی تک اہل و عیال کا خرچ بھی ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی واضح ہے۔

”وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً“

اور لوگوں پر اللہ کے لئے اس کے گھر کا حج کرنا لازم ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھیں۔

عورت بغیر محرم کے حج نہیں کر سکتی:

”قال رسول اللہ ﷺ لا تسافر امرأة الا ومعها ذو محرم“ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت سفر نہ کرے سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔

”عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال لا تحج امرأة الا ومعها محرم“ (رواہ البزار)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت بغیر محرم کے حج نہ کرے۔

عن ابن جریج قال رسول اللہ ﷺ ”لا تحجن امرأة الا ومعها ذو محرم“

کوئی عورت بغیر محرم کے ہرگز حج نہ کرے۔

ہاں البتہ ساڑھے بانوے کلومیٹر سے سفر کم ہو تو عورت بغیر محرم کے حج کر سکتی ہے۔

محرم وہ ہوتا ہے جس سے شادی کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو، جیسے باپ، بیٹا، ماموں، چچا، بھانجا، بھتیجا وغیرہ۔

ماموں زاد، چچا زاد وغیرہ محرم نہیں ہو سکتے۔ رضاعی طور پر یا نکاح کی وجہ سے کسی سے ہمیشہ نکاح کرنا حرام ہو

جائے تو اس کے ساتھ بھی حج کرنا جائز ہوگا۔ رضاعی بھائی، باپ یا سسر اور خاوند کا بیٹا ہو ان کے ساتھ حج کر سکتی ہے

لیکن بہنوئی کے ساتھ نہیں کیونکہ اس سے عارضی طور پر نکاح حرام ہے ایک بہن کے فوت ہونے یا مطلقہ ہونے پر اس

کی بہن سے نکاح جائز ہے۔

عورت اپنے خاوند کے ساتھ حج کر سکتی ہے اگرچہ وہ محرم نہیں لیکن مقصد قنہ سے عورت کو بچانا ہے وہ خاوند

کے ساتھ بہتر اور کامل طریقہ سے حاصل ہے۔

احرام باندھنا:

جب کوئی شخص احرام کا ارادہ کرے، غسل کرے یا وضوء کرے، البتہ غسل کرنا افضل ہے۔ مرد کے لئے

ضروری ہے کہ وہ دو چادریں استعمال کرے ایک ستر عورت کے لئے کمر سے باندھے اور دوسری کندھوں پر لپیٹے، سلا ہوا

کپڑا شلوار قمیص وغیرہ نہیں پہن سکتا۔ سلائی کا یہ مطلب نہیں کہ چادر کی کناری کا سلائی کرنا بھی منع ہے، یہ لوگوں میں

غلط مشہور ہے۔ یہ چادریں استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ اگر خوشبو میسر ہو تو وہ لگا لے، اور دو رکعت نماز احرام کی نیت

سے پڑھے۔

”لما روی عن ابن عباس ان النبی ﷺ صلی بذی الحلیفۃ رکعتین عند احرامہ“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے احرام کے وقت ذوالحلیفہ کے مقام پر

دو رکعت ادا فرمائیں۔

نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

(ترمذی، نسائی)

”لما روی ان النبی ﷺ لَبَّی فی دبر صلوٰتہ“

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز کے بعد تلبیہ پڑھا۔

ساتھ ہی حج کی نیت کر لے اگر صرف حج کا احرام باندھا ہے تو۔ نیت یہ ہے کہ اے اللہ میں تیرے لئے حج کر رہا ہوں تو اسے قبول فرما اور میرے لئے حج کرنا آسان فرما۔

تلبیہ یہ ہے:

”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ“

خیال رہے نیت کی تکمیل ہی تلبیہ سے ہوتی ہے، صرف نیت سے احرام کافی نہیں۔

مسئلہ: احرام میں مرد جس طرح شلوار اور قمیص نہیں پہن سکتا اسی طرح سر کو پگڑی، ٹوپی وغیرہ کسی چیز سے نہیں ڈھانپ سکتا، اور جو تا وہ استعمال کر سکتا ہے جس سے اس کے پاؤں کے درمیان اوپر والا حصہ ننگا ہو۔ عام طور پر ہوائی چپل ہی استعمال ہو رہی ہے۔ کوئی اور جو تا پہننے سے ہر طرف سے اعتراض شروع ہو جاتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیالکوٹی دیسی جوتے جو ٹخنے سے بھی نیچے ہوتے ہیں اور پاؤں کا نیچہ معمولی ان سے ڈھانکا جاتا ہے ان کا استعمال جائز ہے۔

مسئلہ: مرد احرام کی حالت میں اپنے سر کو بھی نہ ڈھانپے اور چہرہ کو بھی نہ ڈھانپے۔

”عن ابن عمر احرام الرجل فی رأسه واحرام المرأة وجهها“ (رواہ دارقطنی والبیہقی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مرد کا احرام اس کے سر میں ہے اور عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔

”عن ابن عباس أن رجلاً واقفته راحلته فمات فقال رسول الله ﷺ اغسلوه بماء و سدر و كفنوه فی ثوبیه و لا تمسوه طیار و لا تخمر و رأسه و وجهه فانه یبعث یوم القيامة ملبیا“ (رواہ مسلم و نسائی و ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک شخص (احرام کی حالت میں) سواری سے گر کر فوت ہو گئے ان کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو غسل دے دو پانی اور پیری کے پتوں سے، اور دو کپڑوں میں کفن دے دو، اور خوشبو نہ لگاؤ، اور سر اور چہرے کو نہ ڈھانپو بیشک یہ شخص قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔

مسئلہ: عورت سلے ہوئے کپڑے پہنے گی۔ سر کو ڈھانپ کر رکھے گی۔ صرف چہرہ انکار رکھے گی۔ اگر پردہ کرنا چاہے تو سر پر ایسے ٹوپی پہن لے جس کا کچھ حصہ آگے کی طرف بڑھا ہوتا ہے (ہیٹ) اس کے اوپر کپڑا اوڑھ لے جو چہرے سے ہٹ کر رہے۔ اسی طرح عورت تلبیہ بلند آواز سے نہیں پڑھے گی اور مرد تلبیہ بلند آواز سے پڑھے گا۔

مسئلہ: احرام کی حالت میں خوشبو لگانا، بال منڈانا یا کٹانا، تیل لگانا، ناخن کٹانا منع ہے۔ البتہ غسل کرنا جائز ہے لیکن خوشبودار صابن یا میل اتارنے والے صابن کا استعمال منع رہے گا۔

مسئلہ: احرام کی حالت میں پیسوں والی تھیلی یا پیٹی کمر سے باندھنا جائز ہے۔

مسئلہ: نمازوں کے بعد اور سحری کے وقت اور کسی سوار کو ملتے وقت اور کسی بلند جگہ چڑھتے وقت یا پستی کی ابرائیب اترتے وقت تلبیہ زیادہ پڑھے اور آواز بلند کرے، صحابہ کرام کا اسی پر عمل تھا۔

طواف قدوم:

مکہ مکرمہ میں پہنچ کر سب سے پہلے مسجد حرام میں آئے، کعبہ شریف کو دیکھ کر ”اللہ اکبر“، اور ”لا الہ الا اللہ“ پڑھے، اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر رکھ کر دعاء کرے۔

پھر حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرے، سب سے پہلے اگر کسی کو تکلیف دینے کے بغیر حجر اسود کو چومنا ممکن ہو تو چومے۔

”لما روی ان النبی علیہ السلام قبل الحجر الاسود و وضع شفتیه علیہ“

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حجر اسود کو چوما اور اس پر اپنے ہونٹ مبارک رکھے۔

لیکن حجر اسود کو چومنا مستحب ہے، کسی کو تکلیف نہ دینا واجب ہے، لہذا اگر کسی کو تکلیف دینے کے بغیر چومنا ممکن ہو تو چومے ورنہ ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لے، اگر ہاتھ لگانا بھی ممکن نہ ہو تو اپنی چھتری وغیرہ حجر اسود کو لگا کر چھتری کو چوم لے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف حجر اسود کو دیکھ کر ”اللہ اکبر“ اور ”لا الہ الا اللہ“ اور ”الحمد للہ“ اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھ لے۔

”قال رسول اللہ ﷺ لعمرانک رجل ایدتؤذی الضعیف فلا تراحم الناس علی الحجر
ولکن ان وجدت فرجة فاستلمه والا فاستقبله وهلل وکبر“

(رواہ ابو یعلیٰ و احمد واسحق بن راہویہ و الشافعی رحمہم اللہ)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا بیشک تم طاقت ور شخص ہو، کمزور لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا، حجر اسود پر لوگوں سے مزاحمت (بھیڑ کرنا، اڑدھام کرنا) نہ کرنا، اگر جگہ کشادہ مل جائے تو حجر اسود کا استلام کر لینا (چوم لینا یا ہاتھ لگا لینا) ورنہ صرف استقبال کر لینا اور ”لا الہ الا اللہ“ اور ”اللہ اکبر“ پڑھ لینا۔

”روی انه علیہ السلام طاف علی راحلته واستلم الارکان بمحجنه“

نبی کریم ﷺ نے اپنی سواری پر طواف کیا اور حجر اسود اور رکن یمانی کا اپنے عصا سے استلام فرمایا۔

”عن سويد بن غفلة ان عمر قبل الحجر والتزمه وقال رأيت ابا القاسم ﷺ بك حفيا“

(نسائی)

سويد بن غفلة فرماتے ہیں کہ بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چوما اور لازم پکڑا اور فرمایا میں نے ابو القاسم ﷺ کو تمہارے ساتھ اسی شفقت سے درپیش آتے ہوئے دیکھا۔

لازمی طور پر جگہ کشادہ ملنے پر آپ نے چوما۔ اور یہ یاد رہے کہ اس مقام پر ”التزمہ“ کا معنی گلے لگانا نہیں، کیونکہ حجر اسود ایک کونے میں نصب ہے وہاں گلے لگانا ممکن ہی نہیں۔ ابو القاسم رسول اللہ ﷺ کی کنیت ہے۔

”عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الحجر الاسود من الجنة“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حجر اسود جنت سے آیا ہوا ہے۔
(حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو جنت سے حجر اسود کو بھی ساتھ لائے)۔

”عن عابس بن ربیعہ قال رأیت عمر جاء الى الحجر فقال انی لأعلم انک حجر و
لولا انی رأیت رسول اللہ ﷺ یقبلک ما قبلتک ثم ذنامنه فقبله“
(نسائی)

حضرت عابس بن ربیعہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ حجر اسود کے پاس آئے تو
فرمایا۔ بیشک میں جانتا ہوں بیشک تو پتھر ہے، اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تمہیں چومتے ہوئے نہ دیکھتا
تو میں تمہیں نہ چومتا۔ پھر آپ اس کے قریب ہوئے اور اسے چوما۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ”انک حجر لا تضرو ولا تنفع“ بیشک تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا
سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تو پتھر ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع اور نقصان نہیں
پہنچا سکتا۔ وجہ اصل میں یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت قریب ہی گذرا تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ حجر اسود کو چومتے ہوئے دیکھ
کر کوئی بت پرستی کو جائز نہ سمجھ لے، جہاں تک تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے نفع و نقصان پہنچانے کا اس پر حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی روایت شاہد ہے۔

”قد روی الحاکم من حدیث ابی سعیدان عمر رضی اللہ عنہ لما قال هذا قال له علی
بن ابی طالب انه یضرو ینفع و ذکر ان اللہ تعالیٰ لما اخذ الموائق علی ولد آدم کتب
ذلک فی ورق والقمه الحجر قال و سمعت رسول اللہ ﷺ یقول یوتی یوم القیامۃ
بالحجر وله لسان ذلق یشهد لمن یتسلمه بالتوصیة“

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا ”بیشک تو پتھر ہے کوئی نفع اور
نقصان نہیں پہنچا سکتا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے، اور آپ نے
ذکر فرمایا بیشک جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے وعدہ لیا تو اسے لکھ کر اسی پتھر میں ڈال دیا۔ اور

آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن حجر اسود کو زبان دی جائے گی جو لوگ اس کا استلام کریں گے ان کے حق میں گواہی دے گا۔ (حاشیہ نسائی)

”عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ نزل الحجر الاسود من الجنة وهو اشد بياضاً من اللبن فسودته خطايا بني آدم“ (رواه احمد والترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حجر اسود جنت سے اتر رہا ہے یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، انسانوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔

”وعن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الركن والمقام ياقوتان من ياقوت الجنة طمس الله نورهما ولولم يطمس نورهما لضاء ما بين المشرق والمغرب“

(رواه الترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا بیشک حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو مٹا دیا۔ اگر ان کے نور کو نہ مٹایا جاتا تو یہ مشرق و مغرب کے درمیان (تمام جگہ کو) روشن کر دیتے۔

طوافِ حطیم کے باہر سے کرے:

جہاں کعبہ شریف کا میزاب رحمت (رحمت والا پرنا لہ) گرتا ہے اس کے باہر چھوٹی چھوٹی دیوار سے کچھ حصہ علیحدہ کیا ہوا ہے اسے حطیم کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ شریف کا ہی حصہ ہے۔

”عن عائشة قالت كنت احب ان ادخل البيت فاصلى فيه فاخذ رسول الله ﷺ بيدي فادخلني الحجر فقال اذا اردت دخول البيت فاصلى ههنا فانما هو قطعة من البيت و لكن قومك اقتصروا حيث بنوه“ (نسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں یہ پسند کرتی تھی کہ میں بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر نماز ادا کروں، تو رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر مجھے حطیم میں داخل کر دیا۔ پھر آپ نے

فرمایا جب تم بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا ارادہ کرو تو یہاں نماز ادا کر لو بیشک یہ بیت اللہ شریف کا حصہ ہی ہے، لیکن تماری قوم نے جب اسے تعمیر کیا تو چھوٹا کر دیا۔

طواف قدوم میں اضطباع کرے:

اضطباع کا یہ مطلب ہے کہ کندھوں پر اوڑھنے والی چادر دائیں بغل کے نیچے سے گزارے اور بائیں کندھے کے اوپر کرے یہ سنت ہے۔

پہلے تین چکروں میں رمل کرے:

رمل کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح مجاہد میدان جنگ میں صفوں کے درمیان اپنی بہادری دکھانے کے لئے کندھوں کو ناز و نخر سے ہلا کر چلتا ہے اس طرح یہ طواف کرنے والا بھی چلے۔

مقام توجہ: جب مسئلہ یہ ہے کہ جماعت ہو رہی ہو تو امام رکوع میں چلا گیا تو کوئی شخص رکعت کو حاصل کرنے کے لئے دوڑ کر رکوع میں آ کر نہ ملے بلکہ آہستہ آہستہ چل کر آئے رکعت مل جائے تو بہتر ورنہ سلام کے بعد اپنی رکعت مکمل کر لے، کیونکہ مسجد میں دوڑنا مسجد کی تعظیم کے منافی ہے۔ لیکن مسجد حرام جس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے اس میں ناز و نخرے اور تکبرانہ انداز پر چلنے کا کیا مقصد ہے؟ ہاں مقصد صرف یہ ہے کہ حج اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی یاد تازہ رکھنے کا نام ہے، آئیے رمل کرنے کی وجہ دیکھئے۔

”عن ابن عباس قال لما قدم النبی ﷺ واصحابه مكة قال المشركون وهنتهم حمى يشرب ولقوا منها شر افاطع الله نبيه ﷺ على ذلك فامر اصحابه ان يرملوا“ (نسائی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تشریف لائے تو مشرکین نے کہا ان لوگوں کو یشرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ انہوں نے وہاں سے شرب حاصل کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس پر مطلع فرما دیا تو آپ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ رمل کرو۔

جب صحابہ کرام نے رمل کیا، مجاہدین کی طرح طواف کیا تو وہ دیکھ کر کہنے لگے یہ فلاں شخص تو ہمارے فلاں سے بہادر نظر آتا ہے، اس طرح انہوں نے کئی حضرات کے نام لئے۔

اب اگرچہ کفار کو اپنی بہادری دکھانی مقصود نہیں ہوتی لیکن رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی اداء کو حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

طواف کے آخری چار چکر:

رمل صرف پہلے تین چکروں میں ہے۔ طواف کے آخری چار چکر آرام آرام سے چلے، اور طواف کے ہر چکر میں حجر اسود سے گزرتے ہوئے استلام کرے، اگر استلام نہ کر سکے تو صرف استقبال کر لے۔

”عن ابن عمر قال رمل رسول الله ﷺ من الحجر ثلاثا ومشى اربعاً“

(رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود تک تین چکر رمل کیا اور چار چکر آہستہ آہستہ چلے۔

تذبیہ: رمل کا کوئی بدل نہیں، اس لئے اگر ہجوم ہو رمل نہ کر سکے تو رک جائے، جس وقت رمل کا موقع مل سکے اس وقت طواف کرے اور رمل بھی کرے۔

طواف قدوم کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا:

طواف مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آکر دو رکعت ادا کرے، اگر مقام ابراہیم کے پاس ممکن نہ ہو تو مسجد حرام میں جہاں بھی جگہ میسر ہو وہاں ہی ادا کر لے۔ یہ دو رکعت ادا کرنا واجب ہے۔ البتہ اوقات مکروہہ ہوں جن میں نماز ادا کرنا منع ہے تو تاخیر کرے۔ یعنی طواف کرنے میں ممانعت نہیں تاہم نماز اوقات مکروہہ کے بعد ادا کرے۔ یہی حکم عصر کے بعد اور صبح صادق کے بعد کا بھی ہے۔ کیونکہ ان دو رکعت کے واجب ہونے اور مستحب ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ لہذا ان اوقات سے بھی مؤخر کیا جائے۔

تذہیب: طواف قدوم کا دوسرا نام طواف تحیہ ہے، یہ طواف سنت ہے، واجب نہیں، یہ آفاقی لوگوں کے لئے سنت ہے، میقاتوں کے اندر رہنے والے حضرات کے لئے طواف قدوم نہیں۔

سعی کرنا:

صفا سے مروہ پر آنا ایک چکر ہے، پھر مروہ سے صفا پر آنا دوسرا چکر ہے، اس طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگانا سعی کہلاتا ہے جو حج میں واجب ہے۔ نشی جگہ جس کو آجکل بجلی کی سبز رنگ کی ٹیوب سے واضح کیا گیا ہے اس جگہ تک مرد کو دوڑنا ضروری ہے، عورت اس جگہ بھی آہستہ آہستہ چلے، اس کے پردے کا لحاظ کیا گیا ہے۔

صفا اور مروہ کا ذکر ”ان الصفا والمروة من شعائر الله“ کے بیان میں ہو چکا ہے۔

صفا پر کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور درود شریف پڑھے پھر دعا کرے، مروہ پر بھی اسی طرح کرے۔

پھر مکہ مکرمہ میں ہی حالت احرام میں ہی رہے جب بھی طواف کر سکے تو طواف کرے، ہر طواف کے بعد دو رکعت ادا کرے، دوران طواف دعاء کرے اور ذکر کرے، البتہ دنیاوی باتیں نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

”الطواف صلوة“ طواف نماز (کی طرح) ہے۔

جس طرح نماز میں کلام کرنا منع ہے، اسی طرح طواف میں بھی منع رہے گا، اور یہ بھی خیال رہے کہ آفاقی شخص کو نوافل ادا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ وہ طواف کرے۔

منی میں جانا:

آٹھ ذی الحج کو صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھ کر منی میں جانا ہے۔

”عن جابر ان النبی ﷺ صلی الفجر یوم الترویة بمكة فلما طلعت الشمس راح الی

منی فصل بمنی الظهر والعصر والمغرب والعشاء ثم راح الی عرفات“

(ہذہ قطعۃ من روایۃ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ آٹھ ذی الحجہ کو صبح کی نماز مکہ مکرمہ میں ادا کی جب سورج طلوع ہو گیا تو آپ منیٰ کی طرف چلے، وہاں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر (نوذی الحج کو صبح کی نماز کے بعد) عرفات کی طرف چلے۔

مسئلہ: اگر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں ہی رہا اور نوذی الحج کو فجر کی نماز ادا کر کے عرفات کی طرف چلا اور منیٰ کے راستہ سے گذرنا تو جائز ہے لیکن سنت رسول اللہ ﷺ کا تارک ہو گیا۔

عرفات میں جانا:

نوذی الحج منیٰ میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد عرفات کی طرف چل پڑے۔ عرفات میں ظہر کا وقت شروع ہوتے ہی اذان ہوگی اور اقامت پھر امام ظہر کی نماز پڑھائے گا۔ پھر ساتھ عصر کی نماز کی اقامت ہو جائے گی اور عصر کی نماز امام پڑھائے گا، عصر کے لئے دوسری اذان نہیں ہوگی۔ دونوں نمازوں کے فرض ادا کئے جائیں گے، ان کے درمیان سنتیں اور نوافل ادا نہیں کئے جائیں گے۔ امام خطبہ دے گا۔

”عن جابر ان النبی ﷺ صلاهما باذان واقامتین“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں سے پڑھائیں۔

تذبیہ: دو نمازوں کو وہی لوگ جمع کریں جو وہاں کے امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں، جو لوگ اپنی اپنی جگہ نماز ادا کریں گے وہ ہر نماز کو اپنے اپنے وقت میں ادا کریں گے، یہ لوگ سنتیں بھی ادا کریں گے۔

مقام عرفات میں ٹھہرنا فرض ہے:

نوذی الحج کے دن کو یا آنے والی رات کو مقام عرفات سے گذر گیا تو حج ادا ہو جائے گا اگر مقام عرفات پر نہ پہنچ سکا تو حج ادا نہیں ہوگا، آئندہ سال حج قضاء کرنا پڑے گا۔

عرفات تمام ہی ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے بطنِ عرنہ کے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

”عرفات کلہا موقف وارتفعوا عن بطنِ عرنہ والمزدلفۃ کلہا موقف وارتفعوا عن وادیِ محسر“

عرفات تمام ہی ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے بطنِ عرنہ کے اور مزدلفہ تمام ہی ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے وادیِ محسر کے۔

مقام عرفات میں دعاء کرنا:

دعاء کرتے وقت منہ قبلہ کی طرف کرے، اور بڑی عاجزی سے دعاء کرے۔

”قال رسول اللہ ﷺ لكل شیء شرفا وان شرف المجالس ما استقبل به القبلة“

(رواہ الحاکم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کو شرافت اور بلندی حاصل ہے، مجالس کی شرافت یہ ہے کہ منہ قبلہ کی طرف کیا جائے۔

”عن ابن عباس عن الفضل قال رأیت رسول اللہ ﷺ واقفا بعرفة مادایدیه کالمستطعم“

(اخرجه البزار)

رسول اللہ ﷺ نے مقام عرفات پر اس طرح ہاتھ پھیلا کر (عاجزی سے) دعاء کی جس طرح طعام طلب کرنے والا ہاتھ پھیلاتا ہے۔

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما رأیتہ علیہ الصلوۃ والسلام یدعو بعرفة الی صدرہ

(رواہ البیہقی)

کالمستطعم المسکین“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام عرفات پر دعا کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو سینہ کے برابر اٹھایا ہوا ہے اور ایسے دعاء کر رہے ہیں جس طرح کوئی مسکین طعام طلب کر رہا ہو۔

مقام عرفات اگرچہ تمام ہی ٹھہرنے کا مقام ہے لیکن جبل رحمت کے پاس ٹھہرنا نصیب ہو جائے تو یہ خوش بختی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نماز کے بعد اسی مقام پر ٹھہرے۔

مقام عرفات میں وقتاً فوقتاً تلبیہ پڑھتا رہے۔

”لأن النبی ﷺ مازال یلبی حتی اتی جمرة العقبة“

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ جمرة عقبہ تک پہنچنے کے وقت تک تلبیہ پڑھتے رہے۔

مزدلفہ میں آنا:

نوذی الحج کا سورج جب غروب ہو جائے تو وہاں کا امام اور تمام لوگ آہستہ آہستہ چلیں یہاں تک کہ مزدلفہ میں آجائیں، اگر جبل قزح کے قریب جگہ مل جائے تو خوش قسمتی ورنہ مزدلفہ کے کسی مقام پر ٹھہر جائے۔ امام لوگوں کو مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھائے۔ یعنی یہاں دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جائے گا، ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی نوافل نہیں پڑھے جائیں گے۔

مقام توجہ: اس دن مغرب کی نماز مزدلفہ میں پہنچنے سے پہلے ادا نہیں کی جائے گی۔ یعنی مزدلفہ میں پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز کا وقت ہی شمار نہیں ہوگا۔ اگر راستہ میں مغرب کی نماز ادا کی تو وہ نماز نہیں ہوگی۔

مزدلفہ میں فجر کی نماز:

صبح صادق ہوتے ہی اندھیرے میں ہی امام فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھا دے۔ تاکہ نماز کے بعد زیادہ دیر ٹھہرنے اور دعاء کرنے کا وقت میسر ہو سکے، اندھیرے میں نماز ادا کرنے پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز عام معمول سے ہٹ کر سویرے اندھیرے میں پڑھائی۔

نماز کے بعد مقام مزدلفہ میں رک کر دعاء کی جائے۔ دعاء عاجزی سے ہاتھ پھیلا کر کرے جیسا کہ عرفات میں دعاء کرنے کا ذکر ہو چکا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”ان النبی ﷺ وقف فی هذه الموضع (ای المشعر الحرام) يدعو“

نبی کریم ﷺ مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس دعاء کرنے کے لئے ٹھہرے۔

مزدلفہ میں ٹھہرنا حج میں واجب ہے، واجب کے چھوٹ جانے سے دم (جانور ذبح کرنا) لازم آ جاتا ہے۔

مقام مزدلفہ تمام ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے سوائے وادی محسر کے، جیسا کہ پہلے حدیث پاک کو ذکر کیا گیا ہے۔

مزدلفہ سے منی میں آنا:

صبح کی نماز کے بعد مزدلفہ میں دعاء میں مشغول رہے جب روشنی خوب ہو جائے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے چل کر منی میں آجائیں۔ یہ ذی الحج کی دس تاریخ ہوگئی۔

فائدہ: ضعیف حضرات اور عورتیں اگر مزدلفہ میں کچھ دیر رک کر اژدھام سے بچنے کی غرض سے رات کو ہی منی میں آجائیں تو جائز ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل کے ضعیف حضرات کو رات میں ہی منی بھیج دیا تھا۔

”عن ابن عباس قال انما من قدم النبی ﷺ ليلة المزدلفة فی ضعفه اهله“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اپنی اہل کے جن ضعیف لوگوں کو مزدلفہ سے رات کو ہی بھیج دیا تھا میں بھی ان میں تھا۔ (کیونکہ یہ اس وقت بچے تھے)

پتہ چلا کہ ضعیف سے مراد صرف بوڑھے ہی نہیں بلکہ عورتیں اور بچے بھی مراد ہیں۔

کنکریاں مارنا:

جب منی میں پہنچیں تو سب سے پہلے جمرات کے پاس آجائیں کنکریاں ماریں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے منی میں پہنچتے ہی بغیر ٹھہرنے کے سب سے پہلے کنکریاں ہی ماری ہیں۔

سات کنکریاں ماری ہیں۔ چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہوں جو دوسرے کسی شخص کو تکلیف نہ دیں، مستحب یہ ہے کہ حجرہ سے پانچ ذراع (تقریباً آٹھ فٹ) کے فاصلہ سے کنکریاں مارے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر کنکری کو رکھ کر شہادت انگلی سے پھینک دے۔ لیکن آجکل بہت سے زیادہ ہجوم ہوتا ہے، اس لئے اتنی دور سے کھڑے ہو کر کنکریاں مارے جو حجرہ کے قریب پہنچ جائیں۔ اگر بہت دور ہیں تو رمی (کنکریاں مارنے کا فعل) نہیں ہوگی۔ کنکری ایک ایک کر کے مارے، اگر سات کنکریاں ایک ہی مرتبہ مار دے تو ایک ہی کنکری شمار ہوگی۔

فائدہ: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب حکم ہوا کہ اپنے بیٹے کی قربانی کرو تو آپ اسمعیل علیہ السلام کو قربانی کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں تو آپ کو شیطان نے وسوسہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی، آپ نے اسے کنکریاں مار کر بھگا دیا، اسی مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں شیطان کو ایک مرتبہ تھوڑا آگے جا کر دوسری مرتبہ پھر ذرا آگے جا کر تیسری مرتبہ کنکریاں ماریں، تینوں مرتبہ اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا“ حاجی حضرات کنکریاں مار کر آپ کی یاد کو تازہ کرتے ہیں، ورنہ اب وہاں کوئی شیطان نہیں ہوتا۔

کنکریاں مارنے کا مستحب وقت:

دس ذی الحجہ کو سورج کے ڈھلنے سے پہلے کنکریاں مارنا مستحب ہے۔ تاہم آجکل بہت زیادہ ہجوم کی وجہ سے کنکریاں مارنا سب سے مشکل کام ہے، بعض اوقات ایک دوسرے سے دھکا لگنے کی وجہ سے کئی لوگ گر کر ہجوم کے پاؤں سے روندے جانے کی وجہ سے اس دنیا سے چل بسے ہیں، اس لئے اگر کوئی شخص سورج کے ڈھلنے سے پہلے کنکریاں مارنے کی ہمت نہ سمجھے تو بعد میں جس وقت بھی ہمت سمجھے کنکریاں مار لے کیونکہ جان بچانا بھی فرض ہے۔ البتہ کوشش کر کے دیکھ لے کہ اگر سورج کے ڈھلنے سے پہلے کنکریاں مار سکے تو بہتر ہے۔ یہ بھی یاد رہے پہلے دن صرف حجرہ عقبہ کو کنکریاں ماری جائیں گی۔

قربانی کرنا:

اگر کوئی شخص مسافر نہیں اور صاحب نصاب ہے تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ اگر صاحب نصاب نہیں یا کوئی شخص مسافر ہے تو اس پر قربانی کرنی واجب نہیں ہوگی۔ وہ چاہے تو قربانی کرے چاہے تو نہ کرے۔ قربانی کرنا اس کے لئے مستحب ہے۔

حلق یا قصر کرنا:

قربانی کے بعد سر منڈائے یا انگلی کے پورے برابر بال چھوٹے کرادے۔ البتہ بال منڈانا افضل ہے۔
 ”عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ رحم الله المحلقين قالوا والمقصرين يا رسول الله فلما كانت الرابعة قال والمقصرين“
 (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔ صحابہ کرام نے فرمایا۔ ”بال چھوٹے کرانے والوں پر بھی“ تو آپ نے چوتھی مرتبہ اپنی دعاء میں بال چھوٹے کرانے والوں کو شامل کیا اور کہا کہ بال چھوٹے کرانے والوں پر بھی اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

حلق کے ساتھ احرام کی کافی پابندیاں ختم:

جب انسان نے سر منڈا لیا یا بال چھوٹے کرالے تو اس کے لئے ہر وہ چیز حلال ہوگئی جو احرام کی وجہ سے اس پر منع تھی سوائے عورتوں کے، ابھی تک زوجہ سے وطی کرنا جائز نہیں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”حل له كل شيء الا النساء“

(اخرجه الطبرانی)

اس کے لئے سوائے عورتوں کے ہر چیز حلال ہوگئی۔

طواف زیارۃ کرنا:

طواف زیارۃ فرض ہے، دس ذی الحج کی صبح کو اس وقت شروع ہو جاتا ہے، بہتر یہی ہے کہ دس ذی الحج کو ہی طواف کرے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سرمنڈانے کے بعد مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور طواف زیارۃ کیا لیکن اگر دیر ہو جائے تو گیارہ اور بارہ ذی الحج کو بھی طواف کیا جاسکتا ہے۔

تنبیہ: اگر ایک شخص نے طواف قدم کر لیا تھا اس میں رمل بھی کر لیا تھا اور طواف قدم کے بعد صفا و مروہ میں سعی بھی کر لی تھی تو اب طواف زیارۃ میں رمل بھی نہیں کرے گا اور اس کے بعد سعی بھی نہیں کرے گا، لیکن اگر پہلے کسی وجہ سے سعی نہیں کر سکا تو اب طواف زیارۃ میں رمل کرے گا اور اس کے بعد سعی بھی کرے گا۔

طواف کے بعد دو رکعت ادا کرے اور ہر مرتبہ حجر اسود سے گذرتے ہوئے استلام کرے۔

عورتوں کا حلال ہونا:

طواف زیارۃ جب کر لیا تو اب احرام کی مکمل پابندی ختم ہو گئی، یعنی زوجہ سے جماع کرنا جو ابھی تک حرام تھا اب وہ بھی جائز ہو گیا۔

تنبیہ: اگر بارہ ذی الحج سے بھی طواف زیارۃ کو مؤخر کر دیا تو اس شخص پر دم (جانور کا ذبح کرنا) لازم آجائے گا۔

گیارہ ذی الحج کو کنکریاں مارنا:

گیارہ ذی الحج کو جب سورج ڈھل جائے تو تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں مارنی ہوں گی۔ ابتداء اس جمرہ سے کرے گا جو مسجد خیف کے قریب ہے، پھر جو اس کے قریب ہے، پھر آخر میں جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارے گا، کنکریاں مارتے ہوئے اللہ اکبر پڑھے۔ ایک جمرہ کو کنکریاں مار کر رک جائے، تحمید، تہلیل کرے، ثناء پڑھے اور نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھے اور اپنی حاجت کے لئے دعاء کرے اور دعاء کرتے وقت ہاتھ اٹھائے، پھر دوسرے جمرہ

کو کنکریاں مارے، البتہ تیسرے جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار کر رکے نہیں، لیکن آجکل بہت زیادہ ہجوم کی وجہ سے رک کر تحمید و تہلیل وغیرہ اور دعاء کرنا بہت مشکل کام ہے جان بچاتے ہوئے چلتے ہوئے ذکر کرنا اور دعاء کرنا بہتر نظر آتا ہے۔

بارہ ذی الحج کو کنکریاں مارنا:

جس طرح گیارہ ذی الحج کو سورج ڈھلنے کے بعد کنکریاں ماری گئیں اسی طرح بارہ ذی الحج کو بھی ماری جائیں، یعنی تینوں جمرات کو کنکریاں مارے، ہر جمرے کو کنکریاں مار کر رک کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور دعاء کرے، اور اس دن بھی کنکریاں مارنے کا مستحب وقت سورج ڈھلنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔

تیرہ ذی الحج کو کنکریاں مارنا:

بارہ ذی الحج کو کنکریاں مار کر مکہ مکرمہ میں آنے کی اجازت ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص رات منی میں ہی رہا تو تیرہ ذی الحج کو بھی سورج کے ڈھلنے کے بعد کنکریاں مار کر مکہ مکرمہ میں آئے، البتہ اس دن سورج کے ڈھلنے سے پہلے بھی کنکریاں مار کر مکہ مکرمہ میں آنا جائز ہے۔

البتہ یہ خیال رہے کہ تیرہ ذی الحج کو بھی کنکریاں مار کر آنا افضل ہے۔

”لما روی ان النبی ﷺ صبر حتی رمی الجمار الثلاث فی اليوم الرابع“ (ابوداؤد)
کیونکہ نبی کریم ﷺ وہاں رکے، یہاں تک کہ تیرہ ذی الحج کو بھی کنکریاں مار کر وہاں سے چلے۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل ان شاء اللہ ”فمن تعجل فی یومین فلاثم علیہ ومن تأخر فلاثم علیہ لمن اتقی“ کی وضاحت میں آجائے گی۔

آٹھ ذی الحج کے بعد اور دس ذی الحج کے بعد اور گیارہ کے بعد آنے والی راتیں منی میں ہی گزاری جائیں، وہاں رات نہ گزارنا مکروہ ہے۔

(ابوداؤد)

”لما روی ان النبی ﷺ بات“

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ راتیں منی میں ہی گزاریں۔

طواف وداع:

مکہ مکرمہ میں پہنچ کر طواف کرے، اس طواف میں رمل نہیں، اس طواف کو طواف صدر اور طواف آخر عہد بالیت بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ”صدر یصدر“ کا معنی ہے رجوع کرنا، یہ طواف بھی لوٹنے اور کعبہ شریف کو الوداع کرنے کی غرض سے آخری طواف ہوتا ہے، اسی لئے اس کے یہ نام ہیں۔ یہ طواف واجب ہے۔

مسئلہ: عورت حج میں تمام کام وہی کرے گی جو مرد کرتا ہے، البتہ چند کاموں میں عورت مرد سے مختلف رہے گی۔ عورت اپنا سر ننگا نہیں کرے گی۔ البتہ چہرہ ننگا کر سکتی ہے۔ چہرے کا پردہ کرے تو کوئی چیز سر پر ایسی استعمال کرے جس سے لٹکانے والا کپڑا اس کے چہرے سے مس نہ کرے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

اور عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے بلکہ آہستہ آواز میں پڑھے اور عورت رمل نہیں کرے گی۔ اور عورت صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے گی نہیں۔ اگرچہ یہ سنت حضرت ہاجرہ کی ہے جو عورت ہیں لیکن آپ جب دوڑی تھیں تو اس وقت کوئی مرد وہاں موجود نہیں تھا۔ اب وہاں مرد بھی ہوتے ہیں، اس لئے عورت کے دوڑنے میں اس کی بے پردگی ہوتی ہے، لہذا اس کے پردے کا لحاظ کر کے اسے دوڑنے سے منع کر دیا گیا۔

اور عورت سر نہیں منڈائے گی البتہ انگلی کے پورے کے برابر لٹکے ہوئے بالوں کو نیچے سے کٹوائے۔

اور عورت سلے ہوئے کپڑے پہنے گی، چادریں استعمال نہیں کرے گی۔

مسئلہ: اگر عورت کو حیض آجائے تو باقی تمام کام حج کے کر لے سوائے طواف کے، کیونکہ حیض کے دنوں میں عورت کو طواف کرنا منع ہے، اگر طواف زیارۃ سے پہلے حیض آجائے تو حیض کے ختم ہونے اور طواف کرنے تک وہاں رکنا پڑے گا، لیکن طواف زیارۃ اگر کر لیا اور طواف وداع رہتا تھا تو طواف وداع کئے بغیر عورت کو وہاں سے چلے آنا جائز ہے۔

مسئلہ: طواف وداع آفاقی لوگوں کے لئے واجب ہے جو میقاتوں کے اندر رہنے والے ہیں ان کے لئے طواف وداع واجب نہیں، اسی طرح اگر آفاقی شخص حج کے بعد مکہ میں ہی مقیم ہو گیا تو یہ بھی مکی کے حکم میں ہوگا۔ ہاں البتہ عارضی سکون سے مکی نہیں بنے گا بلکہ اسے طواف وداع کرنا واجب ہوگا۔

آیہ کریمہ کا شان نزول:

”اخرج الشافعی و احمد و ابن شیبہ و البخاری و مسلم و ابوداؤد و الترمذی و النسائی عن یعلی بن امیة قال جاء رجل الى النبی ﷺ وهو بالجعرانة علیه جبة وعلیها خلوق فقال کیف تأمرنی ان اصنع فی عمرتی قال فانزل علی النبی ﷺ فتستربثوب وکان یعلی یقول وددت انی اری النبی ﷺ و قد انزل علیه الوحی فقال عمر ایسرک ان تنظر الی النبی ﷺ و قد انزل علیه الوحی فرفع عمر طرف الثوب فنظرت الیه له غطیط کغطیط البکر فلما سری عنه قال این السائل عن العمرۃ اغسل عنک اثر الخلق واخلع عنک جبتک و اصنع فی عمرتک ما انت صانع فی حجک“

(درمنثور)

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مقام جعرانہ میں حاضر ہوا جبہ پہنا ہوا تھا اور اس نے خوشبو لگائی ہوئی تھی۔ اس نے عرض کیا آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں کہ میں عمرہ میں کس کس طرح عمل کروں، یعلی کہتے ہیں اتنے میں رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونا شروع ہو گئی، آپ نے کپڑا اوڑھ لیا۔ یعلی کہتے ہیں میں تمنا کرتا تھا کہ کبھی نبی کریم ﷺ پر وحی کو آتے ہوئے دیکھ لوں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا تم نبی کریم ﷺ پر وحی کے آنے کو دیکھنا پسند کرتے ہو؟ (آؤ میں آپ کو دکھاؤں) حضرت عمر نے کپڑے کی ایک طرف کو اٹھایا تو میں نے آپ کی طرف نظر کی آپ خراٹے لے رہے تھے، جب آپ سے وہ کیفیت جاتی رہی تو آپ نے فرمایا عمرہ کے متعلق پوچھنے والا شخص کہاں ہے، خوشبو کے اثرات کو اپنے آپ سے دھو دو اور اپنا جبہ اتار دو، اپنے عمرہ میں وہی کام کرو جو حج میں کرتے ہو۔ (یعنی طواف، سعی اور حلق یا قصر کرو)

”واخرج ابن جریر و ابن المنذر عن ابن عباس فی الآیة قال من احرم بحج او عمرۃ فلیس له ان یحل حتی یتمها تمام الحج یوم النحر اذ ارمی الجمرۃ العقبۃ و زار البیت فقد حل و تمام العمرۃ اذا طاف بالبیت و بالصفاء المروۃ فقد حل“

(درمنثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (کہ رب تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو مکمل کرنے کا جو حکم دیا اس کا مطلب یہ ہے) کہ جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اس کے لئے احرام کھول لینا جائز نہیں یہاں تک کہ اگر احرام حج کا تھا تو دس ذی الحج کو جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار لے اور بیت اللہ شریف کی زیارت کر لے یعنی طواف زیارت کر لے اور اگر عمرہ کا احرام تھا تو بیت اللہ شریف کا طواف اور صفا و مروہ میں سعی کرنے کے بغیر احرام کھولنا جائز نہیں۔

”وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ“ اور مکمل کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے۔

اس کے معنی میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ یہ حکم مطلق ہے کہ حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے مکمل طور پر ادا کرو، ان کے ارکان و واجبات کا کامل لحاظ کرو۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر حج یا عمرہ کے احرام کو بلا وجہ کھول نہ دو بلکہ ان کو مکمل کر کے احرام سے فارغ ہو، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں مختلف قبائل اپنی مرضی سے حج کرتے تھے جہاں چاہیں ختم کر لیں، ان کو اس طریقہ سے منع کیا گیا۔

یہی دوسرا احتمال شان نزول کی دوسری وجہ کے مطابق ہے، علامہ رازی رحمہ اللہ نے بھی اسے ہی رائج قرار دیا کہ معنی یہ کیا جائے۔

”وَإِذَا شَرَعْتُمْ فِي الْفَعْلِ فَاتْمُوهُ“

اور جب تم حج اور عمرہ کے فعل کو شروع کرو تو پھر اسے پورا کرو یعنی مکمل کرنے سے پہلے ہی فارغ نہ ہو جاؤ۔

فائدہ: احرام سے پہلے آٹھ چیزوں پر عمل کرنا بھی اس آیت کا تقاضا ہے، یعنی یہ آیت ان تمام امور کو شامل ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

﴿۱﴾ ان میں سے پہلی چیز کا تعلق مال سے ہے، احرام باندھنے سے پہلے توبہ کر لے وہ توبہ اس طرح ہوگی کہ ظلم سے حاصل کیا ہوا مال واپس لوٹا دے، اور قرضے ادا کر دے، اور جن لوگوں کا خرچ اس کے ذمہ ہے واپس

آنے تک کا خرچ ان کو ادا کر کے جائے، اور لوگوں کی جو امانتیں پاس ہوں وہ ان کے حوالے کر کے جائے، اور اپنے پاس پاک و حلال مال ہو جو آنے جانے تک کافی ہو اس میں کوئی کمی نہ ہو، بلکہ اپنے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ مال رکھے تاکہ فقراء پر اور اپنے ساتھیوں پر مہربانی کر سکے، اور چلنے سے پہلے کچھ مال صدقہ کرے، اور اپنے لئے سواری خریدے، اور اگر سواری کرایہ پر لینی ہے ”فلیظہر للمکاری کل ما یحصل رضاہ فیہ“ تو کرایہ پر دینے والا شخص کامل رضا مند ہونا چاہئے، کسی قسم کا اس پر جبر نہ ہو، اور اس سے کوئی دھوکا نہ کیا جائے۔

اسی سے واضح ہوا کہ آجکل جن قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے خواہ وہ اپنے ملک سے تعلق رکھتے ہوں یا سعودیہ سے ان پر عمل کرے، جھوٹ، فریب سے کام لے کر حج کرنے کا مقصد کیا ہے؟ جب حج ثواب کے لئے کرنا ہے تو اس میں جھوٹ اور فریب جیسے کبیرہ گناہوں کو شامل کر کے کون سا ثواب حاصل ہوگا؟ دوسری چیز کا تعلق رفیق سے ہے۔ ﴿۲﴾

”فینبغی ان یلتمس رفیقاً صالحاً محباً للخیر معیناً علیہ“

بہتر یہ ہے کہ اپنے ساتھ ایسا نیک دوست رکھے جو نیکیوں سے محبت رکھتا ہو اور اس کا بھی نیکیوں میں معاون ہو۔

”ان نسی ذکرہ“ اگر یہ کوئی کام بھول جائے تو وہ یاد دلا دے۔

”وان ذکر ساعدہ“ اور اگر اسے یاد ہو تو وہ اس کی معاونت کرے۔

”وان جبن شجعہ“ اور اگر اس کے دل میں کوئی ڈر لاحق ہو تو وہ تسلی دے کہ گھبراؤ نہیں سفر میں مشکلات

آتی رہتی ہیں۔

”وان عجز قواہ“ اور اگر یہ عاجز آ جائے تو وہ اس کو سہارا دے، ڈھارس بندھائے۔

”وان ضاق صدرہ صبرہ“ اور اگر اسے کہیں دل تنگی ہو تو وہ اسے صبر دلائے۔

اور پیچھے رہ جانے والے بھائیوں اور احباب کو الوداع کر کے جائے، ان سے دعاؤں کی درخواست کرے، کیونکہ

”ان اللہ تعالیٰ جعل فی دعائہم خیراً“ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء میں بھلائی رکھی ہے۔

﴿۳﴾ تیسری چیز گھر سے نکلنے کے ساتھ متعلق ہے۔ جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز نفل ادا

کرے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور ”قل یا ایہا الکافرون“ سورہ پڑھے۔ اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھے ”بعد الفراغ يتضرع الى الله بالاخلاص“ اور فارغ ہونے کے بعد اخلاص اور عاجزی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، یعنی عجز و انکساری سے دعاء کرے۔

﴿۴﴾ چوتھی چیز کا تعلق ہے گھر کے دروازہ سے، گھر کے دروازہ سے نکلتے ہوئے پڑھے۔

”بسم الله توكلت على الله لا حول ولا قوة الا بالله“

”وكلما كانت الدعوات ازید كانت اولی“

جتنی زیادہ دعائیں کرے گا اتنا ہی اس کے لئے بہتر ہوگا۔

﴿۵﴾ پانچویں چیز کا تعلق سواری پر سوار ہونے سے ہے، جب سوار ہونے لگے تو یہ پڑھے۔

”بسم الله وبالله والله اكبر توكلت على الله لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم، ماشاء

الله كان ومالم يشأ لم یكن، سبحان الله الذی سخر لنا هذا وما كناله مقرنین، وانا الی ربنا

لمنقلبون“

﴿۶﴾ چھٹی چیز کا تعلق ہے سفر سے، رات کو سفر کرنا مسنون ہے، جب دھوپ نکل آئے تو آرام کر لے، (لیکن آجکل

ہوائی جہاز اور گاڑیوں پر سفر کرنا ہوتا ہے، اس لئے ہوائی سروس کے اوقات کا حاجی کو پابند رہنا ہوگا)

سواری سے اتر کر دو رکعت نماز نفل ادا کرے اور زیادہ سے زیادہ دعائیں کرے۔

﴿۷﴾ ساتویں چیز یہ ہے کہ اگر دشمن یا کسی درندے کا خوف لاحق ہو تو آیہ الکرسی اور کلمہ شہادت اور سورہ اخلاص

اور ”قل اعوذ برب الفلق“ اور ”قل اعوذ برب الناس“ پڑھے۔ اور یہ عرض کرے۔ ”تحصنت

بالله العظيم“ اور یہ کہے ”استعنت بالحي الذی لا یموت“

﴿۸﴾ چلتے ہوئے جب بھی کسی بلند جگہ پر چڑھنا ہو تو تین مرتبہ ”الله اکبر“ پڑھے۔ لیکن احرام کے بعد تکبیر بھی

پڑھے لیکن تلبیہ پڑھنے میں کثرت سے کام لے۔

﴿۹﴾ نویں چیز یہ ہے کہ سفر صرف حج کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، اس میں دنیاوی غرض تجارت وغیرہ کا ارادہ نہ ہو، ہاں البتہ بہتر یہ ہے ورنہ تجارت جائز ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

﴿۱۰﴾ دسویں چیز یہ ہے کہ دوران حج اپنی زبان کو گالی گلوچ، جھگڑا فساد سے بچا کر رکھے، (اس کا ذکر بھی ان شاء اللہ آگے آئے گا) اور تمام ارکان و واجبات و سنن حج کو اچھی طرح ادا کرے۔

”ویكون غرضه في كل هذه الامور ابتغاء مرضاة الله“

اور اس کی غرض ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہو۔

”فقوله“ اتموا الحج والعمرة لله ”كلمة شاملة جامعة لهذه المعاني“

یہ چیزیں جن کا ذکر کیا گیا ہے ان تمام کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”واتموا الحج والعمرة لله“ شامل ہے۔

جب بندہ حج کو اس طرح ادا کرے گا تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع حاصل ہوگی۔ کیونکہ آپ کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”واذابتلى ابراهيم ربه بكلمات فاتمهن“ اور جب ابراہیم کو اللہ نے چند کلمات سے آزمایا تو انہوں نے

ان کو پورا کیا۔

اسی طرح رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا۔ ”واتموا الحج والعمرة لله“ اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے

لئے۔ تو اللہ کے بندوں نے اس کا حکم مانتے ہوئے ان کو پورا کیا۔

”فَإِنْ أَخْصَرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَخْلِقُوا رُءُوسَكُمْ

حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ“

پھر اگر تمہیں روک لیا جائے تو جو میسر ہو ہدی، اور نہ منڈاؤ اپنے سروں کو یہاں تک پہنچ جائے ہدی

اپنی (ذبح کی) جگہ۔

”احصار“ کا معنی ہے روکنا، حج سے روکے جانے کی چند صورتیں ہیں۔ دشمن کی طرف سے رکاوٹ واقع ہو جائے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو حدیبیہ کے مقام پر کفار نے روک لیا تھا۔

جس شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا وہ مریض ہو گیا۔ ایسی مرض لاحق ہو گئی کہ اس کا حج کرنا ممکن ہی نہ رہا۔ یا اس کے پاس حج کا خرچ ہی ختم ہو گیا۔ یا عورت کا خاوند یا محرم جس کے ساتھ وہ حج کر رہی تھی وہ راستہ میں ہی فوت ہو گیا۔ ان تمام صورتوں میں محرم کو روک لیا گیا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ بطور ہدیٰ ایک بکری یا بھیڑ جو بھی میسر ہو بھیج دے، جس شخص کے ہاتھ بھیجے اس سے ایک دن مقرر کر لے کہ وہ فلاں دن پہنچ جائے گا اور حرم میں یہ جانور ذبح کر دے گا۔ جو دن مقرر کیا تھا اس دن یہ شخص اپنے بال منڈا کر یا بال کٹا کر احرام کھول لے، یہی مطلب ہے۔

”ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الہدی محلہ“ کا کہ جب تک ہدی حرم میں نہ پہنچے اس وقت تک احرام نہیں کھول سکتا۔

خیال رہے کہ جانور بھیجنا تو ہر جگہ سے ممکن نہیں، یقیناً اس کی قیمت بھیجے گا جس سے وہ شخص جانور خرید کر حرم میں ذبح کر دے گا، ہدی کو ذبح کرنے کے لیے دنوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ جس دن بھی پہنچ جائے ذبح کر دے، البتہ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ بھیڑ یا بکری کم از کم ہدی کی حد ہے، اگر کوئی شخص بطور ہدی گائے یا اونٹ کی رقم بھیج دے اور اس کی طرف سے مکمل ایک گائے یا اونٹ ذبح کر لئے گئے تو یہ بطریق اولیٰ (بہتر طریقہ سے) ادا ہوگی۔

قارن کا حکم:

جس شخص نے حج اور عمرہ دونوں کا ہی ایک ساتھ میقات سے احرام باندھ رکھا ہے اسے قارن کہتے ہیں، قرآن کی وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ اگر قرآن کرنے والے کو روک لیا گیا ہو تو وہ دو بکریاں حرم میں ذبح کرنے کے لئے بھیجے، کیونکہ اس نے دو احرام باندھ رکھے ہیں، دونوں سے آزاد ہونا ہے، اس لئے اس پر دو دم لازم آئیں گے، قرآن کرنے والا اگر ایک ہدی بھیجے کہ وہ حج کے احرام سے آزاد ہو جائے اور عمرہ کا احرام باقی رہے تو وہ کسی ایک سے بھی حلال نہیں ہوگا، بلکہ اس کے دونوں احرام برقرار رہیں گے۔

مسئلہ ۱۰: جس شخص نے حج کا احرام باندھ رکھا تھا اگر اسے روک لیا گیا اس نے ہدی بھیج کر احرام کھول لیا تو اس پر آئندہ حج کی قضاء لازم ہوگی اور ساتھ ہی ایک عمرہ کرنا بھی لازم ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اسی طرح ثابت ہے۔ حج کی قضاء تو اس لئے لازم ہے کہ وہ شروع کی وجہ سے لازم ہو چکا تھا اور عمرہ کرنا اس لئے لازم ہے کہ اگر کسی کا حج فوت ہو جائے تو وہ وقتی طور پر عمرہ کر کے حج کے احرام سے آزاد ہو جائے، یہ بھی حج کو فوت کرنے والا ہے۔ جب حج سے روک لیا گیا ہے تو بعد میں حج بھی کرے اور عمرہ بھی۔

مسئلہ ۱۱: اگر عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا تو روک لیا گیا تو ہدی کا جانور بھیج کر ذبح کے مقرر دن میں سرمنڈا کر احرام کھول لے، آئندہ صرف ایک عمرہ قضاء کرے۔

مسئلہ ۱۲: اگر قرآن کرنے والے کو روک لیا گیا اس نے دو جانور ہدی کے بھیج دیئے، پھر احرام کھول لیا تو آئندہ وہ ایک حج اور دو عمرے قضاء کرے گا۔

مسئلہ ۱۳: جس شخص نے حج کا احرام باندھا ہوا تھا لیکن وہ نوزی الحج کے دن اور اس کے بعد آنے والی رات کو بھیج صادق تک مقام عرفات پر نہ پہنچ سکا تو اس پر لازم ہے کہ طواف کر لے اور سعی کر لے اور حلق کر کے احرام سے فارغ ہو جائے، آئندہ حج کی قضاء کرے، اس پر ہدی کا جانور ذبح کرنا لازم نہیں، اور آئندہ حج کے ساتھ عمرہ کرنا بھی ضروری نہیں۔

فائدہ: عمرہ کا وقت مقرر نہیں اس لئے عمرہ فوت نہیں ہوتا، عمرہ سال میں جب بھی ادا کرے ادا ہی ہوگا، البتہ نوزی الحج سے لے کر تیرہ ذی الحج تک یعنی پانچ دن سال کے عمرہ کرنا ان میں مکروہ ہے۔

احصار کے متعلق احادیث مبارکہ:

”عن ابن عباس قال قد احصر رسول الله ﷺ فحلق رأسه وجامع نسائه ونحر هديه حتى اعتمر عامًا قابلًا“
(رواہ البخاری، مشکوٰۃ باب الاحصار)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو جب روک دیا گیا تو آپ نے سرمنڈایا اور عورتوں سے جماع کیا اور ہدی کے جانور ذبح کئے، عمرہ دوسرے سال کیا۔

وضاحت حدیث: ”ونحر ہدیہ“ میں واؤ مطلقاً جمع کے لئے استعمال ہے، اس میں کوئی ترتیب نہیں پائی گئی، یعنی آپ نے ہدی کے جانور پہلے ذبح کئے، اس کے بعد سر منڈایا، اسی کے ساتھ کامل طور پر احرام سے آزادی حاصل ہوگئی، اسی ترتیب پر بخاری اور مسلم کی حدیث دلالت کر رہی ہے۔

”انه عليه الصلوة والسلام تحلل هو واصحابه بالحديبية لما صده المشركون و كان

محرم بالعمرة فنحر ثم حلق ثم قال لاصحابه قوموا فانحروا ثم احلقوا“

نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے حدیبیہ کے مقام میں احرام کھولا، کیونکہ آپ کو مشرکین نے روک دیا تھا، جبکہ آپ نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا۔ آپ نے ہدی کے جانور ذبح کئے، پھر سر منڈایا، پھر آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا اٹھو جانور ذبح کرو اور سر منڈا دو۔

”وعن الحجاج بن عمرو الانصاري قال قال رسول الله ﷺ من كسر او عرج فقد حل

وعليه الحج من قابل“ (مشکوٰۃ باب الاحصار) وفي رواية او مرض

حجاج بن عمرو انصاری کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کی ہڈی توڑ دی گئی یا اس میں لنگڑاپن آ گیا تو وہ احرام کھول لے اور آئندہ سال حج کر لے۔ (ایک اور روایت میں مرض کا بھی ذکر ہے)

واضح ہوا کہ کسی طرح بھی محرم کو روک دیا جائے، خواہ دشمن کے ذریعے یا مرض وغیرہ کے ذریعے وہ ہدی کے جانور ذبح کر کے احرام کھول سکتا ہے۔

”فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ“

پھر ہو جائے کوئی شخص تم میں سے مریض یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو جائے تو فدیہ دے روزے یا صدقہ یا جانور ذبح کرنے سے۔

یعنی کوئی شخص حالت احرام میں سر نہ منڈائے، اگر کوئی رکاوٹ درپیش آجائے تو بطور ہدی ایک جانور حرم شریف میں بھیج دے، اس کے ذبح کرنے کا جو دن مقرر ہو جائے اس دن سر منڈا کر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو

جائے، لیکن اگر کوئی شخص مریض ہو جائے یعنی اس کے سر کو شدید درد لاحق ہو جائے، یا سر میں بہت زیادہ خارش ہوتی ہے، یا سر میں کثیر مقدار میں جوئیں پڑ گئیں لیکن اور کوئی رکاوٹ نہیں تو ایسی صورت میں وہ شخص اپنا سر منڈا کر احرام کھول لے اور فدیہ دے دے، اس کو فدیہ دینے میں اختیار ہے چاہے تو تین روزے رکھ لے اور چاہے تو چھ مساکین کو نصف نصف صاع گندم دے دے، یعنی صدقہ فطر کی مقدار ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا کشمش یا ایک ایک صاع کھجور یا جو دے دے۔

طلبائے کرام توجہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ“ مرتب ہے ”وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ“ پر، پھر ”فَفِدْيَةٌ“ ایک حکم ہے جس کا بیان ”مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ“ ہے، پھر لفظ ”أَوْ“ تخییر کے لئے ہے کہ ان تینوں کے ادا کرنے میں اس شخص کو اختیار ہے، جس پر چاہے عمل کر لے۔

اس کی تفصیل خود نبی کریم ﷺ نے بیان فرمادی۔ آپ نے کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ ان کے سر میں بہت جوئیں پڑ گئیں۔

”فَقَالَ آذَابَكَ هُوَ امْكُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَاطْعِمْ فِرْقَابَيْنِ سِتَّةَ مَسَاكِينَ (والفرق ثلاثة اصوع) او صم ثلاثة ايام او انسك شاة“ (رواه ائمة الستة)

تو آپ نے فرمایا کیا یہ کیڑے تمہیں تکلیف دے رہے ہیں؟ تو انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ؟ یعنی تکلیف تو دے رہے ہیں تو آپ نے ان کو فرمایا کہ سر منڈا دو اور چھ مسکینوں کو ایک فرق طعام کھلا دو یا تین روزے رکھ لو یا ایک بکری ذبح کر دو۔

یہ بھی خیال میں رہے کہ فرق تین صاع کا ہے، حدیث شریف میں طعام سے مراد گندم ہے کہ تین صاع گندم چھ مسکینوں کو نصف نصف صاع دے دی جائے۔

اسی طرح ایک صاع گندم کے بدلے ایک روزے کا حکم دیا۔ یعنی چاہے تو تین روزے بطور فدیہ رکھ لے، اور چاہے تو بکری ذبح کر لے۔

اس مسئلہ میں ایک اور مقام توجہ یہ ہے کہ صدقہ جہاں چاہے مسکینوں کو دے دے، اور روزے بھی جہاں چاہے رکھ لے، لیکن بکری یا بھیڑ کو حرم شریف میں ہی ذبح کرنا لازم ہوگا، اس لئے کہ کسی جانور کا خون بہانا کسی زمان یا مکان سے خاص ہو کر ذریعہ قربت بنے گا، جس طرح قربانی کرنا ذی الحج کے تین دنوں (دس، گیارہ، بارہ) کے ساتھ خاص ہے، اس سے آگے پیچھے قربانی نہیں ہوگی، اسی طرح ہدی کا تعلق حرم میں ذبح ہونے سے ہے، حرم کے بغیر ذبح کیا جانے والا جانور ہدی نہیں بن سکے گا اور نہ ہی اس سے فدیہ ادا ہوگا۔

تنبیہ: مذکورہ بالا مسئلہ میں تین روزے رکھنے کے لئے نہ مکان کی قید ہے اور نہ زمان کی اور نہ ہی ان کے بعد سات روزے رکھ کر دس روزے مکمل کرنے کا حکم ہے، دس روزے رکھنے کا حکم ہی علیحدہ ہے، جو آنے والے مسئلہ سے ان شاء اللہ واضح ہو رہا ہے۔

(فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا) مرضاً بحوجه الى الحلق (أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ) كجراحة وقمل (فَفِدْيَةٌ) فعليه فدية ان حلق (مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسْكَ) بيان
لجنس الفدية

(بیضاوی)

والنسك بضم نین جمع نسكة وهي الذبيحة اعلاها بدنة ووسطها بقرة وادناها شاة

(شیخ زادہ)

مرض سے مراد عام ہے کوئی بھی تکلیف ہو جو سر منڈانے کی طرف مجبور کرے، سر میں تکلیف سے مراد زخم یا جونہوں کا پڑنا، اسی طرح خارش کی تکلیف واقع ہونا، سر منڈانے پر فدیہ کا حکم ثابت ہے، وہ فدیہ کیا ہے؟ اس کا بیان یہ ہے کہ وہ روزے ہیں یا صدقہ یا جانور ذبح کرنا ہے۔ جانور ذبح کرنے میں کم از کم بکری یا بھیڑ مراد ہے، اور سب سے اعلیٰ اونٹ کا ذبح کرنا ہے، اور ان کے درمیان گائے کا ذبح کرنا ہے۔

اعتراض: نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو تو مقام حدیبیہ میں روک لیا گیا تھا آپ نے وہاں ہی ہدی کے جانور ذبح کر لئے تھے تو یہ کس طرح کہنا صحیح ہے کہ ہدی کے جانور صرف حرم میں ذبح کئے جائیں۔

جواب: حدیبیہ کا کچھ مقام حرم سے باہر ہے اور کچھ حصہ حرم میں داخل ہے، جانور حرم کے حصہ میں ذبح کئے گئے تھے۔

”فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ“

پھر جب تم امن میں ہو تو جو شخص نفع حاصل کرے عمرہ سے حج تک تو جو میسر ہو اسے ہدی۔

”فَإِذَا أَمِنْتُمْ“ کے معنی میں وسعت پائی گئی ہے، صرف یہ معنی نہیں کہ ”جب تم امن میں ہو جاؤ“، یعنی تم سے

رکاوٹ کو اٹھالیا جائے، بلکہ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے اور یہ معنی بھی ہے کہ جب تم امن میں ہو، یعنی تم پر کوئی رکاوٹ نہیں آئی اور نہ ہی کسی مرض میں تم مبتلا ہو۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے یہ دونوں معانی ان الفاظ سے بیان فرمائے۔

” (فَإِذَا أَمِنْتُمْ) الاحصار او كنتم في حال امن وسعة“

جب تم احصار سے امن میں ہو جاؤ یا پہلے سے ہی حالت امن اور وسعت میں ہو۔

”فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ“ تو جو شخص نفع حاصل کرے عمرہ سے حج تک۔

یہ الفاظ گرامی قرآن اور تمتع دونوں کو شامل ہیں۔ یعنی جو شخص ایک ہی سفر میں پہلے عمرہ کرے اور پھر حج کرے تو وہ بطور شکر ہدی کا جانور ذبح کرے۔

قرآن کیا ہے؟

میقات سے حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھ لینا قرآن ہے۔ احرام کے بعد دو رکعت ادا کرنے کے بعد

یہ دعاء کرے۔

”اللهم انی ارید الحج والعمرة فیسرهما لی وتقبلهما منی“

اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے لئے آسان فرما اور وہ دونوں مجھ سے قبول فرما۔

اسی طرح احرام تو صرف عمرہ کا باندھا تھا لیکن مکہ مکرمہ میں پہنچ کر طواف کرنے سے پہلے یا تین چکر طواف کرنے سے پہلے حج کا احرام بھی ساتھ ہی باندھ لیا تو یہ بھی قرآن ہے۔

قرآن ادا کرنے کا طریقہ:

پہلے عمرہ کا طواف کرے، سات چکروں میں سے پہلے تین چکروں میں رمل کرے اور پھر چار چکر آرام آرام سے چلے، طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، پھر حلق نہ کرے بلکہ احرام کی پابندیاں برقرار رہیں گی، پھر حج کا طواف قدم کرے لیکن اس میں رمل نہیں۔ پھر سعی کرے، پھر حج کے باقی فرائض و واجبات و سنن وغیرہ کو ادا کرے جو حج مفرد میں بیان کر دیئے گئے۔ حج کا حلق جب کر لے گا تو پھر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوگا۔ سوائے جماع کرنے کے، جب طواف زیارت بھی کر لے گا تو جماع کی اجازت بھی ہوگی۔

فائدہ: بہتر طریقہ تو وہی ہے جو بیان کر دیا گیا، لیکن قرآن کرنے والا اگر عمرہ اور حج کا طواف ایک مرتبہ ہی کر لے پھر دو مرتبہ سعی بھی ایک ساتھ کر لے تو جائز ہے۔

تمتع کیا ہے اور کیسے ادا کیا جائے؟

تمتع کا یہ مطلب ہے کہ میقات سے احرام عمرہ کا باندھے اور عمرہ ادا کر کے فارغ ہو جائے، مکہ شریف میں بغیر احرام کے رہے، جب آٹھ ذی الحج ہو جائے تو حرم شریف سے احرام باندھ کر حج کرے، حج اس طرح ادا کرے گا جس طرح حج مفرد ادا کیا جاتا ہے، البتہ یہ اب مکی کے حکم میں ہے اس لئے طواف قدم نہیں کرے گا، اور طواف زیارت میں رمل کرے گا اور طواف زیارت کے بعد سعی کرے گا۔ اگر اس شخص نے احرام باندھنے کے بعد طواف کر لیا اور اس میں رمل بھی کر لیا اور طواف کے بعد سعی بھی کر لی تو اب طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا اور نہ طواف زیارت کے بعد سعی کرے گا۔

لیکن یہ خیال رہے کہ عمرہ کے بعد احرام اس وقت تمتع کرنے والا کھول سکتا ہے جب ہدی کا جانور ساتھ لے کر نہ جائے اور اگر ہدی کا جانور ساتھ لے کر جائے تو باوجود اس کے کہ اس نے میقات سے احرام صرف عمرہ کا باندھا تھا اور اب حج بھی کرنا چاہتا ہے تو یہ عمرہ کا احرام نہیں کھول سکتا بلکہ قرآن کرنے والے کی طرح حج سے فارغ ہو کر احرام کھولے گا۔

مقام توجہ: تمتع اس وقت ہوگا جب شوال کی پہلی تاریخ سے لے کر آٹھ ذی الحج سے پہلے تک عمرہ کا احرام باندھا تھا پھر گھر لوٹ کر بھی نہیں آیا، اور اسی سفر میں حج بھی کر لیا۔

اگر شوال سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا، یا احرام تو یکم شوال کے بعد باندھا تھا لیکن عمرہ کر کے واپس لوٹ آیا، پھر اسی سال حج بھی کر لیا تو یہ حج مفرد ہوگا، تمتع نہیں ہوگا۔

تنبیہ: قرآن کرنے والے اور تمتع کرنے والے نے حج کے دنوں تک یعنی حج سے پہلے عمرہ سے نفع حاصل کر لیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے دو نعمتوں سے ایک سفر میں نوازا ہے تو یہ رب تعالیٰ کی رحمت کا شکر ادا کرنے کے لئے بکری یا گائے یا اونٹ ذبح کرے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ“ کا یہی مطلب ہے کہ جس نے حج کے دنوں سے پہلے عمرہ سے بھی نفع حاصل کر لیا خواہ قرآن کیا یا تمتع اسے جو ہدی میسر ہو وہ حرم شریف میں ذبح کرے۔

”فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتَ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ“

جو شخص نہ پائے (ہدی) تو روزے ہیں تین دن حج کے دنوں میں اور سات ہیں جب فارغ ہو جاؤ تم یہ دس دن مکمل ہیں۔

یعنی قرآن اور تمتع کرنے والے پر بطور شکر ہدی کا جانور ذبح کرنا لازم ہے لیکن اگر اسے ہدی میسر نہ ہو کہ وہ جانور خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا تو تین دن روزے رکھے یہ روزے نو ذی الحج تک مکمل کر لے اور سات روزے جب حج سے فارغ ہو جائے یعنی ایام تشریق کے بعد رکھے۔ اس طرح ہدی کے بدلے اس نے دس دن مکمل روزے

رکھنے ہیں۔ جب روزے ہدی کا بدل ہیں تو افضل یہ ہے کہ سات، آٹھ اور نو ذی الحج کو روزے رکھے۔ تاخیر اس لئے مستحب ہے کہ ہو سکتا ہے اسے ہدی مل جائے۔

مسئلہ ۴: اگر تین روزے مکمل نہیں کر سکا تھا کہ ہدی کو پالیا تو ہدی کا ذبح کرنا لازم ہو گیا، کیونکہ اصل پر قادر ہو گیا۔ اصل پر جب قدرت ہو تو بدل پر عمل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح تین روزے تو مکمل کر لئے تھے لیکن ابھی تک احرام نہیں کھولا تھا تو ہدی کو پالیا پھر بھی ہدی کا ذبح کرنا لازم ہے۔ اور اگر احرام کھول لیا یعنی سرمنڈالیا اس کے بعد ہدی پالے تو ہدی کا ذبح کرنا لازم نہیں، کیونکہ روزے سے مقصد حاصل ہو گیا، کیونکہ روزے ہدی کا بدل اس لئے رکھے گئے کہ یہ احرام کھول سکے۔ جب اس نے احرام کھول لیا تو مقصد حاصل ہو گیا، اب ہدی کو ذبح کرنا لازم نہ رہا۔

(روح المعانی)

مسئلہ ۵: قرآن کرنے والا یا تمتع کرنے والا ہدی نہیں پاتا لیکن روزے بھی نہیں رکھتا یہاں تک کہ دس ذی الحج آ گیا، تو اس پر ہدی ذبح کرنا واجب ہو گیا۔ اگر ہدی کے ذبح کے بغیر احرام کھول لیا تو دو جانور ذبح کرنے لازم ہو گئے ایک ہدی جو قرآن یا تمتع کی وجہ سے اور دوسری ہدی بطور جزیہ (سزا) کہ اس نے بغیر ہدی کے ذبح کرنے کے احرام کیوں کھولا ہے۔

”وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ“ ای فرغتم ونفرتم من اعمالہ۔

اس مقام پر ”رَجَعْتُمْ“ کا معنی فارغ ہو جانا اور اعمال حج سے لوٹنا، ذکر رجوع کا ہے مراد سب رجوع ہے۔

”اوالمعنی اذا رجعتم من منی“ یا معنی یہ ہے کہ جب تم منی سے لوٹ کر آؤ تو سات روزے رکھ لو۔

(روح المعانی)

مسئلہ ۶: یہ سات روزے ایام تشریق کے بعد مکہ میں رکھے یا گھر لوٹ کر رکھے جائز ہے۔

مسئلہ ۷: پہلے تین روزے دیر سے رکھنا بہتر ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، لیکن قرآن کرنے والا یا تمتع کرنے والا سمجھتا ہے کہ ہدی کا پانا تو میرے لئے ممکن نہیں تو وہ عمرہ کے احرام کے بعد تین روزے رکھ لے اسی نیت سے کہ یہ روزے میں ہدی کا بدل رکھ رہا ہوں تو جائز ہے۔

”ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“

یہ اس شخص کے لئے جو نہ ہو باشندہ حدود میقات کا۔

”ذَلِكَ“ کا اشارہ ”تمتع“ مصدر کی طرف ہے جو ”فَمَنْ تَمَتَّعَ“ سے سمجھ میں آرہا ہے۔

یعنی قرآن اور تمتع سے نفع صرف وہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو میقاتوں کی حدود سے باہر ہوں، جو میقاتوں کے اندر اندر رہنے والے ہیں ان کو قرآن اور تمتع کی اجازت نہیں۔ کیونکہ وہ قریب رہنے کی وجہ سے جب چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں، لیکن باہر سے آنے والوں کو بار بار آنا دشوار ہوتا ہے، لہذا ان کو موقع دیا جائے کہ وہ قرآن اور تمتع کر کے زیادہ ثواب حاصل کر لیں۔ حج کے دنوں تک جب چاہیں عمرہ کر کے نفع حاصل کر لیں۔

جب میقاتوں کی حدود کے اندر رہنے والوں پر قرآن اور تمتع نہیں تو یقیناً ان پر یہ ہدی بھی لازم نہیں جو قرآن اور تمتع کی وجہ سے لازم آتی ہے۔

تنبیہ: آیہ کریمہ میں ”حَاضِرِ“ مسافر کی ضد کے طور پر استعمال ہے، غائب کی ضد کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔ اور مسجد حرام سے مراد بھی صرف مسجد حرام یا حرم نہیں بلکہ میقاتوں تک تمام جگہ مراد ہے۔

مطلب واضح ہے کہ میقاتوں کی حدود کے اندر جو رہنے والے نہیں وہی قرآن اور تمتع سے نفع حاصل کر سکتے ہیں اور ان پر ہی ہدی بھی لازم ہے۔

”وَاتَّقُوا اللَّهَ“: اور ڈرو اللہ سے۔

اس مقام میں عموم پایا گیا ہے کہ ”فِي كُلِّ مَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ وَيَنْهَاكُمْ عَنْهُ“ اللہ تعالیٰ تمہیں جن چیزوں کا حکم دیتا ہے اور جن چیزوں سے روکتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس لئے حج اور عمرہ کی ابتداء سے تکمیل تک تمام احکام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ادا کیا جائے۔

”وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ“: اور جان لو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں رکھے گا، رب تعالیٰ کے احکام سے عدول کرے گا اور گناہوں میں مبتلاء ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلاء کرے گا۔
(از روح المعانی)

دم شکر اور دم جنائیہ میں فرق:

سب سے پہلے تو یہ سمجھا جائے کہ جنائیہ (احرام کے منافی کام کرنے) کی وجہ سے جو جانور ذبح کرنا لازم آتا ہے اسے ہدی کہا جاتا ہے، عذر کی وجہ سے سرمنڈانے یا بال کٹانے کی وجہ سے اگر جانور ذبح کرے تو وہ بھی ہدی کے حکم میں ہے۔ اور حج یا عمرہ سے روکے جانے کی وجہ سے جو جانور ذبح کر کے احرام کی پابندیوں سے آزاد ہونا ہے وہ بھی ہدی ہے۔ اور قرآن اور تمتع کرنے پر بطور شکر جو جانور ذبح کرنا ہے وہ بھی ہدی ہے۔

ہدی کوئی بھی ہو وہ حرم میں ذبح کی جائے گی، بلکہ ہدی وہی ہے جو حرم میں ذبح ہو، اگر حرم میں نہ ذبح کی جائے تو اسے ہدی نہیں کہا جاسکتا۔

دم شکر یعنی قرآن اور تمتع کرنے پر بطور شکر جو ہدی کا جانور ذبح کرنا ہے جس طرح ضروری ہے کہ وہ حرم میں ذبح کیا جائے اسی طرح وہ جانور دس ذی الحج کو ذبح کیا جائے، دس ذی الحج سے پہلے ذبح نہ کیا جائے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ دس ذی الحج کو ذبح کرنا واجب ہے یا فقط افضل ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ واجب ہی سمجھا جائے۔

قرآن اور تمتع کی ہدی کا گوشت انسان خود بھی کھا سکتا ہے اور اغنیاء اور فقراء بھی کھا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ دم شکر ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث جو مناسک حج میں مسلم نے ذکر کی ہے، اس میں یہ بھی ہے۔

”إن النبی ﷺ اکل من لحم ہدیہ وحسامن المرقۃ“

بیشک نبی کریم ﷺ نے اپنی ہدی کا گوشت کھایا اور اس کا شوربا پیا۔

باقی تمام وجوہ سے لازم آنے والی ہدی کو حرم میں ذبح کرنا تو ضروری ہے لیکن ان کا وقت مقرر نہیں، جس وقت بھی ذبح کر دیں جائز ہے۔

اور ان ہدایا کا گوشت انسان خود بھی نہیں کھا سکتا اور نہ ہی غنی کھا سکتا ہے۔ صرف فقراء کھا سکتے ہیں، خواہ وہ فقراء حرم کے ہوں یا حرم سے باہر کسی جگہ کے ہوں۔

وجہ فرق اصل میں یہ ہے کہ قرآن اور تمتع کی وجہ سے لازم آنے والی ہدی کا ذبح کرنا واجب ہے لیکن گوشت کا صدقہ کرنا مستحب ہے اور باقی ہر قسم کی ہدی کا ذبح کرنا بھی واجب ہے اور گوشت کا صدقہ کرنا بھی واجب ہے۔

قانون شرع یہ ہے کہ صدقات مستحبہ کو صدقہ کرنے والا اور غنی اور فقیر سب لوگ کھا سکتے ہیں، اور صدقات واجبہ کو صرف فقراء کھا سکتے ہیں، اغنیاء اور صدقہ کرنے والے نہیں کھا سکتے۔

ہدی اور قربانی میں فرق:

قربانی ہر صاحب نصاب پر لازم ہے جو دس، گیارہ اور بارہ ذی الحج کو ذبح کی جاتی ہے، اس کے لئے حرم کی کوئی قید نہیں اور نہ ہی حج یا عمرہ کے احرام سے اس کا تعلق ہے۔

ہدی کی جتنی صورتیں بیان کی ہیں وہ تمام ہی حرم میں ذبح ہو سکتی ہیں حرم سے باہر ان کا ذبح کرنا جائز نہیں اور سوائے قرآن اور تمتع کے وقت ذبح ان میں مقرر نہیں، اور ان تمام کا تعلق حج اور عمرہ کے احرام سے ہے۔ ہاں البتہ جانور وہی ہوں گے جو قربانی میں ہوتے ہیں۔ یعنی بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ کی ہی قربانی بھی ہو سکتی ہے اور ہدی بھی۔

اور جانوروں کی عمر اور ان میں کسی قسم کا عیب نہ پایا جانا ہدی اور قربانی کے لئے ایک ہی حکم ہے۔

دم جنایہ اونٹ یا گائے ذبح کرنا ضروری:

دو جنایتیں وہ ہیں جن کی وجہ سے اکیلے ہی مکمل گائے یا اونٹ ذبح کرنا لازم ہوگا۔

﴿۱﴾ طواف زیارت حالت جنابت میں کر لے، یعنی غسل کرنا اس پر واجب تھا، غسل نہ کیا یونہی طواف زیارت کر لیا تو اونٹ یا گائے ذبح کرنا لازم ہے۔

﴿۲﴾ مقام عرفات میں ٹھہرنے کے بعد لیکن سرمنڈانے اور طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو اونٹ یا گائے ذبح کرنا لازم ہے۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اگر مقام عرفات میں ٹھہرنے سے پہلے حالت احرام میں جماع کر لیا تو حج باطل ہو گیا۔ حاجیوں کے ساتھ چلتا پھرتا رہے ان کی طرح ہی مناسک حج کرتا رہے لیکن حج آئندہ قضاء کرے گا۔

وہ جنایات جہاں بکری کا ذبح کرنا کافی ہے:

یعنی جنائیہ کی وجہ سے جانور کا ذبح کرنا واجب ہو گیا، خواہ اونٹ ذبح کرے یا گائے یا بکری، لیکن بکری کا ذبح کرنا کافی ہے۔ وہ مقامات مندرجہ ذیل ہیں۔

کامل عضو یا عضو کے اکثر حصہ پر خوشبو لگادی تو دم لازم ہے۔ سر پر مہندی لگادی تو دم لازم ہے، لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اگر سر پر مہندی موٹی تہہ والی لگادی تو دو جانور ذبح کرنے پڑیں گے ایک خوشبو لگانے کی وجہ سے (جو مہندی سے حاصل ہو رہی ہے) اور دوسرا مہندی سے سر کو ڈھانپنے کی وجہ سے (سر پر دسمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں) عضو کے کچھ حصہ پر خوشبو لگانے سے صدقہ لازم ہے۔ سر یا داڑھی پر زیتوں کا تیل لگانے سے دم لازم ہے۔ زخم وغیرہ پر دوا لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر ایک دن مکمل سلعے ہوئے کپڑے پہن لئے یا سر کو ڈھانپ لیا تو دم لازم ہے۔ اگر دن کے کچھ حصہ میں یہ کام کیا تو صدقہ لازم ہے۔

جبہ کو کندھوں پر لٹکا دینے سے کوئی چیز لازم نہیں۔ البتہ بازو بھی اس کی آستینوں میں ڈال لئے تو سلعے ہوئے کپڑے کا حکم نافذ ہوگا۔ سر اور داڑھی منڈانے سے دم لازم ہوگا خواہ چوتھے حصہ کو بھی منڈا دے تو پھر بھی دم لازم ہوگا۔ ہاں اگر چوتھے حصہ سے کم ہو تو صدقہ لازم ہے۔

اگر گردن کے مکمل بال منڈا دیئے تو دم لازم ہے کیونکہ گردن علیحدہ عضو ہے، (بال کٹانے یا منڈانے کا حکم جنائیہ میں ایک ہی ہے)۔

تنبیہ: اگر محرم کے حکم سے دوسرے محرم نے اس کا سر مونڈ دیا یا بال کاٹ دیئے تو بال کاٹنے والے یا مونڈنے والے پر صدقہ لازم ہے اور منڈوانے والے پر دم لازم ہے۔

ہاں ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص غیر محرم سے سر منڈوالے اور پھر وہ دوسرے محرم کا سر مونڈ دے، یہ صورت جائز ہے۔ اگر محرم نے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے ناخن کاٹ لئے تو ایک دم لازم ہے۔ اور اگر صرف ایک ہاتھ کے یا صرف ایک پاؤں کے ناخن کاٹ لئے پھر بھی ایک دم لازم ہے۔

اگر پانچ ناخنوں سے کم ناخن کاٹے یا پانچ کاٹے لیکن متفرق طور پر تو اس پر صدقہ لازم ہے۔

اگر کسی عذر کی وجہ سے مکمل عضو کو خوشبو لگالی یا سلے ہوئے کپڑے پہن لئے یا سر منڈالیا تو اس کو اختیار ہے، چاہے تو ایک بکری ذبح کرے، یا تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو تین صاع گندم دے دے، یعنی ہر مسکین کو نصف نصف صاع (دو دو کلو) گندم دے۔ اگر چھ مسکینوں کو طعام پکا کر کھلانا چاہے تو دو وقت صبح اور شام طعام کھلانا ہوگا۔

اگر حالت احرام میں شہوت سے بوسہ لیا یا شہوت سے زوجہ کو ہاتھ لگایا تو دم لازم آئے گا۔

اور اگر حلق کے (سر منڈانے کے) بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو دم لازم آئے گا۔

اگر طواف قدم بغیر وضو کے کر لیا تو صدقہ لازم ہوگا اور اگر طواف زیارت بے وضو کر لیا تو دم لازم آئے گا۔

اگر طواف وداع بے وضو کیا تو صدقہ لازم ہے اور اگر جنابت کی حالت میں کیا تو دم لازم ہے۔

طواف وداع ایام تشریق میں کرنے سے بھی دم لازم ہوگا۔ اور طواف زیارت بے وضو کرنے سے بھی دم لازم ہوگا۔

اگر صفا و مروہ کے درمیان سعی نہ کر سکا تو پھر بھی دم لازم ہوگا۔ مقام عرفات سے امام سے پہلے لوٹ آیا تو دم لازم ہوگا۔

اگر مزدلفہ میں نہ رک سکا تو دم لازم ہوگا۔

جس شخص نے کنکریاں نہ ماریں اس پر بھی دم لازم ہے۔ تین دن ہی کنکریاں نہ مار سکا تو پھر بھی ایک ہی دم

لازم ہے۔ ایک دن کنکریاں نہ مار سکا تو پھر بھی ایک دم لازم ہے۔

اگر تین جمرات میں سے ایک جمرہ کو کنکریاں نہ مار سکا تو اس پر صدقہ لازم ہے۔

اگر سات کنکریاں مکمل نہ کر سکا ایک یا دو یا تین کنکریاں کم مارے تو ہر کنکری کے بدلے صدقہ لازم ہوگا۔

جس آدمی نے سر منڈانے میں تاخیر کر دی یہاں تک کہ ایام نحر (دس، گیارہ، بارہ ذی الحج) کے بعد سر منڈایا تو

اس پر دم لازم ہے اور اگر ایام نحر میں سر منڈایا لیکن حرم سے باہر جا کر سر منڈایا تو پھر بھی دم لازم ہے۔

جس شخص نے عمرہ کیا اور حرم سے باہر جا کر سر منڈایا تو اس پر بھی دم لازم ہے۔ تاہم عمرہ کے احرام سے نکلنے

کے لئے وقت مقرر نہیں۔ سعی کرنے کے بعد بال کٹوالے یا منڈالے۔ خواہ دیر سے عمل کرے۔ البتہ احرام کی پابندیوں

سے آزاد بال کٹانے سے ہی ہوگا۔

تنبیہ: جن مقاموں پر ذکر کیا گیا ہے کہ دم لازم ہے اس سے مراد کم از کم بکری ذبح کرنا ہے۔ اور جن مقاموں پر

صدقہ کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد نصف صاع (دو کلو) گندم فقیر کو دینا ہے۔ (مسائل حج و عمرہ ماخوذ از ہدایہ دشامی)

غیر کی طرف سے حج کرنا:

اس کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: یہ ہے کہ خود حج کر کے ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے۔

”والاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة او صوما او

صدقة او غيرها عند اهل السنة والجماعة“

(ہدایہ)

اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ جائز ہے کہ وہ اپنی عبادات کا ثواب دوسرے کو پہنچائے خواہ

نماز ہو، روزہ ہو، یا صدقہ وغیرہ ہو، تمام کا ثواب پہنچانا جائز ہے۔ معتزلہ (دین سے پھر جانے والا

گروہ) کے نزدیک جائز نہیں۔

”ان النبی ﷺ ضحیٰ بکبشین املحین احدهما عن نفسه والاخر عن امته“

نبی کریم ﷺ نے دود بنے سفید سیاہی مائل قربانی فرمائے ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔

یعنی آپ نے اپنی قربانی کا ثواب اپنی امت کو پہنچایا۔

ابن ابی شیبہ کی حدیث میں صریح الفاظ یہ موجود ہیں۔

”اللهم عن محمد وامتہ فمن شہدک بالتوحید و شہد لی بالبلاغ“

اے اللہ محمد کی طرف سے قبول فرما، اور امت محمد (امت دعوت) میں سے جنہوں نے تیری وحدانیت کی شہادت اور میرے حق میں یہ شہادت دی کہ میں نے تیرا حکم پہنچا دیا ہے ان لوگوں کے لئے قبول فرما۔

”روی الدارقطنی ان رجلا سألہ ﷺ فقال لی ابوان ابرہما حال حیاتہما فکیف لی ببرہما بعد موتہما فقال لہ ﷺ ان من البر بعد الموت ان تصلی لہما مع صلوٰتک و تصوم لہما مع صیامک“

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ ہیں جن کی حیات میں تو میں ان کی اطاعت کر رہا ہوں، ان کی خدمت گزاری اور ان سے اچھا سلوک رکھنے میں مشغول رہتا ہوں۔

ان کی وفات کے بعد میں ان سے کس طرح حسن سلوک رکھوں گا، تو آپ نے فرمایا بیشک ان کی موت کے بعد ان سے صلہ رحمی یہ ہے کہ تم اپنی نمازوں کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھنا اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لئے بھی روزے رکھنا۔ یعنی ان کو اپنی عبادات ناقلہ کا ثواب پہنچانا۔ (دارقطنی)

”وروی ایضاً عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال من مرّ علی المقابر و قرأ قل هو اللہ احد

احدی عشرة مرة و ہب اجرہا لالاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات“

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل هو اللہ احد سورۃ

پڑھ کر ثواب فوت شدہ لوگوں کو پہنچائے تو اس شخص کو (قبرستان میں) فوت شدہ لوگوں کی تعداد کے مطابق اجر دیا جائے گا۔
(دارقطنی)

”عن انس انه سألہ ﷺ فقال يا رسول الله ان تصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعوهم فهل يصل ذلك اليهم قال نعم انه ليصل اليهم وانهم ليفرحون به كما يفرح احدكم بالطبق اذا هدى اليه“
(رواه ابو حفص الكبير العكبري)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ کیا ہم اپنے فوت ہونے والے حضرات کے لئے صدقہ کریں اور ان کے لئے حج کریں اور ان کے لئے دعاء کریں کیا یہ ان تک پہنچیں گے، فرمایا ہاں بیشک انہیں پہنچیں گے اور بیشک انہیں اس سے اسی طرح خوشی حاصل ہوتی ہے جیسے تم میں سے کسی ایک کو بطور ہدیہ (کھانے کا) طشت دیا جائے تو وہ خوش ہوتا ہے۔

”وعنه ﷺ اقرؤ اعلی موتا کم یس“
(رواه ابو داؤد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے فوت شدہ لوگوں کے لئے یس پڑھو۔
رب تعالیٰ نے والدین کے لئے دعاء کرنے کا حکم ان الفاظ مبارکہ سے دیا۔
”وقل رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا“

اور کہو اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

اور رب تعالیٰ نے فرشتوں کی مومنوں کے حق میں دعاء کا ذکر فرمایا۔

”والملائکۃ یسبحون بحمد ربہم ویستغفرون لمن فی الارض“

اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیحات بیان کرتے ہیں اور زمین والوں (مومنین) کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

”الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمدهم ویؤمنون به ویستغفرون للذین امنوا“
 حاملین عرش اور اس کے ارد گرد والے فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیحات بیان کرتے ہیں
 اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ (از فتح القدیر)

نتیجہ: ان آیات و احادیث سے پتہ چلا کہ عبادات کے ذریعے فوت شدہ حضرات کو ثواب پہنچتا ہے اور ثواب پہنچانے والے کو بھی ان تمام کی تعداد کے مطابق ثواب حاصل ہوتا ہے، لہذا حج کا ثواب بھی دوسرے شخص کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ ایصال ثواب کی تفصیل نجوم الفرقان سورہ بقرہ کی ابتداء میں پہلے پارہ میں دیکھئے۔

دوسری صورت کسی اور کی طرف سے حج کرنے کی یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو خرچ دے کہ تو میری طرف سے حج کرا۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں۔ نفلی حج کا بدل۔ اور فرض حج کا بدل۔

نفلی حج کا بدل:

”اعلم ان الحج النفل فلا یشرط فیہ العجز لانه لم یجب علیہ“
 نفلی حج کا بدل بنانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جو شخص حج کر رہا ہے وہ خود عاجز ہو یعنی بوڑھا اور بیمار ہو کہ خود حج نہ کر سکے تو کسی اور سے کرائے۔
 اس لئے کہ نفلی حج کرنے یا نہ کرنے میں جب اس کو اختیار ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کے لئے
 ”فله الاستنابة صحیحا“ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ صحیح و تندرست ہونے کی حالت میں اپنے بدلے کسی اور کو حج کرا کے ثواب حاصل کر لے۔

فرض حج کا بدل:

اگر کوئی شخص مالدار ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج کر سکتا ہے لیکن بڑھا پے اور مرض کی وجہ سے وہ حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو کسی دوسرے کو حج کا خرچ دے کر حج کرا لے۔ (از فتح القدیر)

عبادت کا بدل بنانے کا قانون شرعی:

عبادات کی تین قسمیں ہیں۔

عبادات مالیہ، جیسے زکوٰۃ۔ عبادات بدنہ، جیسے نماز اور روزہ۔ اور مالی اور بدنی سے مرکب عبادات جیسے حج۔

عبادات مالیہ میں کسی کو نائب بنانا ہر حال میں جائز ہے خواہ اختیاری حالت ہو یا کوئی عذر اور مجبوری درپیش آئے، زکوٰۃ اور صدقات مالیہ کے ادا کرنے میں نائب بنانا ہر حال میں جائز ہے۔

عبادات بدنہ میں کسی حالت میں بھی نائب بنانا جائز نہیں، مجبوری درپیش ہو یا نہ ہو، یعنی کوئی دوسرا شخص کسی کی طرف سے نماز اور روزہ ادا نہیں کر سکتا۔

مالی اور بدنی سے مرکب عبادت، جیسے حج ہے۔ جب حج فرض ہو اور انسان خود حج کر سکتا ہو کوئی ضعف اور عجز عارض نہیں تو وہ اپنا نائب نہیں بنا سکتا، ہاں اگر کوئی عذر ہو تو نائب بنا سکتا ہے۔ (ہدایہ)

حج بدل کا ثبوت حدیث پاک سے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس خثعم قبیلہ کی ایک عورت آئی۔

”فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنْ فَرِيضَةَ اللَّهِ فِي الْحَجِّ عَلَى عِبَادِهِ اِدْرَكَتْ اَبِي شَيْخًا كَبِيرًا

لَا يَسْتَوِي عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ اِنْ احْجَّ عَنْهُ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ“

(نسائی، ج ۲، ص ۳)

اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، لیکن میرے

باپ بوڑھے ہیں جو سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کروں تو

ان کا حج ادا ہو جائے گا، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں (تمہارے باپ کا حج ادا ہو جائے گا)

”عَنْ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ رَدِيفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنْ

امی عجوز کبیرۃ وان حملتہا لم تستمسک وان ربطتہا خشیت ان اقتلہا فقال رسول اللہ ﷺ ارایت لو کان علی امک دین اکنت قاضیہ قال نعم قال فحج عن امک
(نسائی ج ۲، ص ۳)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر سوار تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس حاضر ہوئے، عرض کیا یا رسول اللہ بیشک میری ماں بہت زیادہ بوڑھی ہے، اگر میں ان کو سواری پر بٹھا دوں تو وہ بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھیں گی۔ اور اگر سواری پر سوار کر کے (گرنے کے خوف سے سواری پر) ان کو باندھ دوں تو خطرہ ہے کہ ان پر موت واقع ہو جائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتے؟ وہ شخص کہنے لگے ہاں یا رسول اللہ ادا کرتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کرو۔

حج بدل کی شرائط:

فرض حج کی ادائیگی کے لئے نائب بنانے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔
﴿۱﴾ جو شخص نائب بنا رہا ہے وہ عاجز ہو خود ادا نہ کر سکے اور اس کے پاس مال ہے تو وہ دوسرے کو مال دے کر نائب بنالے جو اس کی طرف سے حج کرے۔

اگر مالدار شخص خود حج کر سکتا ہو عاجز نہ ہو تو وہ نائب نہیں بنا سکتا۔ اگر ایک شخص فقیر ہے مالدار نہیں، بدن اس کا صحیح ہے وہ خود حج کرنے کی جسمانی طور پر طاقت رکھتا ہے تو وہ بھی نائب نہیں بنا سکتا، کیونکہ اس پر حج فرض ہی نہیں۔

﴿۲﴾ نائب بنانے کے لئے اور شرط یہ ہے کہ موت کے وقت تک عاجز رہے، اگر ایک شخص نے مرض کی حالت میں اپنے حج کا نائب بنایا جبکہ وہ خود حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ ”فان مات اجزاة وان تعافی بطل“ اگر اسی حالت میں اس پر موت واقع ہو گئی تو اس حج ادا ہو گیا، اور اگر صحیح ہو گیا تو اسے حج پھر ادا کرنا پڑے گا، وہ حج تو اس کی طرف سے ادا نہیں ہوا، البتہ اسے حج کے لئے خرچ ادا کرنے کا ثواب حاصل ہوگا۔

اگر کوئی شخص قید ہو تو وہ نائب کے ذریعے حج کرائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اگر اس قید کی حالت میں فوت ہو گیا تو حج اس کا ادا ہوگا، اگر قید سے آزاد ہو گیا تو اسے خود پھر حج کرنا پڑے گا۔

﴿۳﴾ اور شرط یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج ادا کیا جائے وہ حج کرنے کے متعلق اسے کہے۔ اگر اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے حج کرے تو اس کا حج ادا نہیں ہوگا۔ اسی طرح وارث خود ہی اپنے مورث لہ (جس کا یہ وارث ہے) کی طرف سے حج کرے تو اس کی طرف سے حج نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا حکم دینا ضروری ہے۔

﴿۴﴾ نائب کے لئے ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج کر رہا ہے اسی کے حج کی نیت کرے اور اسی کی جانب سے احرام باندھے بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے ”یقول بلسانہ لیبک عن فلان“ کہ زبان سے یہ کہے کہ اللہ میں تیرے دربار میں فلاں کی جانب سے حج کے لئے حاضر ہوں۔

﴿۵﴾ جس شخص کو حج کرنے کے لئے نائب بنایا گیا ہے وہ اسی کے مال سے حج کرے۔ اگر اپنے مال سے حج کرے گا تو اس کا حج نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ اس نے حکم دیا کہ تم میری طرف سے حج کرو، اس نے پہلے اپنا مال خرچ کر لیا پھر اس نے مال اسے دے دیا تو یہ حج اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرے مال سے میری طرف سے میرا فرض حج ادا کر دینا، اگر اس کے مال سے حج کر دیا گیا تو یہ حج بدل ہو گیا۔ اگر اس کا مال ورثاء نے تقسیم کر لیا، کسی ایک وارث نے خوشی سے اپنے مال سے حج کر دیا تو یہ حج بدل نہیں ہوگا۔ البتہ حج کا ثواب اسے پہنچایا جاسکے گا۔

﴿۶﴾ نائب کے لئے اور شرط یہ ہے کہ جس نے حج کے لئے نائب بنایا ہے وہ سواری کا کرایہ اور باقی خرچ دے، پیدل حج بدل کرنے کی اس شخص پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

فائدہ: ”ثم الصحيح من المذهب فيمن حج عن غيره ان اصل الحج يقع عن المحجوج

عنه ولهذا لا يسقط به الفرض. عن المامور وهو الحاج كذا في التبيين“

پھر صحیح مذہب یہ ہے کہ حج اس شخص کا ہوگا جس نے خرچ دیا ہے، اور اپنا نائب بنایا ہے۔ حج کرنے

اگر کوئی شخص قید ہو تو وہ نائب کے ذریعے حج کرائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اگر اس قید کی حالت میں فوت ہو گیا تو حج اس کا ادا ہوگا، اگر قید سے آزاد ہو گیا تو اسے خود پھر حج کرنا پڑے گا۔

﴿۳﴾ اور شرط یہ ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج ادا کیا جائے وہ حج کرنے کے متعلق اسے کہے۔ اگر اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے حج کرے تو اس کا حج ادا نہیں ہوگا۔ اسی طرح وارث خود ہی اپنے مورث لہ (جس کا یہ وارث ہے) کی طرف سے حج کرے تو اس کی طرف سے حج نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا حکم دینا ضروری ہے۔

﴿۴﴾ نائب کے لئے ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حج کر رہا ہے اسی کے حج کی نیت کرے اور اسی کی جانب سے احرام باندھے بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے ”یقول بلسانہ لیک عن فلان“ کہ زبان سے یہ کہے کہ اللہ میں تیرے دربار میں فلاں کی جانب سے حج کے لئے حاضر ہوں۔

﴿۵﴾ جس شخص کو حج کرنے کے لئے نائب بنایا گیا ہے وہ اسی کے مال سے حج کرے۔ اگر اپنے مال سے حج کرے گا تو اس کا حج نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ اس نے حکم دیا کہ تم میری طرف سے حج کرو، اس نے پہلے اپنا مال خرچ کر لیا پھر اس نے مال اسے دے دیا تو یہ حج اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرے مال سے میری طرف سے میرا فرض حج ادا کر دینا، اگر اس کے مال سے حج کر دیا گیا تو یہ حج بدل ہو گیا۔ اگر اس کا مال ورثاء نے تقسیم کر لیا، کسی ایک وارث نے خوشی سے اپنے مال سے حج کر دیا تو یہ حج بدل نہیں ہوگا۔ البتہ حج کا ثواب اسے پہنچایا جاسکے گا۔

﴿۶﴾ نائب کے لئے اور شرط یہ ہے کہ جس نے حج کے لئے نائب بنایا ہے وہ سواری کا کرایہ اور باقی خرچ دے، پیدل حج بدل کرنے کی اس شخص پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

فائدہ: ”ثم الصحيح من المذهب فيمن حج عن غيره ان اصل الحج يقع عن المحجوج

عنه ولهذا لا يسقط به الفرض عن المأمور وهو الحاج كذا في التبيين“

پھر صحیح مذہب یہ ہے کہ حج اس شخص کا ہوگا جس نے خرچ دیا ہے، اور اپنا نائب بنایا ہے۔ حج کرنے

والے کا اپنا حج اس خرچ سے ادا نہیں ہوگا۔

”والافضل عن للانسان اذا اراد ان يحج رجلا عن نفسه ان يحج رجلا قد حج عن نفسه ومع هذا لو احج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الاسلام يجوز عندنا وسقط الحج عن الامر كذا في المحيط“

افضل یہ ہے کہ جس شخص کو حج بدل کا نائب بنایا جائے اس نے اپنا فرض حج ادا کیا ہو، ہاں اگر ایسے شخص کو نائب بنایا جائے جس نے اپنا فرض حج ادا نہیں کیا ہو تو پھر بھی حج پر بھیجنے والے کی طرف سے حج ادا ہو جائے گا۔ حج کرنے والے شخص کو اپنا حج پھر ادا کرنے پڑے گا۔

﴿۷﴾ حج بدل ادا کرنے والے کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے، بچے کو نائب بنانے سے اس کا حج ادا نہیں ہوگا۔

خیال رہے کہ نائب بالغ ہونے کی حالت میں جو حج ادا کیا جائے اس سے فرض ادا نہیں ہوتا۔

تنبیہ: حج بدل میں نائب بننے والے کے لئے بلکہ ہر شخص جو حج کرنے والا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حج کرنے کا طریقہ جانتا ہو، خصوصاً حج کے فرائض اور واجبات ہر شخص کو جاننے ضروری ہیں۔

﴿۸﴾ ایک شخص ایک وقت میں ایک شخص کا نائب بن کر ہی حج کر سکتا ہے۔ اگر دو آدمیوں نے ایک شخص کو اپنا نائب بنایا اس نے ایک سال ہی دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ لیا تو یہ حج اسی شخص کا ہوگا جو حج کر رہا ہے، جنہوں نے اسے خرچ دے کر اپنا نائب بنایا تھا ان میں سے کسی ایک کا بھی حج ادا نہیں ہوا۔ حج کرنے والے پر لازم ہوگا کہ ان کا خرچ انہیں واپس کر دے۔

پہلے دونوں کا احرام باندھ لیا تھا حج کرنے کے بعد کسی ایک کے لئے حج معین کر دے تو پھر بھی اس کی طرف سے ادا نہیں ہوگا۔ ہاں اگر ماں باپ کی طرف سے حج کیا لیکن بعد میں دونوں میں سے ایک کے لئے خاص کر دے تو یہ جس کی طرف سے خاص کیا اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

﴿۹﴾ ایک شخص کے لئے احرام معین کرنا ضروری ہے۔ اگر دو شخصوں نے ایک ہی آدمی کو حج کرنے کے لئے اپنا نائب بنادیا اس نے ایک سال میں ایک کا ہی احرام باندھا ہے لیکن معین نہیں کیا بلکہ احرام باندھتے وقت یہ

کہا کہ یہ احرام دونوں میں سے ایک کا ہے اور اسی پر حج کر لیا تو حج اس کا اپنا ہوگا اور ان دونوں کو خرچ واپس کرنا ضروری ہوگا، ہاں اگر چہ احرام باندھتے وقت تو کسی ایک کو معین نہیں کیا تھا لیکن طواف قدم سے پہلے پہلے دونوں میں سے ایک کو خاص کر لیا کہ اس مرتبہ یہ حج فلاں شخص کی طرف سے ہے تو جس کو معین کیا اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

﴿۱۰﴾ نائب کے لئے ضروری ہے کہ خرچ دینے والے کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ اگر ایک شخص نے دوسرے کو حج مفرد کرنے یا عمرہ کرنے کا حکم دیا اس نے قرآن کر لیا (حج اور عمرہ کو ایک احرام میں جمع کر لیا) تو اس نے حج کرانے والے کے حکم کے مخالف کام کیا اس کی طرف سے حج یا عمرہ ادا نہیں ہوگا اس پر لازم رہے گا کہ خرچ واپس لوٹائے۔

ہاں اس کی طرف سے صرف حج کیا یا عمرہ کیا لیکن احرام ایک ساتھ باندھ کر دوسرے کام کی نیت اپنے لئے کر لی یا کسی اور کے لئے کر لی تو اب بھی نائب بنانے والے کے حکم کی مخالفت ہے البتہ خرچ لوٹانے کا ضامن نہیں۔

تذہیب: حج یا عمرہ جس کے لئے کسی کو نائب بنایا جائے اسے چاہئے کہ حج، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد جلدی واپس لوٹ آئے، اگر واپس لوٹ سکتا تھا جان بوجھ کر دیر کرتا رہا تو جتنے دن زائد رہے گا اتنے دنوں کا خرچ اس کا اپنا ہوگا، نائب بنانے والے پر لازم نہیں کہ وہ زائد دنوں کا خرچ دے۔ (ماخوذ از عالمگیری)

آجکل حکومت حج کے لئے زیادہ پیسے جمع کرتی ہے، مناسب مقدار میں خرچ کیا جائے، عیاشی نہ کی جائے تو کچھ رقم بچ جاتی ہے، اس لئے حج بدل کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ بچی ہوئی رقم واپس لوٹا دے، ہاں البتہ وہ شخص کہے کہ جتنے پیسے حکومت نے جمع کر لئے ہیں وہ سب تمہارے ہی ہیں تو بچا کر رقم اپنے پاس رکھ لے تو جائز ہے۔

روح حج زیارة النبی ﷺ:

عشق و محبت والوں کے لئے اس بحث کو ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ اس وقت ان کا حج نامکمل ہی رہتا ہے، البتہ

ضعیف ایمان والے ان احادیث کو ضعیف کہتے رہیں گے جن میں رسول اللہ ﷺ کے روضہ مطہرہ کی زیارت کا ذکر ہے۔

”قال مشائخنا رحمهم الله من افضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة“

ہمارے مشائخ رحمہم اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ تمام مستحبات میں سے افضل یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرے، بلکہ مناسک فارسی اور شرح مختار میں ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے روضہ مطہرہ کی زیارت کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس پر حاضر ہونا واجب کے قریب ہے۔

”قال رسول الله ﷺ من زار قبري وجبت له شفاعتي“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔
(دارقطنی و مسند بزار)

”قال رسول الله ﷺ من جاءني زائرا ليعمله حاجة الا يزارني كان حقاعلي ان اكون له شفيعا يوم القيامة“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو میری زیارت کے لئے آئے، اس کے آنے کی اور کوئی وجہ نہیں سوائے میری زیارت کے تو مجھ پر یہ حق لازم ہو جاتا ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔
(دارقطنی)

”قال رسول الله ﷺ من حج وزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي“
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حج کیا اور میری موت کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ شخص ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔
(فتح القدیر)

سوال: نبی کریم ﷺ کی ظاہری زندگی میں آپ کی حالت ایمان زیارت کرنے والا اور تا موت ایمان پر قائم رہنے والا تو صحابی بن جاتا تھا لیکن آپ کی قبر کی زیارت کرنے والا تو صحابی نہیں بنتا تو وجہ تشبیہ کیا ہے؟

جواب: تشبیہ میں مکمل طور پر ایک چیز کا دوسری چیز جیسا بنتا لازم نہیں ہوتا۔ بعض وجوہ سے مشابہت کافی ہے۔

مطلب یہ کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی اس نے اگرچہ آپ کے ظاہری جلوے نہیں دیکھے اس لئے وہ تو صحابی نہیں بن سکتا لیکن نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس پر بھی ایسے ہی رحمت ہے جیسے آپ کی رحمت آپ کے صحابہ کرام پر تھی۔

تنبیہ: جب فرض حج ادا کرے تو بہتر یہ ہے کہ پہلے حج کرے پھر نبی کریم ﷺ کے روضہ مطہرہ کی زیارت کرے اور اگر نفلی حج ہو تو اسے اختیار ہے چاہے تو پہلے حج کرے اور چاہے تو پہلے رسول اللہ ﷺ کے مزار پر انوار کی زیارت کرے۔

” فاذا نوى زيارة القبر فلينو معه زيارة المسجد اى مسجد رسول الله ﷺ فانه احد المساجد الثلاثة التى تشد اليها الرحال“

جب رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے تو ساتھ ہی مسجد نبوی کی زیارت کی بھی نیت کرے، کیونکہ یہ تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا مختار:

”والاولى فيما يقع عند العبد الضعيف تجريد النية لزيارة قبر النبي ﷺ ثم اذا حصل له اذا قدم زيارة المسجد“

عبد ضعیف (ابن ہمام) کے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے صرف نبی کریم ﷺ کے مزار پر انوار کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں پہنچے گا تو مسجد کی زیارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ (فتح القدیر)

اعتراض: حدیث ابی ہریرہ سے تو منع نظر آتا ہے کہ قبروں کی زیارت کے لئے سفر منع ہے، کس طرح نبی کریم ﷺ کے مزار پر انوار کی زیارت سے مدینہ طیبہ میں جانا جائز ہے؟

”عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجدى هذا ومسجد الاقصی“

(نسائی جلد اول، ص ۸۱ باب ما تشد الرحال اليه من المساجد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سامان رخت نہ باندھا جائے (سفر نہ کیا جائے) سوائے تین مساجد کے، (وہ مساجد یہ ہیں) مسجد حرام، اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ۔

اس حدیث سے تو پتہ چلا کہ سوائے تین مساجد کے کہیں اور مزارات وغیرہ کی زیارت کی نیت سے جانا منع ہے۔

جواب: حدیث کا مطلب یہ نہیں جو معترضین نے سمجھا۔

”والمعنى لا ينبغي شد الرحال والسفر من بين المساجد الا الى ثلاثة مساجد“
بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ سوائے تین مساجد کے اور کسی مسجد میں زیادہ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے سفر نہ کرے کیونکہ زیادہ ثواب صرف ان تین مساجد میں ہے۔

”واما السفر لتعلم وزيارة العلماء والصلحاء وللتجارة ونحو ذلك فغير داخل في حين المنع“

علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا، علماء اور صلحاء کی زیارت کے لئے سفر کرنا، تجارت کے لئے سفر کرنا اور ضروری کاموں کے لئے سفر کرنا اس ممانعت میں داخل نہیں، بلکہ یہ تمام سفر مستحب ہیں۔
”قال الحافظ ابن حجر في فتح الباري ذهب البعض الى حرمة الشد الى غير المساجد الثلاثة عملا بظاهر الحديث والصحيح عند امام الحرمين وغيره من الشافعية لا يحرم“

فتح الباری شرح بخاری میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ جن لوگوں نے حدیث پاک کے ظاہر الفاظ سے یہ سمجھا ہے کہ تین مساجد کے بغیر کہیں سفر کر کے جانا جائز نہیں یہ غلط ہے۔ صحیح مطلب وہ ہے جو امام الحرمین اور دوسرے اہل علم شوافع وغیرہ نے بیان فرمایا ہے کہ حدیث پاک سے کوئی حرمت ثابت نہیں۔

”ان المراد ان الفضيلة الثابتة في شد الرحال الى هذه المساجد بخلاف غير هافانه جائز“

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ تین مساجد کی طرف سفر کرنا تو باعث فضیلت، ان کے بغیر کہیں اور جانا جائز ہے۔

”او المراد انه لا تشد الرحال الى مسجد من المساجد للصلوة فيه غير هذا“
یا یہ مقصد ہے کہ تم سوائے تین مساجد کے کسی اور مسجد کی طرف اس غرض سے سفر نہ کرو کہ وہاں نماز ادا کرنے سے جو ثواب حاصل ہونا ہے وہ کسی اور مسجد میں نہیں حاصل ہوتا۔ یہ نظریہ صرف مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے متعلق ہی قائم کیا جاسکتا ہے۔

”واما قصد زيارة صالح ونحوها فلا يدخل تحت النهي“
نیک آدمیوں کی زیارت کے لئے یا اور اس طرح نیکی وغیرہ کے کاموں کی طرف سفر کرنا جائز ہے اس میں کوئی ممانعت ثابت نہیں۔

مسند احمد میں حدیث ہی اس طرح واضح ہے کہ خود ہی مسئلہ حل ہو جاتا ہے کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔
”قال رسول الله ﷺ لا ينبغي للمصلي ان يشدر حاله الى مسجد يتغنى فيه الصلوة غير المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدى هذا“
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی نمازی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور اس میری مسجد کے کسی اور مسجد کی طرف اس لئے سفر کرے کہ وہاں نماز ادا کرنا زیادہ ثواب ہے۔
فتح الباری کی طرح ہی عمدۃ القاری میں بھی یہی ثابت کیا گیا ہے۔ کہ نیک آدمیوں کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔

”قال النووي قال ابو محمد الجويني يحرم شد الرحال الى غير ثلاثة وهو غلط“
علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو محمد جوینی کا یہ کہنا غلط ہے کہ سوائے تین مساجد کہیں اور سفر کرنا جائز نہیں۔

”وفي الاحياء ذهب البعض الى الاستدلال به على المنع من الرحلة لزيارة المشاهد

وقبور العلماء والصالحین وماتین لی ان الامر کذلک بل زیارة مامور بها لخبر
کنت نهیتکم عن زیارة القبور الا ضرور وها“

احیاء العلوم میں علامہ غزالی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے جو یہ
دلیل حاصل کی کہ تین مساجد کے بغیر کہیں اور سفر کر کے جانا منع ہے نہ شہداء کے مزارات پر جائے
اور نہ علماء و صلحاء کی قبور کی زیارت کے لئے جائے۔ مجھے نہیں سمجھ آ سکا کہ انہوں نے یہ ناقص دلیل
کیوں دی، اس لئے کہ قبور کی زیارت کا تو خود نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا کہ میں نے تمہیں قبور کی
زیارت سے منع کیا تھا، خبردار قبروں کی زیارت کرو۔

”والحدیث انما ورد نهیها عن الشد لغير المساجد لثماثلها بل لا بلدا لا و فیها مسجد
فلا معنی للرحلة الی مسجد آخر و اما المشاهد فلا تساوی بل برکة زیارتها علی قدر
درجاتهم عند الله“

حدیث پاک سے صرف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ تمام مساجد میں عبادت کرنا ایک جیسا مرتبہ رکھتا ہے
سوائے تین مساجد کے، کہ ان میں زیادہ ثواب ہے، مسجد حرام میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب
ایک لاکھ نماز ادا کرنے کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا
ہے (پچاس ہزار نمازوں کے ثواب والی روایت ترمذی میں دیکھئے) اور بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) میں
ایک نماز کا ثواب دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

ورنہ مطلقاً اگر یہ بھی کہا جائے کہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کر کے نہ جاؤ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہر شہر اور ہر بستی
میں کوئی نہ کوئی مسجد ہے جس کی طرف چل کر جانا ہے اور نماز ادا کرنی ہے۔ پھر جمعہ ادا کرنے کے لئے ایک گاؤں سے
شہر یا قصبہ میں جانا ہے وہ بھی سفر کر کے ادا کرتا ہے۔

ہاں البتہ قبور کی زیارت کرنا برابر نہیں بلکہ اصحاب قبور کے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہوں گے اسی
طرح ان کے مزارات سے برکت حاصل ہوگی۔
(ماخوذ از حاشیہ نسائی)

زیارۃ النبی ﷺ پر راقم کی دلیل:

نورالایضاح میں باب زیارۃ النبی میں ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مزار پر انوار کی زیارت کرنا قریب الوجوب ہے، اس پر انہوں نے یہ دلیل قائم کی ہے۔

”فانه ﷺ حرص عليها وبالغ في النذب اليها فقال من وجد سعة ولم يزرني فقد جفاني“

بیشک نبی کریم ﷺ نے اپنی زیارت پر براہیختہ کیا ہے، اور اس کی فضیلت اور ثواب میں مبالغہ فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔ جس شخص نے طاقت پائی اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

راقم نے نورالایضاح کے حاشیہ ذریعۃ النجاح میں اس عربی پر حاشیہ یوں تحریر کیا۔

(حرص عليها) ”ای حث علیہا عنی شوق علیہا الوعد الشفاعة وخوف لتارکها بوعد المحرومية“

نبی کریم ﷺ نے اپنی زیارت پر براہیختہ کیا یعنی اس کی شوق دلائی کہ جس نے زیارت کی وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا اور جس نے زیارت نہ کی اسے اپنی رحمت سے محرومیت کا خوف دلایا۔

(وبالغ في النذب اليها) ”ای بالغ فی طلبها والمبالغة بذکر الوعد والوعيد“
آپ نے اپنی زیارت کی طلب میں مبالغہ فرمایا یعنی زیارت کرنے والے کے لئے وعدہ شفاعت اور نہ کرنے والے کے لئے وعید محرومیت بیان کر کے واضح کیا کہ آپ کی زیارت کرنا مستحب بلکہ قریب الوجوب ہے۔

(فقال من وجد سعة والمراد من سعة قدرة على الزاد لنفسه وعباله الى وقت العود لان بغير الاستطاعة تكليف ما لا يطاق وهو غير جائز لقوله تعالى لا يكلف الله نفسا الا وسعها الا لا يكلف الله بغير الوسعة فرسوله كيف يكلف

بغير الوسعة لان الرسول لا يخالفه على حال كما قال الله تعالى ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى“

رسول اللہ ﷺ نے وسعت کا ذکر فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس آنے جانے کا خرچ ہو اور واپس لوٹنے تک اہل و عیال کا خرچ بھی ہو، اس پر میری زیارت کرنا ضروری ہے اگر اس نے میری زیارت نہ کی تو مجھ پر اس نے جفا کی، اگر آپ یہ ذکر نہ فرماتے تو طاقت سے بڑھ کر تکلیف ہوتی۔ طاقت سے زائد تکلیف اللہ تعالیٰ بھی نہیں دیتا اور اس کے رسول ﷺ بھی نہیں دیتے۔ کیونکہ اللہ کا رسول کسی حال میں بھی اللہ کی مخالفت نہیں کرتا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر اپنی خواہشات سے کوئی کلام کرتے ہیں۔

آئیے اصل دلیل کی طرف توجہ فرمائیں، راقم نے نور الایضاح کے حاشیہ سے بطور نمونہ کچھ اقتباس پیش کر دیا۔

(فقد جفانی) ”من كان له بصيرة في العلم وهو يعلم ان هذا الحديث اشد وعيدا لتارك الزيارة لان الجفاء هو الايذاء وايذاء رسول الله ﷺ حرام بالنص القطعي ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة وهذه الآية تدل على من اعرض بلا عذر قادرا فهو لا يعرف حق رسول الله ﷺ ويؤذيه ومن آذى رسول الله ﷺ فهو خسر الدنيا والآخرة وورث يزيدو ابا جهل وما كان لمؤمن ان يرث يزيدو ابا جهل بايذائه بل لمؤمن ان يحب بترية رسول الله ﷺ ويحصل قرعة عينه منها“ (ذريعة النجاح حاشیہ نور الایضاح)

جس شخص کو علم میں بصیرت حاصل ہے وہ جانتا ہے کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کو بغیر عذر کے چھوڑنے والے کے لئے وعید شدید فرمائی گئی۔ کیونکہ آپ نے جفاء کا ذکر فرمایا، نبی کریم ﷺ پر جفا کرنا آپ کو ایذا پہنچانا ہے، اور آپ کو ایذا پہنچانا حرام ہے جو نص قطعی سے ثابت ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ”بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہو دنیا اور آخرت میں“

گویا کہ اس آیت اور حدیث پاک کو ملا کر نتیجہ یہ نکلا کہ نبی کریم ﷺ کی زیارت پر قادر ہونے کے باوجود جو شخص آپ کی زیارت نہیں کرتا وہ آپ کو ایذا پہنچا رہا ہے۔ آپ کو ایذا پہنچانے والا دنیا اور آخرت میں خسارے میں ہے اور یزید اور ابو جہل کا وارث ہے۔ مومن کی شان کے یہ لائق نہیں کہ وہ یزید اور ابو جہل کا وارث بنے۔ بلکہ مومن کو چاہئے کہ وہ رسول اللہ کے مزار اقدس کی خاک سے بھی محبت رکھے اور اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنک سمجھے۔

مدینہ طیبہ میں حاضری کے آداب:

- ☆ جب حاضری کے ارادہ سے چلے تو راستہ میں کثرت سے درود شریف پڑھے۔
- ☆ مدینہ طیبہ میں پہنچ کر نبی کریم ﷺ کے مزار پر انوار پر حاضری کے لئے غسل کرے یا وضو کرے، غسل کرنا افضل ہے۔
- ☆ صاف ستھرے کپڑے پہنے، نئے کپڑے پہننا زیادہ بہتر ہے۔
- ☆ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ کر سوار یوں سے جو لوگ اتر جاتے ہیں اور پیدل چلتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے۔
- ☆ ”وکل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا“
- ☆ ہر وہ کام جو ادب اور بزرگی پر دلالت کرے وہ احسن ہوگا۔
- ☆ جب مدینہ طیبہ میں داخل ہو تو پڑھے۔
- ☆ ”باسم اللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا“
- ☆ اور یہ دعاء کرے۔
- ☆ ”اللہم افتح لی ابواب رحمتک وارزقنی من زیارة رسولک ﷺ مارزقت اولیائک و اہل طاعتک و اغفر لی وارحمنی یا خیر مستول“
- ☆ نبی کریم ﷺ کے مزار پر انوار کی حرمت اور عزت کا لحاظ کرے، نہایت عجز و انکساری اور خشوع و خضوع سے حاضر ہو۔

☆ نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھنے میں کوئی کمی نہ چھوڑے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے، آپ یہ کہتے تھے۔

”استحی من اللہ تعالیٰ ان اطأربة فیہا رسول اللہ ﷺ بحافر دابة“

مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس مٹی کو سواری کے پاؤں سے روندوں جس میں رسول اللہ ﷺ مدفون ہیں۔

راقم کے نزدیک حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ اگر سر کے بل آپ چل سکتے تو یقیناً اپنے پاؤں بھی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں نہ لگاتے۔

☆ مسجد میں داخل ہو کر مسجد کے آداب کا لحاظ کرے، دایاں پاؤں پہلے مسجد میں رکھے اور دعاء پڑھے۔
”اللہم افتح لی ابواب رحمتک“

☆ نبی کریم ﷺ کے مزار پر انوار اور منبر تک مسجد کا حصہ جسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے، اس میں تحیۃ المسجد ادا کرے۔ آجکل بہت ہجوم ہوتا ہے اس لئے ریاض الجنۃ میں جگہ نہ ملے تو تمام مسجد نبوی میں کہیں بھی جگہ ملے تو نوافل ادا کرے۔ مسجد نبوی میں جتنا بھی اضافہ ہوتا جائے گا وہ مسجد نبوی کے درجہ میں ہی ہوگا۔
☆ مدینہ طیبہ کی حاضری چونکہ عظیم نعمت ہے، اس لئے دو رکعت بطور شکر نفل ادا کرے۔

☆ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کے چھ سمت فٹ کے فاصلہ پر قبلہ کی طرف چہرہ کر کے اور قبلہ شریف کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو۔
(از فتح القدیر)

مزار پر انوار پر ہدیہ درود و سلام پیش کرے:

مندرجہ ذیل الفاظ مبارکہ سے درود و سلام پڑھے۔

”الصلوة والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ الصلوۃ والسلام علیک یا نبی اللہ

الصلوة والسلام علیک یا حبیب اللہ الصلوۃ والسلام علیک یا نبی الرحمة

الصلوة والسلام علیک یا سید المرسلین

الصلوة والسلام علیک یا شفیع الامۃ

الصلوة والسلام علیک یا مزل

الصلوة والسلام علیک یا خاتم النبیین

الصلوة والسلام علیک یا مدثر

الصلوة والسلام علیک وعلى اصولک الطیبین واهل بیتک الطاهرین

نبی کریم ﷺ سے شفاعت کی عرض کرے:

عاجز انداز پر یوں عرض کرے۔

”انت الشافع المشفع الموعود بالشفاعة العظمی والمقام المحمود والوسيلة“
آپ شفاعت کرنے والے ہیں۔ آپ کی شفاعت کو قبول کرنے کا آپ سے رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ شفاعت عظمیٰ کا منصب آپ کو حاصل ہوگا۔ مقام محمود اور مقام وسیلہ آپ کو ہی حاصل ہونا ہے۔

رب تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا۔

”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما“

اور اگر بیشک یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو آپ کے پاس آجائیں تو اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں اور ان کے لئے رسول بھی بخشش طلب کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔

ہم گناہوں کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہیں، ہم خود تو بخشش طلب کر رہے ہیں، آپ بھی شفاعت فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرمادے۔ اور ہماری موت آپ کی سنت پر قائم رہتے ہوئے آئے۔

”الشفاعة الشفاعة الشفاعة يا رسول الله“

تین مرتبہ عرض کرے، یا رسول اللہ! آپ شفاعت فرمائیں۔
پھر تمام مومنوں کے لئے یہ دعاء کرے۔

”ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين امنوا ربنا
انك رؤوف رحيم“

پھر جن لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے متعلق کہا تھا ان کے نام لے کر آپ کی
خدمت میں ان کے سلام پیش کرے۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرے۔
”السلام عليك يا خليفة رسول الله

السلام عليك يا صاحب رسول الله جزاك الله عنا افضل الجزاء“

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تعریفی الفاظ ذکر کرے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے غار کے
ساتھی ہیں اور سفر و حضر کے ساتھی، آپ حضور کے رازوں کے امین ہیں۔ اس قسم کے آپ کو جو اوصاف بھی ذہن میں
ہوں، وہ آپ کے حضور عرض کرے۔

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرے۔ یوں عرض کرے۔

”السلام عليك يا امير المؤمنين

السلام عليك يا مظهر الاسلام

السلام عليك يا مكسر الاصنام جزاك الله عنا افضل الجزاء“

پھر آپ کے حضور تعریفی کلمات پیش کرے اور یہ عرض کرے آپ نے مسلمانوں اور اسلام کی امداد
فرمائی، اور آپ نے نبی کریم ﷺ کے بعد بہت سے علاقوں کو فتح فرمایا، یتیموں کی آپ نے کفالت
کی۔ اس قسم کے جو الفاظ بھی ذہن میں آئیں جو آپ کی شان پر دلالت کریں وہی الفاظ آپ کے
حضور پیش کرے۔

پھر دعاء کرے:

سلام پیش کرنے کے بعد اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے دعاء کرے۔ اور جن لوگوں نے دعاء کے متعلق کہا تھا ان کے لئے دعاء کرے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرے۔

متبرک مقامات سے حصول برکت:

اسطوانہ ابی لبابة کے پاس نوافل پڑھے اور دعاء کرے۔ (حاجی حضرات ریاض الجنۃ میں ستونوں کو دیکھیں تو آج بھی ایک ستون پر ”اسطوانہ ابی لبابة“ لکھا ہوا نظر آئے گا) پھر نبی کریم ﷺ کے منبر کے پاس آئے اور اپنا ہاتھ رکھے اور برکت حاصل کرے۔

”و یجتہد فی احیاء اللیالی مدة اقامته واغتنام مشاہدة الحضرة النبویة و زیارتہ فی

عموم الاوقات“

مدینہ طیبہ میں جتنے دن رہے نبی کریم ﷺ کے مزار پر انوار کی زیادہ سے زیادہ زیارت کرے وہاں کی حاضری کو غنیمت سمجھے۔ جتنا ممکن ہو راتیں جاگ کر گزارے۔

”و یتحجب ان یشرح الی البقیع فیأتی المشاہد والہزارات خصوصاً قبر سید

الشہداء حمزة رضی اللہ عنہ ثم الی البقیع الآخر فی زور العباس والحسن بن علی بن

علی وبقیة آل الرسول رضی اللہ عنہم ویزور امیر المؤمنین عثمان بن عفان و ابراہیم

بن النبی ﷺ وازواج النبی ﷺ وعمتہ صفیہ والصحابۃ والتابعین رضی اللہ عنہم“

مستحب یہ ہے کہ مزارات پر حاضری دے، خصوصاً سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حاضری دے، پھر بقیع میں حضرت عباس، حضرت امام حسن اور آل رسول کے دوسرے حضرات،

اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم اور نبی کریم ﷺ کی

ازواج مطہرات اور آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ اور صحابہ اورتابعین رضی اللہ عنہم کے مزارات پر حاضری دے۔

”ویزور شہداء احدوان تیسریوم الخمیس فہو احسن ویقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار ویقرأ آیۃ الكرسی والاخلاص احدى عشرة مرة وسورة یس ان تیسرو یهدی ثواب ذلک جمیع الشہداء ومن بجوارہم من المؤمنین“
شہداء احد کے مزارات پر حاضری دے، اگر جمعرات کو حاضر ہونے میں آسانی ہو تو بہتر یہی ہے کہ جمعرات کو حاضری دے۔ حاضری کے وقت ان کے حضور سلام پیش کرے اور کہے۔ ”سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار“

اور آیۃ الكرسی اور سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے اور اگر ہو سکے تو سورۃ یس پڑھے، اس کا ثواب تمام شہداء اور ان کے قریب تمام مومنوں کو پہنچائے۔

”ویستحب ان یأتی مسجد قباء یوم السبت او غیرہ ویصلی فیہ“
اور مستحب یہ ہے کہ مسجد قباء میں ہفتہ کے دن حاضر ہو کر نوافل پڑھے۔

مدینہ طیبہ میں جتنے دن رہنا نصیب ہو زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھتا رہے۔ زیادہ سے زیادہ عجز و انکساری سے کام لے۔ جتنا زیادہ ادب و احترام کرے گا اتنا زیادہ بلند مقام حاصل ہوگا اور روح حج حاصل ہوگی۔

(ماخوذ از فتح القدیر و نور الابصار)

☆☆☆☆☆

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ ، فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ، وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ، وَ
تَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى ، وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ☆

(سورة البقرة آیت، ۱۹۷)

﴿۱﴾

حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے، تو جوان میں حج کی نیت کرے تو نہ عورتوں کے
سامنے صحبت کا تذکرہ ہو، نہ کوئی گناہ، نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت، اور تم جو بھلائی
کرو اللہ اسے جانتا ہے، اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے، اور
مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو!

﴿۲﴾

حج کے مہینے معلوم ہیں، تو جس شخص نے لازم کر لیا ان (مہینوں) میں حج تو نہ
عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا حج کے دنوں میں،
اور جو تم کرو بھلائی جانتا ہے اسے اللہ، اور توشہ ساتھ لو، بیشک بہتر توشہ پرہیزگاری
ہے اور ڈرو مجھ سے اے عقل والو!

ما قبل سے تعلق:

پہلے ارشاد باری ذکر ہوا۔ ”یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ“
جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس سے اپنے افعال کے اوقات
مقرر کرتے ہیں، اور یہ حج کے وقت کی علامتیں ہیں۔

اس سے یہ وہم ہوتا تھا کہ تمام مہینے حج کے لئے کس طرح علامات ہیں، تو اس کی وضاحت اس آیت کریمہ میں فرمائی۔ یعنی ”ان الآیة الاولى مجملة وهذه الآیة مفسرة لها“ پہلی آیت میں اجمال تھا، اس میں تفسیر ہے کہ حج کے مہینے معلوم ہیں۔ تمام سال کے تمام مہینے مراد نہیں۔
(از خازن)

پہلے حج اور عمرہ کا ذکر فرمایا۔ چونکہ عمرہ کا وقت مقرر نہیں لیکن حج کا وقت مقرر ہے، عمرہ سال میں کئی مرتبہ بھی ادا ہو سکتا ہے لیکن حج سال میں ایک مرتبہ ہی ادا ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہی وضاحت کی گئی ہے کہ حج کے مہینے تو مشہور و معروف ہیں۔

”الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ“ اس میں حذف مضاف ہے۔ اگر ”أَشْهُرٌ“ کا لفظ محذوف ہو تو عبارت معنوی طور پر اس طرح ہوگی ”أَشْهُرُ الْحَجِّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ“ حج کے مہینے معلوم مہینے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے اور راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے۔

اگر لفظ ”وقت“ محذوف ہو تو عبارت معنوی طور پر یہ ہوگی ”وقت الحج اشهر معلومات“ حج کا وقت معلوم مہینے ہیں۔

حج کے مہینے کون سے ہیں؟

وہ شوال اور ذیقعد اور ذی الحج کے دس دن ہیں۔

☆ ”اخرج الطبرانی وابن مردويه عن ابی امامة قال قال رسول الله ﷺ فی قوله الحج

اشهر معلومات شوال وذو القعدة وذو الحجة“

ابو امامہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ”الحج اشهر معلومات“ کے متعلق فرمایا کہ اس سے

مراد شوال اور ذیقعد اور ذی الحج ہے۔ (اس حدیث میں تین مہینوں کا ذکر ہے، یہ وضاحت نہیں کہ ذی الحج

سے مراد کل مہینہ ہے یا بعض)

☆ ”واخرج وکیع وسعيد بن منصور وابن ابی شیبة وعبد بن حمید وابن جریر وابن

المنذر وابن ابی حاتم والبیہقی عن ابن مسعود الحج اشهر معلومات قال شوال
وذو القعدة وعشر لیل من ذی الحجة

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”الحج اشهر معلومات“ سے مراد شوال اور
ذیقعد اور ذی الحج کی دس راتیں ہیں۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ واضح ہوا ذی الحج کا مہینہ مکمل مراد نہیں بلکہ اس کی دس راتیں مراد ہیں۔
”واخرج وکیع وسعید بن منصور وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن جریر وابن
المنذر والحاکم وصححه والبیہقی فی سننہ من طرق عن ابن عمر الحج اشهر
معلومات قال شوال وذو القعدة وعشر لیل من ذی الحجة“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”الحج اشهر معلومات“ سے مراد شوال اور ذیقعد اور ذی
الحج کی دس راتیں ہیں۔

”واخرج ابن المنذر والدارقطنی والطبرانی والبیہقی عن عبداللہ بن الزبیر الحج اشهر
معلومات قال شوال وذو القعدة وعشر من ذی الحجة“
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ”الحج اشهر معلومات“ سے مراد شوال،
ذیقعد اور دس ذی الحج کے۔

واخرج ابن ابی شیبہ عن الحسن ومحمد وبراہیم مثله
ابن ابی شیبہ نے حسن اور محمد اور براہیم رضی اللہ عنہم سے روایات ذکر کی ہیں جن کا وہی مطلب ہے جو
عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہے۔
ان احادیث میں مطلق دس کا ذکر ہے۔ دس دن یا دس راتوں کا ذکر نہیں۔ لیکن بظاہر اس سے مراد
دس دن ہی ہیں اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔
(ماخوذ از درمنثور)

”قلت المراد شوال وذو القعدة وتسع من ذی الحجة الی طلوع الفجر من یوم النحر“
ابو امامہ کی حدیث طبرانی سے جو ذکر کی ہے اس پر قاضی مظہری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا کہ ذی الحج سے
مراد نو دن ذی الحج کے ہیں، یعنی دس ذی الحج کی صبح تک حج کا وقت ہے۔

تمام احادیث میں تطبیق:

اس مسئلہ میں کافی حد تک اتفاق ہے کہ ذی الحج کا مہینہ بعض مراد ہے کل نہیں۔

ذی الحج کے نو اور دس کے اقوال میں علامہ بغوی رحمہ اللہ نے تطبیق یوں دی۔

”کل واحد من اللفظین صحیح والمآل واحد غیر مختلف فیہ فمن قال عشر عبر عن

اللیالی ومن قال تسع عبر عن الايام“

دونوں لفظ ”نو اور دس“ صحیح ہیں، اور دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ جن حضرات نے ذی الحج کے

نو کا ذکر فرمایا ان کی مراد ذی الحج کے نو دن ہیں، اور جن حضرات نے دس کا ذکر فرمایا ان کی مراد

دس راتیں ہیں۔

(از مظہری)

راقم کے نزدیک چار اقوال میں تطبیق:

چونکہ حج میں وقوف عرفات فرض ہے، جو شخص مقام عرفات پر ذی الحج کی نو تاریخ دن کو یا آنے والی رات کو نہ جاسکے اس کا حج فوت ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے ذی الحج کے نو دن مراد ہیں، کیونکہ ذی الحج کی دس تاریخ پہنچ کر مقام عرفات پر ٹھہرنے کے باوجود حج نہیں ہوتا، لیکن یہ اس وقت ہے جب یہ لحاظ کیا جائے کہ ذی الحج کے دن کتنے مراد ہیں۔

اور اگر مطلقاً دن یا رات میں سے کوئی وقت بھی مراد ہو تو دس ذی الحج سے پہلی رات جو عام اوقات میں آنے والے دن کی ہی رات ہوتی ہے اس کا اعتبار کرتے ہوئے دس راتیں کہہ دیا کہ حج کے معلوم مہینوں میں سے ذی الحج کی دس راتیں مراد ہیں اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ اگرچہ وقوف عرفات کے پائے جانے پر حج فوت تو نہیں ہوتا لیکن حج کے فرائض کی تکمیل تو دس ذی الحج کو ہی ہو سکتی ہے، اس لئے کہ حلق یا قصر (سر منڈانے یا بال کٹانے) سے احرام کی باقی پابندیاں ختم ہوں گی لیکن ازواج سے جماع کرنے کی پابندی طواف زیارت کرنے سے ہی اٹھے گی، یہ طواف زیارت فرض ہے جو دس ذی الحج سے پہلے ادا نہیں ہوگا۔ اس لحاظ سے ذی الحج کے دن مراد ہیں۔

اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ کنکریاں مارنے کا عمل بارہ ذی الحج تک واجب ہے اور تیرہ ذی الحج کو کنکریاں مارنا مستحسن کام ہے، پھر طواف وداع کی تاریخ مقرر نہیں جس دن لوٹنا ہو اس دن کرے یا اس سے پہلے کر لے اس لحاظ پر ذی الحج کا مکمل مہینہ یا کم از کم ذی الحج کے بارہ دن مراد لینے پڑتے ہیں تو مطلقاً ذی الحج کا ذکر ہو گیا جس میں مکمل یا بعض کو ذکر نہیں کیا گیا۔

سب روایات میں مقصد بیان توجج کے وقت کا بیان ہی ہے لیکن انداز بیان مختلف حالتوں کو دیکھنے سے متعلق ہے۔

اعتراض: جمع قلت کے کم از کم تین فرد ہوتے ہیں تو ”اشہر“ جب جمع ہے تو تیسرے مہینہ کے دس دن مراد لینا کیسے صحیح ہے؟

جواب: جمع قلت کا اطلاق کبھی مافوق الواحد پر بھی ہوتا ہے اور اسی طرح تیسرے فرد کا بعض ذکر ہو تو کل ذکر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”ایام منی ثلاثہ“ منی کے دن تین ہیں۔ (یعنی دس ذی الحج اور گیارہ اور بارہ) لیکن حقیقت یہ ہے کہ بارہ ذی الحج کو سورج کے ڈھلنے کے ساتھ کنکریاں مار کر مکہ مکرمہ میں آ جانا درست ہے تو حدیث پاک میں بھی تیسرے فرد کے بعض حصہ کو کل سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

اور قرآن پاک میں ہے۔ ”فقد صغت قلوبکم“ یہاں ذکر قلوب ہے جو جمع ہے لیکن مراد تثنیہ ہے

کیونکہ مراد دو ہیں۔

اعتراض: حج تو آٹھ ذی الحج سے شروع ہو کر بارہ ذی الحج کے سورج ڈھلنے پر کنکریاں مارنے سے ختم ہو جاتا ہے، دو مہینے دس دن حج کے وقت سے کیا مراد ہے۔

جواب: ایک وجہ تو تمتع کے بیان میں گذر چکی ہے کہ جس شخص نے شوال کی پہلی تاریخ یا اس کے بعد اپنی میقات سے عمرہ کا احرام باندھا، پھر عمرہ کر کے فارغ ہو گیا احرام کھول کر مکہ مکرمہ میں یا میقاتوں کے اندر اندر رہا پھر آٹھ ذی الحج کو حج کا احرام باندھ کر حج کیا وہ تمتع ہے۔

اگر شوال سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کر کے وہیں میقاتوں کے اندر اندر رہے، لوٹ کر نہ آئے تو پھر بھی حج کر لینے سے تمتع نہیں بنے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ حج کا احرام باندھنے کے لئے شوال سے وقت مستحب شروع ہوتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ شوال سے پہلے حج کا احرام نہ باندھے۔ ہاں اگر شوال سے پہلے احرام باندھ لیا اسی احرام سے حج کر لیا تو مکروہ ہوگا، کیونکہ جتنا زیادہ وقت احرام کا ہوگا اسی قدر احرام کی پابندیوں پر عمل دشوار ہوگا۔

درحقیقت یہ وقت مقرر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت کا اظہار فرمایا کہ اے میرے بندو بہت لمبے وقت کے لئے احرام باندھ کر اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب:

اس مسئلہ میں یہی ہے کہ شوال سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ پہلے احرام باندھ لیا تو حج ہو جائے گا۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر احرام پہلے باندھا تو حج ادا نہیں ہوگا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب احادیث کی روشنی میں دیکھئے۔

☆ ”واخرج ابن ابی شیبۃ وابن خزيمة والحاكم وصححه والبيهقي عن ابن عباس قال لا يحرم بالحج الا في اشهر الحج فان من سنة الحج ان يحرم بالحج في اشهر الحج“
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں کے سواء کسی اور مہینہ میں حج کا احرام نہ باندھے، کیونکہ حج میں سنت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں ہی حج کا احرام باندھے۔

حدیث پاک میں واضح طور پر سنت کے ذکر سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کیونکہ ترک سنت سے کراہیت تو آئے گی لیکن فساد لازم نہیں آئے گا۔

☆ ”واخرج الشافعي في الامم وابن ابی حاتم وابن ابی مردويه عن ابن عباس قال لا ينبغي لاحد ان يحرم بالحج الا في اشهر الحج“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی ایک کے لئے مناسب نہیں کہ حج کا احرام سوائے حج کے مہینوں کے باندھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی

پیش فرمائی لیکن لفظ ”لاینبغی“ کی طرف کابل نظر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہی رہی۔ کہ یہ مناسب نہیں۔ یہ نہیں فرمایا ”لایجوز“ یہ جائز ہی نہیں۔ لہذا صرف یہی کہا جائے گا کہ حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ حرام نہیں۔ حج ہو جائے گا، حج فاسد نہیں ہوگا۔ (درمنثور)

اعتراض: ”واخرج ابن ابی شیبۃ عن عطاء انہ قال لرجل قد احرم بالحج فی غیر اشہر الحج اجعلہا عمرۃ فانہ لیس لک حج فان اللہ یقول الحج اشہر معلومات فمن فرض فیہن الحج“

عطا کہتے ہیں کہ ابن عباس نے ایک شخص کو کہا کہ تم نے حج کا احرام حج کے مہینوں کے علاوہ (وقت سے پہلے) باندھ لیا ہے اس احرام کو عمرہ کا احرام بنا لو بیشک تمہارا حج نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”الحج اشہر معلومات فمن فرض فیہن الحج“ آیت کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ حج کے مہینے معلوم ہیں اور ان میں ہی احرام باندھا جائے۔

اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں باندھنا فرض ہے، اس سے پہلے اگر احرام باندھ لیا تو حج نہیں ہوگا، بلکہ حج کو چھوڑ کر اسی احرام سے عمرہ کر لے اور دم (جانور ذبح کر کے ہدی) ادا کر دے۔ تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب کسی طرح صحیح ہوگا؟

جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا حج سنت کے مطابق نہیں۔ سنت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں احرام باندھا جائے، تم نے وقت سے پہلے احرام باندھ لیا ہے جو مناسب نہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ احرام عمرہ کا کر لو اور دم ادا کر دو، اور پھر وقت کے شروع ہونے پر احرام باندھنا تاکہ تمہارا احرام سنت کے مطابق ہو جائے ”فانہ لیس لک حج“ کا مطلب ہی یہ ہے کہ تمہارا حج کامل سنت کے مطابق نہیں۔

جواب کے الفاظ سے ذرا غور سے پڑھیں اور تینوں احادیث کو غور سے پڑھیں تو ان شاء اللہ ان میں شاندار

تطبیق پائیں گے۔

”فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفْتَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ“
جس شخص نے لازم کر لیا ان میں حج تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑاج کے دنوں میں۔

(فمن فرض فيهن الحج) ”ای الزمہ نفسہ بالشروع فيه بالنية قصدا باطنا و بالا حرام فعلا ظاهر او بالتلبية نطقا مسموعا“

جس شخص نے اپنے آپ پر حج کو لازم کر لیا یعنی دل سے نیت کر کے اور ظاہری طور پر احرام باندھ کر اور بلند آواز سے زبان سے تلبیہ پڑھ کر حج کو شروع کر کے اپنے آپ پر لازم کر لیا۔ (قرطبی)
خیال رہے کہ راقم کا ترجمہ قرطبی رحمہ اللہ کی تفصیلی تفسیر کے مطابق ہے۔ اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ مختصر لیکن جامع ہے۔

”فمن فرض فيهن الحج“ جو ان میں حج کی نیت کرے۔

یہ ترجمہ بہت مختصر لیکن جامع کیسے؟ اس لئے کہ حج کی نیت کرنے سے حج لازم ہوتا ہے، اور حج کی نیت احرام باندھنے اور تلبیہ پڑھنے سے مکمل ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”(فمن فرض) ای الزم نفسہ (فيهن الحج) بالا حرام ویصیر محرما بمجرد النية عند الشافعي لكون الاحرام التزام الكف عن المحظورات فيصير شارعا فيه بمجردھا كالصوم وعندنا لا، بل لابد من مقارنة التلبية لانه عقد على الاداء فلا بد من ذكر كمافي تحريم الصلاة،“
(روح المعانی)

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف احرام باندھنے سے ہی نیت کی تکمیل ہو جاتی ہے کیونکہ اس نے احرام باندھ کر اپنے آپ پر کئی چیزوں کو منع کر لیا تو اس کا حج شروع ہو گیا۔ لیکن ہمارے نزدیک نیت کی تکمیل احرام اور تلبیہ سے ہوتی ہے کیونکہ احرام اداء پر عقد ہے اس کے ساتھ ذکر بھی ضروری ہے جس طرح نماز میں نیت کے ساتھ تکبیر تحریر بھی ضروری ہے۔

”فَلَا رَفْثٌ“: تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو۔

یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا ہے۔ راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اس ترجمہ کے کمال پر راقم کی کتاب تسکین الجنان سے ایک ورق دیکھئے۔
أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ“

حلال کی گئی واسطے تمہارے رات روزے کی رغبت کرنا طرف بیبیوں اپنی کی۔ (شاہ رفیع الدین صاحب)

تمہارے لئے روزوں میں راتوں کو اپنی بیبیوں کے پاس جانا حلال ہوا۔ (مودودی صاحب)

حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے۔ (محمود الحسن صاحب)

حلال ہوا تم کو روزے کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے۔ (شاہ عبدالقادر صاحب)

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا۔ (فتح محمد صاحب)

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا۔ (مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ)

”فَلَا رَفْثٌ“

تو بے حجاب ہونا جائز نہیں۔ (محمود الحسن صاحب)

کوئی شہواتی فعل سرزد نہ ہو۔ (مودودی صاحب)

تو بے پردہ ہونا عورت سے۔ (شاہ عبدالقادر صاحب)

تو (جج کے دنوں میں) نہ عورتوں سے اختلاط کرے۔ (فتح محمد صاحب)

تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو۔ (مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ)

ان دونوں مقامات میں ”رفث“ کا معنی ایک ہی لیا گیا ہے، ایک جگہ مثبت اور ایک جگہ منفی۔

لیکن اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے مثبت مقام میں (یعنی پہلی آیت میں) جماع معنی لیا ہے

، کیونکہ عورتوں کے پاس جانا عام محاورہ میں جماع ہی ہے۔ لیکن آپ نے دوسرے مقام میں ایسا ترجمہ نہیں کیا جس سے صرف جماع کی نفی ہوتی، بلکہ ایسا ترجمہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ صحبت کا تذکرہ بھی نہ ہو۔
وجہ فرق کیا ہے؟ پہلی آیت کی وجہ تو ”باشروہن“ کے ضمن میں گزر چکی ہے کہ رمضان شریف میں رات کی قیود کو (یعنی جماع نہ کرنے کے حکم کو) اٹھایا، اور جماع کو حلال کیا گیا۔

اب معنی بے حجاب ہونا یا بے پردہ ہونا، یا عورتوں کی طرف رغبت کرنا کر لیا جائے یا عورتوں کی پاس جانا کر لیا جائے ایک ہی صورت ہے۔

لیکن دوسرا مقام حج کے احکام میں ہے کہ حج میں ”رفت“ منع ہے، اب یہاں صرف جماع منع ہونا کافی نہیں، بلکہ عورتوں کے سامنے ذکر صحبت بھی منع ہے۔
تفسیر مدارک میں ہے۔

(فلا رفت) هو الجماع او ذكره عند النساء

رفت جماع ہے یا جماع کا عورتوں کے سامنے ذکر کرنا۔

ہدایہ میں بھی ”رفت“ کے معنی ”ذكر الجماع بحضرة النساء“ ذکر کیا گیا ہے۔
اسی طرح درمختار میں ہے۔

”يتقى الرفث اى الجماع او ذكر بحضرة النساء“

یعنی رفت سے بچے رفت کا معنی جماع ہے۔ اور اسی طرح عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ کرنا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے ”بحضرة النساء“ پر تحریر فرمایا ”قول ابن عباس“ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہی ہے کہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ کرنا منع ہے۔

اب اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی فوقیت پر نظر کی جائے تو یقیناً سمجھ آئے گا کہ آپ نے اسی فقہی باریکی کو مد نظر رکھ کر ترجمہ کیا جبکہ دوسرے مترجمین حضرات اسے نہ سمجھ سکے۔
(تسکین الجنان، ص ۶۲-۶۳)

فائدہ: اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ”فلارفٹ“ کا ترجمہ کیا ہے۔ تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو۔

اس سے ایک اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ عورت سامنے نہ ہو تو صحبت کا تذکرہ منع نہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما احرام کی حالت میں اونٹ کو چلانے کے لئے حدی پڑھتے ہوئے اپنی لونڈی ہمیس کا تذکرہ ان الفاظ میں کر رہے تھے۔

ان یصدق الطیر قفک لمیسا

وہن یمشین بناہمیسا

آپ کے اس شعر کو سن کر ابوالعالیہ نے کہا۔ ”اترفٹ وانت محرم“ کیا تو رِفٹ کر رہا ہے جبکہ تو محرم ہے۔

”فقال انما الرِفٹ ما یقال عند النساء“ تو آپ نے فرمایا ”رِفٹ“ اس وقت ہوتا ہے جبکہ عورتوں کے

پاس صحبت کا یا ان کو چھونے کا ذکر ہو، میرے پاس ہمیس موجود نہیں اس لئے یہ رِفٹ نہیں۔ (از شیخ زادہ)

رِفٹ کی تمام اقسام منع ہیں:

یعنی انسان جب احرام باندھ لے تو حالت احرام میں مطلقاً رِفٹ منع ہے، رِفٹ کی چند قسمیں ہیں۔

”الرِفٹ باللسان ذکر المجامعة وما یتعلق بہا“ زبان سے رِفٹ بھی منع ہے۔ زبان سے رِفٹ یہ

ہے کہ عورتوں کے سامنے جماع یا جماع سے متعلق چھونے اور بوسہ لینے کا ذکر ہو۔

”والرِفٹ بالید المس والغمز“ احرام کی حالت میں ہاتھ سے رِفٹ بھی منع ہے۔ ہاتھ سے رِفٹ یہ

ہے کہ ہاتھ سے چھونا اور انگلی وغیرہ کو محبت سے مروڑنا۔

”والرِفٹ بالفرج الجماع“ فرج (شرمگاہ) سے رِفٹ بھی احرام کی حالت میں منع ہے۔ شرمگاہ سے

رِفٹ کا مطلب جماع کرنا ہے۔

”وَلَا فُسُوقُ“ (اور نہ گناہ) یعنی حالت احرام میں کسی قسم کا معصیت والا کوئی کام نہ کرے۔

(ولافسوق) یعنی جمیع المعاصی کلھا، یعنی رب تعالیٰ نے ”ولافسوق“ ارشاد فرما کر تمام

معاصی سے منع فرمادیا۔ کہ حالت احرام میں ہر قسم کے گناہ کے کام سے اجتناب کرو۔

احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا۔ اور ناخن کاٹنا۔ بال کاٹنا اور سلے ہوئے کپڑے پہننا تمام کام غیر شرعی کام ہیں۔ لہذا یہ بھی فسق میں داخل ہیں۔ ان سے بھی اجتناب کرے۔

بتوں کے نام پر ذبح کرنا بھی فسق ہے اس سے بھی دور رہنا ضروری ہے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ”اوفسقاہل لغير اللہ بہ“

کسی کو برے القاب سے پکارنا بھی فسق ہے۔ اس سے بچ کر رہنا بھی ضروری ہے۔

رب تعالیٰ نے اس کی مذمت میں فرمایا ”بئس الاسم الفسوق“

کسی کو گالی دینا بھی فسق ہے، لہذا احرام کی حالت میں کسی کو گالی نہ دے، گالی کی مذمت میں ارشاد نبوی ہے۔

”قال ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله كفر“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالیاں دینا فسق ہے اور قتل کرنا (جائز سمجھ کر) کفر ہے۔

مطلب واضح ہے کہ یہ تمام مثالیں ہیں۔ قانون اور ضابطہ وہی ہے جو پہلے ذکر کر دیا گیا کہ ہر قسم کے گناہ سے اجتناب کرے۔

☆ ”قال ﷺ من حج فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته امه“ (خرجه مسلم وغيره)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حج کیا تو (حالت احرام میں) نہ رفث کیا اور نہ فسق کیا تو واپس لوٹے گا اس دن کی طرح جس میں اس کی ماں نے اسے جنا۔

یعنی جس طرح ولادت کے دن انسان گناہوں سے پاک و صاف ہوتا ہے اسی طرح اگر حج کرے جو رفث و فسق سے پاک ہو تو انسان گناہوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

☆ قال ﷺ والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة“ (خرجه مسلم وغيره)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا حج مبرور کی جزاء نہیں سوائے جنت کے۔

☆ قال ﷺ والذي نفسي بيده ما بين السماء والارض من عمل افضل من الجهاد في سبيل الله او حجة مبرورة لارث فيها ولا فسوق ولا جدال“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے زمین و آسمان میں کوئی عمل اللہ کی راہ میں جہاد سے افضل نہیں اور حج مبرور سے (کوئی عمل افضل نہیں) جس میں رفت اور فسق اور جھگڑا نہ پایا جائے۔
(قرطبی)

فائدہ: اگرچہ حج مبرور کا ذکر پہلے گزر چکا ہے تاہم علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر بھی ذکر کیا جس میں مختلف اقوال ذکر فرمائے ان تمام کے جمع کرنے سے عظیم فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

”قال الفقهاء الحج المبرور هو الذي لم يعص الله تعالى في اثناء ادائه“
حج ادا کرنے کے دوران کسی قسم کی نافرمانی نہ کرنا حج مبرور ہے۔

”وقال الفراء هو الذي لم يعص الله سبحانه بعدة“
حج کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنا حج مبرور ہے۔

یہ دونوں قول درحقیقت علامہ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے ہیں۔ پہلا قول فقہاء کرام نے نقل کیا ہے اور دوسرا قول فراء نے نقل کیا ہے۔

”قلت الحج المبرور هو الذي لم يعص الله سبحانه فيه لا بعده“
قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دونوں قولوں کا مجموعہ معتبر ہے، یعنی حج مبرور یہ ہے کہ دوران حج بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور بعد میں بھی نافرمانی نہ کرے۔

”قال الحسن الحج المبرور هو ان يرجع صاحبه زاهدا في الدنيا راغباً في الآخرة“
حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج مبرور یہ ہے کہ حج کرنے والا جب حج کر کے لوٹے تو دنیا میں زاہد ہو اور آخرت کی طرف رغبت کرنے والا ہو۔
(قرطبی)

مندرجہ بالا بحث سے ایک اور مسئلہ سمجھ آیا:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حج سے تمام صغائر اور کبائر گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا کہ صرف صغائر معاف ہوتے ہیں اور کبائر توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حدیث شریف مطلقاً گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر ہے تو صغائر سے مقید نہ کیا جائے۔

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حج سے صرف صغائر گناہ معاف ہوتے ہیں کبار صرف توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی بحث سے راقم کو دونوں قولوں میں محاکمہ سمجھ آیا کہ حج مبرور سے تو تمام صغائر اور کبار گناہ معاف ہوتے ہیں لیکن حج مبرور میں توبہ یقینی طور پر پائی گئی کہ دوران حج بھی معصیت سے باز رہا اور بعد میں بھی گناہ نہ کیا اسی کا نام توبہ ہے، توبہ کے بعد غلطی سے گناہ ہو جانے پر توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

اگر دوران حج کوئی لغزش ہوگئی یا بعد میں کوئی لغزش ہوگئی تو اس حج سے صرف صغائر گناہ معاف ہوں گے، کبار کے لئے توبہ کی ضرورت ہوگی۔

”وَلَا جِدَالَ“ (اور نہ جھگڑا)، یعنی حالت احرام میں کسی سے کوئی جھگڑا نہ کرے۔

جدال کا لغوی معنی ہے بٹنا۔ ”زمانم مجدول و جدیل“ بٹی ہوئی رسی کو کہا جاتا ہے۔ پھر جھگڑا کرنے کو بھی جدال کہا جاتا ہے کیونکہ دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے کی رائے کو بٹنا چاہتا ہے کہ اس کی رائے سچ دار ہو جائے اور میری رائے غالب ہو جائے۔ (ازکبیر)

(ولاجدال) هو مقابلة الحجة بالحجة لنصرة الباطل واما لنصرة الحق فلا بأس بذلك

(صاوی)

یہاں جس جدال سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد ایک دوسرے کے خلاف باطل طریقہ سے حجت بازی ہے، ورنہ دین کی خاطر ایک دوسرے سے بحث کرنا تا کہ حق راہ سمجھ آجائے اس میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

”واما جمهور المتكلمين فانهم قالوا الجدال في الدين طاعة عظيمة“

دین میں ایک دوسرے کے خلاف حجت قائم کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

اس لئے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هي احسن“

دعوت دیں اپنے رب کی راہ کی حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اچھے طریقہ سے مجادلہ کریں۔

اور نوح علیہ السلام کی قوم نے جو آپ کو کہا رب تعالیٰ نے اسے بیان فرمایا۔

”يانوح قد جادلنا فاكثر جدالنا“

اے نوح تم نے ہمارے ساتھ جھگڑا کیا پھر زیادہ ہی تم جھگڑا کر چکے ہو۔

”ومعلوم انه ما كان ذلك الجدال الا لتقرير اصول الدين“

اور ان آیات سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ جدال صرف اصول دین کو ثابت کرنے کے لئے تھا

جو جائز اور عبادت عظیمہ تھا۔

جب یہ ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ نے جدال سے منع بھی فرمایا اور جدال کا حکم بھی فرمایا اور جدال کی تعریف بھی

کی تو ان آیات میں وجہ تطبیق کیا ہے؟ ان میں وجہ تطبیق یہ ہے۔

”فحمل الجدال المذموم على الجدال في تقرير الباطل وطلب المال والجاه و

الجدال الممدوح على الجدال في تقرير الحق ودعوة الخلق الى سبيل الله والذب عن

(کبیر)

دین اللہ تعالیٰ“

ہم کہتے ہیں کہ جدل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مذموم اور دوسرا ممدوح۔ جن آیات میں جدل سے منع

کیا گیا ہے انکو ہم جدل مذموم (برے جھگڑے) پر محمول کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جھگڑا کر کے باطل

راہ کو ثابت کیا جائے، باطل طریقہ سے کوئی جھگڑا بھی ہوگا برا ہوگا خواہ مال کی طلب کے لئے ہو یا

مرتبہ کے حصول کے لئے۔

اور جن آیات میں جھگڑا کرنے کی تعریف بیان کی گئی ہے ان سے مراد، جدل مدوح (قابل تعریف جھگڑا) ہے۔

حق بات کے لئے دلائل قائم کر کے مجادلہ کرنا قابل تعریف ہے خواہ اس کا تعلق مخلوق کو اللہ کی راہ کی طرف بلانے سے ہو یا دین حق پر اٹھنے والے اعتراضات سے اس مجادلہ کا تعلق ہو۔

مختصر الفاظ، کثیر مطالب:

”ولا جدال“ کا مطلب واضح کر دیا گیا ہے البتہ مختلف قسم کے واقع ہونے والے جھگڑوں کا ذکر کئی حضرات نے کیا جس سے بظاہر سمجھ آتا ہے کہ شائد ان اقوال میں اختلاف پایا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کسی ایک واقعہ کا ذکر ایک صاحب نے کر دیا، دوسرے واقعہ کا ذکر دوسرے صاحب نے کر دیا۔

﴿۱﴾ جدال کی ایک وجہ کا ذکر حضرت بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

”الجدال الذی یخاف منه الخروج الى السباب والتكذيب والتجهيل“
ایسا جھگڑا (بھی) منع ہے جس سے انسان گالیوں تک پہنچ جائے۔ اور دوسرے کو جھوٹا کہنے اور جاہل کہنے تک پہنچائے۔

﴿۲﴾ جدال کی دوسری وجہ محمد بن کعب قرظی نے بیان فرمائی ہے۔

”ان قریشا کانوا اذا اجتمعوا بمنی قال بعضهم حجناتم وقال آخرون بل حجناتم فنہام اللہ تعالیٰ عن ذلک“

بیشک قریش جب منی میں جمع ہوتے تو بعض کہتے کہ ہمارا حج مکمل ہو گیا۔ دوسرے کہتے تھے کہ ہمارا حج مکمل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس جھگڑے سے (بھی) منع فرمایا۔

﴿۳﴾ تیسری وجہ امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں بیان فرمائی ہے۔

”الجدال فی الحج ان قریشا کانوا یقفون عند المشعر الحرام فی المزدلفة بقروح و

كان غيرهم يقفون بعرفات، وكانوا يتجادلون يقولون هؤلاء نحن اصوب ويقول
هؤلاء نحن اصوب“

حج میں قریش مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس مقام قزح میں وقوف کر کے واپس آ جاتے اور
دوسرے لوگ مقام عرفات میں قیام کر کے آتے۔ پھر قریش کہتے ہمارا حج درست طور پر ادا ہوا۔
دوسرے حضرات کہتے ہمارا حج صحیح ادا ہوا۔ ایک دوسرے سے اس جھگڑے سے رب تعالیٰ نے ان
کو منع کیا۔

بلکہ قریش کو مقام عرفات میں وقوف کر کے لوٹنے کا حکم دیا جس کا ذکر ان شاء اللہ قریب ہی آ جائے گا۔
﴿۴﴾ جدال کی چوٹی وجہ قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے بیان فرمائی۔

”الجدال فی الحج ان يقول بعضهم الحج اليوم وآخرون يقولون بل غدا“
کہ حج میں ان لوگوں کا جدال اس بات پر ہوتا کہ بعض لوگ ان میں سے یہ کہتے کہ حج آج ہے اور
بعض لوگ کہتے حج کل ہے۔

ان کے اختلاف کی اصل وجہ یہ ہوتی کہ کچھ لوگ چاند دیکھ کر تاریخ کا تعین کرتے اور کچھ لوگ دنوں کی گنتی
سے حساب لگاتے تھے، اسی وجہ سے ان کا عید میں بھی اختلاف ہوتا تھا کوئی کہتا آج عید ہے اور کوئی کہتا قس عید ہے،
اس اختلاف سے اللہ تعالیٰ نے ان کو منع فرمایا۔ اور گویا رب تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ کہا گیا۔

”قد بينا لكم ان الاهلة مواقيت للناس والحج فاستقيموا على ذلك ولا تجادلوا فيه
من غير هذه الجهة“

کہ ہم نے جب تمہیں بتا دیا ہے کہ تم اپنے اوقات اور حج کا حساب چاند سے لگاؤ تو تم تمام کو اسی پر قائم
ہونا چاہئے اور چاند کے دیکھنے کے بغیر کسی اور وجہ سے حساب لگا کر ایک دوسرے سے جھگڑانہ کرو۔

﴿۵﴾ فقال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جدال کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو عمرہ کر کے احرام کھولنے کا
حکم دیا کہ حج کا احرام آٹھ ذی الحج کو باندھا جائے، صحابہ کرام نے بطور تعجب عرض کیا۔

”نروح الی منی ومذاکیرنا تقطرمنا“

یا رسول اللہ! ہم احرام کھول لیں اور اپنی ازواج سے جماع کر لیں، پھر ہم آٹھ ذی الحج کو احرام باندھ کر منی میں پہنچ جائیں یہ تو عجیب حالت ہوگی کہ رات کو ہم نے جماع کیا ہوگا صبح ہم منی میں جا رہے ہوں گے۔

صحابہ کرام کے تعجب کی وجہ سے کلام کو رب تعالیٰ نے جدال سے تعبیر فرما دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔
”لو استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الہدی ولجعلتها عمرة“

میں جب کسی کام کی طرف آگے بڑھتا ہوں تو پیچھے نہیں ہٹتا، میں نے اگر ہدی اپنے ساتھ نہ چلائے ہوتی تو میں بھی عمرہ کر کے احرام کھول لیتا۔ اور حج کا احرام بعد میں باندھتا۔
صحابہ کرام کا تعجب جاتا رہا، انہوں نے پھر کوئی کلام نہ کیا۔

”وتروا الجدال حینئذ“ گویا کہ انہوں نے اس وقت جھگڑا چھوڑ دیا۔

﴿۶﴾ عبدالرحمن نے ابن زید نے جدال کی وجہ یہ بیان کی۔

”جدالہم فی الحج بسبب اختلافہم فی ایہم المصیب فی الحج لوقت ابراہیم علیہ السلام“

کہ ان لوگوں کا اختلاف اس میں ہوتا تھا کہ کوئی کہتا جس موسم میں ہم نے حج کیا ابراہیم علیہ السلام کا حج بھی اس وقت میں تھا، کوئی کہتے نہیں ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے حج کرنے کے وقت کو پایا تھا رب تعالیٰ نے ان کو اس جھگڑے سے منع فرمایا کہ حج کا تعلق تو چاند سے ہے گرمیوں سردیوں سے تو نہیں۔

﴿۷﴾ ”انہم کانو مختلفین فی السنین فقیل لہم لا جدال فی الحج“

ان کا اختلاف سالوں میں ہوتا تھا، بلکہ وہ حج ہمیشہ موسم بہار میں کرتے تھے، زمانہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا گیا کہ حج میں جھگڑا نہ کرو۔

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

”الا ان الزمان قد استدار كهيئة يوم خلق الله السموات والارض“

خبردار! بیشک زمانہ اپنی پہلی ہیئت کی طرف لوٹ کر آ گیا جو ہیئت اسے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن حاصل تھی۔ (اس جھگڑے سے بھی منع کیا گیا)۔
(ازکبیر)

حاصل کلام:

”والمراد بالرفث الجماع ومقدماته وقول الفحش، وان يراد بالفسوق جميع انواعه وبالجدال جميع انواعه لان اللفظ مطلق ومتناول لكل هذه الاقسام“

آیہ کریمہ میں تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ رفث، فسق اور جدال سے۔ تینوں الفاظ اپنی اپنی تمام قسموں کو شامل ہیں کیونکہ ان کو مطلق ذکر کیا گیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ تمام اقسام کو شامل ہو۔ ”رفث“ جماع اور مقدمات جماع یعنی چھونے، بوسہ لینے، عورتوں کے سامنے صحبت کے ذکر اور فحش کلام کو شامل ہے۔ ”فلا رفث“ کہہ کر ان تمام چیزوں سے دوران حج منع کر دیا گیا۔ ”فسق“ اپنی تمام قسموں کو شامل ہے۔ ”ولا فسوق“ کہہ کر دوران حج تمام قسم کے گناہوں سے منع کر دیا گیا۔

”جدال“ بھی اپنی تمام قسموں کو شامل ہے۔ ”ولا جدال“ کہہ کر ہر قسم کے باطل جھگڑے سے منع کر دیا گیا ہے۔
(ازکبیر)

سوال: فسق اور جھگڑا تو ہر حال میں منع ہے۔ حج کے دوران ممانعت کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ”وهذه الامور وان كانت قبيحة واجبة الاجتناب في كل حال الا انها في حال

الحج اقبح واشنع كلبس الحرير في الصلوة والتطريب في قراءة القرآن“
اگرچہ یہ کام ہر حال میں قبیح (برے) ہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے، مگر حج میں زیادہ ہی برے

ہیں، جس طرح ریشم کا کپڑا پہننا مرد کے لئے ہر حال میں گناہ ہے لیکن نماز میں زیادہ ہی گناہ ہے۔ اور اسی طرح قرآن کو عجیب سریلی آواز میں پڑھنا ہر حال میں قبیح ہے لیکن نماز میں اور ہی زیادہ قبیح ہے۔

”التطريب المنهى عنه ما يفعله قراء زماننا بين يدي الوعاظ في المجالس من الالحن العجيبة“

عجیب و غریب طرز جو ہمارے زمانے میں واعظین کی مجالس میں لگائی جاتی ہے، وہ منع ہے، اس طرح پڑھنا قبیح ہے۔

”واما تحسين القراءة ومدها فهو مندوب اليه قال ﷺ ”حسنوا القرآن باصواتكم فان الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا“

ہاں البتہ قرآن پاک کو تجوید کے مطابق اچھی طرح پڑھنا، جہاں مد کی ضرورت ہو وہاں مد کرنا مستحب ہے، اسی کی طرف نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی راہنمائی کر رہا ہے کہ ”قرآن پاک کو اچھی آوازوں سے پڑھو بیشک اچھی آواز قرآن پاک میں حسن پیدا کرتی ہے۔ (شیخ زاہد)

دینی طلبائے کرام توجہ فرمائیں:

”فلارفت ولا فسوق ولا جدال“ تینوں مقامات میں لافنی جنس کا ہے اور یہ تینوں الفاظ مبنی برفتحہ ہیں۔

اور پہلے دونوں پر ایک قرأت میں رفع بھی پڑھا گیا ہے، تقدیر عبارت کی یہ ہے۔

”لا یکن رفت ولا فسوق“

”والافعال الثلاثة وان كانت خبرا على صورة النفي بمعنى ان شيئا منها لا يقع في خلال

الحج الا انه المراد بها النهي لان ابقاء ما خبرا على ظاهرها يستلزم الخلف في خبر الله

للعلم بان هذه الاشياء كثير ماتقع في خلال الحج“

جن تین کاموں سے منع کیا گیا ہے وہ اگرچہ خبر ہیں یعنی نفی ان میں پائی گئی ہے جن کا ظاہری معنی یہ ہے کہ حج میں کوئی رفٹ اور کوئی فسق اور کوئی جھگڑا نہیں پایا گیا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کا وقوع تو ہوتا رہتا ہے تو یہ معنی لینے سے اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب لازم آئے گا، اس لئے بظاہر ان میں نفی ہے لیکن مراد ان میں نفی ہے کہ یہ کام حج میں نہ کرو۔ البتہ حکم میں زور دینے کے لئے نفی کی صورت میں نفی کو ذکر کر دیا گیا۔ (از شیخ زادہ)

تین چیزوں سے ممانعت کی حکمت:

علوم عقلیہ میں یہ بات ثابت ہے کہ انسان میں چار قوتیں پائی جاتی ہیں۔

﴿۱﴾ قوۃ شہوانیہ بہیمیۃ (چوپایوں کی طرح شہوت والی قوت)

﴿۲﴾ قوۃ غضبیہ سبعیۃ (درندوں کی طرح غضب والی قوت)

﴿۳﴾ قوۃ وہمیۃ شیطانیۃ (شیطانوں کی طرح وہم والی قوت)

﴿۴﴾ قوۃ عقلیہ ملکیۃ (فرشتوں کی طرح عقل والی قوت)

”والمقصود من جميع العبادات قهر القوى الثلاثة اعني الشهوانية والغضبية والوهمية“

تمام عبادات کا مقصد تین قوتوں یعنی شہوانیہ، غضبیہ اور وہمیہ پر قہر کرنا ہے کہ یہ دب کر رہیں اور

قوت ملکیہ ان پر غالب رہے۔

”فلارفت“ ارشاد فرما کر قوت شہوانیہ پر قہر کیا گیا کہ جماع یا جماع کے اسباب سے منع کر دیا گیا۔ غرضیکہ

عورتوں کے سامنے صرف صحبت (جماع) کے ذکر کی بھی ممانعت کر دی گئی کیونکہ یہ بھی جماع تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

ہاں ایک بات یہ ذہن میں رہے کہ حج یا عمرہ کے احرام کے آگے پیچھے اپنی ازواج سے جماع یا جماع کے

اسباب پر عمل کرنا جائز ہے صرف ناجائز طریقہ پر عمل کی ممانعت ہے۔ لیکن حج میں طواف زیارت سے فارغ ہونے

تک اپنی ازواج سے بھی یہ منافع حاصل کرنے سے منع کر دیئے گئے تاکہ نفس کی قوت شہوانیہ کو مکمل طور پر دبایا جاسکے۔

”ولافسوق“ کہہ کر انسان میں پائی جانے والی قوت غضب پر قہر کیا گیا۔ کیونکہ درندے اپنے غیظ و غضب کی وجہ سے اور اپنی سرکشی کی وجہ سے دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ دیتے ہیں، اسی قوت کی وجہ سے ہی انسان بھی سرکش ہو جاتا ہے، فرعونیت اس کے ذہن پر سوار ہو جاتی ہے۔ اس لئے انسان کو ہمیشہ ہر قسم کے گناہوں سے باز رہنے کا حکم دے کر اور بالخصوص دوران حج برائیوں سے منع کر کے قوت غضب کو دبایا گیا۔

”ولاجدال“ کہہ کر قوت وہم پر قہر کیا گیا، کیونکہ قوت وہم کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اور اس کے افعال و احکام میں، اور اس کے اسماء میں جھگڑا شروع کر دیتا ہے۔

اور پھر یہی وہم اس کو انسانوں کے ساتھ جھگڑا کرنے پر ابھارتا ہے یہاں تک کہ وہ بات بات پر ہر کسی سے جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ اس لئے ہر حال میں عمومی طور پر اور دوران حج خصوصی طور پر جھگڑا کرنے سے منع کر کے قوت وہم کو دبایا گیا ہے۔

”فلما كان منشأ الشر محصورا في هذه الامور الثلاثة لاجرم قال (فلارفت ولافسوق ولاجدال في الحج)“

جب تمام قسم کے شران تینوں چیزوں کی وجہ سے ہی پائے جاتے ہیں تو ان تینوں سے ہی دوران حج خصوصی طور پر اس آیت کریمہ میں منع کیا گیا ہے۔

مقصد عظیم:

”فمن قصد معرفة الله ومحبه والاطلاع على نور جلاله والانخراط في سلك الخواص من عباده فلا يكون فيه هذه الامور وهذه اسرار نفيسة هي المقصد الاقصى من هذه الآيات فلا ينبغي ان يكون العاقل غافلا عنها ومن الله التوفيق في كل الامور“ جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہے، اور اس سے محبت کرنے کا ارادہ رکھے، اور اس کے نور جلال پر مطلع ہونا چاہے، اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی سلك (ڈوری) میں اپنے آپ کو پرونا چاہے تو اس میں یہ تینوں چیزیں جن سے منع کیا گیا ہے نہ پائی جائیں۔

ان آیات سے حاصل ہونے والے یہ نفیس قسم کے اسرار اور مقاصد اعلیٰ ہیں، عقلمند انسان کو چاہئے کہ ان سے غافل نہ رہے، تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق حاصل کرنے کی دعاء کرتا رہے۔ (ازکبر)

اے میرے رب مولائے کائنات اپنے عاجز بندے کو اپنا قرب عطا فرما دے۔ تیری رحمت سے کچھ دور نہیں۔

(فی الحج) ”فی ایامہ“ یعنی عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ اور فسق اور جھگڑانہ ہوج کے دنوں میں۔
یعنی ”فی الحج“ کا مطلب ہے۔ ”فی ایام الحج“ (بیضاوی)

گزشتہ سے پیوستہ:

قرآن پاک میں فرض کا لفظ پانچ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
”الاول فرض بمعنی اوجب“ پہلا فرض بمعنی واجب کرنے کے استعمال ہوا جیسا کہ اس زیر بحث آیت کریمہ میں ہے۔

”فمن فرض فیہن الحج“ جس شخص نے اپنے آپ پر ان دنوں میں حج واجب کیا (لازم کیا)
اسی طرح ”فنصف ما فرضتم“ میں بھی فرض بمعنی واجب کرنے کے استعمال ہوا ہے۔
”الثانی فرض بمعنی بین“ دوسرا معنی فرض کا بیان کرنا۔ واضح کرنا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔
”قد فرض اللہ لکم تحلة ایمانکم“ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم پر واضح کر دیا ہے قسموں کا کھولنا۔
یعنی اگر معصیت کی قسم اٹھا دی جائے تو اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ دینے کا حکم واضح طور پر بیان کر دیا گیا۔
اسی طرح یہی معنی مراد ہے۔ ”سورة انزلناھا و فرضناھا“ سورت کو ہم نے نازل کیا اور اسے ہم نے بیان کیا۔
”والثالث فرض بمعنی احل“ تیسرا فرض کا معنی ہے حلال کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
”ماکان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ“

نبی پر کوئی حرج نہیں اس چیز میں جو اللہ نے اس کے لئے حلال کی۔

”و الرابع فرض بمعنى انزل“ فرض کا چوتھا معنی ہے نازل کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”ان الذي فرض عليك القرآن“ بیشک وہ ذات جس نے تم پر قرآن نازل کیا۔

”والخامس بمعنى الفريضة“ پانچواں معنی فرض کا حصہ مقرر کرنا۔ جیسا کہ وراثت کے مسائل میں اللہ

تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ ”فريضة من الله“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (وراثت میں ہر وارث کا) حصہ مقرر ہے۔

”وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ“

اور جو تم کرو بھلائی جانتا ہے اسے اللہ۔

اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں سے منع فرمایا جو تمام شرا میں سبب ہیں، اس کے بعد ان الفاظ مبارکہ کے ذریعے

”رغب في كل الطاعات فهو حث على فعل الخير“

ہر قسم کی نیکی کی طرف رغبت دلائی گئی اور نیکی کے کاموں پر برا بیختہ کیا گیا ہے۔

”فیدخل فيه استعمال الكلام الحسن مكان القبيح والبر والتقوى مكان الفسوق

والوفاق والاخلاق الجميلة مكان الجدال“

ان الفاظ مبارکہ سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ قبیح کلام کو چھوڑ دو اس کی جگہ اچھا کلام لاؤ۔

اچھا کلام اپنے معنی میں وسعت رکھتا ہے۔ قرآن پاک پڑھنا، تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل، وعظ و نصیحت،

نعت خوانی وغیرہ ہر قسم کا اچھا کلام ذکر کرنا اس میں آگیا۔

اور یہ بتایا گیا کہ فسق کو چھوڑ کر نیکی اور تقویٰ کو اختیار کرو۔ یعنی ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرو اور ہر قسم

کے نیکی کے کام کرو۔

اور یہ فرمایا گیا کہ ہر قسم کے جھگڑے کو چھوڑ دو اور اخلاق جمیلہ سے کام لو اور ایک دوسرے سے محبت و اتفاق

سے درپیش آؤ۔ (سبحان اللہ قرآن پاک کا یہی کمال ہے کہ مختصہ الفاظ کتنے عظیمہ طالب کو شامل ہوتے ہیں)۔ (اردو جہان)

ذکر خیر میں حکمت:

انسان خواہ عمل خیر کرے یا عمل شر، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ نے اچھے کام کے متعلق فرمایا کہ جو تم بھلائی کرو، اچھا کام کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ تم اچھا کام کرو یا برا کام کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ اس میں عجیب حکمت یہ پائی گئی ہے۔

”اذا علمت منك الخير ذكركه وشهرته، واذا علمت منك الشر سترته واخفيته

لتعلم انه اذا كانت رحمتي بك في الدنيا هكذا كيف في العقبى“

کہ گویا اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہ مطلب ہے کہ جب میں تمہارے اچھے اعمال کو دیکھوں گا تو اس کا ذکر کروں گا اور اسے مشہور کروں گا، اور جب تمہارے برے اعمال کو دیکھوں گا تو ان کی پردہ پوشی کروں گا اور ان کو مخفی رکھوں گا۔ تاکہ تجھے معلوم ہو جائے جب میری رحمت تجھ پر دنیا میں یہ ہے تو آخرت میں میری رحمت کتنی عظیم ہوگی۔

اور حکمت یہ ہے کہ بادشاہ جب اپنے مطیع غلام کو یہ کہتا ہے کہ میری وجہ سے جو مشقت تم اٹھاتے ہو اور جو تم خدمت کرتے ہو میں اسے جانتا ہوں اور اس پر مطلع ہوں ”کان هذا وعدا له بالثواب العظيم“ تو بادشاہ کی جانب سے یہ کہنا کہ میں جانتا ہوں یہ عظیم اجر کا وعدہ ہے۔

اور اگر سرکش غلام کو یہ کہا جائے کہ میں تمہارے اعمال کو جانتا ہوں تو ”کان تو عذابا له غاب الشدائد“ یہ شدید سزا کی دھمکی ہے۔

”ولما كان الحق سبحانه اكرم الاكرمين لاجرم ذكر ما يدل على الوعد بالثواب ولم

يذكر ما يدل على الوعد بالعقاب“

اللہ تعالیٰ جب کہ اکرم الاکرمین (سب سے زیادہ کرم کرنے والا) ہے تو اس نے اپنی شان کریمی کے

مطابق بھلائی کے کاموں کے جاننے کا ذکر فرمایا جو باعث ثواب ہیں۔ برے کاموں کے جاننے

کا ذکر نہیں فرمایا جو باعث عذاب ہیں اور دھمکی پر دلالت کرنے والے الفاظ ذکر نہیں فرمائے۔

اور وجہ یہ ہے کہ جبریل نے جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ”ما الا حسان“ احسان کیا ہے؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

”الا حسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك“

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو بیشک وہ

تمہیں دیکھ رہا ہے۔

جب بندے پر واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو گویا کہ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ

مالک الملک تمہارے اعمال پر مطلع ہے تو تمہیں اس کی فرمانبرداری میں کوشش کرنی چاہئے کیونکہ خادم کو جب معلوم

ہو کہ میرے اعمال پر میرا مخدوم مطلع ہے تو وہ ”کان احرص على العمل واكثر التذاذ به“ زیادہ کام کرنے پر

حریص ہوتا ہے اور زیادہ لذت محسوس کرتا ہے، اسی طرح اے انسان تجھے بھی چاہئے کہ تو اپنے کریم مالک کی

فرمانبرداری کر اور نافرمانی نہ کر کیونکہ وہ تیری بد اعمالیوں کو ظاہر نہیں کرتا تیرے اچھے اعمال کا چرچا کرتا ہے۔

(ماخوذ از کبیر)

”وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى“

اور توشہ ساتھ لو، بیشک بہتر توشہ پرہیزگاری ہے۔

شان نزول:

ان الفاظ مبارکہ کے شان نزول کی ایک وجہ یہ ہے جو حضرت ابن عمر اور مجاہد اور قتادہ اور ابن زید رضی اللہ عنہم نے

بیان فرمائی ہے۔

”نزلت الآية في طائفة من العرب كانت تجني الى الحج بلا زاد ويقول بعضهم كيف

نحج بيت الله ولا يطعمنا فكانوا يبقون عالة على الناس فنهوا عن ذلك وامروا بالزاد“

کہ یہ آیہ کریمہ عرب کے ایک گروہ کے متعلق نازل ہوئی جو حج کے لئے بغیر توشہ کے آجاتے، پھر ان میں سے کچھ کہتے ہم حج بیت اللہ کیسے کریں کہ ہمیں کوئی طعام کھلاتا ہی نہیں، اس طرح وہ لوگوں پر بوجھ بن جاتے۔ ان کو اس سے منع کیا گیا ہے اور زاد راہ (راستے کا اور وہاں کا خرچ) ساتھ لینے کا حکم فرمایا۔
(قرطبی)

عن ابن عباس قال کان اهل اليمن يحجون فلايتزودون ويقولون نحن متوكلون فاذا قدموا مكة سألوا الناس

(رواه البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یمن کے کچھ لوگ حج کے لئے آتے تھے اور اپنا خرچ ساتھ نہیں رکھتے تھے، اور کہتے یہ تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں، جب وہ مکہ میں آجاتے تو لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتے تھے۔

”وقال البغوی انما یفرضی حالهم الی النهب والغصب فانزل الله تعالی وتزودوا“
علامہ بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کبھی تنگ حالی کی وجہ سے دوسرے کا مال چھین لیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں ”وتزودوا“ کے الفاظ مبارکہ کو نازل فرمایا کہ اپنا خرچ ساتھ رکھو۔
(مظہری، البحر المحیط)

قال رجل لاحمد بن حنبل اریدان اخرج الی مكة علی التوکل بغیر زاد، فقال له احمد اخرج فی غیر القافلة فقال لا، الامعهم، قال فعلى جرب الناس توکلت (جرب جمع جراب ای وعاء)

ایک شخص نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کہا کہ میں مکہ میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، لیکن بغیر خرچ ساتھ لے جانے کے توکل پر جانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا بغیر کسی قافلہ کے ساتھ جانے کے اکیلے چلے جاؤ۔

اس نے کہا میں اکیلے تو نہیں جاسکتا قافلہ کے ساتھ ہی جاؤں گا۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کے توشہ دانوں پر توکل کرنا چاہتے ہو۔
(قرطبی)

☆ ابوالفرج ابن جوزی کہتے ہیں۔

”وقد لبس ابليس على قوم يدعون التوكل فخرجوا بلا زاد وظنوا ان هذا هو التوكل و هم على غاية الخطاء“

بعض لوگوں کو ابلیس اس دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ توکل کا دعویٰ کریں، بغیر خرچ کے گھر سے نکل جائیں لیکن ان کا اسے توکل سمجھنا غلطی ہے۔
(ارتعاشی)

ابن عربی کا شاندار موقف:

”قال ابن العربي امر الله بالتزود لمن كان له مال ومن لم يكن له مال فان كان ذا حرفة تنفق في الطريق او سائلا فلا خطاب عليه“

ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زاد و راہ ساتھ لینے کا جو حکم فرمایا اس کا تعلق مالدار لوگوں کے لئے ہے جن کے پاس مال ہوتا تھا لیکن مال وہ اپنے گھر ہی چھوڑ کر چل پڑتے تھے کہ ہم بغیر مال کے حج کرنے جا رہے ہیں کہ ہم متوکل ہیں، لیکن اگر کوئی شخص کسی فن کو جانتا ہے اور وہ اپنا کاروبار راستے میں کرتا ہے اور اپنا خرچ اپنے کسب سے چلا رہا ہے یا ایک انسان مالدار ہی نہیں وہ صرف سوال کے ذریعے ہی اپنا گذراؤات چلا رہا ہے، یعنی محنت و مزدوری کے قابل نہیں تو وہ اس حکم میں نہیں آتے، ان کا بغیر خرچ ساتھ لئے گھر سے نکلنا رب تعالیٰ کے حکم کی عدولی نہیں۔

(قرطبی و ابن عربی)

دینی طلبائے کرام توجہ فرمائیں:

”نور دوا“ باب تفعّل ہے، زاد و تزود، قال يقول کے وزن پر ہے جس طرح قال ت تفعّل تقول ہے، اسی طرح زاد ت باب تفعّل تزود ہے۔

بہتر زاد راہ تقویٰ ہے:

”والتقویٰ فی عرف الشرع والقرآن عبارة عن فعل الواجبات وترك المحظورات“
قرآن پاک سے ثابت ہے کہ شریعت میں تقویٰ یہ ہے کہ واجب کاموں پر عمل کرے اور ممنوع کاموں کو چھوڑ دے۔

پہلے معصیت کے کاموں سے منع کیا، اب مکمل طور پر تقویٰ کرنے کا حکم دیا کہ ممنوعات سے رکنا بھی ضروری ہے اور واجبات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

دوسرا اور دوزاد راہ:

سفر کی دو قسمیں ہیں، ایک ”سفر فی الدنیا“ اور دوسرا ”سفر من الدنیا“
دنیا میں سفر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کھانے پینے کی اشیاء اپنے ساتھ رکھے اور سواری ہو سفر کے لئے اور اپنے ساتھ مال رکھے۔

اور دنیا سے سفر کے لئے بھی زاد راہ ضروری ہے۔

”وہو معرفة الله ومحبتہ والاعراض عما سواہ“

وہ زاد راہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور اس کی محبت حاصل ہو اور اس کے سوا اور چیزوں سے اعراض کرے۔

تقویٰ کی بہتری کی وجوہ:

جب یہ واضح ہو گیا کہ تقویٰ آخرت کا توشہ ہے اور ظاہری اسباب اور مال دنیا کا توشہ ہے تو بہت واضح ہے کہ آخرت کا توشہ دنیا کے توشہ سے اعلیٰ ہے۔ تاہم اس کی چند وجوہ ذکر کی جا رہی ہیں۔

”ان زاد الدنیا یخلصک من عذاب موہوم وزاد الآخرة یخلصک من عذاب متیقن“

بیشک دنیا کا توشہ ان تکالیف سے بچاتا ہے جن کے متعلق صرف گمان ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اگر میں اپنے ساتھ خرچ نہ لے کر گیا تو مجھے تکالیف کا سامنا نہ کرنا پڑے، لیکن اخروی عذاب تو یقینی ہے فقط وہی نہیں، لہذا اپنے ساتھ تقویٰ کو بطور زادراہ رکھے، کیونکہ یہ یقینی عذاب سے بچاتا ہے۔

”ان زاد الدنیا یخلصک من عذاب منقطع وزاد الآخرة یخلصک من عذاب دائم“ ﴿۲﴾

بیشک دنیا کا زادراہ تمہیں اس عذاب سے بچائے گا جس نے ختم ہو جانا ہے، کیونکہ جب دنیا نے ختم ہو جانا ہے بلکہ دنیا کے اختتام سے پہلے انسان نے خود فوت ہو جانا ہے تو دنیاوی تکالیف نے بھی ختم ہو جانا ہے۔

لیکن اخروی زادراہ نے اس عذاب سے بچانا ہے جو عذاب نہ ختم ہونے والا ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہے گا، تاہم مؤمنین کو ایمان کا توشہ ساتھ لے جانے کی وجہ سے آخر کار نجات حاصل ہونی ہے اور تقویٰ کا توشہ ساتھ لے جانے کی وجہ سے رب تعالیٰ کی رحمت سے عذاب نہ ہونے کی نعمت حاصل ہوگی۔ ”ان شاء اللہ“

”ان زاد الدنیا یوصلک الی لذة ممروجة بالآلام والاسقام والبلیات، وزاد الآخرة“ ﴿۳﴾

یوصلک الی لذات باقیة خالصة عن شوائب المضرة آمنة من الانقطاع والزوال۔
بیشک دنیا کے زادراہ میں جہاں لذات ہیں وہاں اس میں درد، بیماریاں اور مصیبتیں بھی ہیں، اور زاد آخرت سے وہ لذات حاصل ہوتی ہے جو باقی رہنے والی ہیں اور نقصان پہنچانے سے پاک و صاف ہوتی ہیں۔ اور وہ نہ ختم ہونے والی ہیں۔

”ان زاد الدنیا یوصلک الی الدنیا وہی کل ساعة فی الادبار والانقضاء وزاد الآخرة“ ﴿۴﴾

یوصلک الی الآخرة وہی کل ساعة فی الاقبال والقرب والوصول۔
بیشک دنیا کا توشہ دنیا تک پہنچاتا ہے، دنیا کی ہر گھڑی پیچھے کی طرف جارہی ہے اور دنیا کا ہر لمحہ اختتام کی طرف جارہا ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ انسان اپنی عمر کے کھٹنے کو بڑا ہونا سمجھ رہا ہے اور پستی

کو ترقی کا نام دے رہا ہے اور زوال کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رہا ہے۔
لیکن آخرت کا توشہ آخرت کی طرف لے جانے والا ہے اس کی ہر گھڑی آگے کی طرف جائے
گی۔ اور انسان کو رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔ اور خوش قسمت لوگ واصل الی اللہ (رب کو پا لینے
کا درجہ حاصل کرنے والے) ہوں گے۔

ان زاد الدنیا یوصلک الی منصة الشهوة والنفس وزاد الآخرة یوصلک الی عتبة
الجلال والقدس“

دنیا کا توشہ تجھے خواہشات نفسانیہ عطاء کرے گا اور آخرت کا توشہ تمہیں مالک الملک کے دربار کی
دہلیز تک پہنچائے گا۔

ان تمام وجود سے واضح ہو گیا کہ اگرچہ دنیا کا توشہ بھی ساتھ رکھنا ضروری ہے لیکن آخرت کا توشہ تقویٰ ہی
بہتر ہے اور مقصود ہے۔

اعشی شاعر نے بہت ہی خوبصورت طریقہ سے اس مفہوم کو بیان کیا ہے۔

اذا انت لم ترحل بزاد من التقی
ولا قیت بعد الموت من قد تزودا
ندمت علی ان لا تكون کمثله
وانک لم تر صد کما کان ارصد

جب تو دنیا سے تقویٰ کا توشہ ساتھ لے کر کوچ نہیں کرے گا۔

تو تیری ملاقات ایسے شخصوں سے ہوگی جن کے پاس تقویٰ کا توشہ ہوگا۔

تو نادام ہوگا کہ تو ان شخصوں کی طرح نہیں۔

اس لئے کہ تیرے پاس وہ رصد نہیں ہوگی جو ان کے پاس ہوگی۔ (ازکبیر)

”وَاتَّقُونَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ“ اور ڈرو مجھ سے اے عقل والو!

یعنی عقل کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے۔ پہلے تقویٰ کا ذکر کر کے اس پر

براہین پیش کیا۔

”ثم امرهم بان يكون المقصود بها هو الله فيتبروا عن كل شيء سواه وهو مقتضى العقل

المعري عن شوائب الهوى“

پھر ان کو حکم دیا کہ اصل مقصد تمہارا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے تم اللہ تعالیٰ کے بغیر تمام چیزوں سے اپنے آپ کو بیزار سمجھو۔

ہاں یہ منصب اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو خواہشات کے شائبہ سے اپنی عقل کو دور رکھے۔ اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے عقل والوں کو خطاب کیا۔

”فانه من لم يتقه فكأنه لالب له“

حس، شخص کو تقویٰ حاصل نہیں گویا کہ اسے عقل ہی حاصل نہیں۔

سبحان اللہ کامل عقل اولیاء کرام اور متقین حضرات کو ہی حاصل ہوتی ہے، ہمارے جیسے بچہ دال صرف دعویدار ہی ہیں کہ ان کو عقل حاصل ہے۔

عقل مند شخص کے لئے ضروری ہے کہ اپنی عقل کو دنیاوی اغزشوں سے دور رکھے اور اپنے نفس کو مہذب کرے اور اپنے آپ کو اعلیٰ مراتب تک پہنچانے کی پوری پوری کوشش کرے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

ولم ارفى عيوب الناس شيئا كنقص القادرين على التمام

میں نے لوگوں میں اس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں دیکھا۔

کہ کمال حاصل کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود ناقص ہی رہیں۔

حج کی تکمیل:

تین چیزوں کا حاصل کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور حاجی کے لئے خاص کر کے اور ہی زیادہ ضروری ہے۔

﴿١﴾ ”الودع يحجزه عن محارم الله“

انسان کو ورع (تقویٰ سے بلند پرہیزگاری) حاصل ہو جس کی وجہ سے انسان ان چیزوں سے اپنے آپ کو روک کر رکھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ بلکہ جن میں ناجائز ہونے کا شبہ ہو ان سے بھی اجتناب کرے۔

﴿۲﴾ ”وَحَلَمَ يَكْفُ غَضَبِهِ“ اور بردباری رکھے جس کی وجہ سے اپنے غصہ کو روک کر رکھے۔

﴿۳﴾ ”وَحَسَنَ الصَّحَابَةِ لِمَنْ يَصْحَبُهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ اپنے ساتھ مسلمان رفقاء سے اچھا سلوک رکھے۔

”فَمَنْ كَمَلَهَا فَقَدْ كَمَلَ حُجَّهً وَالْأَفْلَا“

جس نے تینوں چیزوں کو کامل طور پر حاصل کر لیا اس کا حج مکمل ہو گیا، جو ان تین چیزوں کو مکمل نہ کر سکا اس کا حج بھی مکمل نہ ہوا۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا۔

از من بگوی حاجی مردم آزار را کو پستین خلق بازار میدرد

حاجی تو نیستی شتر است از برای آنکہ بیچارہ خار میخورد و بار میبرد

لوگوں کو ستانے والے حاجی کو میری طرف سے کہہ دو۔ جو مخلوق کی ظلم سے چمڑی ادھیڑ رہا ہے۔

کہ تو حاجی نہیں اونٹ ہے۔ (بلکہ اس سے بھی گھٹیا ہے) اس لئے کہ وہ۔ بیچارہ کانٹے کھاتا ہے اور بوجھ اٹھاتا ہے۔

(ماخوذ از روح البیان)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”اتقون“ میں ”اتقو“ جمع مذکر مخاطب امر حاضر ہے، اصل میں ”اتقیوا“ تھا، نون وقایہ ہے۔ اور یای

متکلم ضمیر منصوب جو مفعول ہے محذوف ہے۔ اصل میں ”اتقونی“ ہے۔

☆☆☆☆☆

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ . فَإِذَا أَفَضْتُمْ
مِّنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ . وَاذْكُرُوهُ
كَمَا هَدَاكُمْ . وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ (سورة البقرة آیت ۱۹۸)

﴿۱﴾

تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو، تو جب عرفات سے پلٹو تو اللہ کی
یاد کرو مشعر حرام کے پاس اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی، اور
بے شک اس سے پہلے تم بہکے ہوئے تھے۔

﴿۲﴾

نہیں ہے تم پر کچھ گناہ کہ تم طلب کرو فضل اپنے رب کا، تو جب لوٹو تم عرفات سے
تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام کے پاس اور ذکر کرو اس کا اس لئے کہ اس نے ہدایت دی
تمہیں اور بیشک تم اس سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے۔

شان نزول:

چند واقعات کے درپیش آنے کے بعد آیہ کریمہ کا نزول ہوا۔ جو احادیث میں مذکور ہیں۔

”عن ابن عباس قال كانت عكاظ ومجنة وذو المجاز اسواقا في الجاهلية فلما كان
الاسلام فكانهم تأثموا ان يتجروا في المواسم فنزلت“
(رواه البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز بازار تھے زمانہ جاہلیت میں،
جب اسلام آگیا تو لوگوں نے حج کے دنوں میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا تو اس آیہ کریمہ کا نزول
ہوا کہ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم حج کے دنوں میں اپنے رب کا فضل طلب کرو۔ یعنی تجارت کے

ذریعے تم مال حاصل کرو تو یہ تمہارے لئے جائز ہے۔

خیال رہے کہ یہ تینوں بازار مکہ کے قریب حج کے دنوں میں لگائے جاتے تھے۔ ذیقعد کی پہلی تاریخ سے بیس تاریخ تک عکاظ بازار قائم ہوتا تھا۔ پھر ذیقعد کی اکیس تاریخ سے ذی الحج کی آٹھ تاریخ تک مجنہ (بفتح المیم و کسرھا) بازار قائم ہوتا تھا۔ پھر آٹھ ذی الحج کو ہی مقام عرفات کے قریب ذوالحجاز بازار قائم ہوتا تھا۔

عن ابی امامۃ التیمی قال کنت رجلا کری فی هذا الوجه وکان الناس یقولون لی انه لیس لك حج فلقیت ابن عمر فقلت له یا ابا عبد الرحمن انی رجل اکری فی هذا الوجه وان اناس یقولون انه لیس لك حج فقال ابن عمر الیس تحرم وتلبی وتطوف بالبيت وتفیض من عرفات وترمی الجمار فقلت بلی قال فان لك حجا، جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فسأله عن مثل ما سألتی عنه فسکت رسول اللہ ﷺ فلم یجبه حتی نزلت هذه الآیة ”لیس علیکم جناح ان تبغوا فضلا من ربکم“ فارسل الیه رسول اللہ ﷺ وقرأها علیہ وقال لك حج“ (اخرجه ابو داؤد و الترمذی)

حضرت ابو امامہ تیمی کہتے ہیں کہ میں حج کے دنوں میں اپنے اونٹ وغیرہ کو کرایہ پر دے دیتا تھا، لوگ مجھے کہتے کہ تمہارا حج نہیں، تو میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ملا تو میں نے کہا اے ابو عبد الرحمن بیشک میں حج کے دنوں میں محنت و مزدوری کرتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ تمہارا حج نہیں (کیا وہ صحیح کہتے ہیں) تو ابن عمر نے فرمایا کیا تم احرام نہیں باندھتے، کیا تم تلبیہ نہیں پڑھتے، کیا تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے، کیا تم مقام عرفات پر جا کر نہیں لوٹتے، کیا تم جمرات کو کنکریاں نہیں مارتے؟ تو میں نے کہا یہ سارے کام تو میں کرتا ہوں، آپ نے فرمایا بیشک تمہارا حج ہے، پھر انہوں نے بتایا کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے اسی طرح آپ سے سوال کیا جیسا کہ تم نے مجھ سے سوال کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ (وحی کی انتظار میں) خاموش رہے، آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف پیغام بھیجا اے یہ آیہ کریمہ پڑھ کر سنائی گئی اور اسے بتایا گیا کہ تمہارا حج ہے۔ (از خازن)

☆ "عن ابن عباس قال كانوا يتقون البيوع والتجارة في الموسم والحج يقولون ايام ذكر فانزل الله تعالى ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم" (رواه ابو داؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ حج کے دنوں میں خرید و فروخت اور تجارت سے دور رہتے کہ یہ صرف ذکر کے دن ہیں تو اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ "نہیں تم پر کچھ گناہ کہ تم طلب کرو فضل اپنے رب سے"

☆ "وعن ابی صالح مولی عمر قال قلت یا امیر المؤمنین کنتم تتجرون فی الحج قال و هل کانت معایشهم الا فی الحج"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امیر المؤمنین کیا تم حج کے دنوں میں تجارت کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں لوگوں کا ذریعہ معاش ہی حج کی تجارت پر موقوف تھا۔ (از صابونی)

حج کے دنوں میں تجارت نہ کرنا افضل ہے:

"والحق ان التجارة وان كانت مباحة فی الحج الا ان الاولى ترکها" حق یہ ہے کہ تجارت کرنا حج کے دنوں میں جائز تو ہے لیکن تجارت نہ کرنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين"

اور ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین میں اخلاص پیدا کریں۔

"والاخلاص ان لا يكون حامل على الفعل سوى كونه طاعة وعبادة"

جو شخص طاعت اور عبادت کے بغیر اور کاموں میں مشغول رہے اس کی عبادت میں کامل اخلاص نہیں پایا جاتا۔ لہذا بہتر ہے کہ اگر کوئی شخص تجارت کرنے کے بغیر ہی حج کرے تو اس میں زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔ (ابن ابی بن)

نزول آیہ سے پہلے تجارت کے ناجائز ہونے کا گمان کیوں ہوا؟

اس میں چند وجوہ پائی گئی ہیں۔

﴿۱﴾ رب تعالیٰ نے جب جھگڑے سے منع فرمایا تو لوگوں نے اس سے یہ خیال کیا کہ تجارت میں بھی قیمت کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے جھگڑا ہوتا رہتا ہے ”فوجب ان تكون التجارة محرمة وقت الحج“ تو ضروری ہے کہ دوران حج تجارت حرام ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے تجارت کی اجازت دے کر ان کے اس وہم کو رد کر دیا۔

﴿۲﴾ زمانہ جاہلیت میں لوگ تجارت کو دین کے خلاف سمجھتے تھے اگرچہ تجارت کرتے بھی تھے۔ اسلام کے آنے کے بعد بھی ان لوگوں کے نظریات یہ رہے کہ دنیاوی طمع کی وجہ سے حج ضائع ہو جائے گا۔ ان کے اس باطل نظریہ کا رد کیا گیا کہ تجارت کرنے سے حج ضائع نہیں ہوتا، بلکہ تجارت کی تمہیں اجازت ہے۔

﴿۳﴾ حج میں کئی وہ کام ناجائز کر دیئے گئے جو حج کے آگے پیچھے جائز ہوتے ہیں جیسا کہ لباس پہننا، خوشبو لگانا اور شکار کرنا اور اپنی اہلیہ سے مباشرت کرنا، تو ان چیزوں سے لوگوں نے اندازہ لگایا کہ لباس پہننے کی ضرورت تو زیادہ ہوتی ہے، اور تجارت کی ضرورت کم ہوتی ہے، اس لئے تجارت ناجائز ہونی چاہئے۔ رب تعالیٰ نے حج کے دنوں میں تجارت کی اجازت دے کر واضح فرمایا کہ یہ جائز ہے۔

﴿۴﴾ نماز میں مشغول ہونے کی حالت میں کئی جائز کام حرام ہو جاتے ہیں، کھانا، پینا، کلام کرنا، چلنا وغیرہ تو لوگوں نے اسی سے یہ سمجھا کہ شاید حج کے دنوں میں تجارت بھی منع ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تجارت کے جواز کا حکم فرما کر اس وہم کا ازالہ کر دیا۔

حج میں اور کاموں کی آمیزش کو شدید جرم سمجھا گیا تھا۔

”واذا دخل العشر بالغوا فی ترک البیع والشراء بالکلیۃ“

ذی الحج کی پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک وہ مکمل طور پر خرید و فروخت چھوڑ دیتے تھے، بلکہ وہ حج

کے دنوں میں تجارت کرنے والے کے متعلق کہتے تھے۔

”هؤلاء الداج وليسوا بالحاج“

یہ ”الحاج“ نہیں بلکہ ”الداج“ ہے۔

”الداج“ کا معنی کسب کرنا اور چننا۔ اسی وجہ سے مرغی کو ”الدجاجہ“ کہتے ہیں کہ وہ زمین سے دانے چنتی (اٹھاتی) ہے۔ وہ لوگ حج کے دنوں میں کسی مظلوم کی امداد، کسی ضعیف کی فریادری اور بھوکے کو طعام کھلانے کو بھی ناجائز سمجھتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تجارت کی اجازت دے کر ان کے اس وہم کو زائل کر دیا۔

”لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ“

نہیں ہے تم پر کچھ گناہ کہ تم طلب کرو فضل اپنے رب کا۔

(لیس علیکم جناح) ”ای اثم من الجنوح وهو الميل عن القصد“

جناح کا معنی ”جنوح“ سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہوتا ہے میانہ روی سے عدول کر جانا۔ سیدھی راہ سے ہٹ جانا، گناہگار بھی اللہ تعالیٰ کے احکاموں پر عمل کرنے سے عدول کرتا ہے اس لئے گناہ کو ”جناح“ کہا گیا ہے۔
(از روح البیان)

”جناح“ نکرہ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر تجارت میں اور کوئی ناجائز ہونے کی صورت نہ پائی گئی تو حج میں تجارت کا کچھ گناہ بھی نہیں ہوگا نہ صغیرہ اور نہ کبیرہ۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں ”کچھ“ کا لفظ اسی خوبی پر دلالت کر رہا ہے۔

اعتراض: آیہ کریمہ میں حج کا ذکر نہیں کیونکہ حکم مطلق ہے۔

”لیس علیکم جناح ان تبغوا فضلا من ربکم“

اس میں صرف اتنا ہی ذکر ہے۔ ”تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل“

اس سے دوران حج تجارت کا جواز کیسے ثابت ہوا؟

جواب: ”ماروی عطاء عن ابن مسعود و ابن الزبیر انہما قرءا“ ان تبتغوا فضلا من ربکم فی

مواسم الحج“

عطا کی روایت کے مطابق، ابن مسعود اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ”فی مواسم الحج“ کے الفاظ موجود ہیں، جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو حج کے موسم میں یعنی حج کے دنوں میں۔

اور اصول فقہ میں یہ ضابطہ موجود ہے جو قرأتیں اخبار احاد سے ثابت ہیں وہ اگرچہ نماز میں تلاوت نہیں ہوں گی لیکن ان کا معنی اخبار مشہورہ کی تائید کرے گا۔ (ماخوذ از البیر)

(جلالین)

”ان تبتغوا“ ای تطلبوا“

تم طلب کرو، تم تلاش کرو، تم حاصل کرو۔

(روح البیان)

”ان تبتغوا“ ای فی ان تقصدوا و تطلبوا“

تم پر کوئی گناہ نہیں اللہ کے فضل کا ارادہ کرنے اور طلب کرنے میں۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”ان تبتغوا“ میں نون اعرابی ان ناصبہ کی وجہ سے حذف ہو گیا۔ یہ باب افتعال ہے، اصل اس کا مادہ ”بغی“ ہے۔ ”البغی تجاوز الاقتصاد فیما یتحرى“ کسی کام میں اتنی کوشش کرنا کہ درمیانی راہ سے تجاوز کر جائے اسے ”بغی“ کہا جاتا ہے۔ پھر ”بغی“ کی دو قسمیں ہیں۔

”احدهما محمود و هو تجاوز العدل الى الاحسان والفرض الى التطوع“

”بغی“ یعنی درمیانی راہ سے تجاوز کرنے کی ایک قسم اچھی ہے، قابل تعریف ہے، وہ عدل سے تجاوز کر کے احسان تک پہنچنا، اور فرض سے تجاوز کر کے نفل تک پہنچنا۔

کاش کہ یہ معنی لوگوں کو سمجھ آ جائے تو سارے جھگڑے ہی ختم ہو جائیں، جو آئے دن لوگوں کو مستحبات سے

اس لئے روکنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں کہ یہ کام نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا۔

”والثانی مذموم وهو تجاوز الحق الى الباطل او تجاوزه الى الشبه كما قال عليه الصلوة والسلام الحق بين والباطل بين وبين ذلك امور مشبهات ومن وقع حول الحمى اوشك ان يقع فيه“

اور دوسری قسم ”بغی“ تجاوز کی مذموم (بری) ہے۔ وہ یہ ہے کہ حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنا یا شبہات کی طرف تجاوز کرنا جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا حق واضح ہے۔ اور باطل واضح ہے۔ اور ان کے درمیان ایسے کام ہیں جن میں اشتباہ پایا جاتا ہے۔ جو شخص چراگاہ کے ارد گرد (یعنی حد بندی کے ساتھ ساتھ) جانوروں کو چراتا ہے قریب ہے کہ وہ اس میں واقع ہو جائیں۔

(از مفردات راغب)

”فضلا من ربکم“ (اپنے رب کا فضل)

”عطاء و تفضلا وهو النفع والربح بالتجارة والكراء“ (مدارک)

تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم طلب کرو اپنے رب کی عطاء اور اس کے فضل کو۔ یعنی رب تعالیٰ سے منافع حاصل کرو، اور تجارت کر کے مالی نفع حاصل کرو، اور محنت مزدوری کر کے اور اپنے اونٹ وغیرہ کرایہ پر دے کر مالی نفع حاصل کرو۔

فائدہ: رزق حلال حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو حرام مال سے بچا لیتا ہے۔

فضل کے معنی میں وسعت:

”ثم ان الفضل على ثلاثة اقسام بالنسبة الى احوال العبد فان التنوع راجع الى تغيير

احوال العباد لا الى تغيير صفة من صفات الحق تعالى“

فضل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ جب فضل کا تعلق بندوں سے ہوتا ہے تو اس تعلق کے لحاظ پر اللہ تعالیٰ کے فضل کی تین قسمیں ہیں۔

۱۰۔ ” فالاول منها ما يتعلق بالمعاش الانساني من المال والجاه“

ان میں سے پہلی قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کی معاش سے ہے خواہ وہ مال ہو یا مرتبہ۔

پھر مال کا تعلق یا غذا حاصل کرنے سے ہوگا یا لباس حاصل کرنے سے۔

اس فضل کی تفسیر رزق سے کی جاتی ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

” وابتغوا من فضل الله“ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (سورۃ الجمعة آیت ۱۰)

یعنی رزق تلاش کرو۔

۲۰۔ والثاني منها ما يتعلق بالمصالح الاخرية للعبد“

دوسری قسم ان میں سے یہ ہے کہ فضل کا تعلق بندے کی اخروی بہتریوں سے ہو۔

اس کی پھر دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جس کا تعلق اعمال بدن سے ہو، یعنی شریعت کے مطابق کام ہوں اور

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کرے۔ اور شیطانی راستہ سے بچ کر رہے۔

اس فضل کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا۔

” يبتغون فضلا من الله ورضوانا“ اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ (سورۃ الفتح آیت ۲۹)

یہاں فضل کا معنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی رضا مندی کا حصول۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق دل کے اعمال اور تزکیہ نفس (نفس کو پاک کرنے) سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

” ولولا فضل الله عليكم ورحمته ما زكي منكم من احد ابدا ولكن الله يزكي من يشاء“

(سورۃ النور آیت ۲۱)

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی پاکیزہ نہ ہو سکتا ہاں اللہ پاکیزہ کرتا

ہے جسے چاہے۔

یہاں اللہ کے فضل سے مراد تزکیہ نفس ہے جس کا تعلق اعمال قلب سے ہے۔

۳۰۔ والقسم الثالث منها ما يتعلق بالله تعالى“

فضل کی تیسری قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔

اس کی پھر دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جس کا تعلق ”مواہب قربہ“ (رب تعالیٰ کی طرف سے قربت کی عطا) سے ہے۔ اسی کو رب قدوس نے یوں بیان فرمایا۔

”و بشر المؤمنین بأن لهم من الله فضلا كبيرا“ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۷)

اور بشارت دو مومنوں کو کہ ان کے لئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

”ای قربا کبیرا فانہ اکبر من الدنیا والآخرۃ“

یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا قرب حاصل ہے جو دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔

اور اس کی دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق ”مواہب و صلۃ“ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصال) سے ہوتا ہے۔

یہ فضل باقی تمام قسموں سے اعلیٰ ہے، کیونکہ جب خدا مل گیا تو خود بخود خدائی مل گئی۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی کائنات

مجھ سا کوئی کوئی گدا نہیں، تجھ سا کوئی شاہ نہیں

اس آیت کریمہ میں تینوں قسم کے فضل حاصل کرنے کا حکم دیا گیا کہ حج میں بے خرچ ہو کر بھی نہ رہ جاؤ ضرورت پڑے تو رزق حلال حاصل کرو۔ اور حج میں تمام کام اللہ تعالیٰ کی رضا، مندی کے مطابق ہوں اور مقصد اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنا ہو۔

ہر حال میں انسان کو ان تمام قسم کے فضلوں کو تلاش کرے۔ خصوصاً حج میں زیادہ ہی اس کا لحاظ کرے۔

فائدہ جلیلہ: اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں یعنی اہل سلوک کی ابتداء ترک دنیا سے ہوتی ہے کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں چلہ کشی کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرتے ہیں، دنیا داروں سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو معرفت و توحید میں بلند مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

اب اس اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر ان کی یہی دعاء ہوتی ہے کہ اے اللہ ہمارے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاکیزہ رکھ

اور ہمارے دلوں کو اپنی رحمت کے نور سے بھر دے۔

”اللهم طهر قلوبنا من رجز حب الدنيا الدنية واملأ قلوبنا نوراً بالطاف الخفية“

ان لوگوں کو دنیا کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی بلکہ آخرت کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

”فلا يتصرفون في شيء منها وتصرفهم بالله وفي الله والله“

ان کا دنیا میں کوئی تصرف نہیں ہوتا بلکہ ان کا تصرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے حصول کے لئے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے وصال کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔

”لا يتصرفون لحظوظ النفس بل لمصالح الدين واصابة الخير الى الغير وكذا في التاويلات النجمية“

اللہ والے اپنی خواہشات کے مطابق کام نہیں کرتے بلکہ دین کی مصلحت کے لئے کام کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتے میں بھرپور کوشش کرتے ہیں، تاویلات نجمیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں۔

گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر	کار پا کاں را قیاس از خود مکیر
و شیر آں باشد کہ مردم اورا خورد	شیر آں باشد کہ مردم را درد
اگرچہ شیر اور شیر لکھنے میں ایک جیسے ہیں۔	نیک لوگوں کے کام کو اپنے کام پر قیاس نہ کرو۔
شیر (دودھ) وہ ہے جسے لوگ پیتے ہیں۔	شیر وہ ہے جو لوگوں کو پھاڑ دیتا ہے۔
(ماخوذ از روح البیان)	

فضل کے معنی میں مزید وسعت:

ابو جعفر محمد بن علی باقر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایک اس کا یہ مطلب بھی ہے۔

”هوان يتغى الانسان حال كونه حاجا اعمالا لاخرى تكون موجبة لاستحقاق فضل الله ورحمته مثل اعانة الضعيف و اغائة الملهوف و اطعام الجائع“

کہ انسان دوران حج اور بھی وہ کام کرے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا ذریعہ بنیں، یعنی ضعیف لوگوں کی امداد کرے اور مظلوموں کی فریاد رسی کرے اور بھوکوں کو کھانا کھلائے۔

تنبیہ: ”اتفقوا علی ان التجارة اذا وقعت نقصانا فی الطاعة لم تكن مباحة اما ان لم

توقع نقصانا البتة فیها فهي من المباحات التي اولى تركها“

اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ اگر تجارت حج کے احکام بحال لانے میں خلل پیدا کرے، یا تجارت میں جھوٹ وغیرہ کی آمیزش سے معصیت ہو تو تجارت کرنا جائز نہیں۔ اگر یہ نقصانات نہیں تو تجارت کرنا جائز ہے۔ البتہ تجارت نہ کرنا بہتر ہے۔

”والحاصل ان الاذن فی هذه التجارة جار مجرى الرخص“

حاصل کلام یہ ہے کہ دوران حج تجارت کرنے کی اجازت دی گئی، تجارت کرنا لازم نہیں۔ اور نہ ہی تجارت کرنا افضل ہے۔ بلکہ تجارت نہ کرنا افضل ہے۔

”فَاِذَا اَفْضُتُمْ مِّنْ عَرَفَتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ“

توجہ لو تو تم عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام کے پاس۔

یعنی نوزی الحج کو غروب آفتاب کے بعد عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ میں آ جاؤ، اگرچہ تمام مزدلفہ ہی ٹھہرنے کا مقام ہے لیکن مشعر حرام کے پاس ٹھہرنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ جس طرح مقام عرفات تمام ہی موقف (ٹھہرنے کا مقام) ہے لیکن جبل رحمت پر وقوف زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

مشعر حرام: ایک پہاڑ ہے جسے قزح کہا جاتا ہے جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، اس کے اوپر ”میقدة“ ہے، جہاں آگ جلائی جاتی تھی، یہ مقام عرفہ کے دو پہاڑوں کے درمیان ہے، وادی محسر تک پھیلا ہوا ہے۔ البتہ یہ دونوں پہاڑ جو عرفہ میں ہیں اور وادی محسر یہ مزدلفہ کا موقف نہیں۔

”مشعر“ شعار سے لیا ہوا ہے، جس کا معنی علامت ہے، اور حرام کا معنی روکنا، چونکہ وہ مقام حج کی علامت ہے اور حج کے منافی کاموں سے روکنے کا مقام ہے اس لئے اسے مشعر حرام کہا گیا ہے۔ (مدارک، حارن)

مقام عرفات سے غروب آفتاب کے بعد لوٹنا:

زمانہ جاہلیت میں غروب آفتاب سے پہلے لوگ لوٹ پڑتے تھے، لیکن نبی کریم ﷺ غروب آفتاب کے بعد لوٹے اور بعد میں لوٹنے کا آپ نے حکم دیا۔

”عن اسامة بن زيد قال دفع رسول الله ﷺ من عرفة حتى اذا كان بالشعب نزل فبال ثم توضأ ولم يسبغ الوضوء فقلت الصلوة يا رسول الله فقال الصلوة امامك فلما جاء المزدلفة نزل فتوضأ فاسبغ الوضوء ثم اقيمت الصلوة فصلى المغرب ثم اناخ كل انسان بعيره في منزله ثم اقيمت العشاء فصلى ولم يصل بينهما شيئا“

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ عرفات سے لوٹے جب آپ وادی میں پہنچے تو آپ سواری سے اترے، پیشاب فرمایا پھر وضوء فرمایا لیکن کامل وضوء نہ فرمایا (یعنی صرف ہاتھ وغیرہ دھونے پر اکتفاء کیا) میں نے کہا نماز (کا وقت ہو گیا) یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا نماز کا وقت آگے ہوگا، پھر آپ سوار ہوئے، جب مزدلفہ آگیا تو آپ سواری سے اترے، وضوء فرمایا، کامل وضوء فرمایا پھر نماز کے لئے اقامت کہی گئی مغرب کی نماز آپ نے ادا فرمائی، تمام لوگوں نے اپنی اپنی سواریوں کو بٹھایا، پھر عشاء کی اقامت کہی گئی، آپ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی۔ ان کے درمیان کوئی اور نماز (یعنی نوافل وغیرہ) ادا نہیں کی۔ (بخاری و مسلم) (حازن)

”واخرج الحاكم وابن مردويه والبيهقي في سننه عن المسور بن مخرمة قال خطبنا رسول الله ﷺ بعرفة فحمد الله واثنى عليه ثم قال اما بعد وکان اذا خطب قال اما بعد فان هذا اليوم الحج الاكبر الاوان اهل الشرك والاثان كانوا يدفعون من ههنا قبل ان تغيب الشمس اذا كانت الشمس في رؤس الجبال كانها عمائم الرجال في وجوهها وان اندفع بعد ان تغيب الشمس و كانوا يدفعون من المشعر الحرام بعد ان تطلع الشمس اذا كانت الشمس في رؤس الجبال كانها عمائم الرجال في وجوهها وانا ندفع ان تطلع الشمس مخالفا هدينا لهدى اهل الشرك“

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی۔ پھر آپ نے کہا۔ ”اما بعد“ آپ خطبہ میں (حمد و ثناء کے بعد) ”اما بعد“ کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا آج کا دن حج اکبر کا دن ہے۔ خبردار بیشک اہل شرک اور بت پرست یہاں سے سورج کے غروب ہونے سے پہلے لوٹ جاتے تھے جبکہ سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر لوگوں کے سامنے پگڑیوں کی طرح نظر آتا تھا۔ لیکن ہم یہاں سے سورج کے غروب ہونے کے بعد لوٹیں گے۔ اور وہ لوگ مشعر حرام (مزدلفہ) سے اس وقت لوٹتے تھے جبکہ سورج طلوع ہو کر پہاڑ کی چوٹیوں پر لوگوں کے سامنے پگڑیوں کی طرح نظر آتا۔ لیکن ہم وہاں سے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے لوٹیں گے کیونکہ ہمیں رب تعالیٰ نے مشرکین کی راہ کے مخالف حق راہ کی ہدایت دی ہے۔

(درمنثور)

”واخرج ابوداؤد الترمذی واللفظ له وصححه وابن ماجه عن علي قال وقف رسول الله ﷺ بعرفة فقال هذه عرفة وهو الموقف وعرفة كلها موقف ثم افاض حين غربت الشمس واردف اسامة بن زيد وجعل يشير بيده على هينته والناس يضربون يميناً وشمالاً يلتفت اليهم ويقول يا ايها الناس عليكم السكينة ثم اتى جمعاً فصلى بهم الصلوتين جميعاً فلما أصبح اتى قرح وقف عليه وقال هذا قرح وهو الموقف وجمع كلها موقف ثم افاض حتى انتهى الى وادي محسر ففرع ناقته فحجب حتى جاوز الوادي فوقف واردف الفضل ثم اتى الجمرة فرماها ثم اتى المنحر فقال هذا المنحر ومنى كلها منحر“

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ عرفات پر ٹھہرے تو آپ نے فرمایا یہ عرفات ہے، یہ ٹھہرنے کا مقام ہے، عرفات تمام ہی ٹھہرنے کا مقام ہے، پھر سورج کے غروب ہونے پر آپ وہاں سے لوٹ پڑے اور اسامہ بن زید کو اپنے ساتھ اپنی سواریوں پر سوار کر لیا۔ آپ اپنے ہاتھ کے اشارہ سے لوگوں کو آہستہ آہستہ چلنے کے متعلق کہہ رہے تھے اور لوگ آپ کے دائیں

بائیں چل رہے تھے آپ ان کی طرف توجہ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے اے لوگو آہستہ آہستہ چلو، پھر آپ مزدلفہ میں آگے وہاں آپ نے دو نمازیں ایک وقت میں جمع کر کے پڑھائیں، جب صبح ہوئی تو آپ جبل قزح پر آئے اور وہاں نہ ٹھہرے۔ اور آپ نے فرمایا یہ قزح ہے یہ ٹھہرنے کا مقام ہے اور مزدلفہ تمام ہی ٹھہرنے کا مقام ہے، پھر آپ لوٹے یہاں تک کہ وادی محسر میں پہنچے تو وہاں سے جلدی جلدی آگے نکلنے کے لئے اپنی اونٹنی کو دوڑایا یہاں تک کہ وادی سے نکل گئے، پھر آپ نے اپنی سواری پر اپنے ساتھ فضل بن عباس کو سوار کیا اور (مقام منی میں) جمرات کے پاس آگئے ان کو ٹکریاں ماریں، پھر آپ ذبح کرنے کے مقام میں آئے، اور فرمایا یہ ذبح کرنے کا مقام ہے۔ تمام منی ہی ذبح کا مقام ہے۔ (درمنثور)

☆ ”واخرج البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجه عن اسامة بن زيد انه سئل كيف كان رسول الله ﷺ يسير حين افاض من عرفة وكان رسول الله ﷺ اردفه من عرفات قال كان يسير العنق فاذا وجد فجوة نص“

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ عرفہ سے لوٹتے ہوئے کس طرح چلتے تھے، تو انہوں نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر سوار تھا آپ آہستہ آہستہ سواری کو چلا رہے تھے۔ جب آپ کو جگہ کشادہ مل جاتی تو کچھ تیز چلتے۔ (درمنثور)

☆ ”واخرج ابن خزيمة عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ وقف حتى غربت الشمس فاقبل يكبر الله ويهلله ويعظمه ويمجده حتى انتهى الى المزدلفة“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ (عرفات پر) ٹھہرے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو آپ متوجہ ہوئے (یعنی مزدلفہ کی طرف) ”اللہ اکبر“ اور ”لا الہ الا اللہ“ پڑھ رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی بیان فرما رہے تھے یہاں تک کہ آپ مزدلفہ میں پہنچ گئے۔

(درمنثور)

☆ ”واخرج البخاری ومسلم والنسائی عن ابن عباس ان اسامة بن زيد كان ردف رسول الله ﷺ من عرفة الى مزدلفة ثم اردف الفضل من المزدلفة الى منى فكلاهما قال لم يزل النبي ﷺ يلبي حتى رمى جمرة العقبة“

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں بیشک اسامہ بن زید رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپ کے ساتھ عرفہ سے مزدلفہ تک سوار رہے۔ پھر مزدلفہ سے منی تک فضل بن عباس آپ کے ساتھ سوار رہے۔ دونوں فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ منی میں جمرہ عقبہ تک پہنچنے تک تلبیہ پڑھتے رہے۔

☆ واخرج سعيد بن منصور وابن جرير وابن المنذر والبيهقي في سننه عن ابن عمر في قوله فاذا كروا الله عند المشعر الحرام قال هو الجبل وما حوله“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ”فاذا كروا الله عند المشعر الحرام“ کے متعلق فرمایا کہ مشعر حرام ایک پہاڑ (جبل قزح) اور اس کے ارد گرد کا حصہ ہے۔ (درمنثور)

☆ واخرج ابن ابي شيبة عن سعيد بن جبیر قال ما بين جبلي مزدلفة فهو المشعر الحرام“ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مزدلفہ کے دو پہاڑوں کے درمیان مشعر حرام ہے۔ (درمنثور)

اعتراض: پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عرفہ کے دو پہاڑوں کے درمیان مشعر حرام ہے۔ اس حدیث پاک میں مزدلفہ کے دو پہاڑوں کے درمیان مشعر حرام کا ذکر ہے۔ ان میں تطبیق کیسے صحیح ہے؟

جواب: عرفہ کی آخری حد اور مزدلفہ کی ابتدائی حد پر یہ پہاڑ واقع ہیں، اس لئے عرفہ کے پہاڑ کہنا بھی صحیح ہے اور مزدلفہ کے پہاڑ کہنا بھی صحیح ہے۔

مشعر حرام پر ٹھہرنے کے لئے دھکے نہ دیئے جائیں:

☆ ”واخرج عبدالرزاق وعبد بن حميد وابن جرير عن ابن عمر انه رأى الناس يزودحمون على قزح فقال علام يزودحم هؤلاء كل ما ههنا مشعر“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو جبل قزح پر بھیڑ کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھا تو آپ نے فرمایا یہ ایک دوسرے کو کس لئے دھکے دے رہے ہیں تمام مقام ہی مشعر ہے۔ (در مشور)

یعنی مزدلفہ تمام ہی ٹھہرنے کا مقام ہے بغیر دھکے دیئے اور کسی کو تکلیف پہنچانے کے بغیر مشعر حرام (جبل قزح) پر ٹھہرنے اور دعاء کرنے کی جگہ مل جائے تو بہتر ورنہ مزدلفہ کے کسی مقام پر بھی ٹھہر جائیں۔

”وَ اذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ“ اور ذکر کرو اس کا اس لئے کہ ہدایت دی اس نے تمہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ یہ ہے۔ ”اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی“

یہ ترجمہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی اس تفسیر کے مطابق ہے۔

(واذكروه كما هداكم) ”ای کما علمکم المناسک والتشبیہ لیان الحال وافادة

التفہید ای اذكروه علی ذلک النحو ولا تعدلوا عنه“

اور اس کا ذکر کرو جس طرح اس نے ہدایت دی یعنی جس طرح اس نے تمہیں حج کے طریقہ سکھائے۔ یہاں تشبیہ بیان حال کے لئے ہے اور مقید کرنے کا فائدہ بتانے کے لئے ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کو اسی طرح یاد کرو۔ اسی طرح اس کا ذکر کرو جیسا اس نے تمہیں بتایا ہے۔ اس سے اپنی مرضی کے مطابق عدول نہ کرو۔

”ویحتمل ان یراد مطلق الهدایة ومفاد التشبیہ التسویة فی الحسن والکمال ای

(اذكروه) ذکر احسننا کما هداکم هدایة حسنة الی المناسک وغیرھا“

اور ایک احتمال یہ ہے کہ مراد مطلق ہدایت ہو، تشبیہ کا تعلق حسن اور کمال سے ہو، مطلب یوں ہو، اس کا ذکر حسین و جمیل طریقہ سے کرو جیسا کہ اس نے حج کے طریقوں وغیرہ میں حسین و جمیل

(روح المعانی)

ہدایت دی۔

لیکن راقم کا ترجمہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی اس تفسیر کے مطابق ہے۔

”وذهب بعضهم الی ان الکاف للتعلیل“

بعض حضرات نے کہا ہے کہ کاف تعلیل کے لئے ہے۔
(روح المعانی)

جلالین نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔ اور صاوی کی مزید وضاحت اس طرح ہے۔

(والکاف للتعلیل) ”ای فالمعنی اذکروه لاجل ہدایتہ ایاکم ولاجل انکم کتم

من قبل ذلک لمن الضالین“

کاف تعلیل کے لئے۔ اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اس کا ذکر کرو اس لئے کہ اس نے تمہیں

ہدایت دی ہے اور اس لئے کہ اس کی ہدایت سے پہلے بیشک تم بھٹکے ہوئے تھے۔

(جلالین و صاوی)

راقم نے صاوی اور جلالین اور روح المعانی کی ایک تفسیر کے مطابق اس لئے ترجمہ کیا ہے تاکہ طلباء اور مکتوبہ

بحث بھی ذہن نشین ہو جائے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے بہت ہی زیادہ۔ اور عاجزی اور خشوع سے ذکر کرے۔ اور ذکر کرے واللہ تعالیٰ کی

رحمت کی طرف توجہ کرے اور اس کا خوف دل میں رکھے، اور اس کا ذکر کرتے ہوئے یوں سمجھو کہ تم اس کے جلال

و جمال کا مشاہدہ کر رہے ہو، نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے یہ واضح ہو رہا ہے۔

”الاحسان ان تعبدالله كأنک تراه“

احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔

سب سے پہلے ”ذکر باللسان“ (زبان سے ذکر) کا درجہ ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ جبری ذکر اور سری

ذکر (یعنی بلند آواز سے اور آہستہ)۔ جب مقصد یہ ہو کہ بلند آواز سے ذکر کرنے سے دوسرے غافل لوگ بھی ذکر کریں

گے تو بلند آواز سے ذکر کرنا بہتر ہوگا جہاں تک آواز جائے گی وہاں تک شجر و حجر گواہی دیں گے۔ اور اگر یہ مقصد ہو کہ

آہستہ ذکر کیا جائے تاکہ اس میں ریا، کاری کا کوئی شائبہ بھی نہ پایا جائے تو یہ بھی کمال ہے۔

پہلی قسم کا نام ہے ”ذکر اللسان فی مقام اللسان“ اور دوسری قسم کا نام ہے ”ذکر اللسان فی مقام

النفس“

اس کے بعد درجہ ہے ”ذکر بالقلب فی مقام الافعال“ کا، یعنی دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا کہ اس کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا اور اس کے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرنا۔

اس کے بعد سری ذکر (مخفی ذکر) کا وہ درجہ ہے جس میں رب تعالیٰ کے افعال کا معاینہ پایا جاتا ہے اور رب تعالیٰ کی صفات کی تجلیات کا علم مکاشفہ پایا جاتا ہے۔ پھر درجہ ہے ذکر روح کا، وہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی صفات کی تجلیات کے انوار کے مشاہدہ کے ساتھ نور ذات کا ملاحظہ بھی ہو۔ خیال رہے کہ ملاحظہ کا اصل مطلب آنکھ کے ایک کنارے سے دیکھنا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے ”کچھ توجہ کرنا“

اس کے بعد درجہ ہے ذکر خفی کے اس مقام کا جس سے رب تعالیٰ کی ذات کے جمال کا (بلا کیف) مشاہدہ پایا جائے لیکن دوئی باقی رہے، کہ بندہ اپنے آپ کو رب تعالیٰ کے وجود کا عکس نہ تصور کرے۔

اس کے بعد درجہ ہے ذکر ذات کا جس سے شہود ذاتی حاصل ہوتا ہے۔ دوئی کی دوری ختم ہو جاتی ہے۔ بندہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرا وجود اور کائنات کا وجود رب تعالیٰ کے وجود کا عکس ہے۔ اسی کے وجود کے قیام سے کائنات موجود، اس کے وجود میں عدم نہیں۔ اگر وہ معدوم ہوتا تو کائنات بھی معدوم ہو جاتی۔ ہاں وہ جب چاہے خود موجود ہوتے ہوئے کسی کو معدوم کر دے یہ اس کی شان قدرت ہے۔ (روح البیان بتصرف)

سوال: جب پہلے متصل ہی ”فاذکروا اللہ“ (اللہ کا ذکر کرو) آچکا ہے تو دوبارہ ”واذکروہ“ (اور اسے یاد کرو) کو کیوں ذکر کیا گیا ہے۔

جواب: یہاں ذکر میں تکرار نہیں۔ بلکہ چند وجوہ سے فرق ہے۔ پہلے ذکر سے مراد اور ہے، دوسرے سے مراد اور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ ہیں قیاسیہ نہیں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو نام ذکر فرمائے ہیں وہ توقیفیہ کہلاتے ہیں، اپنی عقل سے بیان کرنا قیاسیہ کہلاتے ہیں)

پہلے حکم فرمایا ”اذکروا اللہ“ اللہ کا ذکر فرمایا، پھر اس کی وضاحت ”واذکروہ کما ہد اکم“ سے کی۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ان اسماء و صفات سے کرو جن کی ہدایت رب تعالیٰ نے تمہیں دی۔

”لابا الاسماء التي نذكرها بحسب الراي والقياس“

انسان یہ یاد رکھے کہ ایسے اسماء سے ہم نے رب تعالیٰ کو یاد نہیں کرنا جن میں صرف رائے اور قیاس کا دخل ہو۔ رب تعالیٰ کے اسماء کی تفصیلی بحث نجوم الفرقان جلد اول سورہ فاتحہ میں دیکھیں۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا ”واذکروہ کما ہدایکم“ جس کا مطلب یہ ہے۔

”وافعلو اما امرنا کم بہ من الذکر کما ہدایکم اللہ للدين الاسلام فکأنہ تعالیٰ قال انما

امرتکم بهذا الذکر لتکونوا شاكرين لتلک النعمة“

ہم نے جو تمہیں اللہ کے ذکر کا حکم دیا ہے وہ ذکر کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں دین اسلام کی

ہدایت دی ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ میرا ذکر کر کے میری نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

﴿۳﴾ ”فاذکرو اللہ عند المشعر الحرام“ میں زبان کے ذکر کو بیان فرمایا، اور ”اذکروہ کما ہدایکم“ میں

دل سے ذکر کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ ذکر کبھی نسیان کے مقابل استعمال ہوتا ہے اور کبھی قول کے مقابل

استعمال ہوتا ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کا ذکر زبان سے بھی کرو اور دل سے

بھی کرو۔

﴿۴﴾ پہلے ”اذکرو اللہ“ میں مطلق ذکر کا حکم دیا، پھر ”واذکروہ کما ہدایکم“ میں یہ بتایا ”اذکروہ بتوحیدہ

کما ذکرکم بہدایتہ“ کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر کرو کیونکہ اس نے تمہیں اپنی وحدانیت پر ایمان

لانے کی ہدایت بھی دی ہے۔

﴿۵﴾ ایک احتمال یہ ہے کہ مراد یہ ہو کہ ذکر کے ساتھ ذکر ملاتے چلو، گویا کہ یہ کہا گیا ہے۔

”اذکروہ ذکر بعد ذکر کما ہدایکم ہدایۃ بعد ہدایۃ“

اللہ کا ذکر کرو، پھر اللہ کا ذکر کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت ایمان دی پھر ہدایت اعمال

صالحہ دی، پھر ہدایت ذکر وغیرہ دی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ”یا ایہا الذین امنوا اذکرو اللہ ذکرا کثیرا“ (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر

کرو) اسی مفہوم کو واضح کر رہا ہے۔

۶۶۔ رب تعالیٰ نے پہلے مشعر حرام کے پاس ذکر کرنے کا حکم دے کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ احکام شریعہ کو بجالایا جائے پھر ”واذکروہ کما ہدایکم“ کہہ کر یہ ثابت کیا گیا کہ مشعر حرام کے پاس ذکر کا حکم دینے کا مطلب صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے ہے۔ مشعر حرام مقصود نہیں۔

”فاذا عرفت هذا قربت الى مراتب الحقيقة وهو ان ينقطع قلبك عن المشعر الحرام بل عن سواه فيصير مستغرقا في نور جلاله وصمديته ويذكره لانه هو الذي يستحق لهذا الذكر“

اے انسان جب تجھے یہ معلوم ہو جائے گا تو تو مراتب حقیقت کے قریب ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ تمہارا دل مشعر حرام سے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منقطع ہو جائے گا صرف اللہ تعالیٰ جو ذات صمد ہے اس کی صفت صمدیہ اور اس کے نور جلال میں تمہارا دل مستغرق ہو جائے گا اور تم جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اس شان سے کرو گے تو تمہیں مقام عروج حاصل ہو جائے گا جس کے بیان سے زبان قاصر ہے اور خیال و گمان اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔

۶۷۔ پہلے جو ذکر کا حکم دیا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی اور صفات حسنی ہیں، اور دوسری مرتبہ جو ذکر کا حکم دیا اس سے مراد اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ کیونکہ اس کو ہدایت کے ساتھ معلق کیا ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔ ”والذكر المرتب على النعمة ليس الا الشكر“ نعمت پر مرتب ہونے والا ذکر شکر ہی ہے۔

۶۸۔ پہلے جب رب تعالیٰ نے مشعر حرام کے پاس ذکر کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہ گمان ہو رہا تھا کہ دوران حج اور اس خاص مقام پر ہی شاید اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم ہے۔ دوبارہ ذکر کا حکم دے کر اس وہم کا ازالہ کیا گیا۔

”يعني اذكروه على كل حال وفي كل مكان لان هذا الذكر انما وجب شكر اعلیٰ هدايته فلما كانت نعمة الهداية متواصلة غير منقطعة فكذلك الشكر يجب ان يكون مستمرا غير منقطع“

یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر حال میں کرو۔ اور ہر جگہ کرو کیونکہ یہ ذکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہدایت کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے جب ہدایت کی نعمت لگاتار حاصل ہونے والی ہے۔ منقطع نہیں ہونے والی، اسی طرح شکر بھی ہمیشہ کے لئے جاری ہے منقطع نہ ہونے والا ہے۔

﴿۹﴾ یہ بھی ممکن ہے کہ ”فاذکرو اللہ عند المشعر الحرام“ سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا ہو، اور ”واذکروہ کما ہد اکم“ سے مراد تسبیح و تہلیل ہو۔ (ماحور دار کبیر)

ان بیان کردہ وجوہ سے واضح ہو گیا کہ دو مرتبہ ذکر کا حکم دینا علیحدہ علیحدہ مطالب پر مبنی ہے۔

”وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ“ اور بیشک تم اس سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے۔

”من قبلہ“ میں ضمیر مجرور کا مرجع یا ہدایت ہے، تقدیر عبارت کی یہ ہوگی۔

”وان کنتم من قبل ان ہد اکم من الضالین“

بیشک تم اللہ کی ہدایت سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر قرآن پاک کی طرف لوٹ رہی ہے ہو جو التزاماً ”ہد اکم“ سے سمجھا رہا ہے۔

تقدیر عبارت کی یہ ہے۔

”واذکروہ کما ہد اکم بکتابہ الذی بینکم معالم دینہ، وان کنتم من قبل انزالہ ذلک علیکم من الضالین“

اور ذکر کرو اس کا کہ اس نے تمہیں اپنی کتاب یعنی قرآن پاک کے ذریعے ہدایت دی اور تمہارے لئے اس میں دین کی معلومات اور علامات کا ذکر فرمایا، اور بیشک تم قرآن پاک کے نازل ہونے سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے۔

(کبیر)

ضالین کے معنی میں ہدایت کے معنی کی طرح وسعت ہے:

یعنی ہدایت کے معنی میں جس طرح وسعت ہے اس کے مقابل ہی یہاں ضالین کا استعمال ہوگا، تم ایمان

سے جاہل اور بھٹکے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری سے دور تھے یعنی بھٹکے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اطاعت کی ہدایت دی۔

(بیضاوی)

اسی طرح وسیع مفہوم میں سے کہ تم حج کا طریقہ نہیں جانتے تھے، نماز کا طریقہ نہیں جانتے تھے، غرضیکہ تمہیں اوامر و نواہی کا کچھ پتہ نہ تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعے تمہیں ہدایت دی۔

دینی طلباء کرام خصوصی توجہ فرمائیں:

”واذکروہ کما ہداکم“ میں ”ما“ کے لفظ میں دو احتمال ہیں کہ ما مصدریہ ہو۔ یا۔ ما کافہ ہو۔

دونوں معنوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں مراد مطلق دلالت ہے۔ اور کیفیت ذکر کی تعلیم ہے۔ اس

صورت میں کاف سے مراد تشبیہ نہیں بلکہ فقط تقیید مراد ہے۔ معنی یہ ہوگا۔

”اذکروہ علی الوجہ الذی ہداکم الیہ لاتعدلو عما ہدیتم الیہ“

اس کا ذکر کرو اس وجہ پر جو اس نے تمہیں ہدایت دی۔ جس راہ کی تمہیں ہدایت دی گئی اس سے

عدول نہ کرو۔

یہ معنی ایسے ہے جیسے عرب حضرات کہتے۔ ”افعل کما علمتک“ میں نے تمہیں جو تعلیم دی اس کے

مطابق کام کرو۔

دوسری صورت میں ہدایت کا معنی ہوگا۔ ”دلالة معوصلة“ مقصد تک پہنچانے والی راہنمائی۔ یعنی بندے

کو دنیا اور آخرت کی ہر طرح کی بھلائی کی راہ دکھانا۔ اس صورت میں کاف تشبیہ کے لئے ہوگا۔ معنی یہ ہے۔ ”یاد کرو

اس کو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی۔“

یہ معنی عرب حضرات کے اس قول کے مطابق ہے۔ ”اخدمہ کما اکرمک“ تو اس کی خدمت کر جیسے اس

نے تیری عزت کی، یعنی اس کی خدمت کرنے میں کوتاہی نہ کر۔

ایک اور توجہ: ”وان کنتم من قبلہ لمن الضالین“ میں لفظ ”ان“ میں دو احتمال ہیں۔

﴿۱﴾ وان ہی المخففة من الثقیلة واللام ہی الفارقة“

”ان“ اصل میں ثقیلہ تھا پھر اسے مخفف کر دیا گیا، اور اس کی خبر پر ”لام“ اسی لئے لگایا گیا تاکہ ”ان“ مخففہ من الثقیلة، اور ”ان“ تافیہ میں فرق ہو سکے۔ اگرچہ مخفف ہونے کی صورت میں لفظی عمل اس کا باقی نہیں رہتا لیکن معنی وہی تاکید والا رہتا ہے۔ اسی کے مطابق اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ہے اور راقم نے بھی وہی ترجمہ نقل کیا ہے کہ زیادہ معتبر بھی وہی ہے۔

﴿۲﴾ ”وقیل ان نافیة واللام بمعنی الا“ فراء نے یہ کہا ہے کہ ”ان“ تافیہ ہے، اور لام بمعنی ”الا“ ہے۔ جیسا کہ ”وان نظنک لمن الکاذبین“ میں ہے۔

اس صورت میں معنی ہوگا ”وما کنتم من قبلہ الا من الضالین“ اور نہیں تھے تم اس سے پہلے مگر بھٹکے ہوئے۔ کسائی رحمہ اللہ کا موقف اس مسئلہ میں راقم کو مستحسن نظر آتا ہے، آپ فرماتے ہیں اگر ”ان“ جملہ فعلیہ پر داخل ہو تو بمعنی ”قد“ آتا ہے، اور اگر جملہ اسمیہ پر داخل ہو تو تافیہ ہوتا ہے، جیسا کہ ”وان کل لما علیہا حافظ“ میں ”ان“ تافیہ ہے اور ”لما“ بمعنی ”الا“ ہے۔

(بیضاوی و شیخ زادہ)

ایک اور توجہ: (فاذا افضتم) ”الافاضة الاندفاع فی السیر بکثرة“ سیر میں کثرت سے لوٹنا ”افاضة“ ہے۔

”افاض البعیر“ اونٹ کا جگالی کرنا یعنی چارہ پہلے پیٹ میں جمع کر لینا پھر نکالی نکال کر چبانا۔

”افاض الاقداح فی المسیر“ جوا کے تیز جمع کرنا پھر پھیلانا۔

”افاضة الماء“ پانی انڈیلنا یعنی پانی جمع کر کے متفرق کرنا۔ (انڈیلنا)

”فاذا افضتم“ کا ترجمہ اگرچہ مختصر ”جب تم لوٹو“ کر دیا گیا ہے۔ لیکن تفصیلی طور پر مطلب یہ ہوگا۔ ”جب تم

عرفات پر جمع ہو کر لوٹو“۔ (از کبیر)

ایک اور توجہ:

عرفات جمع ہے عرفۃ کی، ایک جگہ کا نام عرفات (جمع) اسی طرح رکھا گیا جیسا کہ ”ثوب اخلاق“ میں مختلف جگہ سے کپڑے کے پھٹے ہونے کی وجہ سے ایک کپڑے پر ”اخلاق“ جمع کا اطلاق ہے۔

گویا کہ ہر ٹکڑا عرفۃ ہے۔ مجموعہ کا نام عرفات رکھ دیا گیا ہے۔ بظاہر اس میں تعریف اور تانیث دو سبب منع صرف کے نظر آتے ہیں لیکن غیر منصرف نہ بنانے کی وجہ یہ ہے زمین کے ایک حصہ پر علیحدہ علیحدہ ٹکڑا کو جب عرفہ کہا گیا ”و علیٰ هذا التقدير لم یکن علما“ تو اس تقدیر پر علم نہ ہوا۔ پھر جمع کی صورت میں بظاہر علمیت کے پائے جانے کے اصل کا اعتبار کر کے غیر منصرف نہیں بنایا گیا۔

(کبیر)

تفسیر کبیر سے مزید اقتباسات:

ذی الحج کی آٹھ تاریخ کا نام ہے ”یوم الترویہ“ اور نو تاریخ کا نام ہے ”یوم عرفہ“ اور ایک خاص جگہ کا نام ہے ”عرفات“ ان مقامات کے یہ نام کیوں رکھے گئے۔ ان کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں جن کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

یوم الترویہ کی وجہ تسمیہ:

اس میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ماخوذ ہے۔ ”روی یروی ترویہ“ سے۔ جس کا معنی ہے ”فکر کرنا اور فکر کا عمل کرنا“ کہا جاتا ہے ”رویتہ“ میں نے اس کا فکر کیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ماخوذ ہے۔ ”رواہ من الماء یرویہ“ سے۔ جس کا معنی ہے ”پیا سے کو پانی پلانا“

پہلے قول میں پھر تین وجوہ ہیں۔

ایک وجہ یہ کہ آدم علیہ السلام کو جب بیت اللہ شریف بنانے کا حکم دیا گیا تو آپ نے جب فرشتوں کے ساتھ مل

کر کعبہ شریف کی بنیادوں کو مکمل کر لیا جس پر بیت المعمور کو رکھ دیا گیا۔ ”فلما بناہ تفکر“ تو آپ نے کعبہ شریف کو بنانے کے بعد فکر کیا اور رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اے میرے رب ہر عمل کرنے والے کو اجر ملتا ہے اس عمل پر میرا کیا اجر ہے؟ رب تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا۔

”اذا طفت به غفرت لك ذنوبك باول شوط من طوافك“

جب تم طواف کرو گے تو طواف کے پہلے چکر سے تمہاری مغفرت کر دوں گا۔

(مغفرت کا مطلب پہلے پارہ میں عصمت انبیاء کی بحث میں دیکھو)

”قال يا رب زدني“ آپ نے عرض کیا اے میرے رب مجھے اور زیادہ اجر عطا فرما۔

”قال اغفر لاولادك اذا طافوا به“

رب تعالیٰ نے فرمایا تمہاری اولاد میں سے بھی جو طواف کعبہ کریں گے ان کی مغفرت کر دوں گا۔

”قال زدني“ پھر عرض کیا، اے اللہ اور زیادہ اجر عطا فرما۔

”قال اغفر لكل من استغفر له الطائفون من موحدي اولادك“

تو رب تعالیٰ نے فرمایا تمہاری اولاد میں سے جو کعبہ کا طواف کر کے دوسرے مومن بھائیوں کے لئے استغفار کریں گے ان کی بھی مغفرت کر دوں گا۔

”قال حسبي يا رب حسبي“ آپ نے عرض کیا مجھے کافی ہے۔ اے میرے رب مجھے کافی ہے۔

گذشتہ اوراق میں حج مبرور کی بحث دیکھیں تو ان شاء اللہ آپ کو یہ بحث بھی سمجھ آ جائے گی۔

دوسری وجہ تفکر کی یہ ہے۔ کہ ذی الحج کی آٹھویں رات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا گویا کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔

”فاصبح مفكرا هل هذا من الله تعالى او من الشيطان“

صبح آپ نے تفکر کیا، کیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان نے دوسوہ ڈالنے کی کوئی کوشش تو نہیں کی۔

” فلما رآه ليلة عرفة يؤمر به اصبغ فقال عرفت يا رب انه من عندك“

جب آپ ذی الحج کی نویں تاریخ کو پھر دیکھا کہ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ بیٹے کو ذبح کرو تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب میں نے پہچان لیا ہے کہ یہ حکم تیری طرف سے ہے۔

تیسری وجہ تفکر کی یہ ہے۔

” ان اهل مكة يخرجون يوم التروية الى منى فيروون في الادعية التي يريدون ان يذكروها في غدهم بعرفات“

کہ اہل مکہ آٹھ ذی الحج کو منی میں یہ تفکر کرتے تھے کہ کل عرفات پر جانا ہے وہاں کون کون سی دعائیں کرنی ہیں۔

دوسرے قول میں بھی تین وجوہ ہیں۔ یعنی جب ”تروية الماء“ سے ”يوم التروية“ ماخوذ ہو تو معنی یہ ہوگا پیا سے کو پانی پلانے کا دن، اس معنی کے لحاظ پر تین وجوہ ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ دور سے آنے والے (آفاقی) حاجیوں کے لئے پانی جمع کر کے مخفی رکھتے تھے۔ وہ حاجی حضرات اس دن میں سفر کی مشقت سے راحت پکڑتے تھے۔

” ويتسعون في الماء ويروون بهائمهم بعدمفاستهم قلة الماء في طريقهم“

اور اہل مکہ کے جمع کئے ہوئے پانی سے وسعت حاصل کرتے اور اپنے چوپاؤں کو پانی پلاتے اسی طرح وہ راستے میں پانی کی قلت سے حاصل ہونے والی تکلیف اور مشقت سے راحت حاصل کرتے تھے۔

دوسری وجہ پانی سے سیراب ہونے کی یہ ہے کہ آٹھ ذی الحج کو وہ عرفہ میں پانی کو جمع کرتے تھے، تو پانی کا توشہ جمع کرنے کی وجہ سے نام یوم التروية رکھ لیا گیا۔

تیسری وجہ یہ ہے۔

”ان المذنبین كالعطاش الذين وردوا ببحار رحمة الله فشربو امنها حتى دروا“
کہ گناہگار لوگ پیاسوں کی طرح حج کا آغاز آٹھ ذی الحج سے کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مندر
میں وارد ہو جاتے ہیں اور گویا کہ وہ رحمت کا پانی پی کر اس دن سیراب ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کا
نام یوم الترویۃ ہے۔

اس دن کی فضیلت پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”والشفع والوتر“ (تسمیہ شفع اور وتر کی) دلالت کر رہا ہے۔
ان الفاظ گرامی کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ تاہم ایک قول یہ ہے۔

”عن ابن عباس بأن الشفع الترویۃ وعرفة والوتر یوم النحر“
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شفع سے مراد یوم الترویۃ اور عرفہ ہے۔ اور وتر سے مراد
یوم النحر ہے۔

☆ عن عبادة انه عليه الصلوة والسلام قال صيام عشر الاضحى كل يوم منها كالشهر و
لمن يصوم يوم الترویۃ سنة ولمن يصوم يوم عرفة سنتان“
عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اٹھنی کے دس دنوں میں روزہ رکھنا
ایسے ہے جیسے ایک مہینہ روزے رکھنے ہیں۔ اور یوم الترویۃ کا روزہ رکھنا ایک سال کے روزوں کی
طرح ہے۔ اور یوم عرفہ کا روزہ رکھنا دو سال کے روزوں کی طرح ہیں۔

☆ وروی انس انه عليه الصلوة والسلام قال من صام يوم الترویۃ اعطاه الله مثل ثواب
ايوب على بلائه ومن صام يوم عرفة اعطاه الله تعالى مثل ثواب عيسى بن مريم عليه
السلام“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے یوم الترویۃ (آٹھ ذی
الحج) کو روزہ رکھا تو اس کو اللہ تعالیٰ ایسا ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ ایوب مایہ الامام کو آزمائش

پر صبر کرنے سے دیا گیا۔ اور جس شخص نے یوم عرفہ (نوزی الحج) کو روزہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ ایسا ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو (یہود کے مظالم پر صبر سے) عطا فرمایا۔ (ازکبیر)
یوم عرفہ کو روزے رکھنے کے متعلق ”کتب علیکم الصیام“ کی بحث میں دیکھئے۔

یوم عرفہ کی وجہ تسمیہ:

نوزی الحج کے دن کے دس نام ہیں، پانچ وہ ہیں جو اسی کے ساتھ خاص ہیں، اور پانچ وہ ہیں جو اس کے نام بھی ہیں اور اس کے غیر کے بھی نام ہیں۔

وہ پانچ نام جو اس کے ساتھ خاص ہیں ان میں سے ایک نام ”عرفہ“ ہے۔

یہ لفظ کس معنی میں استعمال ہے؟ اس میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ مشتق ہے معرفۃ سے (پہچانا معنی ہے) دوسرا یہ کہ مشتق ہے عرفۃ سے بمعنی اعتراف، اور تیسرا یہ کہ مشتق ہے عرف سے بمعنی اچھی خوشبو۔

عرفہ بمعنی معرفت میں آٹھ وجوہ ہیں۔ ان میں سے پہلی وجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔
”ان آدم وحواء التقیاب عرفۃ فعرف احدهما صاحبه فسمى اليوم عرفۃ والموضع عرفات“

بیشک آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کی ملاقات نوزی الحج کو ہوئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اس لئے اس کا نام یوم عرفہ (پہچاننے کا دن) اور اس جگہ کا نام عرفات رکھ دیا گیا۔

اصل وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے اتار کر سراندیپ (ہندوستان) میں بھیج دیا گیا اور حضرت حواء کو جدہ میں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جب حج کا حکم دیا گیا تو آپ کی ملاقات حضرت حواء سے مقام عرفات میں نوزی الحج کو ہوئی۔

دوسری وجہ: حضرت آدم علیہ السلام کو جبریل امین نے رب تعالیٰ کے حکم سے مناسک حج سکھائے۔ پھر مقام

عرفات پر نوزی الحج کو پوچھا ”اعرفت قال نعم“ کیا تم نے پہچان لیا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو اس دن سے اس جگہ کا نام عرفات اور نوزی الحج کا یوم عرفہ رکھ دیا گیا۔

تیسری وجہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ایک جگہ کے متعلق بتایا گیا کہ فلاں جگہ حج میں ٹھہرنا فرض ہوگا، آپ جب وہاں پہنچے۔

”عرفہا حین رآہا بما تقدم من النعت والصفة“

تو آپ نے اس مقام کو بتائی ہوئی صفات کے مطابق ہی پہچان لیا، اسی وجہ سے اس مقام کا نام عرفات اور دن کا نام یوم عرفہ رکھ لیا گیا۔

چوتھی وجہ: حضرت جبریل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب تعالیٰ کے حکم سے مناسک حج سکھائے پھر آپ کو نوزی الحج کو مقام عرفات پر پہنچا کر سوال کیا۔

”اعرفت کیف تطوف وفي ای موضع تقف؟ قال نعم“

کیا تم نے پہچان لیا کہ طواف کیسے کرنا ہے اور کس جگہ میں ٹھہرنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

پانچویں وجہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے کو کعبہ شریف کے پاس رب تعالیٰ کے حکم سے چھوڑ کر خود شام کے علاقہ فلسطین میں چلے گئے۔ پھر کئی سال کے بعد لوٹے تو ”التقیایوم عرفة بعرفات“ آپ کی ملاقات ان دونوں (زوجہ اور بیٹے) سے نوزی الحج مقام عرفات پر ہوئی۔

خیال رہے کہ یہ وجہ اگرچہ بعض کے نزدیک صحیح ہے۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ حضرت ہاجرہ سے آپ کی پھر ملاقات ہی نہ ہو سکی۔ اور حضرت اسمعیل علیہ السلام سے کعبہ شریف کے قریب ملاقات ہوئی۔ ”واللہ اعلم بالصواب“

چھٹی وجہ: ”ما ذکرناہ من امر منام ابراہیم علیہ السلام“ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ آٹھویں رات کو بیٹے کو ذبح کرنے کے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تردد ہوا اور ذی الحج کی نویں رات کو خواب دیکھنے پر پہچان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے۔

ساتویں وجہ: ”ان الحاج يتعارفون فيه بعرفات اذا وقفوا“ حاجی حضرات جب اس میدان میں کھڑے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں، یہی وجہ ہے مقام عرفات اور یوم عرفہ کے ناموں کی۔

آٹھویں وجہ: ”انه تعالى يتعرف فيه الى الحاج بالمغفرة والرحمة“ جب حاجی حضرات اس مقام میں نوزی الحج کو جمع ہوتے ہیں تو رب تعالیٰ کی طرف سے حمت و مغفرت کا اعلان ہوتا ہے تو حاجی حضرات اس دن اس جگہ میں رب تعالیٰ کو اسی کی خصوصی صفات غفور اور رحیم سے پہچانتے ہیں۔

عرفہ بمعنی اعتراف: یوم عرفہ کا نام رکھنے میں دوسرا قول یہ ہے کہ عرفہ اعتراف کے معنی میں استعمال ہے۔

”لان الحاج اذا وقفوا في عرفة اعترفوا للحق بالربوبية والجلال والصلدية

والاستغناء ولا نفسهم بالفقر والذلة والمسكنة والحاجة“

اس لئے کہ حاجی حضرات اس مقام میں جب نوزی الحج کو وقوف کرتے ہیں تو یہ پہچان لیتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ کو صفت ربوبیت (رب ہونے کی صفت) حاصل ہے، اور وہ صاحب جلال ہے، وہ بے

نیاز اور مستغنی ہے۔

اور وہ یہ بھی پہچان لیتے ہیں کہ ہم فقیر ہیں۔ ہم مقام ذلت و مسکنت میں ہیں اور ہم محتاج ہیں۔ درحقیقت

اپنے آپ کو ذلت و مسکنت کی حالت میں پہچاننا کامل عجز ہے۔

اس میں دوسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا۔

”ربنا ظلمنا انفسنا“ تو رب تعالیٰ نے یوں فرمایا ”الآن عرفتما انفسكما“ اب تم نے اپنے

نفسوں کی جانب سے بھول اور بے توجہی سے پھسلنے کا اعتراف کر لیا ہے۔

عرفہ بمعنی خوشبو: یوم عرفہ کا نام عرفہ رکھنے میں تیسرا قول یہ ہے۔ ”انه من العرف وهو الرائحة

الطيبة“ کہ یہ ماخوذ ہے ”عرف“ سے جس کا معنی ہے اچھی خوشبو۔

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

”یدخلهم الجنة عرفها لهم“ ای طیبھا لهم۔

اللہ تعالیٰ ان کو پاکیزہ اور خوشبو والی جنت میں داخل فرمائے گا۔ (”عرفھا“ کا یہ اید معنی ہے)

اور معنی یہ ہے کہ گناہگار لوگ جب مقام عرفات میں رب تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، توبہ کرتے ہیں اور گناہوں کی نجاست سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔ ”ویکتسبون به عند الله تعالى راحة طيبة“ وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھی خوشبو حاصل کریں گے۔ یعنی جنت کی پاکیزہ اور اچھی خوشبو حاصل کریں گے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

”خلوف فم الصائم عند الله اطيب من ریح المسک“

روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔

اس کا معنی تو مشہور و معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کے منہ کی بو کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ اور

دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو کا بدلہ جنت میں کستوری سے زیادہ خوشبو والی تواب ہے۔

دوسرا نام: نوزی الحج کا دوسرا نام ”یوم ایاس الکفار“ کافروں کی ناامیدی کا دن۔

”فامامعنی ایاس المشرکین فہو انہم ینسوا من قوم محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ان

یرتدوا راجعین الی دینہم“

اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار و مشرکین اس دن نبی کریم ﷺ کو رب تعالیٰ کی رضا کے لئے مقام عرفات

میں جمع ہونے کو دیکھ کر ناامید ہو جاتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے دین سے پھر کر ہمارے دین کی طرف

آنے والے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ”الیوم ینس الذین کفروا من دینکم“

آج کے دن کفار ناامید ہو گئے تمہارے دین (سے پھر جانے سے)

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں ایک قول حضرت عمر اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا ہے۔

”ان هذه الآية نزلت عشية عرفة وكان يوم الجمعة والنبي ﷺ واقف بعرفة في موقف

ابراهيم عليه السلام وذلك في حجة الوداع وقد اضمحل الكفر وهدم بنيان الجاهلية“
کہ یہ آیت کریمہ جمعہ کو نوزی الحج کی پچھلی پہر کے وقت نازل ہوئی جبکہ نبی کریم ﷺ مقام عرفات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موقف (ٹھہرنے کی جگہ) میں وقوف فرما رہے تھے۔ یہ حجتہ الوداع تھا۔ تحقیق کفر پر لرزہ طاری ہو گیا۔ جاہلیت کی بنیادیں منہدم ہو گئیں۔

”فقال عليه الصلوة والسلام لو يعلم الناس مالهم في هذه الآية لقرت اعينهم“
نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے لئے اس آیت کریمہ میں کیا (رب تعالیٰ کا فضل و کرم مذکور) ہے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

”فقال اليهودي لعمر لوان هذه الآية نزلت علينا لاتخذنا ذلك اليوم عيداً فقال
عمر امانحن فجعلناه عيدين كان يوم عرفة ويوم الجمعة“

چونکہ اسی آیت کریمہ میں ”اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي“ کے الفاظ مبارکہ بھی ہیں۔ ان الفاظ مبارکہ کو دیکھ کر ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم نزول کے دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے اس کے نزول کے دن میں دو عیدیں بنائی ہیں کیونکہ وہ نوزی الحج کا دن تھا اور جمعہ کا دن تھا، یہ دونوں ہمارے لئے عید کے دن ہیں۔

تیسرا نام: ذی الحج کی نو تاریخ کا ”یوم اکمال الدین“ دین کے مکمل کرنے کا دن۔

چوتھا نام: ذی الحج کی نو تاریخ کا ”یوم اتمام النعمة“ نعمت کے مکمل کرنے کا دن۔

پانچواں نام: ذی الحج کی نو تاریخ کا ”یوم الرضوان“ اللہ تعالیٰ کی رضا کا دن۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس دن آیت کریمہ ”اليوم ينس الدين كفروا“ مکمل نازل ہوئی۔ اسی سے یہ واضح ہوا کہ اس دن دین کے احکام مکمل کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کسی شرعی حکم کو نافذ نہیں فرمایا۔ لہذا یہ دین کو مکمل کرنے کا دن ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے عظیم نعمت دین ہے۔

”لأن بهایستحق الفوز بالجنة والخلاص من النار“

اس وجہ سے کہ اس نعمت عظمیٰ پر عمل کر کے ہی انسان جہنم کی آگ سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے اور جنت کے مستحق ہونے کی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

اس عظیم نعمت کا ذکر وضوء کے فرائض بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے ذکر فرمایا۔
”ولیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون“ تاکہ وہ اپنی نعمت کو مکمل کرے کہ تم شکر گزار بن سکو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب حضرت یوسف علیہ السلام کی بشارت دینے والا شخص آیا تو آپ نے اس سے سوال کیا ”علی ای دین ترکت یوسف“ تم جب وہاں سے چلے تھے تو یوسف کس دین پر قائم تھا؟ اس نے کہا۔ ”علی دین الاسلام“ وہ دین اسلام پر قائم تھے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”الآن تمت النعمة“ اب نعمت مکمل حاصل ہو گئی۔

اس بحث سے واضح ہو گیا کہ دین پر قائم رہنے کی توفیق حاصل ہو تو نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی ہے۔

اس دن کو ”یوم الرضوان“ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر راضی ہوتا ہے جو دین اسلام کے مطابق عمل کریں اور اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گذاریں۔

اللہ تعالیٰ نے نوحی الحج کو اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا جس میں ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی“ کے الفاظ مبارکہ بھی ہیں تو یہ تینوں نام پتہ چل گئے کہ اس دن دین کو مکمل فرمایا۔ اور اپنی عظیم نعمت یعنی تکمیل دین سے تکمیل نعمت فرمائی اور دین اسلام پر چلنے والوں کے لئے اپنی رضا کا ذکر فرمایا، اور ”ورضوان من اللہ اکبر“ (اللہ کی رضا بڑی چیز ہے) سے سمجھ آیا کہ جب دین اسلام پر عمل کرنے سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ کی رضا عظیم چیز ہے تو واضح ہوا کہ دین اسلام پر عمل کرنا ہی نعمت عظمیٰ ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے کہا یہ دن ”یوم صلة الواصلین“ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا دن ہے۔

یہ نام ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی“ (آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرمایا) سے سمجھ آیا۔

اور یہ دن ”یوم قطیعة القاطعین“ رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے انقطاع کرنے والوں سے

بیزاری کا دن ہے۔

یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”ان اللہ بریء من المشرکین ورسوله“ (بیشک اللہ اور اس کا رسول بیزار

تین مشرکوں سے) سے سمجھ آیا۔

مقام افسوس ہے کہ بعض حاجی حضرات حج کرنے کے باوجود کفار اور یہود و نصاریٰ سے روابط قائم رکھتے ہیں

ان سے محبت کرتے ہیں، اپنے اپنے اسلامی ممالک کو ان کے اشاروں سے تباہ و برباد کرتے ہیں۔

اور یہ دن ”یوم اقالة عشر النادمین و قبول توبة التائبین“ (ندامت والوں کی لغزش کے ختم ہونے اور توبہ

کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے کا دن ہے)۔

یہ نام ”ربنا ظلمنا الحق“ سے سمجھ آیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس دعاء سے (اور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے)

”تاب برحمتہ علی آدم فکذلک یتوب علی اولادہ“

... آدم علیہ السلام کی طرف نظر رحمت سے رجوع فرمایا تو اسی طرح یہ دعاء کرنے سے ان کی اولاد کی اللہ تعالیٰ

توبہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں سے یہ وعدہ کر رکھا ہے۔ ”وہو الذی یقبل

التوبة عن عباده“ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

اور یہ دن ”یوم وفد الوافدین“ رب کے حضور حاضر ہونے والوں کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”واذن فی الناس بالحج“ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔

اور حدیث پاک میں ہے۔ ”الحاج وفد اللہ“ حاجی اللہ کا وفد ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے

والے ہیں۔

”والحاج زوار اللہ“ اور حاجی اللہ کی زیارت کرنے والے ہیں۔

”و حق علی المزور الکریم ان یکرم زائرہ“

جب کریم شخص کی زیارت کی جائے تو وہ اپنے زیارت کرنے والے کی عزت کرتا ہے اس پر اپنا کرم کرتا ہے۔

پانچ اور نام: نوزی الحج کے پانچ اور نام بھی ہیں، لیکن ان میں اور بھی اقوال ہیں کہ نوزی الحج کے بغیر بھی ان کے مطالب ہیں۔

وہ یہ ہیں۔ ”یوم الحج الاکبر۔ الشفع۔ الوتر۔ الشاهد۔ المشهود“

مزدلفہ کی وجہ تسمیہ:

مزدلفہ کو مزدلفہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کی چند وجوہ ہیں۔

﴿۱﴾ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ”ازدلاف“ کا معنی ہے ”قریب ہونا“ لوگ چونکہ عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ میں جب آتے ہیں تو منی کے قریب ہو جاتے ہیں، اس لئے اس مقام کا نام مزدلفہ رکھ لیا گیا۔

﴿۲﴾ دوسری وجہ یہ کہ ازدلاف کا معنی ہے اجتماع۔ لوگ چونکہ اس جگہ پر جمع ہوتے ہیں تو اجتماع کی وجہ سے اس جگہ کا نام مزدلفہ رکھ لیا گیا۔

﴿۳﴾ ”انهم یزدلفون الی اللہ تعالیٰ ای یتقربون بالوقوف“

تیسری وجہ یہ ہے کہ لوگ اس مقام میں آ کر دعا کرتے ہیں اور تسبیح و تہلیل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں، تو بوجہ معنی قربت کے نام مزدلفہ رکھا گیا۔

﴿۴﴾ اور اس میں چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کیا جاتا ہے تو اس طرح دو نمازوں کے اجتماع کی وجہ سے اس کا نام مزدلفہ رکھ لیا گیا۔

﴿۵﴾ ”وقیل ان آدم علیہ السلام اجتمع فیہامع حواء، وازدلف الیہا ای دنا منہا“

اور وجہ یہ ہے کہ جنت سے اترنے کے بعد اس مقام میں حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت حواء سے اجتماع ہوا۔ یعنی زوجہ کے قریب ہوئے اور وصل حاصل ہوا۔

☆☆☆☆☆

ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ

(سورة البقرة آیت، ۱۹۹)

غَفُورٌ رَحِيمٌ ☆

﴿۱﴾

پھر بات یہ ہے اے قریشیو تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿۲﴾

پھر لوٹو (اے قریش) جہاں سے لوٹتے ہیں لوگ، اور مغفرت طلب کرو اللہ سے، بیشک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

راقم کی تسکین البچان سے ایک ورق دیکھئے۔

”ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ“

(محمود الحسن صاحب)

پھر طواف کے لئے پھر وہاں سے سب لوگ پھریں۔

(شاہ عبدالقادر صاحب)

پھر طواف کو چلو جہاں سے سب لوگ چلیں۔

پھر بات یہ ہے کہ اے قریشیو تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں۔ (مولانا احمد رضا خان بریلوی)

زمانہ جاہلیت میں قریش کا دستور تھا کہ حج میں یہ عام لوگوں کے ساتھ مقام عرفات پر کھڑے نہیں ہوتے تھے

بلکہ تکبر کی وجہ سے یہ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے۔

رب قدوس نے ان کو اس طریقہ سے روکا کہ تم بھی لوگوں کے ساتھ ہی ٹھہرو اور وہاں سے ہی لوٹو جہاں سے

اور لوگ لوٹتے ہیں۔ تم مزدلفہ سے ہی پلٹ کر نہ آ جاؤ۔

یہ مفہوم اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ کے ترجمہ سے بہت واضح ہے جبکہ دوسرے تراجم میں اس

طرح نہیں۔ کیونکہ دوسرے تراجم سے یہ نہیں پتہ چلتا کہ یہ حکم قریش کو ہے یا اور لوگوں کو۔

جلالین کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”ثم افيضوا) یا قریش (من حيث افاض الناس) ای من عرفة بان تقفوا بها ای بعرفة معهم ای مع سائر الناس و كانوا لا يقفون بعرفات و كانوا يقفون بالمزدلفة ترفعا عن الوقوف“

اے قریشیو تم بھی وہیں سے (عرفات) سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں۔ یعنی تم بھی لوگوں کے ساتھ مقام عرفات پر ٹھہرو۔ کیونکہ قریش مقام عرفات پر نہیں ٹھہرتے تھے بلکہ تکبر کے طور پر مقام مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے۔

مدارک میں بھی ایسے ہی ہے۔

”هذا امر قریش بالافاضة من عرفات الى جمع و كانوا يقفون بجمع و سائر الناس بعرفات و يقولون نحن قطان (سكان) حرمه فلا نخرج منه“

یہ قریش کو حکم ہے کہ تم بھی عرفات سے پلٹ کر مزدلفہ میں آؤ۔ کیونکہ وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور دوسرے لوگ عرفات میں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم چونکہ حرم کے رہنے والے ہیں، لہذا حرم سے نہیں نکل سکتے۔ (تسکین البجان، ص ۶۳، ۶۵)

”عن عائشة قالت كان قریش ومن دان دينها يقفون بالمزدلفة و كانوا يسمون الخمس فكان سائر العرب يقفون بعرفة فلما جاء الاسلام امر الله تعالى بنبيه ان يأتي عرفات فيقف بهائم يفيض منها فلذلك قوله عز وجل ثم افيضوا من حيث افاض الناس“

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب الوقوف بعرفة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں قریش اور ان کے دین کی تابعداری کرنے والے لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور اپنے آپ کو شجاع کہتے تھے۔ باقی تمام عرب مقام عرفات پر ٹھہرتے تھے۔ جب اسلام آگیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ مقام عرفات پر آئیں اور وہاں وقوف کریں پھر لوٹیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ثم افيضوا من حيث افاض الناس“

وضاحت حدیث:

”ومن دان دینهم“ جن لوگوں نے ان کی تابعداری کی اور ان کے دین کو اختیار کیا، یعنی قریش اور بنی کنانہ اور بنو خزاعہ اور کچھ قبائل جو قریش کے دین کو پسند کرتے تھے، وہ تمام مزدلفہ میں ٹھہر کر واپس منی میں آ جاتے تھے۔

”وكانوا يسمون الحمس“ خمس جمع ہے خمس کی، حماسہ کا معنی ہے شجاعت۔ وہ اپنے آپ کو بہادر کہتے تھے، وہ اپنی شجاعت و بہادری کی وجہ سے فخر کرتے تھے۔ اپنی شان دوسرے لوگوں سے امتیازی سمجھتے تھے۔ اسی لئے جہاں دوسرے لوگ وقوف کرتے تھے یہ وہاں نہیں جاتے تھے اور ان کا دعویٰ یہ تھا۔

”انا اهل الحرم المحترم كالحمام فلانخرج منه للوقوف كالعوام“

کہ ہم حرم کے باشندے ہیں اس لئے محترم لوگ ہیں اور جس طرح حرم کے کبوتر حرم میں ہی رہتے ہیں باہر نہیں جاتے ہم بھی حرم سے باہر نکل کر وہاں جا کر (عرفات میں) وقوف نہیں کر سکتے جہاں عوام جا کر وقوف کرتے (ٹھہرتے) ہیں۔

”فكان سائر العرب يقفون بعرفة. على العادة القديمة والطريقة المستقيمة“

باقی تمام عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے کیونکہ پہلا طریقہ اور سیدھا راستہ ہی یہی ہے۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام مقام عرفات پر وقوف کر کے مزدلفہ کی طرف لوٹتے اور مزدلفہ سے منی کی طرف لوٹتے تھے۔ پھر جب اسلام آ گیا تو نبی کریم ﷺ کو مقام عرفات پر آنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہی طریقہ تمام انبیاء کرام کا تھا، اسے ہی جاری رکھنے کا حکم دیا گیا کہ مقام عرفات پر وقوف کر کے لوٹو۔ باقی لوگ تو پہلے سے ہی مقام عرفات پر آ رہے تھے۔ صرف قریش یا ان کے قبعین عرفات پر نہیں آتے تھے، ان کو بھی حکم دے دیا گیا ”ثم افيضوا من حيث افاض الناس“ پھر (اے قریش) تم لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں۔

دینی طلبائے کرام توجہ فرمائیں:

”ثم“ تراخی کے لئے آتا ہے۔ یہاں تراخی کا معنی کیسے پایا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ”ثم“ اس مقام میں اپنے حقیقی معنی پر رکھنا بھی درست ہے، کیونکہ منی سے عرفات تک کافی فاصلہ ہے۔ اس لئے معنی یہ ہوا کہ تم اے قریش مزدلفہ سے آگے کا فاصلہ بھی طے کرو اور مقام عرفات تک جا کر بعد مکانی طے کر کے واپس لوٹو۔ (روح المعانی)

”ثم للغاوت مابین الافاضتین کما فی قولک احسن الی الناس ثم لاتحسن الی غیر کریم“

قریش چونکہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے ان کا یہ طریقہ دین ابراہیمی کے خلاف تھا، جو نیا طریقہ دین کے خلاف ہو خصوصاً جس سے فرض کی بھی ترک لازم آرہی ہو وہ بدعت ضلالت ہے۔

”ولاشک ان الضلالة متراحية عن الهدی بحسب الرتبة“

اور یہ بات شک سے دور ہے کہ ضلالت رتبہ کے لحاظ پر ہدایت سے متراحی ہے۔

یعنی اس مقام میں ”ثم“ تراخی رتبہ کے لئے ہے، بعد مکانی کے لئے نہیں۔ (از بیضاوی و شیخ زادہ)

یوم عرفہ اور وقوف عرفات کی فضیلت:

☆ ”عن عائشة قالت ان رسول الله ﷺ قال ما من يوم اكثر من ان يعتق الله فيه عبدا من

النار من يوم عرفة وانه ليدنو ثم يباهى بهم الملائكة فيقول ما اراد هؤلاء“

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب وقوف العرفة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم عرفہ سے بڑھ کر اور کوئی دن ایسا نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ زیادہ تعداد میں بندوں کو آگ سے آزاد کرتا ہو۔ بیشک اس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل قریب ہوتے ہیں۔ پھر وہ فرشتوں پر ان کا مرتبہ ظاہر فرماتا ہے۔ پھر کہتا ہے یہ بندے کیا ارادہ رکھتے ہیں (کیا چاہتے ہیں)۔

وضاحت حدیث:

”مباہاة“ کا معنی ہے ”فخر کرنا“۔

”ثم يباهى بهم الملائكة، قال بعضهم اى يظهر على الملائكة فضل الحجاج وشرفهم“
ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں پر مقام عرفات میں کھڑے ہونے والے حاجیوں کا مرتبہ
اور ان کی شرافت کو فرشتوں پر ظاہر کرتا ہے۔

گویا کہ فرشتوں کو یاد دلائی جاتی ہے کہ تم تخلیق آدم پر میرے مشورہ کا جواب یہ دے رہے تھے۔
”اتجعل فيهما من يفسد فيها ويسفك الدماء“

کیا تو بنائے گا اس میں جو فساد پھیلائیں گے اس میں اور خونریزیاں کریں گے۔ اور میں نے کہا تھا
”انى اعلم ما لا تعلمون“ بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

آج اولاد آدم کو دیکھو، میرے علم کی جلوہ گری دیکھو، یہ لوگ کس طرح اپنی ہستی کو مٹا کر (بال بڑھے ہوئے،
ناخن بڑھے ہوئے، صرف دو چادروں میں ملبوس) میری رضا کے لئے مقام عرفات میں جمع ہیں۔

”او يحلهم من قربه و كرامته محل الشئ المباہى به“

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یوم عرفہ کو مقام عرفات پر ٹھہرنے والے حاجیوں کو اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔
اور ان کو وہ مقام کرامت عطا فرماتا ہے جو ان کے لئے مقام فخر ہے۔

”فيقول ما اراد هؤلاء“ رب تعالیٰ فرماتا ہے یہ کیا چاہتے ہیں؟

یہ جملہ بڑا مختصر لیکن عظیم مطالب پر مشتمل ہے۔ معنی یہ ہوا۔

”ای شئ اراد هؤلاء حيث تركوا اهلهم و اوطانهم و صرفوا اموالهم و اتعبوا ابدانهم“
کہ یہ لوگ کس چیز کا ارادہ رکھتے ہیں، کیسے ہیں یہ لوگ جو اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر یہاں جمع
ہیں۔ اپنے وطنوں کو چھوڑ کر یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اپنے مال خرچ کر کے یہاں پہنچے ہیں۔ اور

اپنے جسموں کو مشقت میں ڈالے ہوئے ہیں۔

”ای ما ارادوا الا المغفرة والرضا والقرب واللقاء ومن جاء هذا الباب لا يخشى الرد“
یعنی انہوں نے یہاں آکر سوائے مغفرت اور رب تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب اور اس کی ملاقات
کے کوئی ارادہ نہیں فرمایا۔ جو شخص اس دروازہ پر آئے اسے یہ ڈر نہیں ہوتا کہ اس کی درخواست کو رد
کر دیا جائے گا۔

ابھی تک جو بیان کیا ہے وہ استفہام انکاری اور مانافیہ کے مطابق کلام ہے۔

اور اگر موصولہ بنایا جائے تو.....

”او التقدير ما اراده هؤلاء فهو حاصل لهم ودرجاتهم على قدر مراداتهم ونياتهم“
مطلب یہ ہوگا کہ جو انہوں نے ارادہ کیا ہے وہ انہیں حاصل ہے اور ان کے درجات ان کی مراد
اور نیت کے مطابق ہوں گے۔

”او ای شی اراده هؤلاء ای شی أسهل ليسير عندنا اذا المغفرة كف من التراب لا يتعظم
عند رب الارباب“

یا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کس چیز کا ارادہ کر رہے ہیں، وہ چیز عطا کرنا ہمارے لئے آسان ہے۔ رب
تعالیٰ کے نزدیک مغفرت فرمانا (یا اور بڑی سے بڑی نعمت عطا کرنا اس کی قدرت میں) ایسے ہی ہے
جس طرح لوگوں کو مہربانی کرنے والے بڑے لوگوں کے سامنے ایک مٹھی مٹی کی حیثیت ہے۔

(مرقاۃ، ج ۵، ص ۳۲۹، ۳۳۰)

”عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي ﷺ قال خير الدعاء دعاء يوم عرفة و
خير ما قلت انا والنبيون من قبلي لا اله الا الله وحده لا شريك له الملك وله الحمد و
هو على كل شيء قدير“

(رواه الترمذی، مشکوٰۃ باب الوقوف على العرفة)

عمرو بن شعيب اپنے باپ، دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہتر دعاء

عرفہ کے دن کی دعاء ہے اور بہتر ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام نے کہا ہے (وہ یہ ہے) لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و هو علی کل شیء قذیر

وضاحت حدیث:

”دعاء یوم عرفة“ کی اضافت میں دو احتمال ہیں۔

ایک یہ ہے کہ اضافت بمعنی لام کے ہو۔ اور لام اختصا ص کے لئے ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بہتر دعاء وہ ہے جو عرفہ کے دن کے ساتھ خاص ہے۔ اور وہ بہتر دعاء یہ ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام نے کی ہے۔ وہ دعاء یہ ہے۔

”لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و هو علی کل شیء قذیر“

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اضافت بمعنی ”فی“ کے ہو کہ یوم عرفہ میں دعاء کرنا بہتر دعاء اس معنی کے لحاظ پر دعاء میں عمومی معنی ہوگا۔ یعنی یوم عرفہ کو ہر قسم کی دعاء کرنا بہتر ہے۔ یہ معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

اعتراض: ”فان قلت هو ثناء“ پہلے احتمال میں جو بیان کیا گیا ہے کہ ”لا الہ الا اللہ الخ“ ثناء ہے حالانکہ یہ ثناء ہے، ثناء کو دعا کیسے کہا گیا ہے۔

جواب: ”قلت فی الثناء تعریض بالطلب“ اللہ تعالیٰ کی تعریف جب بندہ کرتا ہے تو اشارۃً اس میں طلب خود ہی پائی جاتی ہے۔ گویا یوں کہا جائے ”ذکر خدا مستلزم دعا“ ہے۔

”لما شارک الذکر الدعاء فی انہ جالب للمثوبات ووصلة الی حصول المطلوبات
ساغ عدہ من جملة الدعوات فیکون من قبیل کنایات التی ہی ابلغ فی قضاء
الحاجات فان التلویح اولی من التصریح“

جب ذکر کے ساتھ دعاء کو شریک کیا جائے تو اس میں ہر قسم کا ثواب حاصل ہوگا اور مطلوب چیزوں کے حصول تک پہنچنا ہوتا ہے اس لئے اسے دعا میں شمار کرنا جائز ہے۔ لہذا یہ کنایۃ (اشارۃ) دعاء

ہے۔ اپنی حاجات کو اشارہ سے پیش کرنا زیادہ بہتر ہے بنسبت ظاہر کرنے کے۔ یہی مشہور ہے کہ
”تلوتح (کنایہ) تصریح سے بہتر ہے۔“

امیہ بن صلت نے ابن جدعان کو کہا۔

أذكر حاجتي أم قد كفاني
حيأؤك أن شيمتك الحياء
إذا اثني عليك المرء يومًا
كفاه من تعرضه الشاء

کیا میں اپنی حاجت کو ذکر کروں یا مجھے کافی ہے۔ تمہاری حیاء بیشک تمہاری عادت ہی حیاء ہے۔
جب تم پر کوئی انسان کسی دن تعریف کرے۔ اس کا تعریف کرنے کے درپے ہونا ہی اسے کافی ہے۔
ذکر و دعاء سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ پایا گیا ہے۔

”انه ينبغي للعبدان يشتغل بذكر المولى ويعرض عن المطالبة في الدنيا والاخرى
اعتمادا على كرمه واحسانه وانعامه وامتنانه فقد ورد من شغله ذكرى عن مسألتي
اعطيته افضل ما اعطى السائلين“

کہ بیشک بندہ جب مولیٰ کے ذکر میں مشغول ہو تو وہ دنیا اور آخرت میں اپنے مطالبات پیش نہ
کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور احسان اور انعام اور اس کی مہربانی پر اعتماد کرے، اسی لئے گویا
کہ رب تعالیٰ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ جو میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مجھ سے
سوال نہیں کرتا میں اسے سوال کرنے والوں سے زیادہ عطاء کرتا ہوں۔

یعنی اس صورت حال میں انسان اپنے آپ کو کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے کہ اے مولیٰ میں تیری
تقدیر پر راضی ہوں۔ کیا خوب کسی نے کہا۔

وكلت الى المحبوب امرى كله فان شاء احياني وان شاء اقلها

میں نے اپنے تمام معاملات اپنے محبوب کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اگر چاہے تو مجھے زندہ رکھے اور
اگر چاہے تو ہلاک کر دے۔

یعنی انسان کو اختیار دیا گیا کہ چاہے تو دعاء کر کے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کر لے، دعاء کر کے مدارج کی بلندی اور ثواب حاصل کرے، دعاء کر کے گناہوں سے اور عذاب سے نجات حاصل کرے۔ اور چاہے تو رب تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو کر، توکل کر کے اپنے معاملات اس پر چھوڑ دے، ہر راہ خوب سے خوب تر ہے۔ (از مرقاة)

☆ "عن جابر قال قال رسول الله ﷺ اذا كان يوم عرفة ان الله ينزل الى السماء الدنيا فيباهي بهم الملائكة فيقول انظروا الى عبادي اتوني شعثا غبرا حنين من كل فج عميق اشهدكم اني قد غفرت لهم فيقول الملائكة يا رب فلان كان يرهق وفلان و فلانة قال يقول الله عز وجل قد غفرت لهم قال رسول الله ﷺ فما من يوم اكثر عتقا من النار من يوم عرفة" (رواه في شرح السنة، مشكوة باب الوقوف على العرفة)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا نزول آسمان دنیا پر فرماتا ہے، اپنے بندوں سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے، تو کہتا ہے میرے بندوں کو دیکھو وہ میرے پاس آئے ہوئے ہیں، ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، غبار آلود ہیں، جو اپنی آواز بلند کر رہے ہیں، وہ بڑے دور دراز سے آئے ہیں، میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کر دی، فرشتے کہتے ہیں اے ہمارے رب فلاں شخص تو بہت بڑے گناہوں کی طرف منسوب ہے، اور فلاں شخص، اور فلاں عورت (اس طرح وہ کئی مردوں اور عورتوں کا ذکر کرتے ہیں) راوی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تحقیق میں نے ان کی مغفرت کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم عرفہ سے بڑھ کر کوئی اور دن ایسا نہیں جس میں آگ سے زیادہ لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہو۔

مشکل الفاظ کے معانی:

"شعثا" جمع ہے اشعث کی۔ وہ شخص جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں۔
 "غبرا" جمع ہے اغبر کی۔ وہ شخص جس کے اعضاء غبار آلود ہوں۔

”ضاجین“ جیم مشدد ہے۔ آواز کو بلند کرنے والے یعنی بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے والے، اور اس کا معنی گرمی میں وقوف کرنے والے۔

☆ ”عن طلحة بن عبید اللہ بن کریران رسول اللہ ﷺ قال مارؤی الشیطان یوما ہو فیہ اصغرو لا ادحرو لا احقرو لا اغیظ منہ فی یوم عرفة وماذاک الالمایری من تنزل الرحمة وتجاوز اللہ عن الذنوب العظام الامارؤی یوم بدر فانه قدرأی جبریل یزع الملائكة“ (رواہ مالک وفی شرح السنة بلفظ المصابیح، مشکوٰۃ باب وقوف العرفة)

طلحہ بن عبید اللہ بن کریر فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوم عرفہ کی بنسبت کسی اور دن میں شیطان کو زیادہ ذلیل ہوتے ہوئے اور زیادہ دور کئے جانے اور زیادہ حقیر ہوتے ہوئے اور زیادہ غصہ میں نہیں دیکھا گیا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا (بندوں پر) نزول دیکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑے بڑے گناہوں کو معاف کرنا دیکھتا ہے (تو غصہ میں جل جاتا ہے) ہاں سوائے بدر کے دن کے (یعنی بدر میں بھی اس کی یہی حالت تھی) کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ جبریل فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے ہیں۔

یعنی یوم عرفہ کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت نازل فرماتا ہے اور بندوں کے بڑے بڑے گناہ معاف کرتا ہے۔ شیطان اسے دیکھ کر غصہ میں ہوتا ہے۔ یہ اس کے لئے ذلت و حقارت اور دور دھکیلے جانے کی وجہ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تو کبھی نہیں چاہتا کہ بندوں کی اس طرح مغفرت کر دی جائے۔

جنگ بدر میں بھی شیطان کے ارادوں پر پانی پھر گیا وہ تو چاہتا تھا کہ مسلمان صفِ ہستی سے مٹ جائیں، لیکن جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی امداد کے لئے تو جبریل فرشتوں کو لے کر آگئے ہیں اور ان کی صف بندی کر رہے ہیں تو وہ مایوس ہو کر غصہ میں جلنے لگا۔ مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار کر کے شیطان کو ذلیل کر دیا گیا۔

☆ ”وعن عباس بن مرداس ان رسول اللہ ﷺ دعا لامته عشية عرفة بالمغفرة فأجیب انی قد غفرت لهم ما خلا المظالم فانی آخذ للمظلوم منہ قال ای رب ان شئت اعطیت

المظلوم من الجنة وغفرت للظالم فلم يجب عشية فلما أصبح بالمزدلفة اعد الدعاء
فاجيب الي ما سأل قال فضحك رسول الله ﷺ او قال تبسم فقال له ابوبكر وعمر
بابي انت وامى ان هذه لساعة ما كنت تضحك فيها فما الذى اضحكك اضحك
الله سنك قال ان عدو الله ابليس لما علم ان الله عز وجل قد استجاب دعائى وغفر
لامتى اخذ التراب فجعل يحثوه على رأسه ويدعو بالويل والثبور فاضحكى ما رايت
من جزعه“ (رواه ابن ماجه وروى البيهقى فى كتاب البعث والنشور نحوه)

حضرت عباس بن مرداس کہتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے پچھلے پہر اپنی امت کے لئے
مغفرت کی دعاء فرمائی۔ آپ کو جواب دیا گیا کہ بیشک میں نے ان کی مغفرت کر دی ہے سوائے
مظالم کے۔ کیونکہ میں مظلوم کی وجہ سے ظالم کی گرفت کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے عرض کی۔ اے
میرے رب اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت عطاء کر دے اور ظالم کی مغفرت فرما دے، عرفہ کی شام
کو تو اس دعاء کی قبولیت کا آپ سے کوئی وعدہ نہ کیا گیا۔ مزدلفہ میں جب صبح ہوئی تو آپ نے اپنی
دعاء کو لوٹایا۔ آپ نے دعاء میں جو سوال کیا تھا اسے قبول کر لیا گیا۔ راوی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ
ہنسے یا مسکرائے (راوی کو شک ہے) حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ
ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، اس وقت میں آپ کے ہنسے کی وجہ کیا ہے، کس چیز نے آپ کو
ہنسایا، اللہ تعالیٰ آپ کو ہنساتا رہے۔ آپ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کو جب پتہ چلا
کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعاء کو قبول فرمالیا اور میری امت کی مغفرت کر دی ہے تو وہ مٹی لے کر اپنے
سر پر ڈالنے لگا وہ ہلاکت اور بربادی کو پکارنے لگا۔ (میری ہلاکت، میری بربادی، امت مصطفیٰ تو بخشی
گئی) اس کی جزع کو دیکھ کر مجھے ہنسی آئی۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ نے اکثر اوقات تبسم فرمایا۔ بہت کم شاذ و نادر آپ سے ضحک بھی ثابت ہے۔ اکثر احادیث میں
ضحک بمعنی تبسم کے استعمال ہے۔ آپ قبقبہ سے کامل طور پر اجتناب فرماتے تھے۔ تبسم کا معنی مسکراہٹ ہے جس میں

آواز نہیں ہوتی صرف ہونٹ کھلتے ہیں۔ تبسم سے نماز نہیں ٹوٹتی اور وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

ضحک اس ہنسی کو کہتے ہیں جس میں ہلکی آواز ہوتی ہے جو انسان خود ہی سنتا ہے ساتھ والا شخص اس کی ہنسی کی آواز نہیں سنتا۔ ضحک سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، البتہ وضو نہیں ٹوٹتا۔

قہقہہ۔ ناہ ناہ کر ہنسنے کو کہتے ہیں، یعنی اتنی آواز سے ہنسا جو آواز قریب والا شخص سن لے۔ اگر کوئی شخص رکوع و سجود والی نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نماز بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ (یہ حکم نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت یا خارج نماز کا نہیں)

زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے:

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من یاخذ عنی هؤلاء الکلمات فیعمل بہن او یعلم من یعمل بہن قلت انا یا رسول اللہ فاخذ بیدی فعدّ خمساً فقال اتق المحارم تكن عبد الناس، وارض بما قسم الله لك تكن اغنی الناس، واحسن الى جارك تكن مؤمناً، واحب للناس ماتحب لنفسك تكن مسلماً، ولا تكثر الضحك فان كثرة الضحك تمیت القلب“۔ (رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیث غریب، مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو مجھ سے یہ کلمات حاصل کرے پھر ان کے مطابق عمل کرے، اور سکھائے ان لوگوں کو جو اس کے مطابق عمل کریں۔ میں نے کہا میں یا رسول اللہ (آپ سے یہ کلمات سیکھوں گا) آپ نے میرے ہاتھ کو پکڑا تو پانچ چیزوں کو شمار فرمایا۔ آپ نے فرمایا حرام کاموں سے بچ کر رہو، یعنی تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن کر رہو۔ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہو، یعنی لوگوں سے زیادہ مستغنی ہو کر رہو۔ اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو، یعنی کامل مؤمن (امن دینے والا) بن کر رہو۔ اور لوگوں کے لئے وہ چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، یعنی کامل مسلمان بن کر رہو۔ اور زیادہ ہنسو نہیں، بیشک زیادہ ہنسنا دلوں کو مردہ کر دیتا ہے۔

وضاحت: حرام کاموں سے بچ کر رہو، یعنی لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن کر رہو، اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کا اہتمام گناہوں کے اجتناب سے مشروط کیا گیا ہے۔

”یعنی ان العبادۃ الامثالیۃ انما یتکمّل بالاجتناب عن المحارم“

یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کر کے عبادت میں مشغول ہونے کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ حرام کاموں سے اجتناب کرے گا۔

”فمن لم یستقص فی الامثالیات النوافل المندوبات ولكن یتق المحارم ویجتنب عنها ویبالغ فی ذلک فهو اعبد من الذی یستقصی فی الامثال ویقصر فی الاجتناب“ (لمعات) جو شخص زیادہ نوافل تو نہیں پڑھتا، لیکن حرام کاموں سے بچتا ہے اور ان سے اجتناب کرتا ہے، اور حرام کاموں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، وہ نسبت اس شخص کے زیادہ عبادت گزار ہوتا ہے جو نوافل تو زیادہ پڑھتا ہے لیکن حرام کاموں سے اجتناب نہیں کرتا۔

مقام افسوس: آجکل سڑک پر چلتے ہوئے نوجوانوں کے بیہودہ قہقہے سن کر، اور بسوں میں سفر کرتے ہوئے اور بس سٹاپ پر کھڑے نوجوانوں کے بیہودہ قہقہے سن کر، اور شادیوں کی محافل میں افسران کو قہقہے لگاتے دیکھ کر یہی سمجھ آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی دھجیاں بکھیرنے والے واقعی مردہ دل ہیں۔ بیہودہ قہقہوں سے درس گاہیں بھی خالی نہیں۔ دنیاوی درس گاہ ہو یا دینی ان میں بیہودہ قہقہے لگانا یقیناً بیہودہ طریقہ ہے۔

”وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ“: اور بخشش طلب کرو اللہ سے۔

”فالمراد منه الاستغفار باللسان مع التوبة بالقلب“

مراد اس سے یہ ہے کہ زبان سے بھی استغفار کرو اور دل سے بھی توبہ کرو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جو تقصیر ہوئی ہو اس پر نادم ہو جائے، اور عزم کرے کہ اس کے بعد کوئی کوتاہی نہیں کرے گا، اور غرض اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اور جلدی حاصل ہونے والے (دنیاوی) منافع مقصود نہ ہوں۔

استغفار کا حکم بھی ایسے ہی ہے جس طرح شہادتین کا حکم ہے، جب تک حضور قلب سے شادتین کا ذکر نہیں کرے گا اس وقت تک حقیقی ایمان حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ منافقین بھی زبان سے شہادتین پڑھتے تھے۔

”واما الاستغفار باللسان من غیر حصول التوبة بالقلب فهو الى الضرر اقرب“
صرف زبان سے استغفار کرنا دل سے توبہ نہ کرنا نقصان دہ تو ہو سکتا ہے لیکن نفع مند نہیں۔ نفع مند اسی وقت ہوگا جب حال قال (دلی کیفیت زبان کے) مطابق ہو۔

سوال: یہاں استغفار کا حکم مطلق ہے، یعنی سب لوگوں کو حکم ہے، حالانکہ کئی لوگ گنہگار نہیں ہوتے، ان کو استغفار کا حکم دینے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص گنہگار ہو تو استغفار کرنا اس پر واجب ہے۔ اگر گنہگار نہ ہو تو پھر بھی ممکن ہے کہ واجبات کے ادا کرنے میں یا گناہوں سے اجتناب کرنے میں اس سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہو۔

”و جب علیہ الاستغفار ایضا تدار کا لذلك الخلل المجوز“

تو اسی لئے اس شخص پر بھی استغفار واجب ہوگی تاکہ جن کوتاہیوں کا احتمال پایا گیا ہے ان کا ازالہ ہو سکے۔

اور یہ کہنا کہ کسی شخص سے گناہ صادر ہی نہیں ہوا یقیناً (یہ انبیائے کرام کے بغیر عام) بشر کے لئے تو ممکن ہی نہیں۔ کسی ایک عمل کے متعلق بھی یہ کہنا ممکن نہیں، ساری عمر کے اعمال کے لئے کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ایک شخص نے ساری عمر میں کوئی غلطی نہیں کی۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کسی نے ساری عمر کوئی گناہ نہیں کیا ”فلا استغفار ایضا واجب“ استغفار پھر بھی

واجب ہے۔

”وذلك لان طاعة المخلوق لا تليق بحضرة الخالق“

اس لئے کہ مخلوق کو یہ طاقت ہی حاصل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی عبادت کر سکے۔

”ولهذا قالت الملائكة سبحانك ما عبدناك حق عبادتك“

اسی وجہ سے ملائکہ نے کہا اے اللہ تیری ذات پاک ہے ہم نے تیری عبادت نہیں کی جیسا کہ تیری عبادت کرنے کا حق تھا۔

”فكان الاستغفار لازماً من هذه الجهة“

اس لئے بھی استغفار لازم ہے کہ انسان اگر گنہگار نہ بھی ہو تو اپنی عبادات کو کم سمجھ کر رب تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے جو بلندی مراتب کا ذریعہ ہے۔

”ولهذا قال ﷺ انه ليغان قلبي واني لاستغفر الله في اليوم والليلة سبعين مرة“

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک میرے دل پر جب پردہ چھا جاتا ہے تو میں دن رات میں ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تبلیغ دین کے لئے بندوں سے بھی تعلق رکھتے اور دنیاوی مشاغل بھی درپیش آتے، اس لئے ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ میں آپ کی سمجھتے، جسے آپ نے پردہ سے تعبیر فرمایا کہ دنیاوی مشاغل کی وجہ سے جب رب تعالیٰ کی طرف توجہ میں کمی محسوس کرتا ہوں تو استغفار کرتا ہوں۔

”انَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔

غفور اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ یعنی غفور کا معنی بہت زیادہ بخشش کرنے والا۔ اور رحیم کا معنی بہت زیادہ رحم کرنے والا۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا۔ پھر اپنی شان بیان فرمائی کہ میں بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔

”فهذا يدل قطعاً على انه تعالى يغفر لذلك المستغفرويرحم ذلك الذي تمسك بجبل رحمته وكرمه“

اسی سے یقینی طور پر سمجھ آیا کہ اللہ تعالیٰ مغفرت طلب کرنے والے کی مغفرت فرماتا ہے اور اس شخص پر رحم فرماتا ہے جو اس کے جبل رحمت اور جبل کرم کا سہارا لیتا ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

☆☆☆☆☆

فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ
ذِكْرًا. فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا اتِّنَافِي الدُّنْيَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ☆ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا اتِّنَافِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ
حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ☆ أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا. وَاللَّهُ
سَرِيعُ الْحِسَابِ ☆

(سورة البقرة آیات ۲۰۰-۲۰۲)

﴿۱﴾

پھر جب اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے دادا کا ذکر کرتے تھے
، بلکہ اس سے زیادہ اور کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے
اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے
ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذاب دوزخ
سے بچا۔ ایسوں کو ان کی کمائی سے بھاگ ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

﴿۲﴾

پھر جب ادا کر لو اپنے احکام حج تو ذکر کرو اللہ کا جیسے ذکر کرتے تھے تم اپنے باپ دادا
کا بلکہ اس سے زیادہ ذکر کرو۔ تو کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے عطاء
کر ہمیں دنیا میں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے
رب ہمارے ہمیں عطاء کر دنیا میں بھلائی اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور بچا
ہمیں آگ کے عذاب سے، ان لوگوں کا حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کسب
کیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

ما قبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے پہلے حج کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ”فاذا افضتم من عرفات فاذكروا الله“ فرما کر ذکر کرنے کا حکم دیا، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہی اقتصار کرو، پھر اس کے بعد کیفیت دعا کا ذکر فرمایا۔

کتنی ہی حسین ہے یہ ترتیب:

”فانه لا بد من تقديم العبادة لكسر النفس وازالة ظلماتها“
عبادت کا سب سے پہلے پایا جانا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے نفس میں عجز پایا جاتا ہے، نفس کا تکبر ٹوٹ جاتا ہے اور اسے گناہوں کی تاریکیوں کا ازالہ پایا جاتا ہے۔

”ثم بعد العبادة لا بد من الاشتغال بذكر الله تعالى لتنوير القلب وتجلي نور جلاله“
پھر عبادت کے بعد اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا ضروری ہے تاکہ ذکر سے دل منور ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی نورانی تجلیات کا ظہور ہو۔

”ثم بعد ذلك الذكر يشغل الرجل بالدعاء فان الدعاء انما يكمل اذا كان مسبوقا بالذكر“
پھر ذکر کے بعد انسان دعا میں مشغول ہو، بیشک دعا کی تکمیل ہی اس وقت ہوتی ہے جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر پایا جائے۔

جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا، یعنی کہا۔
”الذى خلقنى فهو يهدين“ جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت دینے والا ہے۔ پھر عرض کیا۔

”رب هب لى حكما والحقنى بالصالحين“

اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور مجھے اپنے قرب کے لائق لوگوں سے ملا۔ (تفسیر کبیر)

شان نزول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بیشک عرب کے لوگ جب حج سے فارغ ہوتے تھے تو ایام تشریق کے بعد منیٰ میں مسجد اور پہاڑ کے درمیان ٹھہر جاتے، پھر ہر ایک اپنے آباء و اجداد کی سخاوت اور شجاعت اور صلہ رحمی کا ذکر کرتا، اپنے آباء کی تعریف میں اشعار پڑھتے اور نثر میں تقریریں کرتے، اس طرح وہ اپنی شہرت حاصل کرتے اور اپنے اسلاف کے قصیدے پڑھ کر فخر کرتے۔

”فلما انعم اللہ علیہم بالاسلام امرہم ان یکون ذکرہم لربہم کذکرہم لآبائہم“
جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمت اسلام عطا کی تو ان کو حکم فرمایا کہ حج ادا کرنے کے بعد تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کرو۔

یعنی اب تم اپنے آباء و اجداد کے ذکر کو چھوڑ دو صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ ذکر کرو۔

(تفسیر کبیر)

”فَاِذَا قُضِيَتْ مُنَاسِكُكُمْ“ جب تم ادا کر لو احکام حج۔

”ای فرغتم من ارکان الحج و مناسکھا و ذلک یوم النحر بعد رمی جمرۃ العقبة و الذبح و الحلق و الطواف و السعی“

یعنی جب تم حج کے ارکان اور دوسرے احکام و واجبات وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ یعنی جمرات کو کنکریاں مارنے اور ذبح کرنے اور سر منڈانے اور طواف کرنے اور سعی کرنے سے دس ذی الحج کو تم فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

(مظہری)

”قضاء“ کے مختلف مطالب ہیں۔ اصل میں اس کا معنی ”فیصلہ کرنا“ ہے، پھر اس کا تعلق یا قول سے ہوتا ہے یا فعل سے، پھر ہر ایک کا تعلق یا اللہ تعالیٰ سے ہو گا یا انسانوں سے۔
اللہ تعالیٰ کے قول سے تعلق ہو، جیسا رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”وقضى ربك ان لاتعبدا الاياه) اى امر بذلك“

اور آپ کے رب نے یہ فیصلہ فرمایا کہ تم اس کے بغیر کسی اور کی عبادت نہ کرو (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے)۔

اور رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”وقضینا الی بنی اسرائیل فی الكتاب) فهذا قضاء بالاعلام والفصل فی الحکم“

اور ہم نے بنی اسرائیل کی طرف فیصلہ فرمایا کتاب میں (یعنی ان کو بتایا اور حکم دیا)۔

قضاء کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”والله يقضى بالحق“ اللہ تعالیٰ حق کا فیصلہ فرماتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فعل حق پر مبنی ہوتا ہے۔

قضاء کا تعلق بندوں کے قول سے ہو۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

”قضى الحاكم بكذا“ حاکم نے اس طرح فیصلہ کیا ہے۔ یعنی حاکم نے اس طرح کہا ہے۔

قضاء کا تعلق بندوں کے فعل سے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”فاذا قضيت مناسككم“ جب تم حج کے افعال سے فارغ ہو جاؤ۔

(مفردات راغت)

قضاء بمعنی موت اور قتل کے بھی استعمال ہے۔

ذکر کردہ معنی حدیث پاک سے:

”اخرج ابن ابی حاتم عن عطاء فاذا قضيت مناسككم قال حاکم“ (درمنثور)

حضرت عطاء کہتے ہیں، رب تعالیٰ کے ارشاد ”فاذا قضيت مناسككم“ کا مطلب یہ ہے کہ

جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ۔

”فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ“

تو ذکر کرو اللہ کا جیسا تم ذکر کرتے تھے اپنے آباء و اجداد کا۔

شان نزول سے مطلب واضح ہو چکا ہے، تاہم اس تشبیہ سے کئی وجوہ سمجھ آ رہی ہیں۔

﴿۱﴾ ”توفروا علی ذکر اللہ کما کنتم تتوفرون علی ذکر الآباء وابدلوا جہدکم فی الشاء

علی اللہ وشرح آلائہ ونعمائہ کما بذلتم جہدکم فی الشاء علی آبائکم“

اللہ تعالیٰ کا ذکر وافر مقدار میں (زیادہ سے زیادہ) کرو، جیسا تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر وافر مقدار میں

کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی نعمتوں کی وضاحت کرنے میں پوری پوری کوشش

صرف کرو، جیسا کہ تم اپنے آباء و اجداد کی تعریف کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرتے تھے۔

انسان اگر غور کرے تو انسان کی عقل بھی یہ تسلیم کرے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے میں کمال ہے اور اپنے

آباء و اجداد کی تعریف کرنے میں نقصان ہے، اس لئے کہ اگر اپنے آباء و اجداد کی تعریف میں جھوٹ بولتا ہے، مبالغہ

کرتا ہے تو دنیا میں لوگوں کے سامنے وہ شخص گھٹیا ہو جاتا ہے اور آخرت میں سزا کا مستحق ہوگا۔ اور اگر اپنے آباء و اجداد

کی سچی تعریف کرتا ہے تو اس سے انسان کو تکبر و غرور حاصل ہوتا ہے۔

”وکل ذلک من امہات المہلکات“

اپنے آباء و اجداد کی جس طرح بھی تعریف کرے وہ نقصان کا سبب ہے اور گویا کہ انسان کو برباد

کرنے کی جڑ ہے۔

”فثبت ان اشتغالکم بذکر اللہ اولی من اشتغالکم بمفاخرۃ آباءکم“

تو ثابت ہوا بیشک تمہارا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا بہتر ہے نسبت اپنے آباء و اجداد کے ذکر کے۔

﴿۲﴾ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں زیادہ طور پر مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں لیکن وہ مؤنث کو بھی شامل

ہیں۔ اور کبھی دو متقابل چیزوں میں سے ایک کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے، جیسا

کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”سرا بیل تفتیکم الحر“ (اور بنایا تمہارے لئے) لباس جو تمہیں گرمی (اور سردی) سے بچائے۔

یہاں گرمی کا ذکر ہے، سردی کا نہیں اگرچہ مراد گرمی اور سردی دونوں ہی ہیں۔

اس تمہید کے بعد مقصد بیان یہ ہے کہ ”کذکر کم آباء کم“ سے مراد یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو) جیسا کہ تم اپنے ماں، باپ کا ذکر کرتے تھے۔ چونکہ بچہ جب سب سے پہلے بولنا شروع کرتا ہے تو ابا، ابا۔ امی، امی کہتا ہے۔ وہ ہر وقت یہ لفظ بولتا رہتا ہے، تو گویا کہ یہ مطلب بھی سمجھ آیا۔

”کونوا مواظبین علی ذکر اللہ کما یكون الصبی فی صغره مواظبا علی ذکر ابیه وامه“

کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر ہمیشہ کرو، اللہ اللہ کرتے ہی رہو جیسا کہ تم بچپن میں ابا، ابا۔ امی، امی کرتے رہے۔

﴿۳﴾ تیسری وجہ یہ ہے۔

”ان الرجل کمالا ینسی ذکر ابیه فکذا لک یجب ان لا یغفل عن ذکر اللہ“

کہ انسان جس طرح اپنے باپ کے ذکر اور اس کی یاد کو نہیں بھولتا اسی طرح اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ رہے۔

﴿۴﴾ چوتھی وجہ یہ ہے۔ ”عظموا اللہ کتعظیم آباء کم“

کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرو، اس کی تعظیم بجالاؤ جس طرح تم اپنے آباء و اجداد کی تعظیم کرتے ہو۔

﴿۵﴾ ”اذکروا اللہ بالوحدانیۃ کذکر کم آباء کم بالوحدانیۃ“

تم اللہ تعالیٰ کو وحدانیت سے یاد کرو جس طرح تم اپنے والدین کو ایک سمجھتے ہو۔

اگر کوئی شخص کسی کو کہے تمہارے دو باپ ہیں اور تمہاری دو مائیں ہیں تو وہ ماننے کے لئے تیار نہیں بلکہ اسے

اس قول سے تکلیف ہوتی ہے اور شرم محسوس ہوتی ہے، تو پھر وہ انسان سمجھ سے کتنا ہی دور ہے جو ”کان یشت

لنفسہ آلہة“ اپنے نفس کے لئے کئی خدا مانتا ہے۔

﴿۶﴾ چھٹی وجہ یہ ہے۔

”ان الطفل کما یرجع الی ابیه فی طلب جمیع المہمات ویكون ذکر الہ بالتعظیم فکونوا

انتم فی ذکر اللہ کذلک“

بچہ جس طرح ہر مشکل میں اپنے آباء کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اپنے والدین کا ذکر تعظیم سے

کرتا ہے تو اسی طرح اسے چاہئے کہ ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اور نہایت تعظیم سے اور ادب و احترام سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

﴿۷﴾ اور ساتویں وجہ اس میں یہ ہے کہ یہ احتمال پایا گیا ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے اعمال کو دعاء کی قبولیت کا وسیلہ بناتے ہوں۔

”فَعَرَفَهُمُ اللَّهُ تَعَالَىٰ اِنْ اٰبَاءُ هُمْ لَيْسُوْا فِيْ هَذِهِ الدَّرَجَةِ اِذَا فَعَالَهُمُ الْحَسَنَةُ صَارَتْ غَيْرَ مُعْتَبَرَةٍ بِسَبَبِ شُرَكَاهُمْ“

تو رب تعالیٰ نے ان کو یہ پہچان کرائی کہ بیشک ان کے آباء و اجداد اس درجہ کے نہیں تھے کہ ان کے اچھے اعمال کو تم دعاء کی قبولیت کا وسیلہ بناؤ، کیونکہ وہ تو مشرک تھے، ان کے شرک کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال غیر معتبر تھے۔

”وَامْرُوْا اَنْ يَّجْعَلُوْا بَدْلَ ذٰلِكَ تَعْدِيْدَ اٰلَاءِ اللّٰهِ وَنِعْمَائِهِ وَتَكْثِيْرَ الشُّعْرِ عَلَيْهِ لِيَكُوْنَ ذٰلِكَ وَسِيْلَةً اِلَىٰ تَوَاتُرِ النِّعَمِ فِيْ الزَّمَانِ الْمُسْتَقْبَلِ“

ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے اعمال کا وسیلہ پیش کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی نعمتوں اور اس کی ثناء میں کثرت کو پیش کریں جن کے وسیلہ سے زمانہ مستقبل میں تمہیں اور نعمتیں عطا ہوں۔

زمانہ جاہلیت میں اپنے آباء و اجداد کے ناموں کی قسمیں اٹھائی جاتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا، یوں ارشاد فرمایا۔

”مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمِتْ“

جو شخص قسم اٹھائے وہ اللہ تعالیٰ (کے نام) کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے۔

فائدہ: علامہ رازی رحمہ اللہ نے کیا خوب بیان فرمایا کہ ان لوگوں کے آباء و اجداد کے اعمال شرک کی وجہ سے غیر معتبر تھے، اسی سے سمجھ آیا کہ اگر ان کے آباء و اجداد مشرک نہ ہوتے تو ان کے نیک اعمال کا وسیلہ یقیناً معتبر ہوتا۔ علامہ

رازی کے ان الفاظ کو غور سے پڑھو تو یہ مسئلہ آپ کو سمجھ آ جائے، آپ فرماتے ہیں۔

”اذا كان ماسوى الله فانما هو لله وباللّٰه“

جب اللہ تعالیٰ کے ماسواء کا وسیلہ ہو تو وہ اللہ کی رضا کے لئے ہو کہ یہ شخص اللہ کا نیک بندہ ہے، اس کے نیک اعمال ہیں، وہ وسیلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی ہوگا، کیونکہ اس کی نیک مخلوق کا وسیلہ اس کے قرب کا ذریعہ ہے۔

ہاں البتہ تعظیم کامل اور عبادت صرف رب تعالیٰ کی ہے۔

”فالاولیٰ ان تعظیم اللہ تعالیٰ ولا الہ غیرہ“

زیادہ بہتر یہی ہے کہ تعظیم کامل صرف اللہ تعالیٰ کی پائی جائے کیونکہ اس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔

آٹھویں وجہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کی وہ یہ ہے۔

”هو ان تغضب الله اذا عصی اشد من غضبك لو الدك اذا ذكربسوء“

کہ جس طرح تمہارے سامنے تمہارے باپ کی کوئی شخص برائی بیان کرے تو تمہیں اس پر غصہ آتا ہے اس طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نافرمان پر غصہ آنا چاہئے۔

تنبیہ: یہ وجوہ جو بیان کی گئی ہیں ان میں سے پہلی وجہ تو شان نزول کے لحاظ پر بہت واضح اور متعین ہے، لیکن باقی تمام وجوہ بھی پائی گئی ہیں۔

”انه يجب على العبدان يكون دائم الذکر لربه دائم التعظیم له دائم الرجوع الیه فی

طلب مهماته دائم الانقطاع عن سواہ“

کہ بندے کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، ہمیشہ اس کی تعظیم کرتا رہے، تمام مصائب و آلام میں اور تمام اہم کاموں میں اس کی طرف رجوع کرے، اور اس کے ماسواء اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرائے بلکہ اس کے شرکاء سے انقطاع کرے، البتہ اس کے مقبولوں کی طرف اسی کی رضا کے لئے رجوع کرے۔

”اللهم اجعلنا بهذه الصفة يا اكرم الاكرمين“

اے اکرم الاکرمین! ہمیں بھی اس صفت سے نواز۔

(ماخوذ از کبیر)

”أَوْشَدُّ ذِكْرًا“ معناه بل اشد ذکر۔

اس کا معنی یہ ہے کہ بلکہ اس کا ذکر آباء کے ذکر سے بھی زیادہ کرو۔

یہ بات واضح ہے کہ انسان کے آباء و اجداد کے کمالات قلیل (تھوڑے) ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی صفات کمالات غیر

متناہی (بے حد) ہیں۔

”فیجب ان یکون اشتغالهم بذكر صفات الكمال في حق الله تعالى اشد من اشتغالهم

بذكر مفاخر آبائهم“

اس لئے واجب ہے کہ اللہ کی صفات کاملہ کے ذکر میں زیادہ سے زیادہ مشغول ہو، بنسبت اپنے

اپنے آباء و اجداد کے ذکر میں مشغول رہنے سے۔

(ماخوذ از کبیر)

مقام توجہ: اس سے پہلے جن آٹھ وجوہ کا ذکر کیا گیا ہے ان تمام سے ”اواشد ذکرًا“ کا تعلق ہے۔ یعنی اپنے

آباء و اجداد کے ذکر سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو، اپنے آباء و اجداد کی تعظیم سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم زیادہ کرو، اپنے

اہم کاموں میں اور مصائب و آلام میں اپنے آباء و اجداد کی طرف رجوع کرنے سے زیادہ رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف

کرو، تمام وجوہ کو اسی کے مطابق طلبائے کرام خود سمجھنے کی کوشش کریں۔

(رافعہ)

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا اتِّنَافِ الدُّنْيَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ☆ وَمِنْهُمْ

مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا اتِّنَافِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ☆

تو کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے عطاء کر ہمیں دنیا میں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ

نہیں۔ اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں عطاء کر دنیا میں بھلائی اور ہمیں آخرت میں

بھلائی دے اور بچا ہمیں آگ کے عذاب سے۔

یہاں سے اللہ تعالیٰ نے دعاء کرنے والوں کے دو گروہوں کا ذکر کیا، ایک گروہ وہ ہے۔

”احدهما ان يكون دعاؤهم مقصودا على طلب الدنيا“ جو صرف دنیا کی طلب کی دعاء کرتا ہے۔

اس کے متعلق فرمایا۔ ”وماله في الآخرة من خلاق“ اور نہیں ہے اس کا آخرت میں کچھ حصہ۔

یہ احتمال: اس گروہ سے مراد اگر کفار ہوں جیسا کہ بعض حضرات کا قول ہے تو ”وماله في الآخرة من

خلاق“ کا مطلب ہوگا۔ ”لانصيب له فيها من كرامة ونعيم وثواب“

کہ ان کو آخرت میں کوئی عزت حاصل نہیں ہوگی اور نہ ہی نعمتیں حاصل ہوں گی اور نہ ہی ان کو

ثواب حاصل ہوگا۔

کفار صرف دنیا کے حصول کی دعاء کرتے تھے۔

”روى عن ابن عباس ان المشركين كانوا يقولون اذا وقفوا اللهم ارزقنا ابلا وبقرا و غنما

وعبيدا و اماء (وما كانوا يطلبون التوبة والمغفرة وذلك لانهم كانوا امنكرين للبعث والمعاد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرک لوگ عرفات اور مزدلفہ کے وقوف (ٹھہرنے)

میں یہ دعاء کرتے تھے۔ اے اللہ! ہمیں اونٹ عطاء فرما اور ہمیں گائے اور بھیڑ، بکریاں اور غلام

اور لونڈیاں عطا فرما۔ (وہ توبہ نہیں کرتے تھے اور مغفرت طلب نہیں کرتے تھے اس لئے کہ وہ قیامت کے

منکر تھے)۔

”وعن انس كانوا يقولون اسقنا المطر واعطنا على عدونا الظفر“

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کفار و مشرکین کہتے تھے ہمیں بارش عطاء کر اور ہمیں دشمن پر

کا میا بی عطاء فرما۔

تو اس فریق یعنی کفار کی خبر دیتے ہوئے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ”وماله في الآخرة من خلاق“ اور نہیں

اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ۔

دوسرا احتمال: اس فریق سے مراد مؤمنین بھی ہو سکتے ہیں، کیونکہ کئی مومن بھی ”یسألون اللہ لدنیاهم لا لآخرہم“ اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا کا سوال کرتے تھے آخرت کی طلب نہیں کرتے تھے۔

اس عظیم مقام میں صرف فانی دنیا کے متعلق سوال کرنا اور آخرت کی دائمی نعمتوں سے اعراض کرنا ان کے لئے آخرت کے حصہ سے محرومیت کا سبب ہے۔ اس صورت میں ”ومالہ فی الآخرة من خلاق“ کا معنی یہ ہوگا۔
 ”لا خلاق لہ فی الآخرة کخلاق من سأل اللہ لآخرتہ“

بلکہ اس کو آخرت میں وہ حصہ نہیں حاصل ہوگا جو آخرت کی طلب کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ وہ مومن ہونے کے لحاظ پر آخرت کے حصہ سے محروم تو نہیں ہوگا لیکن اس ثواب میں وہ کمال حاصل نہیں ہوگا جو آخرت کی طلب والے کو حاصل ہونا ہے۔

یہ مسئلہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے واضح ہو رہا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

”ان اللہ یؤیدہذا الدین باقوام لا خلاق لہم“

بیشک اللہ تعالیٰ دین کو ایسی قوموں کے ذریعے تائید دے گا جن کا کوئی حصہ نہیں۔

یعنی ان کا کام خلوص پر مبنی نہیں ہوگا، دین کا کام وہ آخرت کے لئے نہیں کریں گے بلکہ دنیا کے لئے کریں گے، خواہ دنیا کا مال حاصل کرنے کے لئے یا مرتبہ حاصل کرنے کے لئے، یا ان کا کام ریاء کاری کے لئے ہوگا تو ان کو اگرچہ اس کا ثواب حاصل نہیں ہوگا لیکن دین کو ان سے تائید حاصل ہوگی۔

اسی طرح دنیا کی دعاء کرنے والا جب مسلمان ہو تو وہ اپنی دعاء میں یہ کہہ رہا ہوگا کہ اے اللہ! دنیا عطاء کر اور عمل سے جھوٹی قسمیں اٹھا کر دنیا کا مال جمع کر رہا ہوگا، اسے آخرت میں کوئی حصہ (یعنی اجر و ثواب) حاصل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثمنًا قلیلًا اولئک لا خلاق لہم فی الآخرة“

بیشک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور قسموں کے ذریعے تھوڑی قیمت (دنیا کا حقیر مال) حاصل کرتے

ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اس صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ ”انہ لا خلاق له فی الآخرة الا ان يتوب“

بیشک اس فریق کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہاں مگر یہ کہ توبہ کر لے۔

یا مطلب یہ ہوگا۔ ”انہ لا خلاق له فی الآخرة الا ان يعفو الله عنه“

بیشک اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے۔

یا مطلب یہ ہوگا۔ ”انہ لا خلاق لمن اخذ ما لا يمين فاجرة كخلاق من تورع ذلك“

جس شخص نے جھوٹی قسموں کے ذریعے مال حاصل کر لیا اس کا ایسا حصہ نہیں ہوگا جیسا کہ اس سے

بچ کر تقویٰ حاصل کرنے والے کو حصہ حاصل ہوگا۔

مقصد واضح ہوا کہ کافر مکمل طور پر اخروی حصہ سے محروم ہوگا، لیکن مومن خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہوا پھر اس

نے صرف دنیا کو حاصل کرنے کی تمنا کی ہو تو پھر بھی دولت ایمان کا نفع تو اسے آخرت میں حاصل ہونا ہے۔ البتہ

خصوصی اجر و ثواب سے بغیر توبہ کے یا بغیر اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کے محرومیت حاصل ہوگی۔ (از کبیر بتصرف)

دنیاوی مشکلات سے بچنے کی بھی دعاء کرتا رہے:

یعنی اپنی دعاء کو صرف آخرت کی بھلائی تک محدود نہ کرے بلکہ دنیا کی بھلائی بھی طلب کرے تاکہ وہ دنیاوی

مشکلات سے بچ جائے۔

☆ واخرج ابن ابی شیبۃ واحمد بن حمید والبخاری ومسلم والترمذی وابو یعلی وابن

حبان وابن ابی حاتم والبیہقی فی الشعب عن انس ان رسول اللہ ﷺ عا در جلا من

المسلمین قد صار مثل الفرخ المنتوف فقال له رسول اللہ ﷺ هل كنت تدعو الله بشئ

قال نعم كنت اقول اللهم ما كنت معاقبي في الآخرة فعجله له في الدنيا فقال رسول

الله ﷺ سبحان الله اذن لا تطيق ذلك ولا تستطيعه فها قلت ”ربنا آتنا في الدنيا حسنة

(درمنثور)

وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی عیادت کی جو پرندے کے چھوٹے بچے کی طرح ہو چکا تھا (یعنی اس چوزے کی طرح جس کے جسم پر بال نہیں ہوتے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ سے کوئی دعاء بھی کرتے رہے، تو اس شخص نے عرض کیا ہاں میں یہ عرض کرتا رہا ”اے اللہ! جو تو نے مجھے آخرت میں سزا دی ہے وہ جلدی دنیا میں ہی دے دے“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”سبحان اللہ“ تمہیں اس کی طاقت حاصل نہیں (کہ دنیا میں سزا کو برداشت کر لو) تم نے یہ دعاء کیوں نہیں کی۔

”ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار“

اے ہمارے رب عطاء کر ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی دے اور بچا ہمیں آگ کے عذاب سے۔

دنیاوی مراتب: ”واعلم ان مراتب السعادات ثلاث روحانية وبدنية وخارجية

سعادت حاصل کرنے کے مراتب تین ہیں۔ (۱) روحانیہ (۲) بدنیہ (۳) خارجیہ

روحانیہ کی پھر دو قسمیں ہیں، ایک قوتِ نظر یہ کی تکمیل علم سے حاصل کرنا، اور دوسری قسم قوتِ عملیہ کی تکمیل اچھے اخلاق سے حاصل کرنا۔

سعادت بدنیہ کی دو قسمیں ہیں۔ صحت حاصل ہونا اور جمال حاصل ہونا۔

سعادت خارجیہ کی بھی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک مال کا حاصل ہونا اور دوسری مرتبہ کا حاصل ہونا۔

یہ تمام قسمیں دنیاوی مراتب میں آ جاتی ہیں، جب ان میں خلوص اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب نہ پائی جائے۔

”فان العلم اذا كان يراد للتزین به فی الدنیا والترفع به علی الاقران كان من الدنیا“

بیشک علم جب اس لئے حاصل کیا جائے کہ یہ میرے لئے دنیا میں زینت کا ذریعہ بنے گا اور مجھے

یہ اپنے ساتھیوں سے بلند مرتبہ عطاء کر دے گا تو یہ علم دنیا سے متعلق ہوگا اگرچہ بظاہر دینی علم ہوگا۔

”والاخلاق الفاضلة اذا كانت تراد للرياسة في الدنيا وضبط مصالحها كانت من الدنيا“
اچھے اخلاق اس لئے انسان حاصل کرے کہ اس کے ذریعے مجھے دنیا میں ریاست اور برتری حاصل ہوگی، اور اچھے اخلاق کے ذریعے میرے دنیاوی کام اچھی طرح ہو جائیں گے، تو یہ بھی دنیاوی مرتبہ ہی حاصل ہوا۔

”وكل من لا يؤمن بالبعث والمعاد فانه لا يطلب فضيلة لاروحانية ولا جسمانية الا لاجل الدنيا“

ہر وہ شخص جس کا قیامت پر ایمان نہیں وہ جسمانی فضیلت حاصل کرے یا روحانی وہ دنیا کے لئے ہی حاصل کر رہا ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

ایسے لوگوں کے متعلق ہی رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”وما له في الآخرة من خلاق“ ای لیس له نصیب فی نعیم الآخرة۔

کہ اس قسم کے لوگوں کو آخرت کی نعمتوں سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہوگا۔

اس کے مطابق رب تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے۔

”من كان يريد حرث الآخرة نزدله في حرثه ومن كان يريد حرث الدنيا نؤثته منها“

(سورہ شوریٰ آیت ۲۰)

وما له في الآخرة من نصيب“

جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی زیادہ کر دیتے ہیں، اور جو دنیا کی کھیتی چاہے

ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

طالب دنیا کی دعاء قبول ہوتی ہے یا نہیں:

جو شخص آخرت کی بھلائی نہ طلب کرے بلکہ صرف دنیا کو طلب کرے اس کی دعاء اس درجہ کی قبول نہیں ہوتی جس کی تعریف کی جائے۔

”لان کون الانسان مجاب الدعوة صفة مدح فلا تثبت الا لمن كان وليا لله تعالى مستحقا للكرامة“

کیونکہ کسی شخص کا مستجاب الدعوات ہونا کہ اس کی تعریف کی جائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ولی کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے عزت افزائی کا مستحق ہوتا ہے۔

ہاں البتہ کبھی کبھی ایسے لوگوں کی دعاء کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔

”لكن تلك الاجابة قد تكون مكر او استدراجا“

لیکن ان کی دعاء میں قبولیت مکر اور استدراج کے لئے ہوتی ہے۔

کسی غیر مسلم یا آخرت سے دور صرف دنیا کے طالب کو عادت کے خلاف کام کرنے یا اس کی دعاء کو قبولیت عطاء کرنے کو استدراجی قوت کہا جاتا ہے۔

یعنی اس کی دعاء کو کبھی کبھی قبول کر کے اسے آخرت سے اور دور کر دیا جاتا ہے کہ وہ یہ کہتا رہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں، ہم بھی دین کو سمجھتے ہیں، ہماری دعاء بھی رب قبول کرتا ہے، صرف صوفی یا مولوی ہی دین کو نہیں سمجھتے۔

دنیا اور آخرت کی بھلائی سے کیا مراد ہے؟

دنیا کی بھلائی صحت، امن، کفایت، نیک اولاد، نیک زوجہ، دشمن پر امداد، رزق میں خوشحالی اور وسعت اور جنگ میں کامیابی، اور جنگ میں شہادت کا حاصل ہونا، اور آخرت کی بھلائی یہ ہے کہ ثواب حاصل ہو، جس کی وجہ سے بہت بڑی کامیابی حاصل ہو، اور عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو۔

”وبالجملة فقله تعالى (ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة) كلمة جامعة

لجميع مطالب الدنيا والآخرة“

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة“

ایسا جامع ارشاد ہے جو دنیا اور آخرت کے تمام اچھے مطالب کو شامل ہے۔

☆ روی حماد بن سلمة عن ثابت انهم قالوا لانس ادع لنا، فقال "اللهم اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" قالوا زدنا فاعادها، قالوا زدنا، قال ما تريدون؟ قد سألت لكم خير الدنيا والآخرة

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کچھ حضرات نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہا تم ہمارے لئے دعاء کرو، تو آپ نے دعاء کی "اے اللہ! عطاء کر ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں آگ کے عذاب سے" تو انہوں نے کہا کہ کچھ اور زیادہ دعاء کرو، آپ نے پھر پہلے والے کلمات لوٹا دیئے، انہوں نے پھر کہا کچھ اور زیادہ دعاء کیجئے، آپ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو، میں نے تمہارے لئے دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی طلب کر لی۔

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کیا خوب بیان فرمایا کہ بندے کے لئے جب دنیا اور آخرت کے مقامات کے بغیر کوئی اور مقام نہیں تو جب دنیا اور آخرت کی بھلائی طلب کر لی "لم يبق شيء سواها" تو اس کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔

"وثانيهما ان المراد بالحسنة في الدنيا العمل النافع وهو الايمان والطاعة والحسنة في الآخرة اللذة الدائمة والتعظيم والتنعيم بذكر الله وبالانس به وبمحبتته وبرؤيته" اور احتمال یہ ہے کہ دنیا میں بھلائی سے مراد نفع دینے والا عمل ہو، وہ ایمان اور طاعت ہے، اور آخرت کی بھلائی سے مراد دائمی لذت اور تعظیم اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی نعمت کا حصول اور اس سے انس حاصل کرنا اور اس سے محبت کرنا اور اس کے دیدار سے مشرف ہونا۔

☆ روی الضحاک عن ابن عباس ان رجلا دعار به فقال في دعائه "ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" فقال النبي ﷺ ما علم ان هذا الرجل سأل الله شيئا من امر الدنيا، فقال بعض الصحابة بلى يا رسول الله انه قال "ربنا اتنا في الدنيا حسنة" فقال رسول الله ﷺ انه يقول "آتنا في الدنيا عملا صالحا"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے رب تعالیٰ سے دعاء کی تو اپنی دعاء میں یہ کہا "ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" تو نبی کریم ﷺ نے

فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ اس شخص نے دنیا کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا، کسی صحابی نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ، اس نے تو کہا ہے ”اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر“ (تو یہ دنیا کی طلب کی ہی دعاء ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”بیشک وہ کہہ رہا تھا اے ہمارے رب ہمیں عطاء کر دنیا میں نیک عمل۔“

سبحان اللہ کیا ہی علم ہے میرے پیارے نبی کریم ﷺ کا کہ وہ شخص زبان سے کہہ رہا ہے ”ربنا آتنا فی الدنیا حسنة“ لیکن آپ اس کے دل پر مطلع ہیں، فرما رہے ہیں کہ وہ یہ کہہ رہا ہے۔ ”ربنا آتنا فی الدنیا عملاً صالحاً“ کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیک عمل عطاء فرما۔

اسی سے اور مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ جب دنیا کی چیز کو دین کے لئے طلب کیا جائے تو وہ دین کا ہی مسئلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے نیک لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ان کی اس دعاء کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

”والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما“

(سورۃ الفرقان آیت ۷۴)

اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

”وتلک القرۃ ہی ان یشاہدوا اولادہم وازواجہم مطیعین مؤمنین مواظبین علی العبودیۃ“

آنکھوں کی ٹھنڈک کی جس کی وہ دعا کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ بیبیاں عطاء فرما اور وہ اولاد عطاء فرما جو مومن ہوں اور تیری طاعت کرنے والے ہوں اور ہمیشہ عبودیت پر قائم رہیں تاکہ ان کو دیکھ کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔

”وثالثہا قال قتادۃ الحسنۃ فی الدنیا و فی الآخرة طلب العافیۃ فی الدارین“

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں بھلائی کی طلب کا مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دونوں جہانوں میں عافیت عطاء فرما۔

”وعن الحسن الحسنة في الدنيا فهم كتاب الله تعالى وفي الآخرة الجنة“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، دنیا میں بھلائی سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سمجھنا ہے اور آخرت میں بھلائی کے حاصل کرنے سے مراد طلبِ جنت ہے۔
(از کبیر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

”قول على رضي الله عنه الحسنة في الدنيا المرأة الصالحة وفي الآخرة الحوراء و عذاب النار امرأة السوء“
(بیضاوی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا میں بھلائی سے مراد نیک عورت ہے اور آخرت میں بھلائی سے مراد جنتی حور ہے اور آگ کے عذاب سے مراد بری عورت ہے۔

☆ ”عن عبد الله بن عمر بن العاص عن النبي ﷺ قال الدنيا متاع وخير متاعها المرأة الصالحة وقيل الحسنة في الدنيا العلم والعبادة وفي الآخرة الجنة وقيل الحسنة في الدنيا الرزق الحلال والعمل الصالح وفي الآخرة المغفرة والثواب وقيل من آتاه الله الاسلام والقرآن واهلا وما لا فقد اوتى الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة يعني في الدنيا عافية وفي الآخرة عافية“
(خازن)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دنیا سامان (نفع مند چیز) ہے، دنیا میں سب سے بہتر نفع مند چیز نیک زوجہ ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا دنیا کی بہتر چیز علم اور عبادت ہے۔ اور آخرت کی بہتر چیز جنت ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ دنیا کی بہترین چیز رزقِ حلال اور نیک عمل ہے۔ اور آخرت میں بہتر چیز مغفرت اور ثواب ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور قرآن اور اہل و عیال اور مال عطاء کر دیا، اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطاء کر دی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں عافیت کا حاصل ہونا دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت میں عافیت حاصل ہونا آخرت کی بھلائی ہے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ”الحسنة“ معرفہ ذکر ہوتا اور الف لام استغراقی ہوتا تو ہر قسم کی بھلائی کو شامل ہوتا، یعنی یوں کہا جاتا ”آتنا الحسنة فی الدنیا والحسنة فی الآخرة“ (ہمیں عطاء کر دینا میں ہر قسم کی بھلائی اور آخرت میں ہر قسم کی بھلائی دے) لیکن ”حسنة“ کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟
تو اس کا جواب یہ ہے۔

”ليس الداعي ان يقول اللهم اعطني كذا وكذا بل يحب ان يقول اللهم ان كان كذا وكذا مصلحة لي وموافقا لقضائك وقدرك فاعطني ذلك“
دعا کرنے والے کو چاہئے کہ وہ یہ دعا نہ کرے کہ اے اللہ مجھے یہ چیز عطاء کر اور یہ چیز عطاء کر اور اس طرح عطاء کر۔ بلکہ ضروری ہے کہ یہ کہے، اے اللہ اگر اس کام میں میری مصلحت ہے اور یہ تیری تقدیر کے موافق ہے تو مجھے یہ عطاء کر دے۔

اگر دعا یہ کرے ”اللهم اعطني الحسنة فی الدنیا والآخرة“ اے اللہ مجھے ہر قسم کی بھلائی دینا اور آخرت میں عطاء کر۔ تو یہ ادب کے خلاف تھا، کیونکہ انسان معین کر کے چیزیں مانگ رہا ہے۔
لیکن جب ”حسنة“ نکرہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ تو دنیا اور آخرت میں وہ بھلائی عطاء کر جو تیری تقدیر اور تیری رضا اور تیرے حکم اور تیری حکمت کے مطابق ہو۔

”فكان ذلك اقرب الى رعاية الادب والمحافظة على اصول اليقين“

یہ دعا ادب کے بہت قریب ہے اور اس کی محافظت اور اس کی رعایت کرنا اصول یقین کے موافق ہے۔

”وقنا عذاب النار“: اور بچا ہمیں آگ کے عذاب سے۔

عذابِ نار سے مراد جہنم کا عذاب ہے۔ یا اس سے مراد بری عورت ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا جا چکا ہے۔

(از مدارک)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”وقنا“ میں ”و“ عاطفہ ہے جس کا معنی ہے ”اور“ اور ”ق“ امر حاضر کا صیغہ ہے جو ”تقی“ سے بنا ہے،
 ا۔ تقی اصل میں ”توقی“ ہے۔ صرفی قوانین کی طرف خود توجہ فرمائیں۔ ”ق“ کا معنی ہے ”بچا“ ”نا“ ضمیر ہے
 منصوب متصل کی جس کا معنی ہے ”ہمیں“۔

”عن انس بن مالک قال کان اکثر دعاء النبی ﷺ اللہم آتنا فی الدنیا حسنة وفی
 الآخرة حسنة وقنا عذاب النار“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات یہ دعاء فرماتے تھے ”اللہم آتنا
 فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار“

”عن عبد اللہ بن السائب قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول بین الرکنین ربنا آتنا فی
 الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار“ (اخر حدیث ابو داؤد)

حضرت عبد اللہ بن السائب کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو رکنوں (حجر اسود اور رکن یمانی)
 کے درمیان یہ دعاء کرتے ہوئے سنا ”ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة
 وقنا عذاب النار“۔

طلباء کرام خصوصی طور پر یاد رکھیں کہ رکن اسود اور رکن یمانی میں رکن کا معنی کونہ ہے۔ یعنی دیواروں کا وہ کونہ
 جس میں حجر اسود ہے، اسے رکن اسود کہا جاتا ہے اور اسی دیوار کے جنوبی کونہ کو رکن یمانی کہا جاتا ہے۔ (خازن)

”واخرج ابن ابی شیبہ والبیہقی فی الشعب عن ابن عباس ان ملکاً من ملکات کلہما رکن
 الیمانی منذ خلق اللہ السماوات والارض یقول آمین آمین فقولوا ربنا آتنا فی الدنیا
 حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار“ (درمنشور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک ایک فرشتہ کو رکن یمانی پر اس وقت سے مقرر کر دیا
 گیا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے، وہ آمین آمین کہتا رہتا ہے، اس

لئے تم رکن یمانی کے پاس یہ دعاء کیا کرو ”ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة
وقنا عذاب النار“

☆ ”واخرج احمد والترمذی وحسنہ عن انس قال جاء رجل الى رسول الله ﷺ فقال
يا رسول الله ائى الدعاء افضل قال تسأل ربك العفو والعافية فی الدنیا والآخرة ثم
اتاه من الغد فقال يا رسول الله ائى الدعاء افضل قال تسأل ربك العفو والعافية فی
الدین والدنیا والآخرة ثم اتاه من الغد فقال يا رسول الله ائى الدعاء افضل قال تسأل
ربك العفو والعافية ثم اتاه من الیوم الرابع فقال يا رسول الله ائى الدعاء افضل قال
تسأل ربك العفو والعافية فی الدنیا والآخرة فانک اذا اعطیتهما فی الدنیا ثم
اعطیتهما فی الآخرة فقد افلحت“ (درمنشور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو کہا یا رسول اللہ کون سی
دعاء افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تم اپنے رب سے دنیا اور آخرت میں عفو و عافیت کا سوال کرو، وہ
شخص دوسرے دن پھر آیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ کون سی دعاء افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا تم
اپنے رب سے دین دنیا اور آخرت میں عفو اور عافیت طلب کرو، تیسرے دن وہ شخص پھر آیا اس
نے کہا یا رسول اللہ کون سی دعاء افضل ہے؟ آپ نے فرمایا تم اپنے رب تعالیٰ سے عفو و عافیت
طلب کرو، چوتھے دن وہ شخص پھر آیا اس نے کہا یا رسول اللہ کون سی دعاء افضل ہے؟ آپ نے
فرمایا تم اپنے رب سے دنیا اور آخرت میں عفو و عافیت کا سوال کرو، بیشک جب تمہیں دنیا میں عفو
و عافیت عطاء کر دی گئیں، پھر تمہیں آخرت میں عفو و عافیت عطاء کر دی گئی تو تم کامیاب ہو گئے۔

”اولئک لہم نصیب مما کسبوا واللہ سریع الحساب“:

ان لوگوں کا حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کسب کیا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

”اولئک“ کا اشارہ کس کی طرف ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا اشارہ دوسرے فریق کی

طرف ہے یعنی ان کی طرف جو لوگ دنیا اور آخرت کی بھلائی طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ پہلے کا حکم ”و مالہ فی الآخرة من خلاق“ (اور نہیں ہے اس کا آخرت میں کچھ حصہ) میں آچکا ہے۔ اور یہ حکم دوسرے فریق کا ہے کہ ”ان لوگوں کا حصہ ہے جو انہوں نے کسب کیا“۔

لیکن دوسرے قول یہ ہے ”انہ راجع الی الفريقین“ کہ اس کا اشارہ دونوں فریقوں کی طرف ہے۔ یعنی ہر فریق نے جو عمل کیا اور جس عمل کی نیت کی اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

اگر قیامت کا انکار کیا اور کسی قسم کا کفر و شرک کیا ”واللہ مجازیہ“ تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

اور اگر کوئی عمل صرف دنیا کی غرض سے کیا ”اعطی نصیب مثله فی الدنیا“ تو اسے اس کے عمل کے مطابق دنیا میں ہی بدلہ دے دیا جائے گا۔

اور جس شخص نے دنیا کی بھلائی طلب کی اور آخرت کی بھلائی بھی طلب کی، اسے اس کے مطابق ثواب عطا کیا جائے گا، تو اس تفصیل کے بعد واضح ہو گیا کہ دونوں فریقوں کی طرف اشارہ کرنا زیادہ واضح ہے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”لہم نصیب مما کسبوا“ پر بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ نصیب نکرہ ہے اور تنوین حقارت پر دلالت کر رہی ہے، کیونکہ ”مما“ جو اصل میں ”من ما“ ہے، اس میں ”من“ تبعیض کے لئے ہے، اس سے بھی حقارت سمجھ آرہی ہے۔ اصل کے مطابق معنی یہ ہوگا ”انہوں نے جو کسب کیا اس میں سے کچھ کا انہیں کچھ حصہ دیا جائے گا“ حالانکہ اللہ تعالیٰ نیلوں کی جزاء میں کوئی کمی نہیں فرمائے گا، بلکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا زائد سے لیکر سات سو گنا زائد، بلکہ اس سے بھی زائد عطا فرمائے گا۔ تو ”من“ تبعیض بنانا کیسے درست ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ”من“ ابتداء غایت کے لئے ہے، تبعیض نہیں۔ اب معنی یہ ہوگا ”انہوں نے جو کسب کیا اس کا ان کے لئے حصہ ہے“۔

یعنی ہر کسب کا ان کو بدلہ دیا جائے گا، ایسا نہیں ہوگا کہ کسی کسب کا بدلہ دیا جائے اور کسی کا بدلہ نہ دیا جائے، جب کسب صرف دنیا کے لئے ہوا تو اس کا بدلہ بھی عمل کے مطابق ہوگا، اب ”نصیب“ میں تنوین نقلیل یا تحقیر کے لئے بنانا صحیح ہوگا۔

اور جب ان کا کسب دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی حاصل کرنے کے لئے ہوگا، تو ان کو جزاء بھی اس کے مطابق دی جائے گی، اب ”نصیب“ میں تنوین تعظیم اور تکثیر کے لئے ہوگی، یعنی ان کے کسب کا بہت زیادہ اور عظیم مرتبہ والا حصہ دیا جائے گا۔

(از کبیر بربادہ)

کسب کیا ہے؟

”ماینالہ المرء بعملہ“ انسان اپنے عمل سے جو حاصل کرے اسے ”کسب“ کہا جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے نفع حاصل ہو، یا اس سے ضرر (نقصان دہ، باعث تکلیف) کو دور کیا جائے۔

اور اگر عمل ایسا ہو جو باعث ضرر ہو، اسے کسب نہیں کہا جاتا، بلکہ اکتساب کہہ لیا جاتا ہے۔ البتہ یہ خیال کیا جائے کہ کسب کبھی اکتساب کے معنی میں اور اکتساب کبھی کسب کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

سوال: ”هل تدل هذه الآية على ان الجزاء على العمل“

کیا یہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی کہ بندہ کو اپنے عمل کی جزاء دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے؟

جواب: ”نعم ولكن بحسب الوعد لا بحسب الاستحقاق الذاتي“

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل کی جزاء کا ضروری طور پر مستحق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ جزاء عطاء کرے لیکن یہ وجوب رب تعالیٰ نے وعدہ فرما کر اپنے کرم کے ذریعے اپنے ذمہ لے لیا ہے، ورنہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اور بندہ بھی ذاتی طور پر اپنے عمل کی جزاء کا مستحق نہیں، کیونکہ اسے تو پہلے ہی اتنے انعام عطاء کر دیئے گئے ہیں کہ وہ ان کا شکر یہ بھی ادا نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ اور استحقاق کا دعویٰ کرے، البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی اور وعدہ سے بندہ کو اس کے اعمال کی جزاء کا مستحق ٹھہرا دیا ہے۔

(ماخوذ از کبیر)

”واللہ سریع الحساب“: اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

”سریع“ ماخوذ ہے ”سرع یسرع سرعاً سرعة“ سے، جس کا معنی ہے جلدی کرنا۔

”حساب“ مصدر ہے جس طرح محاسبہ مصدر ہے، اس کا لغوی معنی ہے ”شمار کرنا“ چونکہ حساب کرنے یعنی کسی چیز کو شمار کرنے میں کمی و بیشی نہیں کی جاتی، بلکہ اس میں وہ علم حاصل ہوتا ہے جو کافی ہوتا ہے، اس لئے ”حسبک کذا“ کفاک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کہ یہ چیز اس طرح تمہیں کافی ہے۔

طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

”حسب یحسب حساباً محاسباً“ (حساب کرنا، شمار کرنا) اس صورت میں ماضی اور مضارع دونوں ہی

مکسور العین استعمال ہوتے ہیں۔

اور ”حسب یحسب حساباً“ (گمان کرنا) اس صورت میں ماضی مکسور العین ہوگی اور مضارع مفتوح العین

حساب لینے کا کیا مطلب:

اس میں اگرچہ چند اقوال ہیں، لیکن وہ تمام ہی مجموعی طور پر معتبر ہیں۔

اس میں ایک قول یہ ہے۔ ”انہ تعالیٰ يعلمہم ما لہم وعلیہم“ کہ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے ﴿۱﴾

ثواب یا عذاب کا علم عطاء کر دے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ان کے اعمال کی مقدار اور تعداد اور

کیفیات کا علم پیدا کر دے گا، جس کی وجہ سے انہیں اپنے اعمال کے ثواب و عذاب فی مقدار کا پتہ چل جائے گا۔

”عن ابن عباس انہ قال انی لاحساب علی الخلق بل یقفون بین یدی اللہ ویعطون

کتبہم بایما نہم فیہا سیأتہم فیقال لہم ہذہ سیأتکم قد تجاوزت عنہا ثم یعطون

حسناتہم ویقال ہذہ حسناتکم قد ضعفتم لکم“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک مخلوق پر حساب کا یہ مطلب ہے کہ ان کو اللہ کے

حضور کھڑا کیا جائے گا، مومنین کو نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا، جس میں ان کے گناہ بھی درج ہوں گے، ان کو رب تعالیٰ بتائے گا یہ تمہارے گناہ تھے جن کو میں نے معاف کر دیا ہے، پھر ان کی نیکیوں کو سامنے لایا جائے گا اور ان کو بتایا جائے گا کہ تمہاری نیکیاں تو یہی تھیں البتہ میں نے اپنے فضل و کرم سے ان کو کئی گناہ زیادہ کر دیا، جس کی وجہ سے تمہیں جنت میں اعلیٰ مقام دیا جا رہا ہے۔

﴿۲﴾ دوسرا قول یہ ہے کہ حساب کا مطلب ہے جزاء دینا۔ اصل میں حساب سبب ہے لینے اور دینے کا، سبب کا اطلاق مسبب پر جائز ہے۔ ”فحسن اطلاق لفظ الحساب عن المجازاة“ اس لئے ذکر حساب کا اور مراد جزاء لینا مستحسن ہے۔

﴿۳﴾ تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان کے اعمال کے احوال اور ان اعمال کے مطابق ثواب و عذاب کی کیفیت کے متعلق کلام فرمائے گا ”ان کلامہ لیس بحرف ولا صوت“ البتہ رب تعالیٰ کے کلام کی کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں، کیونکہ اس کے کلام میں حروف اور آواز نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مکلف کے کانوں میں سماعت پیدا کر دے گا، جس کی وجہ سے وہ کلام قدیم کو سن لے گا، جیسا کہ انسان کی آنکھ میں قوت بصارت پیدا کر دے گا، جس کی وجہ سے ذات قدیم کو دیکھ سکے گا۔ البتہ بعض حضرات نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں آواز ہوگی، البتہ اس کی کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ آواز مکلف سن لے گا، اسی کلام کے ذریعے اس کے اعمال کے ثواب و عذاب کو بیان کر دیا جائے گا۔ یہی بندوں کا عذاب ہوگا، غور کرنے سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تینوں صورتیں حاصل ہوتی ہیں۔

جلدی حساب لینے کا کیا مطلب ہے؟

اس میں بھی چند وجوہ ہیں، جو تمام ہی معتبر ہیں۔

﴿۱﴾ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکلف کے دل میں اس کے اعمال کی مقدار اور اس کے ثواب اور

عذاب کی مقدار پیدا فرمادے گا۔ یا ہر مکلف کو اس کے ثواب کے حق تک پہنچا دے گا۔ یا ہر مکلف کے کانوں میں قوت سماعت پیدا کر دے گا، جس کی وجہ سے وہ کلام قدیم کو سن لے گا، یا ہر مکلف کے کانوں میں ایک آواز پیدا کر دے گا، جو اس کے ثواب و عذاب کی مقدار پر دلالت کرے گی۔ ان تمام وجوہ کی دار و مدار ایک ہی چیز پر ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز کو پیدا کرے گا، یہی اس کا حساب ہوگا، اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام ممکنات سے متعلق ہوگی۔ اس کی تخلیق کسی مادہ یا مدت یا آلہ کی محتاج نہیں۔

”ولا يشغله شان عن شان“ اسے کوئی حال دوسرے حال سے پھیر نہیں سکتا۔

”لا جرم كان قادرا على ان يخلق جميع الخلق في اقل من لمحة البصر، وهذا كلام ظاهر“

یقیناً اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو آنکھ جھپکنے سے بھی کم وقت میں پیدا کرنے پر قادر ہے۔ جلدی حساب لینے کا یہ مطلب بہت واضح ہے۔

”ولذلك ورد في الخبر ان الله تعالى يحاسب الخلق في قدر حلب ناقة“
اسی وجہ سے حدیث شریف میں مذکور ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب اونٹنی کا دودھ دوہنے کی مقدار میں لے لے گا۔

یعنی بہت قلیل مدت میں تمام مخلوق کے دلوں میں ان کے اعمال کے ثواب و عذاب کی مقدار و کیفیت کو پیدا کر دے گا، قلیل مدت بھی صرف لوگوں کو سمجھانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی، ورنہ وہاں تو ”کس فیکون“ کی بات ہے۔

﴿۲﴾ ”وثانيها ان معنى كونه تعالى ”سريع الحساب“ انه سريع القبول لدعاء عباده والاجابة لهم“

دوسری وجہ جلدی حساب لینے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاء کو جلدی قبول فرماتا ہے۔

ایک وقت میں کتنے سوال کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہر ایک مختلف چیز طلب کرنے والا ہوتا ہے، جن کا تعلق امور دنیا سے بھی ہے اور امور آخرت سے بھی، ہر ایک کو اس کا مطلوب عطاء کرتا ہے اور اس پر کوئی چیز مشتبہ

نہیں ہوتی، اگر دنیا والوں سے اتنے لوگ اتنی چیزوں کا سوال کرتے تو ان کو لمبا حساب کرنا پڑتا، بلکہ حساب سے عاجز آجاتے، لیکن اللہ تعالیٰ کسی فکر اور کسی چیز کو شمار میں لانے اور حساب رکھنے کا محتاج نہیں۔

﴿۳﴾ ”وَاللّٰهُ اَنۡ مَّحَاسِبَةُ اللّٰهِ سَرِیۡعَةٌ بِمَعۡنٰی اَتِیۡةٌ لَا مَحَالَةَ“

جلدی حساب لینے کا تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کہنا ”اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے“ اس کا مقصد یہ کہ اس نے یقیناً حساب لینا ہے۔

جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ”اَنۡ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ وَّاَنَ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ“ (والداریات، ۶۰۵)

بیشک جس بات کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ ضرور سچ ہے، اور بیشک انصاف ضرور ہوتا ہے۔

”کل ما هو آت فکأنه قیل ان الساعة التي فيها الجزاء والحساب قريبة“

یعنی ہر وہ چیز جس نے آنا ہے اس نے آنا ہی ہے، گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ گھڑی جس میں حساب ہونا ہے اور جزاء دی جانی ہے وہ قریب ہے۔

فائدہ: ”الحساب“ سے یہ بھی سمجھ آیا ”الحسب ما عدا من مفاخر المرء ويقال حسبه دينه ويقال ماله“

انسان جن چیزوں کی وجہ سے فخر کر سکے، وہ اس کا حسب ہیں، اسی وجہ سے انسان کے دین کو حسب کہا جاتا ہے، اور اسی طرح اس کے مال کو بھی اس کا حسب کہا گیا ہے۔

سحرة بن جندب کی روایت میں ہے ”الحسب المال والكرم التقوی“ (رواہ ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسب مال ہے اور کرم تقوی ہے۔

☆ وقیل لعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیف يحاسب الله العباد فی يوم، قال کما یرزقهم فی يوم“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حساب ایک دن میں کیسے لے لے گا؟

آپ نے فرمایا جس طرح تمام مخلوق کو ہر دن رزق عطاء فرماتا ہے۔ (از قرطبی)

تنبیہ: ”اولئک لهم نصیب مما کسبوا“ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ صرف اپنے اعمال کا ہی ثواب ملتا ہے اور کسی دوسرے کے عمل کا ثواب نہیں ملتا، یہ سوچ غلط ہے۔

”قال ابن عباس فی قوله تعالى ”اولئك لهم نصيب مما كسبوا“ هو الرجل يأخذ مالا يحج به عن غيره فيكون له ثواب“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر فرمایا کہ جو شخص کسی سے مال لے کر اس کی جانب سے حج کر لے تو پیسے دینے والے کو حج کرانے والے کو ثواب حاصل ہوتا ہے اور حج بھی اسی کا ہوگا، حج کرنے والے کو مقامات مقدسہ کی زیارت اور نیک اعمال کا ثواب حاصل ہوگا، تاہم اس کا فرض حج ادا نہیں ہوگا۔

بلکہ یہ بھی خیال رہے کہ خود اپنے خرچ پر حج کر کے کسی کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے، جیسا کہ اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

”ان رجلا قال یارسول اللہ مات ابی ولم یحج ، افأحج عنه فقال النبی ﷺ لو کان علی ابیک دین فقضیتہ اما کان ذلک یجزی ؟ قال نعم ، قال فدين الله احق ان یقضی ، قال فهل لی من اجر ؟ فانزل الله تعالى (اولئك لهم نصيب مما كسبوا) یعنی من حج عن میت کان الا جربینه و بین المیت“

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا یا رسول اللہ میرے باپ فوت ہو گئے ہیں لیکن وہ حج نہیں کر سکے، کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اگر تمہارے باپ پر قرض ہو تا تو تم ادا کر دیتے تو کیا اس کو کافی ہو جاتا؟ اس شخص نے عرض کیا ہاں (کافی ہو جاتا) یا رسول اللہ۔

آپ نے فرمایا اللہ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مجھے بھی اس حج کا اجر حاصل ہوگا؟ تو اس وقت ”اولئك لهم نصيب مما كسبوا“ الفاظ مبارکہ نازل ہوئے۔ یعنی حج کرنے والے کو بھی اجر حاصل ہوگا اور جس کی جانب سے حج کیا گیا اسے بھی اجر حاصل ہوگا۔

(از قرطبی)

☆☆☆☆☆

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ☆
(سورة البقرة آیت، ۲۰۳)

﴿۱﴾

اور اللہ کی یاد کرو گئے ہوئے دنوں میں، تو جو جلدی کرے دو دن میں چلا جائے تو اس پر گناہ نہیں، اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں پر ہیزگار کے لئے، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے۔

﴿۲﴾

اور یاد کرو اللہ کو چند گنتی کے دنوں میں تو جس شخص نے جلدی کر لیا دو دنوں میں تو نہیں گناہ اس پر اور جو دیر کرے تو نہیں ہے گناہ اس پر (یہ اس کے لئے ہے) جس نے تقویٰ اختیار کیا اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو بیشک تم کو اس کی طرف جمع کیا جانا ہے۔

ما قبل سے تعلق:

حج کے احکام میں سے ابھی تک رمی (کنکریاں مارنے) کا ذکر نہیں کیا تھا، اس آیت کریمہ میں اس کا ذکر کیا جا رہا ہے، البتہ رمی کا پہلے نہ ذکر کرنا اس وجہ سے تھا کہ کنکریاں مارنے کا عمل ان کے نزدیک مشہور تھا اور اس میں انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی تھی، لیکن مشعر حرام کے پاس ذکر کرنا یا عرفات پر جانا بعض لوگوں نے چھوڑ دیا تھا اس لئے ان کا ذکر پہلے کر دیا گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کنکریاں مارنے کا ذکر پہلے اجمالی طور پر کر دیا گیا، اب تفصیلی طور پر ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ ہر کنکری کے ساتھ ”اللہ اکبر“ پڑھنا ہے۔ جو اللہ کا ذکر ہے، پہلے اللہ کے ذکر کرنے کا جب حکم دے دیا گیا تو اجمالی طور پر اس میں کنکریاں مارنے کا حکم دے دیا گیا۔

(از کبیر)

مختصر مطلب:

دس ذی الحج کو ”یوم النحر“ کہا گیا اور گیارہ، بارہ، اور تیرہ، ذی الحج کو ”ایام تشریق“ کہا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ دس ذی الحج کے بعد ایام تشریق کے دو دنوں میں یعنی گیارہ اور بارہ ذی الحج کو کنکریاں مار کر اور تکبیریں پڑھ کر اگر کوئی شخص لوٹ آئے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تیسرے دن یعنی تیرہ ذی الحج کو بھی کنکریاں مار کر لوٹے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اگرچہ گناہ نہ ہونے میں تو دونوں برابر ہیں، لیکن زیادہ ثواب اور تقویٰ اسے ہی حاصل ہوگا جو تیسرے دن یعنی تیرہ ذی الحج کو بھی کنکریاں مار کر اور تکبیریں پڑھ کر لوٹے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اللہ سے ڈرو، اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمہیں اٹھایا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی خوبی:

مختصر مطلب کو سمجھنے کے بعد اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو ذرا پھر سے دیکھیں۔ مقصد کو سمجھانے کے لئے کیا خوب ترجمہ ہے۔

”فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ“ ”تو جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے اس پر کچھ گناہ نہیں“

یعنی گیارہ اور بارہ ذی الحج کو کنکریاں مار کر اور تکبیریں پڑھ کر مکہ میں چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

”ومن تاخر فلا اثم علیہ“ ”اور جو رہ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں“

یعنی جو ایک دن کے لئے مزید منیٰ میں رہ جائے اور تیرہویں تاریخ کو بھی کنکریاں مار کر مکہ میں جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت نے ”واعلموا“ کا ترجمہ کیا ہے ”اور جان رکھو“ یعنی جانتے پہلے بھی ہو لیکن اس علم اور یقین پر قائم رہو۔

اور اعلیٰ حضرت نے ”انکم الیہ تحشرون“ کا ترجمہ کیا ہے ”تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں بیان کیا ہے کہ اگرچہ حقیقی اور لغوی معنی ”حشر“ کا جمع کرنا ہے، لیکن یہاں مجازی معنی حساب اور جزاء کے لیے اٹھایا جانا ہے۔

راقم کا ترجمہ اگرچہ اس کمال اور چاشنی سے خالی ہے جو اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں ہے، تاہم طلباء کو لغوی معنی پر مطلع کرنے کے لیے فقط لغوی معنی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

”واذکر واللہ فی ایام معدودات“ : اور یاد کرو اللہ کو چند گنتی کے دنوں میں۔

اس مقام پر ”ایام معدودات“ کہا گیا، اور سورۃ الحج میں فرمایا۔

”لیشهدوا منافع لهم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات“

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ذی الحج کے پہلے دس دن ”ایام معلومات“ (چند معلوم دن) ہیں اور ”ایام معدودات“ سے مراد ایام تشریق (گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحج) ہیں۔

”ایام معدودات“ میں تقریباً اہل علم کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد ایام تشریق ہی ہیں، کیونکہ یہاں کنکریاں مارنے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر پڑھنے کا ذکر ہے۔

البتہ ”ایام معلومات“ میں ایک قول وہی ہے جو ذکر کیا جا چکا ہے، تاہم ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد آٹھ، نو، اور دس ذی الحج (تین دن) ہیں۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آٹھ ذی الحج سے تیرہ ذی الحج تک دن مراد ہیں۔ تاہم راقم کے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ ذکر سے مراد اگر تلبیہ ہو اور ذکر کرنے والے سے مراد قرآن کرنے والا ہو تو وہ اپنے احرام سے لے کر دس ذی الحج تک کنکریاں مارنے تک تلبیہ پڑھے گا۔ اس کے ذکر کے ”ایام معلومات“ دس دن یا زیادہ ہوں گے۔

اور اگر تمتع کرنے والا ہے یا حج مفرد کرنے والا تو وہ آٹھ ذی الحج کو احرام باندھے گا اور تلبیہ پڑھے گا، اور دس ذی الحج کو کنکریاں مارنے سے تلبیہ چھوڑ دے گا، اس کے لئے ”ایام معلومات“ تین دن یعنی آٹھ، نو، اور دس ذی الحج ہوئے۔

اور اگر ذکر سے مراد عام ہو یعنی تلبیہ اور تکبیر اور تسبیح وغیرہ سب کو شامل ہو تو احرام سے لے کر آخر ایام تشریق تک وہ اللہ کا ذکر کرے گا، اس طرح دن کچھ زیادہ ہوں گے۔

☆ ”واخرج الفريابي وابن ابى الدنيا وابن المنذر عن ابن عمر في واذكروا الله في ايام معدودات قال ثلاثة ايام ايام التشريق وفي لفظ هي الثلاثة الايام بعد يوم النحر“ (درمنشور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ”واذكروا الله في ايام معدودات“ کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ ”ایام معدودات“ تین دن ہیں، یعنی ایام تشریق، تین دنوں کی وضاحت ”بعد يوم النحر“ سے بھی کی گئی ہے کہ دس ذی الحج کے بعد تین مراد ہیں۔

☆ ”واخرج الطبراني عن عبد الله بن الزبير واذكروا الله في ايام معدودات قال هن ايام التشريق يذکر الله فيهن تسبیح و تهلیل و تکبیر و تحمید“ (درمنشور)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ”واذكروا الله في ايام معدودات“ کی وضاحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”ایام معدودات“ سے مراد ایام تشریق ہیں، ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر (کثرت سے) کیا جاتا ہے، یعنی ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھے، اور لا الہ الا اللہ پڑھے اور اللہ اکبر پڑھے اور الحمد للہ پڑھے۔

☆ ”واخرج المروزي عن يحيى بن كثير في قوله واذكروا الله في ايام معدودات قال هو التكبير في ايام التشريق دبر الصلوة“ (درمنشور)

یحییٰ بن کثیر نے ”واذكروا الله الخ“ میں ذکر کیا ہے کہ ذکر سے مراد تکبیر ہے، یعنی ایام تشریق میں نمازوں کے بعد ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ کا ورد کرے۔

☆ ”واخرج ابن المنذر عن ابن عمر انه كان يكبر ثلاثا ثلاثا وراء الصلوة بمنى لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير“ (درمنشور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تمام نمازوں کے بعد تین تین مرتبہ ”اللہ اکبر“ پڑھتے۔ پھر ”لا اله الا الله وحده لا شريك له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير“

☆ "اخرج البيهقي في سننه عن سالم بن عبد الله بن عمر انه رمى الجمرة بسبع حصيات يكبر مع كل حصاة الله اكبر الله اكبر اللهم اجعله حجا مبرورا وذنبا مغفورا وعملا مشكورا وقال حدثني ابي ان النبي ﷺ كان كلما رمى بحصاة يقول مثل ما قلت" (درمنثور)

حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) نے جمرہ کو منی میں سات کنکریاں ماریں، اور ہر کنکری کے ساتھ آپ "اللہ اکبر، اللہ اکبر" پڑھ رہے تھے، اس کے بعد یہ دعا کر رہے تھے "اللہم اجعلہ حجا مبرورا وذنبا مغفورا وعمله مشكورا" اور آپ نے فرمایا میرے باپ (عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) نے مجھے حدیث بیان کی کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے کنکریاں پھینکتے ہوئے وہی کچھ کہا جو میں نے کہا۔

"ومن تعجل في يومين فلا اثم عليه ومن تاخر فلا اثم عليه":

☆ تو جو شخص جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں۔

"واخرج ابن جرير عن علي في قوله فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه قال غفر له و من تاخر فلا اثم عليه قال غفر له"

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه" کی تفسیر میں بیان کیا کہ جو شخص دس ذی الحج کے بعد دو دن کنکریاں مار کر جلدی سے مکہ میں چلا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی اس کی رب تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اور آپ نے "ومن تاخر فلا اثم عليه" کی تفسیر میں بھی یہی بیان کیا جو تیسرے دن بھی کنکریاں مار کر جاتا ہے اس پر کوئی گناہ نہیں کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

☆ "واخرج وكيع والفريابي وابن ابی شيبة وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی عن ابن مسعود فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه قال مغفور له ومن تاخر فلا اثم عليه قال مغفور له"

(درمنثور)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے بھی وہی تفسیر بیان کی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی۔

”واخرج البيهقي في سننه عن ابن عباس في الآية قال من تعجل في يومين غفر له
ومن تأخر الى ثلاثة ايام غفر له“

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ جو شخص جلدی کر کے دو دنوں میں چلا گیا اس کی مغفرت ہوگئی اور جو دیر سے گیا یعنی تین دن مکمل کر کے گیا اس کی مغفرت کر دی گئی۔

”لمن اتقى“: جس نے تقویٰ اختیار کیا (جو شخص بچا)۔ اس میں کئی احتمال ہیں۔

(۱) ”خبر لمحذوف ای ذلک التخییر المذکور“

ان وجوہ میں سے ایک یہ وجہ بھی ہے کہ ”لمن اتقى“ خبر ہے متبداً (ذلک) محذوف ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ اختیار دیا گیا ہے کہ جو دو دنوں میں کنکریاں مار کر چلا جائے یا تیسرے دن بھی مار کر چلا جائے یہ حکم اس لئے کہ وہ شخص متقی ہے۔ یعنی حج کرنے والا تقویٰ سے کام لیتا ہے۔ (روح المعانی)

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ دو دنوں میں کنکریاں مار کر جانے والا اگر چہ گنہگار نہیں اور مغفور (بخشا ہوا) ہے اور تین دن کنکریاں مار کر جانے والا بھی گنہگار نہیں اور مغفور ہے لیکن تیسرے دن کنکریاں مارنا تقویٰ کا کام ہے۔

”او هو مخير في التعجيل والتأخر وان كان التأخر افضل فقد يقع التخيير بين الفاضل

والا فضل كماخير المسافر بين الصوم والافطار وان كان الصوم افضل“ (مدارک)

اگر چہ یعنی جلدی کرنے میں اور تاخیر میں اختیار دیا گیا ہے لیکن تاخیر افضل ہے، یعنی اس مقام میں

فاضل اور افضل میں اختیار دیا گیا ہے، جس طرح مسافر کو روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں اختیار دیا

گیا ہے، اگر چہ روزہ رکھنا اس کے لئے افضل ہے۔

(۳) حج کرنے والا شخص مغفور (بخشا ہوا) ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ باقی عمر گناہوں سے بچ کر رہے، یعنی جو کام

باعث عذاب ہیں ان سے اجتناب کرتا رہے، صرف حج کے اعمال پر ہی بھروسہ نہ کرتا رہے، گویا کہ.....

”فبین تعالیٰ ان علیہم مع ذلک ملازمة التقویٰ ومجانبة الاعتزاز بالحج السابق“
رب تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے کہ حج کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے متقی بن کر رہیں،
صرف اپنے حج پر اپنی مغفرت کی دار و مدار قائم کر کے دھوکے میں نہ رہیں۔

”ان هذه المغفرة انما تحصل لمن كان متقیاً قبل حجه“

(۴)

اور وجہ اس میں یہ پائی گئی ہے کہ مغفرت ان کو حاصل ہوگی جو حج سے پہلے بھی متقی تھے۔

جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ”انما يتقبل الله من المتقین“ بیشک اللہ تعالیٰ متقین سے ہی قبول کرتا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ حج کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو، گناہوں پر نادم ہوتا ہو۔

”وحقیقته ان المصر علی الذنب لا ینفعه حجه وان کان قدادی الفرض علی الظاهر“

اس لئے کہ گناہوں پر اصرار کرنے والا حج کرے، حج کرتے ہوئے بھی خیال یہ ہی رہے کہ میرا
فلان کام چھوٹ رہا، کب گھر پہنچوں اور وہ گناہوں والے کام کروں، تو اس صورت میں اس شخص
کو حج کامل طور پر نفع نہیں دے گا۔ اگرچہ ظاہری طور پر اس کا فرض ادا ہو گیا۔

”ان هذه المغفرة انما تحصل لمن کان متقیاً عن جمیع المحظورات حال اشتغاله
بالحج“

(۵)

اور وجہ اس میں یہ ہے کہ حج سے مغفرت ان کو حاصل ہوتی ہے جو حج میں تمام ممنوع چیزوں سے
اجتناب کرتے رہیں۔

☆ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پیش فرماتے ہیں۔

”من حج لله ولم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه“

(بخاری و مسلم)

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے حج کیا اور عورتوں سے صحبت کی باتیں نہ کیں اور گناہ نہ کئے تو وہ
(حج سے) لوٹ کر ایسے آئے گا (گناہوں سے پاک و صاف ہو کر) جیسا کہ وہ آیا جس دن اس کی ماں
نے اسے جنا۔

☆ ”وعن ابی ہریرۃ مرفوعاً ”الحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة“ (بخاری مسلم)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج مبرور کی جزاء نہیں ہے سوائے جنت کے۔

☆ ”وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ الحج والعمرة ينفيان الفقر والذنوب كما ينفي الكير خبث الحديد“ (رواه الشافعي والترمذي وعن عمرو بن دينار رواه احمد)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج اور عمرہ فقر اور گناہوں کو ایسے مٹاتے ہیں جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کے زنگ کو مٹاتی ہے۔ (ماخوذ از کبیر و مظہری و بغوی)

”واتقوا الله“: اور اللہ سے ڈرو۔

تقویٰ کا جو یہ حکم دیا گیا ہے اس میں تکرار نہیں، کیونکہ یہ امر ہے، اس کا تعلق مستقبل زمانہ سے ہے، اور ”لمن اتقى“ میں ماضی کا زمانہ ہے۔

”وان التقوى عبارة عن فعل الواجبات وترك المحرمات“
بیشک تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ واجب کام کرنا اور حرام کاموں کو چھوڑنا۔

”واتقوا الله“ میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہو یعنی واجبات کو ادا کرتے رہو اور حرام کاموں سے اجتناب کرتے رہو۔

”واعلموا انكم تحشرون“: اور جان لو بیشک تمہیں اسی کی طرف جمع کیا جانا ہے۔

تقویٰ کے حکم کے بعد یہ حکم تاکید کے لئے لایا گیا ہے، اور تقویٰ پر شدت سے قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے،
”لان من تصور انه لا بد من حشرو ومحاسبة ومسألة وان بعد الموت لا دار الا الجنة
او النار صار ذلك من اقوى الدواعي له الى التقوى“
اس لئے کہ جس شخص کو یہ تصور حاصل ہو جائے کہ ہمیں رب کے حضور پیش کیا جانا ہے، ہمارا

حساب ہونا ہے اور ہمارے اعمال کے مطابق ہم سے سوال کیا جانا ہے، اور موت کے بعد جنت یا جہنم کے بغیر اور کوئی مقام نہیں ہوگا تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ خوف رکھے گا جس کی وجہ سے اسے اتنا تقویٰ حاصل ہوگا۔
(ارکبیر)

حشر کا مطلب یہ ہے کہ ان کو قبروں سے نکال کر ایک میدان میں جمع کر دیا جائے گا، البتہ حشر کی تکمیل حسب کتاب اور جزاء سے ہوگی۔ یعنی تمہیں رب تعالیٰ کی طرف اٹھایا جائے گا تا کہ وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزاء دے۔
(ارکبیر و روح السعاسی)

فائدہ: رب تعالیٰ نے فرمایا ”واعلموا انکم الیہ تحشرون“ اور جان لو بیشک تمہیں اس کی طرف جمع کیا جائے گا۔

”والمراد بقولہ (الیہ) انہ حیث لا مالک سواہ، ولا ملجأ الا الیہ ولا یستطیع احد دفعاعن نفسہ، کما قال تعالیٰ (یوم لا تملک نفس لنفس شیاً والا امریو منذلہ)“
اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”الیہ“ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ کے بغیر اور کوئی مالک نہیں رب تعالیٰ کے بغیر اور کوئی جائے پناہ نہیں اور کوئی شخص اپنے آپ سے عذاب کو مندرفع نہیں کر سکے گا۔
جیسا کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”یوم لا تملک نفس لنفس شیاً والا امریو منذلہ“

(الانفطار ۱۹)

جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے۔ (ارکبیر)

احادیث مبارکہ:

اگرچہ طریقہ حج کے آخر میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی بحث کو ذکر کیا جا چکا ہے، لیکن اس آیت کی تفسیر کے آخر میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے چند احادیث درمنشور میں ذکر فرمائی ہیں، جو نبی کریم ﷺ کی زیارت سے متعلق ہیں۔
محبت مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے ہی علامہ سیوطی رحمہ اللہ غیر مقلدین اور ان کے حاشیہ برداروں (چیموں) کو پسند نہیں آتے۔

پہلی بحث اور اس بحث میں بعض احادیث کے تکرار کو باعث برکت سمجھا جائے، تکرار کو بے فائدہ قرار نہ دیا جائے۔

☆ ”اخرج ابن حبان فی الضعفاء وابن عدی فی الکامل والدارقطنی فی العلل عن ابن

عمر عن النبی ﷺ قال من حج ولم یزرنی فقد جفانی“ (در منثور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تحقیق اس نے مجھ پر جفاء کی۔ (یعنی ظلم کیا)

☆ ”واخرج ساعد بن منصور وابو یعلی والطبرانی وابن عدی والدارقطنی والبیہقی

فی الشعب وابن عساکر عن ابن عمر قال قال رسول ﷺ من حج فزار قبری بعد

وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی“ (در منثور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حج کیا، پھر میری

وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

یعنی میری طرف سے اس پر نظر رحمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا اگرچہ اسے مقام صحابیت حاصل نہیں ہوگا،

کیونکہ صحابیت کا تعلق آپ کی ظاہری حیات سے ہے۔

☆ ”واخرج الحکیم الترمذی والبزار وابن خزیمۃ وابن عدی والدارقطنی والبیہقی

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من زار قبری وجبت له شفاعتی“ (در منثور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی

اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگی۔

☆ ”واخرج الطبرانی عن ابن عمر قتل قال رسول اللہ ﷺ من جاءنی زائرالم تنزعہ

حاجة الازیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعاً یوم القیمة“ (در منثور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص میری زیارت کے لئے آیا،

اور وہ اپنے ذاتی کسی کام سے نہیں آیا بلکہ صرف میری زیارت کے لئے آیا تو مجھ پر لازم ہو جاتا

ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی (خصوصی) شفاعت کروں۔

☆ ”واخرج الطيالسي والبيهقي في الشعب عن عمر سمعت رسول الله ﷺ يقول من زار قبري كنت له شفيعا او شهيدا ومن مات في احد الحرمين بعثه الله في الآمنين يوم القيامة“
(درمنثور)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی میں اس کا شفیع (شفاعت کرنے والا) ہوں گا اور اس کا گواہ ہوں گا اور جو شخص حرمین (حرم مکہ اور حرم مدینہ) میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن میں رہنے والوں میں اٹھائے گا۔ (یعنی اسے اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوگا)

☆ ”واخرج البيهقي عن حاطب قال قال رسول الله ﷺ من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي ومن مات باحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة“ (درمنثور)
حاطب کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی اور جو شخص حرمین میں سے ایک میں فوت ہو گیا اسے قیامت کے دن امن میں رہنے والوں میں اٹھایا جائے گا۔

☆ ”واخرج العقيلي في الضعفاء والبيهقي في الشعب عن رجل من آل الخطاب عن النبي ﷺ قال من زارني متعمدا كان في جوارى يوم القيامة ومن سكن المدينة وصبر على بلائها كنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة ومن مات في احد الحرمين بعثه الله من الآمنين يوم القيامة“
(درمنثور)

آل خطاب میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے صرف میری زیارت کے ارادہ سے میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے قریب ہوگا اور جو شخص مدینہ طیبہ میں رہا اور وہاں کی مصیبتوں کو برداشت کیا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا

اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک مقام پر فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن میں رہنے والے لوگوں میں اٹھائے گا۔

”واخرج ابن ابی الدنیا والبیہقی عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال من زارنی بالمدينة محتسبا كنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة“ (درمنثور)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مدینہ میں میری زیارت کی، صرف نیکی کی غرض سے، قیامت کے دن میں اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔

”واخرج البيهقي عن ابن عمر انه كان ياتي القبر فيسلم على رسول الله ﷺ ولا يمس القبر ثم يسلم علي ابی بکر ثم علي عمر“ (درمنثور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے مزار پر حاضر ہوتے تھے تو قبر کو مس نہیں کرتے تھے پھر ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو سلام پیش کرتے تھے۔

”واخرج البيهقي عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ما من عبد يسلم على عند قبري الا وكل الله بها ملكا يبلغني وكفى امر آخرته ودنياه و كنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة“ (درمنثور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر سلام پڑھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے جو میرے پاس وہ سلام پہنچاتا ہے، اس شخص کو دنیا اور آخرت کے معاملات کے لئے کافی ہوتا ہے اور قیامت کے دن میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔

”واخرج البيهقي عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال ما من مسلم يسلم على الا رد الله على روحی حتی ارد عليه السلام“ (درمنثور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں جو

مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

☆ ”واخرج البيهقي عن محمد بن المنكدر قال رأيت جابرا وهو يبكي عند قبر رسول الله ﷺ وهو يقول هنا نسكب العبرات سمعت رسول الله ﷺ يقول ما بين قبري ومنبري روضة من رياض الجنة“ (در منثور)

محمد بن المنکدر فرماتے ہیں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے مزار کے پاس روتے ہوئے دیکھا اور آپ کہہ رہے تھے کہ ہم یہاں آنسو بہاتے ہیں کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

☆ ”واخرج ابن ابی الدنيا والبيهقي عن منيب بن عبد الله بن ابی امامة قال رأيت انس بن مالک اتی قبر النبی ﷺ فوقف فرفع یدیه حتی ظننت انه افتتح الصلوة فسلم علی النبی ﷺ ثم انصرف“ (در منثور)

منیب بن عبد اللہ ابی امامہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی قبر شریف پر آتے ہوئے دیکھا، آپ آئے، وہاں ٹھہرے تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ نماز شروع فرما رہے ہیں، تو آپ نے نبی کریم ﷺ پر سلام پڑھا، پھر واپس چلے گئے۔

☆☆☆☆☆

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ

عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ☆ (سورة البقرة آیت نمبر ۲۰۴)

﴿۱﴾

اور بعض آدمی وہ کہ دنیا کی زندگی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ لائے اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے۔

﴿۲﴾

اور لوگوں میں سے کوئی وہ شخص ہے جو تعجب میں ڈالتا ہے آپ کو اپنی بات سے دنیا کی زندگی میں، اور گواہ لاتا ہے اللہ کو اس چیز پر جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ بہت زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے۔

ما قبل سے تعلق:

”فقد قسم الله الناس على اربعة اقسام الاول من يطلب الدنيا لا غير، ومنهم من يطلب الدنيا والآخرة، ومنهم من يظهر انه من اهل الآخرة مع انه في الواقع من اهل النار ومنهم من هو مو من ظاهرا وباطنا وذكرهم على هذا الترتيب“ (صاوی)

تحقیق اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو صرف دنیا کو طلب کرتے ہیں آخرت کی کچھ طلب نہیں کرتے، ان کو آخرت میں کوئی ثواب حاصل نہیں ہوگا ان کا ذکر اس آیت کریمہ میں فرمایا ”فمنهم من يقول ربنا آتنا في الدنيا وماله في الآخرة من خلاق“

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو دنیا میں بھلائی طلب کرتے ہیں اور آخرت میں بھلائی طلب کرتے ہیں، اور آگ کے عذاب کی پناہ چاہتے ہیں، ان کا ذکر ان الفاظ مبارکہ سے فرمایا ”ومنهم من

يقول ربنا آتانا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقننا عذاب النار

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں حالانکہ ان کا آخرت پر کوئی ایمان نہیں وہ جہنم میں جائیں گے، ان کا ذکر اس آیت میں کیا ”ومن الناس من يعجبك“ الخ

اور چوتھی قسم کے وہ لوگ ہیں جو ظاہر اور باطناً مومن ہیں۔ ان کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کا ذکر آنے والی آیت مبارکہ میں کیا ”ومن الناس من يشري نفسه ابتغاء مرضات الله“ الخ

شان نزول:

اس کے شان نزول میں چند وجہ ہیں۔

- (۱) ایک وجہ ان میں سے یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے اخس بن ثریق ثقفی کے متعلق۔ جس کا نام ابی بن ثریق تھا۔ یہ بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر اسلام کو ظاہر کیا، اور اس پر قسم اٹھا کر کہتا کہ میں مخلص مومن ہوں، نبی کریم ﷺ نے بھی شرعی قانون کا پاس کرتے ہوئے اس کے ظاہر قول کا اعتبار کیا۔ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه“ کا یہی مطلب ہے۔ ”غير انه كان منافقا حسن العالانية خبيث الباطن“ لیکن حقیقت میں وہ منافق تھا، ظاہری طور پر بڑے خلوص کا اظہار کرتا تھا لیکن باطنی طور پر نفس میں خباثت رکھتا تھا۔

پھر وہ نبی کریم ﷺ کے دربار سے نکل کر مسلمانوں کی کھیتی سے گذرنا تو کھیتی کو آگ لگا دی، اور گدھوں کو مار ڈالا، اس کے اس عمل کا تذکرہ آنے والی آیت کریمہ میں آ رہا ہے۔

تنبیہ: بعض حضرات نے ”يعجبك قوله“ کی وجہ یہ بیان کی کہ اخس نے نبی زہرہ کو بدر کے دن پیچھے ہٹ

جانے کا مشورہ دیا اور ان کو یہ کہا۔

”ان محمد ابن اختکم فان یک کا ذبا کفوہ سائر الناس وان یک صادقاً کنتم

اسعد الناس به“

کہ بے شک محمد تمہاری بہن کا بیٹا ہے (وہ قبیلہ نبی کریم ﷺ کا نا نہال تھا) اگر جھوٹا ہے تو تمہاری جانب سے اور لوگ اسے کافی ہو جائیں گے اور اگر سچا ہے تو تم اس کے نزدیک نیک بخت ہو جاؤ گے۔

سب نے اس کی رائے کو پسند کیا کہ تم ٹھیک کہتے ہو، اس نے اپنے پیروکار تین سو آدمیوں کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دے دیا، اسی وجہ سے اسے اخس کہا گیا ہے۔ کیونکہ ”خس“ کا معنی ہے پیچھے ہٹ جانا، اس کی اس بات کو نبی کریم ﷺ نے بہت عجیب سمجھا۔ لیکن علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس وجہ کو رد کیا ”آپ فرماتے ہیں۔

”وعندی ان هذا القول ضعيف وذلك لانه بهذا الفعل لا يستوجب الذم“

میرے نزدیک یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ باعث مذمت نہیں حالانکہ ان آیات میں اس کی مذمت

بیان کی گئی ہے۔

(۲) اس آیت کریمہ کے شان نزول کی اور وجہ یہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک نے بیان فرمائی

ہے کہ کفار قریش نے نبی کریم ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ بیشک ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے آپ ہماری راہنمائی کے لئے اپنے اصحاب میں سے کچھ علماء کو بھیجیں، نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف ایک جماعت کو بھیجا، وہ جب بطن رجب میں پہنچے تو کفار کو خبر ملی، ستر سواروں نے ان کا احاطہ کر لیا اور ان کو شہید کر کے سولی پر چڑھا دیا۔

”ففيهم نزلت هذه الآية ولذلك عقبه من بعد بذكر (من يشرى نفسه ابتغاء مرضاة

الله) منها بذلك على هؤلاء الشهداء“

ان لوگوں کی مذمت میں اس آیت کریمہ کو نازل کیا اور آنے والی آیت کریمہ میں شہید ہونے

والوں کا ذکر ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔ (از کبیر)

بطن رجب کے مقام میں شہید ہونے والوں میں حضرت عاصم بن ثابت اور حضرت ضعیب رضی اللہ عنہما بھی تھے،

منافقین نے شہید ہونے والے حضرات کے متعلق کہا۔

”و یح ہؤلاء القوم لا ہم قعدوا فی بیوتہم ولا ہم ادوارسالة صاحبہم“

یہ لوگ ہلاک ہو گئے نہ گھروں میں بیٹھے اور نہ ہی اپنے صاحب (نبی کریم ﷺ) کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مذمت میں اس آیت کریمہ کو اور شہداء کی شان میں آنے والی آیت کو نازل فرمایا۔
(قرطبی)

(۳) حضرت قتادہ اور مجاہد اور دوسرے اہل علم کی ایک جماعت کا قول یہ ہے۔

”نزلت فی کل مبطن کفرا و نفاقا و کذبا و اضرا را و هو یظہر بلسانہ خلاف ذلک فہی عامۃ“
(قرطبی)

کہ یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کی مذمت میں نازل ہوئی ہے جو باطنی طور پر کافر ہو، یعنی اوپر سے مسلمان اور اندر سے کافر ہو یا منافق ہو یا جھوٹا ہو، یعنی دعویٰ اسلام میں جھوٹا ہو، یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والا ہو، یعنی زبان سے جس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے وہ اس کے دل میں نہیں پائی گئی۔

شان نزول میں یہ قول ترمذی کی اس روایت کے مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض کتب میں ہے۔

”ان من عباد اللہ قوم ما السنتہم احلی من العسل و قلو بہم امر من الصبر یلبسون للناس جلو دا لضان من اللین یشترون الدنیا بال دین یقول اللہ تعالیٰ ابی یغترون و علی یجترون فی حلفت لا تیحن لہم فتنۃ تدع الحلیم منہم حیران“
(قرطبی)

کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں میں کچھ ایسی قومیں ہوں گی جن کی زبانیں شہادت میں بھی ہوں گی، اور ان کے دل مصبر (ایلو) سے زیادہ کڑوے ہوں گے، وہ لوگوں کے لئے بھیڑ کے چمڑوں سے بھی نرم لباس پہنے ہوں گے، دنیا کو دین کے بدلے حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ میری وجہ سے دھوکا میں مبتلا ہوں گے اور مجھ پر وہ جرات کریں گے، مجھے اپنی ذات کی قسم میں ان پر ایسا فتنہ مسلط کروں گا جو بڑے بڑے صابروں کو حیران کر دے گا۔

تمام اقوال میں محاکمہ:

اگرچہ آخری وجہ شان نزول کی ابن کثیر کے نزدیک بھی معتبر ہے اور کبیر میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

”وہو اختیار اکثر المحققین من المفسرین“ یہی قول اکثر محققین مفسرین کرام کا ہے۔

تاہم اس میں بہتر محاکمہ یہ پایا گیا ہے جو محمد بن کعب قرظی نے بیان کیا ہے۔

”فلا یمتنع ان تنزل الآية فی الرجل ثم تكون عامة فی کل من کان موصوفاً بتلك

الصفات“ (کبیر)

کہ ہو سکتا ہے آیہ کریمہ نازل تو خاص اخص بن شریق کی مذمت میں ہوئی ہو لیکن بعد میں الفاظ

کی عمومیت کے پیش نظر ہر منافق کو شامل ہو۔

عموم پر دلالت کی وجوہ:

یعنی آیہ کریمہ کا شان نزول اگرچہ خاص بھی مان لیا جائے تو الفاظ کے عموم کے لحاظ پر عام رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

(۱) حکم کسی مناسب وصف پر مرتب ہوتا ہے، جس میں علت بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے

ایک قوم کی مذمت بیان کی ہے اور ان کی وہ صفات بیان کی ہیں جو باعث مذمت ہیں، تو ہمیں واضح طور پر

معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کی مذمت کی وجہ ان کی بری صفات ہیں۔

”فیلزم ان کل من کان موصوفاً بتلك الصفات ان یکون مستوجبا للذم“

تو ضروری ہے کہ بے شک ہر وہ جو ان صفات سے متصف ہوگا (یعنی جس شخص میں بھی یہ صفات پائی

جائیں گی) وہ مذمت کا مستحق ہے۔

(۲) ”ان الحمل علی العموم اکثر فائدة“ عمومی معنی لینے میں فائدہ زیادہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عاقل و بالغ شخص کو برے طریقے سے روکنا لازم آئے گا۔

(۳) اگر آیت کریمہ کو عام معنی پر معمول کریں تو اس میں زیادہ احتیاط ہے، اس لئے کہ جب حکم تمام منافقوں کے متعلق ہوگا تو ان میں وہ خاص شخص یعنی اخنس بن شریق بھی آجائے گا۔ جب حکم اس کے لئے خاص ہوگا تو عام لوگوں کو شامل نہیں ہوگا۔

”فثبت بما ذکرنا ان حمل الآية على العموم اولی“

جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ آیت کریمہ کو عموم پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اس سے بھی زیادہ عموم بہتر ہے:

اس آیت کریمہ اور آنے والی دو آیتوں میں مجموعی طور پر پانچ بری صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ صفات خواہ منافقوں میں پائی جائیں یا ریاء کاری کرنے والے مسلمانوں میں پائی جائیں، سب ہی مذمت کے مستحق ہوں گے اور سب کو ان سے باز رہنا ضروری ہے۔

ان صفات مذمومہ میں سے ایک صفت یہ ذکر فرمائی گئی۔

”يعجبك قوله في الحياة الدنيا“ تعجب میں ڈالتی ہے تمہیں اس کی بات دنیا کی زندگی میں۔

یعنی دنیا میں وہ بظاہر میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے جو جھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔ یہ صفت منافق میں پائی جائے یا مسلمان میں، باعث مذمت ہے۔ اس وصف والے شخص کو اس بری صفت سے باز رہنا ضروری ہے۔ اور بری صفت یہ بیان کی گئی ہے۔

”ویشهد الله على مافی قلبه“ اور گواہ بناتا ہے اللہ کو اس چیز پر جو اس کے دل میں ہے۔

اس صفت کو صفت مذمومہ (بری) اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ظاہر طور پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر یعنی قسم اٹھا کر اپنے دل کے خلوص اور اپنی سچائی کو پیش کرتا ہے۔ ”مع ان قلبه بخلاف ذلك“ باوجود اس کے کہ وہ سچا نہیں، اس کے دل میں اس کے خلاف ہوتا ہے۔

یہ بری صفت (یعنی جھوٹی قسمیں اٹھا کر دل کے خلوص کو پیش کرنا اور حقیقت میں اس کے خلاف ہونا) خواہ منافق میں پائی جائے یا مسلمان میں وہ قابلِ مذمت ہے، انسان کو اس بری صفت سے باز آنا ضروری ہے۔

اور تیسری بری صفت رب تعالیٰ نے بیان فرمائی۔

”وہو الدالخصام“ وہ سخت جھگڑالو ہے۔

لہذا شرعی جواز کے بغیر کسی سے جھگڑا کرنا بری صفت ہے اور خصوصاً اس بری صفت میں اور ہی زیادہ مبتلا ہونا زیادہ ہی باعثِ مذمت ہوگا، لہذا یہ صفت مذمومہ خواہ منافق میں پائی جائے یا مسلمان میں وہ مذمت کا مستحق ہوتا ہے، لہذا اس صفت والے شخص کو چاہئے کہ وہ اس سے باز آ جائے۔

اور چوتھی بری صفت یہ بیان کی گئی ہے۔

”واذ اتولى سعى فى الارض ليفسد“ اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے۔

لہذا سامنے میٹھی میٹھی باتیں کرنا اور بڑے خلوص کا اظہار کرنا اور پیچھے فساد پھیلانا بہت بری صفت ہے، یہ بری صفت خواہ منافق میں پائی جائے یا مومن میں وہ مذمت کے قابل ہے، ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ اس بری صفت سے دور رہے۔

اور پانچویں بری صفت کا رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔

”واذا قيل له اتق الله اخذته العزة بالاثم“

اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔

یعنی جب اسے گناہ سے روکا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، تو وہ اپنی دنیاوی عزت کی وجہ سے اور ہی زیادہ ضد میں آ جاتا ہے اور ضد کی وجہ سے اور ہی زیادہ گناہ شروع کر دیتا ہے۔

لہذا یہ صفت مذمومہ خواہ منافق میں پائی جائے یا مسلمان میں وہ مستحقِ مذمت ہے، ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ

اس بری صفت سے باز آ جائے۔

اس مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ یہ بانچ بری صفات منافق میں ضرور پائی جاتی ہیں، لیکن ابھی یہ صفات بعض مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔

”ثبت انا متی حملنا الآیة علی الموصوف بهذه الصفات الخمسة دخل فیها المنافق والمرائی“

تو واضح ہوا کہ آیہ کریمہ کا جب ہم مطلب یہ لیں گے کہ جو شخص بھی ان بری صفات والا ہوگا وہ مستحقِ مذمت ہے تو اس میں منافق اور ریاء کار مسلمان دونوں ہی شامل ہوں گے۔ (از بیہ ہتھ ف)

نتیجہ واضح ہوا کہ آیہ کریمہ نازل تو ایک منافق کی مذمت میں ہوئی، لیکن الفاظ کی عمومیت کی وجہ سے منافق کو شامل ہے، بلکہ ریاء کار مسلمان بھی ضمناً اس میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ان صفات مذمومہ سے محفوظ رکھے۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

”ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیوة الدنیا“ میں ”فی الحیوة الدنیا“ جار مجرور ہیں۔ اس طرف کا تعلق ”یعجب“ سے ہے۔ یا ”قوله“ سے ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں۔

” (فی الحیوة الدنیا) متعلق بالقول ای ما یقولہ فی امور الدنیا واسباب المعاش اوفی معنی الدنیا فانہا مرادہ من ادعاء المحبة و اظهار الایمان “

جب اس طرف کا تعلق قول سے ہو تو دو معنی ہوں گے، ایک ان میں یہ ہے کہ لوگوں میں کوئی وہ شخص ہے جس کی دنیا کے معاملات کے متعلق اور اسباب معیشت (دنیا کے گذران کے اسباب) کے متعلق باتیں آپ کو تعجب میں ڈالتی ہیں۔ اور ان معانی میں سے دوسرا معنی یہ ہے کہ اس شخص کی باتیں دنیا کو حاصل کرنے کے متعلق آپ کو تعجب میں ڈالتی ہیں۔ کیونکہ اس کا دعویٰ محبت اور اظهار ایمان دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کے لئے ہے۔

خیال رہے تعجب کا معنی کسی چیز کو عمدہ سمجھنا۔ اور اپنے نفس میں کسی چیز کو عظیم سمجھنا اور جس چیز سے تعجب آ رہا ہو اس کی وجہ سے حیران ہونا۔

اگر ظرف کا تعلق ”يعجب“ سے ہو تو معنی یہ ہے، اس شخص کی باتیں دنیا میں آپ کو تعجب میں ڈالتی ہیں، کیونکہ ان میں چاشنی یعنی مٹھاس پائی جاتی ہے اور ان میں فصاحت پائی جاتی ہے۔ لیکن آخرت میں ان کی باتیں آپ کو تعجب میں نہیں ڈال سکیں گی۔ کیونکہ اس پر دہشت طاری ہوگی اور اس کی زبان میں لکنت ہوگی، وہ باتیں رک رک کر کرے گا، جن میں تعجب کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔

یاد دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اس کو رب تعالیٰ کی طرف سے کلام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اور طلباء کرام یہ بھی خیال کریں کہ ”قول“ بمعنی ”مقول“ کے ہے۔ (از بیضاوی و شیخ زادہ)

”ویشہد اللہ علی ما فی قلبہ“ اور گواہ بناتا ہے اللہ کو اس چیز پر جو اس کے دل میں ہے۔

”فالمعنی انه یقرر صدقہ فی کلامہ ودعواہ بالاستشہاد باللہ“

معنی یہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے کہ میں اپنے کلام میں سچا ہوں۔

اس میں پھر دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہو، ساتھ ساتھ قسمیں بھی اٹھاتا ہو کہ میں اپنے دعویٰ میں سچا ہوں۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ قسمیں تو نہ اٹھاتا ہو لیکن وہ دعویٰ کی سچائی پر فقط اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہو۔

تنبیہ: عام قراء نے ”یشہد“ کو یاء کے ضمہ (پیش) سے پڑھا ہے اور ضمیر قائل کی طرف لوٹ رہی ہے کہ وہ شخص اللہ کو گواہ بناتا ہے اس چیز پر جو اس کے دل میں ہے۔

لیکن ابن محیسن کی قرأت میں ”یشہد“ یاء کے فتح (زبر) سے پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا۔

”ان اللہ یعلم من قلبہ خلاف ما اظہرہ“

بیشک اللہ گواہ ہے یعنی اللہ جانتا ہے کہ اس کے دل میں اور ہے اور ظاہر اور کر رہا ہے۔

یعنی اس کے دل میں وہ چیز نہیں جو زبان سے ظاہر کر رہا ہے۔

”وہوالد الخصام“: وہ بہت سخت جھگڑا لو ہے۔

”الد“ الشدید الخصومة ”سخت جھگڑا کرنا۔“ الخصام جمع خصم ”خصام خصم کی جمع ہے جس کا معنی جھگڑا کرنا۔“ الدالخصام ای اشد الخصوم خصومة ”یعنی“ الدالخصام ”کا معنی یہ ہے کہ بہت زیادہ جھگڑا کرنا۔ مطلب تو یہی ہے، البتہ مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں مختلف الفاظ ذکر فرمائے ہیں۔

”الدالخصام معناه طالب لا یتقیم“

حضرت مجاہد نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے ایسی راہ کو طلب کرنے والا جو سیدھی نہ ہو۔

”وقال السدی اعوج الخصام“ سدی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ”ٹیزھی راہ پر چلنے والا“

”وقال قتادة الدالخصام معناه انه جدل بالباطل شدید القسوة فی معصية الله عالم

اللسان جاهل العمل“

حضرت قتادہ نے ”الدالخصام“ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ باطل طریقہ سے جھگڑا کرنے والا،

اللہ تعالیٰ کی معصیت میں سختی سے قائم رہنے والا، زبان سے علم رکھنے والا، عمل سے جاہل۔

مطلب سب معانی کا ایک ہی ہے ”بہت زیادہ جھگڑا کرنے والا“ (از کبیر)

”وقد اخرج البخاری ومسلم عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ ابغض الرجال

الی اللہ تعالیٰ الالدالخصم“

بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

اللہ تعالیٰ کو لوگوں میں زیادہ ناپسند وہ شخص ہے جو زیادہ جھگڑا لو ہے۔ (روح المعانی)

”واخرج احمد عن ابی الدرداء کفی لک اثمان لاتزال مما ریاو کفی بک ظالما

ان لاتزال مناصماو کفی بک کاذبا ان لاتزال محدثا الاحديث فی ذات الله“

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تیرے گنہگار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ تو ریاء کاری

سے باز نہ آئے، اور تیرے ظالم ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جھگڑے سے باز نہ آئے اور تیرے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ تو زیادہ باتیں کرنے سے باز نہ آئے، سوائے اس کلام کے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعریف میں جو کلام کرے گا، یا شریعت کے متعلق جو کلام کرے گا اس کا ثواب حاصل ہوگا، لیکن دنیاوی بے فائدہ باتیں اکثر طور پر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں۔

”وَشِدَّةُ الْخُصُومَةِ مِنْ صِفَاتِ الْمُنَافِقِينَ لَا نَهْمُ يَحِبُّونَ الدُّنْيَا فَيُكْثِرُونَ الْخِصَامَ عَلَيْهَا“
اور زیادہ جھگڑا کرنا منافقین کی صفت ہے کیونکہ وہ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور دنیا کی وجہ سے زیادہ جھگڑا کرتے ہیں۔
(روح المعانی)

”وَاخْرَجَ الطُّسْتِيُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَافِعَ بْنِ الْأَزْرَقِ سَأَلَهُ عَنْ قَوْلِهِ وَهُوَ الدَّالُّ الْخِصَامَ قَالَ الْجَدَلُ الْمَخَاصِمُ فِي الْبَاطِلِ قَالَ وَهَلْ تَعْرِفُ الْعَرَبُ ذَلِكَ قَالَ نَعَمْ أَمَا سَمِعْتَ قَوْلَ مَهْلَهْلٍ“

وخصيما الدذا مغلاق

ان تحت الاحجار حزماء وجورا

نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ”الدال الخصام“ کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا باطل میں جھگڑا کرنا، نافع نے پوچھا کیا اہل عرب نے یہ معنی لیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، کیا تم نے مہلہل کا شعر نہیں دیکھا، اس نے اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔

بے شک پتھروں کے نیچے سختی اور ظلم پایا گیا ہے۔ اور باطل راہ پر چلنے والے پر حق کے دروازے بند ہیں۔
(درمنثور)

”وَاخْرَجَ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَابُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ مِنْ كُنْ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمِنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ حَتَّى يَدَّعِيَهَا إِذَا اتَّخَذَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا

خاصم فجر“

عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص میں چار چیزیں پائی جائیں وہ خالص منافق کے قریب ہے اور جس میں ان چار سے ایک پائی جائے اس میں منافقت کی علامت پائی گئی، یہاں تک کہ وہ ان کو چھوڑ دے (وہ چار چیزیں یہ ہیں) اس کے پاس جب امانت رکھی جائے وہ خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب معاہدہ کرے تو دھوکا کرے، اور جب جھگڑا کرے تو فحش کرے۔ (گالی گلوچ اور بیہودگی سے کام لے) (درمنثور)

☆ ”واخرج الترمذی والبیہقی عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ کفی بک اثمان

لا تزال مخاصما“ (درمنثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا گنہگار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ تم جھگڑا کرنے سے باز نہ آؤ۔ (ترمذی، بیہقی)

☆ ”واخرج احمد عن ابی الدرداء قال من کثر کلامه کثر کذبه ومن کثر حلفه کثر اثمہ

ومن کثر خصومته لم یسلم دینہ“

حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں جو شخص زیادہ باتیں کرتا ہے وہ زیادہ جھوٹا ہوتا ہے۔ اور جو شخص زیادہ قسمیں اٹھائے وہ زیادہ گنہگار ہوتا ہے اور جو شخص زیادہ جھگڑا کرے اس کا دین سلامتی میں نہیں رہتا۔ (درمنثور)

تنبیہ: ”وفی هذه الآية دلیل وتنبيه علی الاحتیاط فیما يتعلق بامور الدین والدنیا“

اس آیت کریمہ میں اس پر دلیل ہے اور اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ دین اور دنیا کے معاملات میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

گواہوں کے احوال کو دیکھا جائے کہ یہ سچے ہیں یا جھوٹے، خفیہ طور پر گواہوں کے محلہ میں آدمی بھیج کر ان کے متعلق پتہ چلائے کہ وہ کیسے ہیں، ان کے سامنے علانیہ طور پر ان کے متعلق پتہ چلائے۔ بغیر چھانٹ بینٹ کے صرف ان کے ظاہری احوال کو دیکھ کر کوئی فیصلہ نہ کرے۔

ابتداء اسلام میں تو صرف کسی کا کلمہ طیبہ پڑھ لینا اس کے مؤمن ہونے کے لئے کافی تھا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا۔ ”امرت ان اقاتل حتی یقولوا لا اله الا الله“

مجھے حکم دیا گیا کہ میں کفار سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہیں ”لا اله الا الله“

لیکن بعد میں جب فساد عام ہو گیا، مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے کفار نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا، اور

بظاہر مسلمانوں سے محبت کرتے لیکن حقیقت میں وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے۔ ان حالات میں ابن عربی رحمہ اللہ کا

قول یہ ہے۔ ”قلت والصحيح ان الظاهر يعمل عليه حتى يتبين خلافه“

کہ صحیح یہ ہے کہ ظاہر پر عمل کیا جائے لیکن اگر اس کے خلاف ظاہر ہو تو ضرور تحقیق کرے صرف

ظاہر پر عمل نہ کرے۔

☆ اسی کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بخاری شریف میں مذکور ہے۔

”ايها الناس ان الوحي قد انقطع وانما نأخذكم الان بما ظهر لنا من اعمالكم، فمن

اظهر لنا خيرا امناه وقربناه، وليس لنا من سريره شيء، الله يحاسبه في سريره ومن اظهر

لنا سوا لم نؤمنه ولم نصدقہ وان قال ان سريره حسنة“

آپ نے فرمایا، اے لوگو! بیشک وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اب ہم تمہارے ظاہری اعمال کو دیکھیں

گے، جس شخص نے ظاہری طور پر بہتر عمل کئے، ہم اسے امن دیں گے اور ہم اسے اپنے قریب

کریں گے، ہمیں کسی کے باطن کے متعلق کچھ علم نہیں، اس کے باطنی عقائد و اعمال کا حساب رب

تعالیٰ کے ہاں ہوگا، ہاں اگر ہمیں کسی شخص کی برائیوں کے متعلق پتہ چل گیا تو ہم اسے امن نہیں

دیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ کسی شخص کا

باطن نیک ہو لیکن ظاہر اس کے خلاف ہو تو وہ شخص امن کا مستحق نہیں ہوگا۔ (از قرطبی)

”دعوی المحبة والخلوص بدون المواطاة من فعل الملاحدة والزنادقة والمحب لا يفعل الا ما يحب محبوبه“

محبت و خلوص کا صرف زبانی دعویٰ پایا جائے اور دل میں محبت اور خلوص نہ پائے جائیں تو یہ فعل ملحد اور زندیق (بدین) لوگوں کا کام ہے۔ محبت صرف وہی کام کرتا ہے جو اس کے محبوب کو پسند ہو۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

تعصى الاله وانت تظهر حبه هذا لعمري في الفعال بديع
تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ مجھے میری عمر کی قسم یہ تو عجیب کام ہے (یعنی یہ تو بہت غلط کام ہے)۔

لو كان حبك صادقا لأطعته ان المحب لمن احب مطيع
اگر تیری محبت سچی ہوتی تو میں اس کی اطاعت کرتا۔ بیشک محبت اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔
حافظ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

بصدق كوش كه خورشيد ز ايد از نفست
كه از دروغ سياه روے گشت صبح نخست
سچائی میں كوشش كر كه سچائی كى وجه سے تيرے نفس كا سورج روشن هوگا۔ كه جھوٹ سے تيرى صبح
صادق بهي سياه هو جائے گی۔
(روح البيان)

☆☆☆☆☆

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ

وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ☆ (سورة البقرة آیت نمبر ۲۰۵)

۴۱۹

اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں۔

۴۲۰

اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو چلتا ہے زمین میں تاکہ فساد پھیلانے اس میں اور تباہ کرے کھیتی اور جانوں کو اور اللہ نہیں پسند فرماتا فساد کو۔

شان نزول:

(۱) یہ آیت کریمہ بھی اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی، کیونکہ اس کے اور بنی ثقیف کے درمیان جھگڑا تھا، اس نے ایک رات ان کی کھیتی کو آگ لگا دی اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کر دیا۔

(۲) شان نزول کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اخنس بن شریق نے طائف کے ایک شخص سے قرض لینا تھا، جب اس کے پاس قرض لینے کے لئے گیا تو اس کی کاٹی ہوئی کھیتی کے ڈھیر کو آگ لگا دی اور اس کے گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں۔ (خازن)

”وَإِذَا تَوَلَّى“: ”ای ادبر و اعرض عنک بعد اِلَانَةِ الْقَوْلِ وَحَلَاوَةِ الْمَنْطِقِ“

جب وہ آپ سے پیٹھ پھیرتا ہے، یعنی آپ سے نرم گفتگو کرنے کے بعد اور میٹھی باتیں کرنے کے بعد جب وہ اعراض کرتا ہے۔ (خازن)

”سَعَى فِي الْأَرْضِ“: ”ای سار و مشی فی الارض، تو زمین میں چلتا ہے۔“ (خازن)

”والسعی هنا بمعنى القصد“ یہاں سعی کا معنی ہے ارادہ کرنا۔ (صانوی)

یعنی جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو فساد پھیلانے کا ارادہ کرتا ہے۔

”(سعی) ای اسرع فی المشی او عمل“ یعنی سعی کا معنی ہے چلنے میں جلدی کرنا، یا عمل میں جلدی کرنا۔

یعنی جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو جلدی جلدی چلتا ہے اور مکمل کوشش کرتا ہے زمین میں فساد پھیلانے کی۔

(روح السعای)

”لیفسد فیها“ : تاکہ اس میں فساد پھیلائے۔

”فساد“ مختلف معانی میں استعمال ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ان کو اسلام

سے دور کرنا۔

اور فساد کا معنی یہ بھی ہے کہ لوگوں کے درمیان اپنے کلام سے اختلاف پیدا کرنا، یعنی ادھر اور ادھر کی باتیں کر

کے لوگوں کو لڑانا۔

اور فساد کا معنی قطع رحمی، اور فساد کا معنی خون بہانا۔ اس آیت کریمہ میں یہی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے تاکہ آنے

والے الفاظ مبارکہ ”ویهلك الحرث والنسل“ اس کا بیان بن سکیں۔ (ماخوذ دار کبیر)

ایک اور تفسیر:

”وقيل معناه (واذا تولى) ای صار والیا و ملک الأمر سعی فی الارض لیفسد فیها

یعنی با لظلم والعدوان کما یفعله ولایة السوء والظلمة“ (خازن)

اور تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ (واذا تولى) کا معنی ہے جب وہ والی (حاکم) بن جاتا ہے۔ اب

مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ اپنے امور کا والی بن جاتا ہے اور خود مختار ہوتا ہے تو زمین میں ظلم و ستم اور

لوگوں پر زیادتی کرنے سے فساد پھلتا ہے، جیسے برے اور ظالم حکام زمین میں فساد برپا کر کے

تباہی اور بربادی پھیلا دیتے ہیں۔

تیسری تفسیر:

”وقیل یظهر ظلمہ حتی یمنع اللہ بشؤم ظلمة القطر (ای المطر) فیہلک الحرث والنسل“

(خازن)

جب وہ والی بن جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلاتا ہے تو اس کے ظلم کی نحوست کی وجہ سے بارشیں نہیں ہوتیں، جس کی وجہ سے کھیتیاں اور جانیں برباد ہو جاتی ہیں۔

”واللہ لا یحب الفساد“: اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔

”ای لا یرتضیہ فاخذروا غضبه علیہ“

اللہ تعالیٰ فساد پر راضی نہیں بلکہ وہ فساد پر غضب فرماتا ہے، اس لئے فساد نہ پھیلا کر اس کے غضب سے بچ کر رہو۔

اعتراض:

یہ کس طرح کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ خود چیزوں کو تباہ و برباد کرتا ہے، کھیتوں کو وہ تباہ کرتا ہے، جانوں کو وہ ہلاک کرتا ہے۔

جواب:

”ان الافساد فی الحقیقة اخراج الشئ عن حالة محمودة لا لغرض صحیح وذلك غیر موجود فی فعل اللہ تعالیٰ ولا هو امر به ولا محب له وما نراه من فعله ونظنه بظاہرہ فسادا فهو بالاضافة الینا واعتبارنا له كذلك واما بالنظر الالہی فكله صلاح وحکمة ولهذا قال بعض الحكماء یا من افساده اصلاح یعنی ان ما نظنه افسادا فانما هو لقصور نظرنا ومعرفةنا وهو فی الحقیقة اصلاح محض“

فساد پھیلانے کا حقیقی معنی یہ ہے کہ ایک چیز کو اچھی حالت (قابل تعریف حالت) سے نکال دینا جبکہ اس میں کوئی صحیح غرض نہ پائی جائے ایسا فساد پھیلانا اللہ تعالیٰ کے افعال میں نہیں اور نہ ہی وہ اس کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی وہ اسے پسند کرتا ہے ہم جو اللہ تعالیٰ کے افعال میں لوگوں اور جانوروں اور دوسری اشیاء کی ہلاکت دیکھتے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ فساد ہے وہ درحقیقت ہماری وجہ سے بربادی آتی ہے اس کا حقیقت میں سبب ہم ہوتے ہیں (جس کو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمادیا)
 ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیدیقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون
 (سورۃ الروم آیت ۴۱)

ظاہر ہوا فساد خشکی اور تری میں بوجہ اس کے جو کسب کیا لوگوں کے ہاتھوں نے (یعنی لوگوں کے عمل کی وجہ سے) تاکہ چکھائے مزہ ان کو ان کے بعض کرتوتوں کا تاکہ وہ باز آجائیں۔

وہی کام جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو تمام کام تمام کام ہی اصلاح پر مبنی ہوتا ہے اور اس میں حکمت پائی جاتی ہے اسی وجہ سے کسی حکیم (صاحب علم دانا) نے کہا ہے اللہ! تو وہ ذات ہے کہ تیرا فساد پھیلانا بھی اصلاح ہے۔ اگر غور فکر کیا جائے تو بات واضح طور پر یہ علم حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں اصلاح ہی اصلاح ہے صرف ہم اپنے علم کی کمی کی وجہ سے اور کوتاہ نظر کی وجہ سے رب تعالیٰ کے افعال کو فساد سمجھتے ہیں۔
 (از بیضاوی و شیخ زادہ)

☆ ”واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن مجاہد انہ سئل عن قولہ (واذ تولی سعی فی الارض) قال یری فی الارض فیعمل فیہا بالعدوان والظلم فیحبس اللہ بذلک القطر من السماء فہلک بحبس القطر الحرث والنسل (واللہ لا یحب الفساد) ثم قرأ مجاہد ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس الخ (درمنثور)

مجاہد رحمہ اللہ سے ”واذ تولی سعی فی الارض“ آیت کریمہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص والی (حاکم) بن جاتا

ہے تو وہ لوگوں پر ظلم ستم شروع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارشوں کو روک دیتا ہے آسمانوں سے کوئی قطرہ بارش کا نہیں آتا بارشوں کے رک جانے کی وجہ سے کھیتیاں اور نسلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ پھر مجاہد رحمہ اللہ نے ”واللہ لا یحب الفساد“ کا مطلب بیان کرتے ہوئے بطور دلیل سورۃ الروم کی وہ آیت پڑھی جس کا ذکر قریب ہی ہو چکا ہے۔

”ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس“
ظاہر ہوا فساد خشکی اور تری میں بوجہ لوگوں کے اعمال کے۔

معتزلہ کی غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

”واللہ لا یحب الفساد“ سے معتزلہ نے یہ سمجھا کہ محبت اور ارادہ ایک چیز ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ جب یہ کہا جائے کہ ”اللہ پسند نہیں کرتا فساد کو“ تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد کا ارادہ نہیں کرتا۔ لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ یہ ہے۔

”ان الارادة غیر المحبة فان الانسان قد یرید شیاً و لا یحبہ وذلک لاتہ قدیتنا و الدواء المرو لا یحبہ“

کہ بیشک ارادہ اور چیز ہے اور محبت اور چیز ہے، ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ انسان کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس سے محبت نہیں کرتا، جیسا کہ لڑوی دواء انسان اپنے ارادہ سے پی لیتا ہے، لیکن اس لڑی کے پینے میں اسے محبت نہیں ہوتی۔

”وقیل ان المحبة مدح الشی وتعظیمہ والارادة بخلاف ذلک“

محبت اور ارادہ میں ایک اور فرق یہ بیان کیا گیا ہے کہ محبت میں ایک چیز کی تعریف کی جاتی ہے اور اس کی تعظیم کی جاتی ہے لیکن ارادہ میں کسی چیز کی مدح اور تعظیم کا پایا جانا ضروری نہیں۔ (خازن)

تنبیہ:

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ”النسل“ کا معنی ”جائیں“ کیا ہے اور راقم نے بھی وہی نقل کیا ہے، کیونکہ یہ ان کی روح چیز کو ”النسل“ کہا گیا ہے۔

”والنسل ما خرج من کل انثی من ولد“

کسی مونث سے جو بچہ پیدا ہو، خواہ وہ بچہ مذکر ہو یا مونث اسے نسل کہا جاتا ہے۔

اصل معنی اس کا نکلنا اور گرنا ہے ”نسل الشعر“ بال گر گئے ”نسل ریش الطائر“ پرندے کے پر گر گئے، اسی طرح بال نکل آئے، اور پر نکل آئے، بھی ان الفاظ کا معنی ہے۔

فائدہ:

اس آیت کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ زمین کاشت کرنا، کھیتی باڑی کرنا اور درخت لگانا اور حیوانوں کی پرورش کرنا جن سے نسل کی افزائش (نسل بڑھے) ہوا افضل ہے۔

”وبذلک یتم قوام الانسان وهو یرد علی من ترک الاسباب“

اسی سے انسان کے قوام (مادہ اور جسم) کی تکمیل ہوتی ہے۔ لہذا ان حضرات کا اس آیت کریمہ میں رد موجود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صرف توکل سے کام لیا جائے، اسباب کی طرف نہ دیکھا جائے، ان کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ اسباب کا ذکر خود رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

☆ ”عن جابر ان النبی ﷺ دخل علی ام مبشر الانصاریة فی نخل لها فقال لها رسول اللہ ﷺ من غرس هذا النخل مسلم ام کافر فقالت بل مسلم فقال لا یغرس مسلم غرسا ولا یرزع زرعاً فیا کل منه انسان ولا دابة ولا شیء الا کانت له صدقة“

(مسلم ج ۲ باب فضل الغرس والزرع)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بے شک نبی کریم ﷺ ام مبشر انصاریہ کے باغ میں داخل ہوئے تو ان سے

پوچھا یہ کھجور کے درخت کس نے لگائے ہیں مسلمان نے یا کافر نے؟ انہوں نے یہ عرض کیا یہ مسلمان نے لگائے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان درخت نہیں لگاتا اور نہ ہی کھیتی باڑی کرتا ہے کہ اس سے انسان کھائیں اور جانور کھائیں اور کوئی چیز بھی (پرندے درندے وغیرہ) کھائے مگر یہ کہ اسے صدقہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ کھیتی باڑی کرنا اور درخت لگانا افضل ہے، جو دانے یا پھل انسان کھائیں گے یا جانور کھائیں گے یا پرندے اور درندے کھائیں گے، تو اس شخص کو صدقہ کا ثواب ملے گا، جس نے فصل کاشت کیا یا درخت لگائے۔

گزشتہ سے پیوستہ:

فساد کا معنی خراب کرنا بھی آتا ہے۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔

”قطع الدراهم من الفساد فی الارض“ درہم کو توڑنا (یعنی خراب کرنا) بھی زمین میں فساد پھیلانا ہے۔

عطاء بن منبہ نے احرام کی حالت میں جب پہنا ہوا تھا تو نبی کریم ﷺ نے ان کو جبہ اتارنے کا حکم دیا، تو انہوں نے جبہ اتار دیا۔

”قال قتادة قلت لعطاء انا كنا نسمع ان يشقها فقال عطاء ان الله لا يحب الفساد“

قتادہ کہتے ہیں میں نے عطاء کو کہا ہم تو سنتے تھے کہ جبہ کو پھاڑ کر جسم سے ہٹا دیا جائے، تو عطاء نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی جبہ کو پھاڑنا جبہ کو خراب کرنا ہے اور کسی چیز کو خراب کرنا فساد ہے، جسے رب تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

(قرطبی)

☆☆☆☆

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلِبِئْسَ

الْمِهَادُ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۰۶)

﴿ ۱ ﴾

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی ایسے کو
دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے۔

﴿ ۲ ﴾

اور جب کہا جاتا ہے اسے ڈر اللہ سے، پکڑ لیتی ہے اسے عزت بسبب گناہ کے، تو
کافی ہے اسے جہنم اور البتہ وہ برا ٹھکانا ہے۔

مختصر مطلب:

یہ اسی شخص کی ایک اور بری صفت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جب اسے کہا جاتا ہے تو اللہ سے ڈر، اپنے قول و فعل و
رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق رکھ، تو وہ اپنے باطل گمان کے مطابق اور اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنی توہین سمجھتا ہے، اور
ضد میں آکر اور ہی گناہ کرتا ہے کہ میں بڑا عزت والا شخص تھا تو یہ مجھے فساد کی کہہ رہے ہیں۔
رب تعالیٰ نے اس شخص کی سزا کا حکم ذکر فرمایا کہ اسے جہنم کافی ہے، اور جہنم اس کا برا بچھونا اور برا ٹھکانا ہے۔

”وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ“: اور جب کہا جاتا ہے ڈر اللہ سے۔

ما قبل سے تعلق:

ہو ا عوج المقال سی الفعال فبین قوله وفعله، کلامہ کذب واعتقاده فاسد و افعاله
قبیحہ، فاذا وعظ هذا الفاجر فی مقاله وفعاله وقیل له اتق الله وانزع عن قولک
وفعلک وارجع الی الحق امتنع وابی

یعنی وہ شخص جس نے شریق میڑھی باتیں کرنے والا تھا یعنی بظاہر میٹھی باتیں کرتا تھا لیکن حقیقت میں وہ جھوٹا تھا، اور اس کے افعال (کام) برے تھے، کیونکہ وہ لوگوں کی کھیتوں کو برباد کرتا تھا اور انسانوں اور مویشیوں کو ہلاک کرتا تھا، تو رب تعالیٰ نے پہلے اس کے جھوٹے کلام کا ذکر فرمایا، پھر اس کے برے افعال کا ذکر فرمایا کہ اس کا کلام جھوٹا ہے اور اس کا اعتقاد فاسد ہے کہ وہ بظاہر اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں ایمان دار ہی نہیں بلکہ کافر و منافق ہے اور اس کے افعال بھی برے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اس فاسق و فاجر (منافق) کو نصیحت کی گئی کہ تو اپنے اقوال اور افعال کو درست کر اور حق کی طرف آ، یعنی حق راہ پر چل، تو اس نے انکار کر دیا، اپنے اقوال و افعال کو اس نے درست نہ کیا۔

(از صابونی)

”اخذته العزة بالاثم“: پکڑ لیا اس کو عزت نے بوجہ گناہ کے۔

عظمت قرآن پر قربان:

بظاہر یہ مختصر جملہ ہے، یعنی تھوڑے الفاظ ہیں لیکن اس کے بہت بڑے مطالب ہیں۔

”العزة، القوة والغلبة“ عزت کا معنی قوت اور غلبہ ہے۔ ”عزه يعزه“ لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہوتا ہے وہ شخص اس پر غالب آگیا۔

”وقيل العزة هنا الحمية“ اور بیان کیا گیا ہے کہ عزت کا معنی یہاں حمیت ہے۔

عزت نفس کی وجہ سے، اور خاندان کی عزت کی وجہ سے جوش میں آنا حمیت کہلاتا ہے۔

”وقيل العزة هنا المنعة وشدة النفس“

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں عزت کا معنی منع کرنا، طاقت رکھنا اور نفس میں شدت کا آنا۔

(۱) اس جملہ کے مختلف معانی میں سے ایک معنی یہ ہے۔

”اعتز فی نفسه وانتحی فاوقعته تلک العزة فی الاثم حین اخذته والزمته ایاہ“
اپنے آپ کو وہ عزت والا سمجھتا ہے اور ارادہ رکھتا ہے کہ میں عزت والا رہوں تو اس کا عزت والا
ہونے کا باطل گمان اسے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، کیونکہ اس کا عزت کو لازم پکڑنا ہی تکبر ہے
جو گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) ان معانی میں دوسرا معنی جو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

”اذاقیل له مهلا ازداد اقدا ما علی المعصية“

کہ جب اسے کہا جاتا ہے رک جا، یعنی اللہ سے ڈر، گناہوں سے باز آ جا، تو وہ اور ہی زیادہ گناہ
کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے ”اور جب اسے کہا جائے اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی“
ان معانی میں تیسرا معنی یہ ہے۔ (۳)

”اخذته العزة بما یؤثمہ ای ارتکب الکفر للعزة وحمية الجاهلية“

اسے عزت پکڑتی ہے بوجہ اس چیز کے جو اسے گناہ میں ڈالتی ہے، یعنی وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے
بوجہ اپنی عزت کے اور جاہلانہ حمیت کے۔

(۴) ان معانی میں سے چوتھا معنی یہ ہے۔

”الباء فی ”بالاثم“ بمعنی اللام ای اخذته العزة والحمية عن قبول الوعظ للاثم الذی
فی قلبه وهو النفاق“

”بالاثم“ میں باء بمعنی لام کے استعمال ہے، یعنی اس کو عزت اور حمیت نے پکڑا ہے بوجہ اس گناہ
کے جو اس کے دل میں واقع ہے، یعنی نفاق جو اس کے دل میں واقع ہے، اسی وجہ سے وہ نصیحت
قبول نہیں کرتا۔

راقم کے ترجمہ پر ذرا پھرتے نظر کریں تو بفضلہ تعالیٰ یہی ترجمہ آپ کو نظر آئے گا۔

(۵) ان معانی میں سے پانچواں معنی یہ ہے۔

”الباء بمعنی مع ای اخذته العزة مع الاثم“

یعنی ”بالا اثم“ میں باء بمعنی ”مع“ کے ہے، اب معنی یہ ہوگا اس کو عزت نے پکڑا ہے بمع گناہ کے۔

(ارقرطبی)

”فحسبه جهنم“: تو کافی ہے اس کو جہنم۔

”حسبه ای کافیہ معاقبہ و جزاء“ یعنی اس کی جزاء اور عذاب کے لئے جہنم اس کے لئے کافی ہے۔

عرب حضرات اسی کے مطابق یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔

”کفاک ما حل بک وانت تستعظم وتعظم علیہ ما حل“

جو ذات تجھے حاصل ہوئی تیرے لئے یہی کافی ہے، تو بڑا بنتا تھا یہ ذلت ہی تیری بڑائی ہے۔ (قرطبی)

”ولبئس المهاد“: اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

بنی طلبا، توجہ فرمائیں:

”لبئس“ میں لام موطنہ للقسیم ہے، جواب قسم مقدر ہے اور مخصوص بالذم بھی محذوف ہے۔ (روح المعانی)

اب معنوی طور پر عبارت یہ بن گئی۔

”والله لبئس الفراش جهنم“ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی برا ہے بچھونا جہنم۔ (روح البیان)

”مهاد“ کا معنی فرش بچھانا، اور جائے قرار یعنی ٹھکانا، اور سونے کے لئے بچھونا۔

راقم نے طلبا کو دوسرا معنی ذہن نشین کرانے کے لئے ترجمہ کیا ہے ”ٹھکانا“

اور اعلیٰ حضرت نے ترجمہ کیا ہے ”بچھونا“

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس عبارت کے مطابق ہے۔

”وقال بعض العلماء المهاد الفراش للنوم فلما كان المعذب في النار يلقى على نار جهنم جعل ذلك مهاداله وفراشا“

بعض علماء نے کہا ہے کہ ”مهاد“ کا معنی سونے کا بچھونا ہے اس لئے کہ جب آگ کا عذاب دیا جائے گا تو اسے جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا جو اس کے لئے بچھونا ہوگا، جو برا بچھونا ہوگا۔

(از کبیر)

”جہنم“ کے متعلق بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے جو بعد میں عربی میں بھی استعمال ہونے لگا، یہ نام ہے اس آگ کا جس سے آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔

کچھ اور حضرات نے کہا ہے کہ یہ لفظ شروع سے ہی عربی ہے، آخرت میں عذاب دینے والی آگ کا یہ نام اس لئے رکھ لیا گیا ہے کہ اس آگ کو بہت گہرائی میں رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے عرب حضرات گہرے کنویں کو ”رکیۃ جہنم“ کہتے ہیں۔

(از کبیر)

☆ ”قال ابن مسعود رضي الله عنه من اكبر الذنب عند الله ان يقال للعبد اتق الله فيقول عليك نفسك“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں جب کسی بندے کو کہا جائے ”اتق اللہ“ (تو اللہ سے ڈر) تو وہ کہے تو اپنے نفس کو لازم پکڑ (تو اپنا خیال کر مجھے چھوڑ)

(روح البیان)

☆ ”وقيل لعمر بن الخطاب رضي الله عنه اتق الله فوضع خده على الارض تواضعاً لله تعالى“

ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کسی نے کہا ”اتق اللہ“ (اللہ سے ڈر) تو آپ نے یہ الفاظ مبارکہ سنتے ہی اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے اپنے رخسار زمین پر رکھ دیئے۔ (روح البیان)

ہارون الرشید کا خوف خدا:

ایک یہودی کو ہارون الرشید سے کوئی کام تھا، اس کا کوئی مطالبہ تھا، لیکن ایک سال میں اس نے کئی چکر لگا دیئے، ہارون الرشید تک اس کی پہنچ نہ ہو سکی اور نہ ہی اس کی حاجت کو پورا کیا گیا، ایک دن وہ یہودی ہارون الرشید کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا، جو وہ دروازے سے باہر نکلا تو یہ دوڑ کر آگے آگیا اور کہنے لگا۔

”اتق الله يا امير المؤمنين“

اے امیر المؤمنین اللہ سے ڈرو۔

ہارون اپنی سواری سے اتر اور سجدہ میں گر گیا۔ جب اس نے سر اٹھایا تو اس کی حاجت کو پورا کرنے کا حکم دیا، تو کچھ درباریوں نے کہا، اے امیر المؤمنین! ایک یہودی کی بات پر تم سواری سے اتر آئے؟ اس نے کہا اصل وجہ یہ نہیں، چونکہ اس نے جب مجھے کہا ”اتق الله“ تو مجھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یاد آ گیا ”واذا قيل له اتق الله“ الخ (قرطبی)

☆☆☆☆☆

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ

بِالْعِبَادِ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۰۷)

﴿۱﴾

اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

﴿۲﴾

اور جو شخص سودا کرتا ہے اپنی جان کا طلب کرتے ہوئے رضاء اللہ کی، اور اللہ

مہربان ہے بندوں پر۔

شان نزول میں چند وجوہ:

شان نزول میں اگرچہ مفسرین کرام نے چند وجوہ بیان کی ہیں، تاہم راقم کے نزدیک وہ تمام وجوہ پہلے درپیش آئیں اور آیہ کریمہ کا نزول بعد میں ہوا، جو سب کو شامل ہے۔

(۱) حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف نبی کریم ﷺ کی ملاقات کی غرض سے ہجرت کی، تو قریش نے ان کا پیچھا کیا، اسی طرح عمار بن یاسر اور ان کی والدہ سمیہ اور ان کے باپ یاسر اور حضرت بلال اور خباب بن ارت اور حضرت ابوذر اور عابس رضی اللہ عنہم کو کفار نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور ان کو عذاب دیا، حضرت ابوذر اور خباب بن ارت تو بھاگ کر نکل گئے اور مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے، اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو مشرکین نے دواؤں کے درمیان باندھ کر اونٹوں کو ہانک دیا، اس طرح وہ شہید ہو گئیں اور حضرت یاسر کو بھی شہید کر دیا اور دوسرے حضرات نے مشرکین کے مطالبہ پر کچھ مال دے کر اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ اور حضرت صہیب رومی.....

فنزل عن راحلته ونثر ما فی کفایتہ واخذ قوسه ثم قال یا معشر قریش، لقد علمتم

انسی من اذ ما کم رجلا وایم اللہ لا تصلون الی حتی ارمی بما فی کفایتی ثم اضرب

بسیفی ما بقی فی یدی منه شیء ثم افعلوا ما شئتم

اپنی سواری سے اتر آئے اور اپنے ترکش سے تیر پھیلا دئے اور کمان کو ہاتھ میں پکڑا، پھر قریش کو کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں تم تمام سے زیادہ تیر اندازی میں ماہر ہوں۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میرے ترکش میں تیر ہیں، اس وقت تک تو میں تیر پھینکوں گا، پھر تلوار ہاتھ میں لوں گا، جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی، اس وقت تک تلوار سے خوب قتال کروں گا۔ پھر تم جو چاہو کر لینا۔

پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں ایک بوڑھا شخص ہوں، میں تم میں رہوں یا تمہارے دشمن کے پاس رہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

”فقالوا لناعلی بیتک ومالک بمکة ونخلى عنک“

تو انہوں نے کہا تم ہمیں مکہ میں اپنے گھر اور مال کی راہنمائی کر دو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔

آپ نے کہا ٹھیک ہے تم میرے ساتھ معاہدہ کرو کہ تم مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس جانے دو گے، رکاوٹ نہیں بنو گے، تو میں اپنے مال پر تمہیں مطلع کر دیتا ہوں، تم میرا مال لے لو، انہوں نے آپ سے معاہدہ کر لیا، آپ نے ان کو مال کا پتہ بتا دیا۔

اس طرح یہ بھی جان خلاصی کرا کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے، جب آپ مدینہ طیبہ پہنچے تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ان کو سودے کی مبارک دی، انہوں نے پوچھا تمہیں کیسے علم حاصل ہوا؟ تو انہوں نے بتایا کہ قرآن پاک کی آیہ نازل ہو چکی ہے (وہ یہی آیت تھی) پھر ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی تو آپ نے فرمایا ”ایسا حی ربح البیع ربح البیع“ اے ابویہی (یہ صہیب کی کنیت ہے) بڑا نفع مند سودا ہوا، بڑا نفع مند سودا ہوا۔ (از کبیر و روح المعانی)

(۲) شان نزول کی اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ آیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی کہ ہجرت کی رات اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر آپ نبی کریم ﷺ کی چار پائی اور بستر پر سو گئے تاکہ لوگوں کی امانتیں واپس کر کے آپ میں آجائیں، جب آپ نبی کریم ﷺ کی چار پائی اور بستر پر سوئے ہوئے تھے۔

”قام جبریل علیہ السلام عند رأسه ومیکائیل عند رجليه وجبریل بنا دی بخ بخ

من مثلک یا ابن ابی طالب یا ہی اللہ بک الملائکة ونزلت الآية“

تو جبریل آپ کے سر کے پاس کھڑے ہو گئے اور میکائیل پاؤں کے پاس کھڑے ہو گئے، جبریل آپ کو پکار کر کہہ رہے تھے، اے ابن ابی طالب! تمہارے لئے خوشی کا مقام ہے اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر کر رہا ہے۔ تو اس واقعہ کے بعد آیہ کریمہ کا نزول ہوا۔ (از کبیر)

(۳) اس آیہ کریمہ کی وجہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ بیان فرمائی کہ یہ آیت ہر اس شخص کے متعلق نازل ہوئی جس کو ”امر بالمعروف ونہی عن المنکر“ (اچھے کام کا حکم دینا اور برے کام سے روکنے) کی وجہ سے تکالیف دی گئیں۔ (قرطبی)

(۴) تفسیر کواشی میں ہے کہ یہ آیہ حضرت زبیر بن عوام اور آپ کے دوست مقداد بن اسود کے متعلق نازل ہوئی، اس لئے کہ جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ نے سولی پر چڑھا دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”من ينزل خبيبا عن خشبة فله الجنة“ جو شخص خبیب کو سولی سے اتارے گا اس کے لئے جنت ہے۔ تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں اور میرے دوست مقداد ان کو اتاریں گے، انہوں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ان کو سولی سے اتارا تو ان کے حق میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ:

”عن ابی ہریرۃ قال بعث النبی ﷺ سرية عينا وأمر عليهم عاصم بن ثابت وهو جد عاصم بن عمر الخطاب فانطلقوا حتى اذا كانوا بين عسفان ومكة ذكروا الحي من هذيل يقال لهم بنو لحيان فتبعوهم بقريب من مائة رام فاقتفوا آثارهم حتى اتوا منزلا نزلوه فوجدوا فيه لجؤا الى فدفد وجاء القوم فاحاطوا بهم فقالوا لكم العهد والميثاق ان نزلتم اليانا ان لا نقتل منكم رجلا فقال عاصم اما أنا فلا انزل في ذمة كافر اللهم اخبر عن رسولك فقاتلوهم

فرمو ہم حتی قتلوا عاصما فی سبعة نفر بالنبل وبقی خیب وزید ورجل آخر فاعطوهم العهد و الميثاق فلما نزلوا اليهم فلما استمكنوا منهم حلوا اوتار قسيهم فربطوهم بها فقال الرجل الثالث الذي معهم هذا أول الغدر فابی ان يصحبهم فجروه وعالجوه علی ان يصحبهم فلم يفعل فقتلوه وانطلقوا بخیب وزید حتی باعوهما بمكة فاشترى خیباً بنو الحارث بن عامر بن نوفل و كان خیب هو الذي قتل الحارث يوم بدر فمكث عندهم اسيراً حتی اذا اجتمعوا علی قتله استعار موسى من بعض بنات الحارث يستحذ بها فاعارته قالت فغفلت عن صبی لی فدرج الیه حتی اتاه فوضعه علی فخذه فلم يزل يئته فزعت فزعة عرف ذلك منی وفي يده الموصی فقال اتخشين منی ان اقتله ما كنت لأفعل ذلك ان شاء الله تعالى وكانت تقول ما رأيت اسيراً قط خيراً من خیب لقد رأيتہ يأكل من قطف عنب وما بمكة يومئذ ثمرة وانه لموثق فی الحديد وما كان رزقا الا رزقه الله خیباً فلما خرجوا به من الحرم لیتقلوه قال دعونی اصلى ركعتين فصلی ركعتين ثم انصرف فقال لو لا ترون ان مابی جزع من الموت لزدت فكان اول من سن ركعتين عند القتل وقال اللهم احصهم عدداً ، وقال

فلست ابالي حين اقتل مسلماً
على ای جنب كان فی الله مصرعی
وذلك فی ذات الاله وان يشأ
یبارک علی اوصال شاو ممزغ

ثم قام الیه عقبة بن الحارث فقتله وبعث قريش الی عاصم لیؤتوا بشی من جسده بعد موته و كان قتل عظیماً من عظیمائهم يوم بدر فبعث الله علیه مثل الظلة من الدبر فحمته من رسلهم فلم یقدر وامنه علی شیء

زاد فی رواية واخبر یعنی النبی ﷺ اصحابه يوم اصبوا خبرهم
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے سریہ (رجع) کے موقع پر (کفار کے مطالبہ پر کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے ہماری رہنمائی کے لئے کچھ اصحاب کو بھیجیں) دس صحابہ کرام کو بھیجا، جن پر

امیر عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، یہ عاصم بن ثابت عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے۔ یہ حضرات چلے جب عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچے تو بنی ہذیل کو ان کے متعلق پتہ چلا، بنو ہذیل بنی لحيان بھی کہا جاتا ہے اس قبیلہ کے ایک سوتیر انداز (اور ایک سو غیر مسلح) لوگوں نے ان کا پیچھا کیا، ان کے اور ان کی سوار یوں کے قدموں کے نشانات کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں یہ ٹھہرے ہوئے تھے، ان لوگوں نے کھجور کی ایک گٹھلی کو اٹھایا تو کہنے لگے کہ یہ گٹھلی تو یثرب (مدینہ طیبہ) کی کھجور کی ہے، یہ مدینہ سے ہی آئے ہیں، آخر کار وہ ان کے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ جب عاصم اور ان کے ساتھیوں نے ان کفار کو دیکھا تو ایک ٹیلے کی پناہ لی (تو ایک ٹیلے پر چڑھ گئے) کفار نے ان کا احاطہ کر لیا، اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ پختہ عہد کرتے ہیں کہ اگر تم ہماری طرف اتر کر آ جاؤ تو ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے، حضرت عاصم نے کہا میں تو کسی کافر کا ذمی بن کر (کافر کی پناہ میں آ کر) نہیں اترتا، (رب تعالیٰ کے حضور دعاء کی) اے اللہ ہماری طرف سے اپنے رسول کو خبر پہنچادے۔

انہوں نے کفار سے لڑائی کی، تیر مارے یہاں تک کہ حضرت عاصم اور ان دوسرے چھ ساتھی یعنی کل سات کی تعداد میں صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ اور حضرت خبیب اور زید اور ایک صحابی باقی رہ گئے۔ ان سے کفار نے پھر وعدہ کی پیش کش کی کہ تم اتر آؤ، ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے، انہوں نے ان کے وعدہ کا اعتبار کر لیا، یہاں تک کہ ٹیلے سے اتر آئے، کفار جب ان کو پکڑنے پر قادر ہو گئے تو انہوں نے اپنی کمانوں کے چمڑے کے دھاگے کھول کر ان کو باندھ لیا۔ تیسرے صحابی کہنے لگے یہ ان کا پہلا غدر (دھوکہ) ہے، میں تو ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا، انہوں نے گھسیٹا، اور پھر دھوکہ دے کر اپنے ساتھ چلانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، کفار نے ان کو بھی شہید کر دیا۔ خبیب اور زید رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر چلے اور ان کو مکہ میں جا کر بیچ دیا، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن نوفل کے بیٹوں نے خرید لیا، کیونکہ خبیب نے حارث کو بدر میں قتل کر دیا تھا۔ ان کا

خبیب کو قتل کرنے پر اتفاق ہو گیا۔ تو خبیب نے حارث کی ایک بیٹی سے استرہ عاریۃ طلب کیا تاکہ آپ زیناف بال صاف کر لیں۔ تو اس نے ان کو استرہ عاریۃ دے دیا۔

وہ حارث کی بیٹی کہتی ہے اس دوران میری غفلت سے میرا چھوٹا بچہ خبیب کے پاس چلا گیا خبیب نے اسے اپنی ران پر بٹھالیا میں خبیب کے ہاتھ میں استرہ دیکھ کر بہت زیادہ گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئی۔ خبیب نے میری پریشانی کو دیکھ کر کہا، کیا تم ڈر رہی ہو کے میں بچے کو قتل کر دوں گا میں انشاء اللہ ایسا کبھی نہیں کروں گا حارث کی بیٹی کہتی تھی میں نے خبیب جیسا بہتر کوئی نہیں دیکھا (سبحان اللہ کیا شان ہے صحابہ کرام کی، کہ وہ قتل کرنے کی تیاری کر رہے ہیں لیکن خبیب کہتے ہیں میرے نبی کریم ﷺ نے میدان جنگ میں بھی بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے تو میں کیوں قتل کروں)

حارث کی بیٹی کہتی ہے کے میں نے خبیب کو انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا، حالانکہ اس وقت مکہ میں انگور کا پھل موجود نہیں تھا خبیب کو لوہے کی بیڑیاں لگی ہوئی تھی کھانے پینے کی کوئی چیز ان کو نہیں دی جا رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ ان کو رزق عطا کر رہا تھا۔

جب حارث کے بیٹے آپ کو شہید کرنے کی غرض سے حرم سے باہر لے جا رہے تھے تو آپ نے کہا مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے کی اجازت دو انہوں نے اجازت دی، تو آپ نے دو رکعت مختصر طور پر ادا کیں اور ساقمہ یہ کہا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ آتا کہ تم کہو گے میں موت سے گھبرا رہا ہوں تو میں نماز کو لمبا کرتا۔

شہادت کے وقت دو رکعت نماز ادا کرنے کو سب سے پہلے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی رواج دیا۔ پھر آپ نے کہا اے اللہ! ان سب کو شمار کر لے (یعنی ان کو تباہ برباد کر دے) آپ کی دعا کا ہی اثر تھا کہ حارث کے تمام بیٹے جو آپ کو شہید کرنے میں شریک تھے تھوڑے ہی عرصہ میں ذلت کی موت مرے) پھر آپ نے یہ شعر پڑھے۔

”ترجمہ“ مجھے کوئی پرواہ نہیں میں حالت اسلام میں شہید ہو رہا ہوں۔ جس جانب بھی میں گراؤں

اللہ کی رضا کے لئے ہوگا۔ جب میری شہادت اللہ کی رضا کے لئے ہے تو ان شاء اللہ وہ میرے جسم کے ٹکڑوں اور جوڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔

پھر عقبہ بن حارث نے آپ کو شہید کر دیا۔

قریش نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ وہ عاصم کے جسم کا ٹکڑا کاٹ کر لائیں (تاکہ وہ استنکا کر دل کی پیاس بجھائیں) کیونکہ عاصم نے بھی ان کے ایک بڑے سرکردہ شخص کو بدر میں قتل کیا تھا۔ لیکن جب وہ لوگ حضرت عاصم کی لاش کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں اور بھڑکوان کی لاش کی حفاظت کے لئے بھیج دیا، جنہوں نے ان کے جسم پر سایہ کر دیا، کفار ان کے جسم کا حصہ کاٹنے میں ناکام رہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ میں ان صحابہ کرام سے درپیش آنے والے واقعہ کی خبر دے رہے تھے کہ اب فلاں کو شہید کیا جا رہا ہے اب فلاں کو۔

تنبیہ: بخاری شریف کی اس روایت کے بغیر اور روایات میں واقعہ کی تفصیل کچھ مزید بھی ہے۔

بنو حارث جب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حرم سے باہر تنعمیم میں لے گئے تو انہوں نے کہا کہ خبیب کو زندہ ہی سولی پر لٹکا دیا جائے تو جب آپ کو سولی پر لٹکا دیا گیا تو آپ نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا۔

”اللہم انک تعلم انه لیس لی احد حولی یبلغ سلامی رسولک فابلغہ سلامی“

اے اللہ تو جانتا یہ کہ بیشک کوئی شخص میرے ارد گرد ایسا نہیں جو میرا سلام تیرے رسول ﷺ کو پہنچائے اس لئے تو ہی میرا سلام پہنچا دے۔

تو ابو میسرہ سلامان نے آپ کے سینہ پر نیزہ رکھا تو آپ نے فرمایا ”اتق اللہ“ اللہ سے ڈر۔

لیکن اس نے کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ کے سینہ میں نیزہ گاڑ دیا۔ ادھر عقبہ بن حارث نے شہید کر دیا۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حضرت خبیب کی شہادت اور سولی پر چڑھائے جانے کی خبر دی، اور یہ فرمایا کہ جو شخص خبیب کو سولی سے اتارے گا، اس کے لئے جنت ہے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ (نبی کریم ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے) نے عرض کیا میں اور میرے دوست مقداد بن اسود اتاریں گے۔ یہ چلے گئے، رات کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے، ایک رات مکہ مکرمہ کے مقام تنعیم میں پہنچ گئے، سولی کے ارد گرد چالیس مشرکین پہریدار موجود تھے، لیکن وہ سب سوئے ہوئے تھے، حضرت زبیر نے خبیب کو سولی سے اتار لیا۔

”فاذا هو رطب ينشني ولم يتغير منه شئى بعد اربعين يوما ویده على جراحته وهى تبض دما اللون لون الدم والريح ريح المسك“

چالیس دن گزر چکے تھے، لیکن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا جسم تروتازہ تھا، خون رس رہا تھا، حضرت زبیر کا ہاتھ آپ کے زخم پر پڑا تو آپ کا ہاتھ خون آلود ہو گیا۔ اور آپ کے جسم سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔

حضرت زبیر نے اپنے ساتھ گھوڑے پر حضرت خبیب کے جسم کو سوار کر لیا، ادھر کفار جاگے تو خبیب کو نہ پایا، قریش کو مطلع کیا تو ستر شخص اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے یہاں تک کہ حضرت زبیر کے قریب پہنچ گئے۔

تو حضرت زبیر نے گھوڑے سے اتار کر حضرت خبیب کے جسم کو زمین پر رکھ دیا۔

”فابتلعه الارض فسمى بليع الارض“

تو آپ کو زمین نے نگل لیا، اسی وجہ سے آپ کو ”بليع الارض“ کہا جاتا ہے۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قریش کو کہا اے قریش کی جماعت! تمہیں ہم پر کیسے جرات حاصل ہوئی، پھر آپ نے اپنے سر سے گٹھری کو اتارا کہ یہ لوگ مجھے دیکھ لیں، آپ نے فرمایا میں زبیر بن عوام ہوں اور میری ماں صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں، اور میرے یہ دوست میرے ساتھ مقداد بن

اسود ہیں۔

” (ہما) اسدان ضاریان یدفعان عن اشبا لهما فان شنتم نا ضلتکم وان شنتم نا زلتکم
وان شنتم انصر فتم فانصرفوا الی مکة“

پھر آپ نے انہیں کہا زبیر اور مقداد دونوں ہی حملہ آور شکار کرنے والے شیر ہیں، وہ اپنے مقابل
بچوں کو بھگا دیتے ہیں، اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں تیروں سے چھلنی کر دیتا ہوں اور اگر تم چاہتے ہو
تو میں مقابلہ کے لئے سواری سے نیچے اتر آتا ہوں تاکہ دو دو ہاتھ کر لئے جائیں۔ اگر اپنے آپ کو
بچانا چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ، وہ واپس مکہ چلے گئے۔

جب حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو جبریل آئے اور کہنے لگے
”یا محمد ان الملائكة لتباهی بهذين من اصحابک“

یا رسول اللہ بے شک فرشتے آپ کے ان دونوں صحابیوں کی بہادری اور جرات پر تعجب کر رہے ہیں۔
اس واقعہ کے بعد یہ آیہ نازل ہوئی۔
(ازخازن)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت:

حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا تاکہ آپ کو اپنے باپ کے بدلے میں شہید کر
سکے، کیونکہ اس کا باپ امیہ بن خلف بھی قتل کر دیا گیا تھا۔

صفوان نے اپنے غلام نسطاس کے ساتھ زید بن دشنہ کو تنعیم کی طرف بھیجا تاکہ انہیں شہید کر دیا جائے، جب
آپ کو تنعیم میں لیا جایا گیا وہاں قریش کے کچھ لوگ جمع ہو گئے، جن میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا۔ جب زید کو قتل کی
جگہ کھڑا کر دیا گیا، تو ابوسفیان نے کہا، اے زید! میں تم سے اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں۔

”اتحب محمد اعندنا الآن مکانک بضرب عنقه وانک فی اہلک“

کیا تم اس وقت میں یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ ہمارے پاس محمد ہوتے ان کی گردن اڑادی
جاتی اور تم اپنے اہل و عیال میں ہوتے۔

”فقال زید واللہ ما احب ان محمد الآن فی مکانہ الذی ہو فیہ تصیبه شوکۃ تؤذیه
وانا جالس فی اہلی“

حضرت زید بن دثنہ نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی مجھے تو اتنا بھی پسند نہیں کہ میری جگہ محمد ہوتے اور
ان کو کوئی کاٹا چبھ جاتا اور ان کو تکلیف دیتا اور میں اپنے اہل و عیال میں بیٹھ کر بیچ جاتا۔

”فقال ابو سفیان ما رأیت احد ایحب احد کحب اصحاب محمد محمد ا“
ابو سفیان نے کہا میں نے کسی ایک کو کسی سے ایسی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسی محبت محمد کے
اصحاب محمد سے کرتے ہیں۔

اس مکالمہ کے بعد حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو نسطاس نے شہید کر دیا۔

”ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللہ“

اور جو شخص سودا کرتا ہے اپنی جان کا طلب کرتے ہوئے رضاء اللہ کی۔

شراء کا معنی بیچنا بھی ہے اور خریدنا بھی۔ عام مفسرین کرام اور مترجمین نے ”بیچنا“ ہی مراد لیا ہے۔

جیسا کہ اللہ کا ارشاد گرامی ہے ”وشر وہ بضمن بخس“ اور انہوں نے بیچا کھوٹے سکوں سے۔

اس مقام میں بھی ”شر وہ“ بیچنے کے معنی میں استعمال ہے۔

”وتحقیقہ ان المکلف باع نفسه بثواب الآخرة وهذا البیع هو انه بذلها فی طاعة اللہ

من الصلوة والصیام والحج والجهاد ثم تو صل بذلک الی وجد ان ثواب اللہ، کان

ما یبذله من نفسه کالسلعة وصار البازل کا لبائع واللہ کا لمشتری“

تحقیق یہ ہے کہ مکلف اپنے نفس کو آخرت کے ثواب کے بدلے بیچتا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی

فرمانبرداری کرتے ہوئے نماز ادا کرنے میں اور روزہ رکھنے میں اور حج ادا کرنے میں اور جہاد

کرنے میں اپنے آپ کو مصروف رکھتا ہے اور اس کے بدلے ثواب حاصل کرتا ہے جس طرح

بیچنے والا اپنا سامان دیتا ہے اسی طرح یہ اپنی جان خرچ کر رہا ہے یہ شخص بیچنے والا ہوا اور اللہ تعالیٰ

اسے ثواب عطا کر کے اس کی جان کو خریدنے والا ہوا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة“ (التوبة، ۱۱۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔ یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مشتری کہا ہے اور مومنین کو بائع۔

ثراء کا معنی خریدنا:

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ”وعندى انه يمكن اجراء لفظة الشراء على ظاهرها“

میرے نزدیک ”ومن الناس من يشري“ میں ثراء کا ظاہری معنی (خریدنا) لینا بھی ممکن ہے۔

کیونکہ انسان جب کفر اختیار کرتا ہے اور فسق میں اور دنیاوی مشاغل اور منافع میں زندگی گزارتا ہے اور آخرت سے اعراض کرتا ہے تو دائمی عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

اور کفر سے باز رہ کر اور نیکیوں میں مشغول ہو کر اور آخرت کے لئے کام کر کے اپنے آپ کو بخیر من آتے ہیں۔ ”وصار كانه اشترى نفسه من العذاب والنار“

تو گویا کہ یہ شخص عذاب اور آگ کے بدلے اپنے نفس کو خریدنے والا ہو گیا۔ (از کبیر)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے جمہور مفسرین کرام کی تحقیق کے مطابق ”یشری“ کا معنی ”بیچنا“ کیا ہے۔

لیکن راقم نے علامہ رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کو دیکھ کر طلباء کے فائدے کے لئے ترجمہ کیا ہے۔ جو شخص سودا کرتا ہے تاکہ یہ دونوں معنی کو شامل ہو جائے، کیونکہ جو شخص بیچتا ہے وہ بھی سودا کرتا ہے اور جو شخص خریدتا ہے وہ بھی سودا کرتا ہے۔

”ابتغاء مرضات الله، اى طلبا لرضا ه“ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی طلب کرتے ہوئے۔ (روح السعاسی)

”والله روف بالعباد“ اور اللہ مہربان ہے بندوں پر۔

”ای المؤمنین حیث ارشدہم لما فیہ رضاه“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، اس کی مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو راہ دکھاتا ہے جس راہ پر چلنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پائی جاتی ہے۔

”وجعل النعم الدائم جزاء العمل المنقطع“

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ ختم ہو جانے والے اعمال کی جزاء دائمی نعمتیں عطاء کرتا ہے۔

”وإثاب علی شراء ملکہ بملکہ“

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ بندوں کی جان خریدتا ہے اور جنت عطاء کرتا ہے جبکہ بندوں کی جان بھی اس کی ملکیت میں ہے اور جنت کا بھی وہی مالک ہے۔ (روح المعانی)

سبحان اللہ! رب تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے کہ اپنی ملکیت چیز خرید کر اس کے بدلے میں بہت بڑا ثمن عطا کر رہا ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی خریدار نہیں کہ اپنی چیز لے کر بدلے میں بھاری رقم ادا کرے۔

”ومن رافته جوز لهم کلمة الکفر ابقاء علی النفس“

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ کفار سے کفریہ کلمات سن کر بھی ان کو زندہ رکھتا ہے۔

”ومن رافته انه لا یکلف نفسا الا وسعها“

یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ کسی نفس کو طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتا۔

”ومن رافته ورحمته ان المصر علی الکفر مائة سنة اذا تاب ولو فی لحظة اسقط

کل ذلک العقاب واعطاه الثواب الدائم“

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت ہے کہ سو سال تک بھی کفر پر قائم رہنے والے اور کفر پر اصرار

کرنے کے باوجود اگر وہ شخص سچے دل سے توبہ کرے اور ایک لمحہ (آنکھ جھپکنے کی مقدار) میں اس کا

(کبیر)

عذاب ختم کر دے اور اسے دائمی ثواب عطا کر دے۔

آیہ کریمہ میں عموم:

اگرچہ شان نزول کے لئے تو چند واقعات خاص ہیں، لیکن آیہ کریمہ اپنے الفاظ کی عمومیت کی وجہ سے حکم عام ہی رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”اذا عرفت هذا فنقول يدخل تحت هذا كل مشقة يتحملها الانسان في طلب الدين فيدخل فيه المجاهد، ويدخل فيه الباذل مهجته الصابر على القتل كما فعله ابو عمار وامه ويدخل فيه الابق من الكفار الى المسلمين ويدخل فيه المشتري نفسه من الكفار بماله كما فعل صهيب ويدخل فيه من يظهر الدين والحق عند السلطان الجابر“
(کبير)

جب تمہیں آیہ کریمہ کی تفسیر کا پتہ چل گیا تو ہم کہتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں ہر وہ شخص داخل ہے جو دین کی طلب میں کسی قسم کی مشقت اٹھائے، اس لئے جہاد کرنے والے مومنین بھی اس آیہ میں داخل ہیں، کفار کے ظلم و ستم کو برداشت کرتے ہوئے صبر اور خوشی سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والے بھی اس آیہ میں داخل ہیں۔ جیسا کہ ابو عمار اور ان کی والدہ نے رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا مندی کے لئے جان دے دی۔

اور کفار سے بھاگ کر مسلمانوں کی طرف آنے والے یعنی اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت کرنے والے بھی اس آیہ میں داخل ہیں اور اپنا مال دے کر اپنی جان کو بچا کر مسلمانوں سے جا کر مل جانے والے بھی اس آیہ کریمہ میں داخل ہیں۔ جیسا کہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے اپنا مال کفار کے حوالے کر کے اپنی جان بچا کر نبی کریم ﷺ سے مل گئے۔ اور ظالم بادشاہ کے سامنے دین کی بات کرنے والے اور کلمہ حق کہنے والے بھی اس آیت میں داخل ہیں۔

☆ ”عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر“
اخرجه الترمذی وقال حديث حسن غریب

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہا جائے۔
(خازن)

”وروی ان عمر رضی اللہ عنہ بعث جيشا فحاصروا قصرا فتقدم منهم واحد فقاتل حتى قتل فقال بعض القوم القى بيده الى التهلكة فقال عمر كذبتم رحم الله ابا فلان وقرأ ”ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات الله“

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا، لشکر نے کفار کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا لشکر میں سے ایک شخص آگے بڑھا، کفار پر حملہ کر دیا، ان سے لڑائی کرتے ہوئے شہید ہو گیا، تو کچھ حضرات کہنے لگے اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے، یعنی اکیلا حملہ کرنے میں مقتول ہو جانا واضح تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم جھوٹ کہہ رہے ہو اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے، اس نے تو اپنی جان کا سودا رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے رب سے کیا ہے، پھر آپ نے بطور دلیل اسی آیت کریمہ کو پیش کیا۔

”ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضات الله“ (کبیر)

فائدہ جلیلہ:

”واعلم ان المؤمنين باعوا باختيارهم انفسهم فكان ثمن نفس المؤمنين الجنة اما الاولياء فانهم باعوا باختيارهم انفسهم فكان ثمن الاولياء مرضاة الله تعالى ، وبينهما فروق كثيرة“

میشک مؤمنین جب اپنے اختیار سے اپنی جان کا سودا کرتے ہیں تو اس کی قیمت انہیں جنت حاصل ہوتی ہے اور اولیاء کرام جب اپنی جان کا سودا کرتے ہیں تو ان کو اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

راہ سلوک کی منازل طے کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے بشری وطن سے نکل جائے اور اپنے ساتھیوں کے

شہروں سے نکل کر مسافر ہو جائے۔

”حتیٰ یكون مجاہداً حقیقیاً و شہیداً معنویاً“

تاکہ حقیقی مجاہد بن جائے اور شہادت معنوی حاصل ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”طوبی للغرباء“ مسافرین کے لئے کامیابی اور جنت ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا ”من مات غریباً فقد مات شہیداً“ جو مسافر کی حالت میں فوت ہو جائے

و شہید ہے۔

اس مسافر سے کیا مراد ہے؟ ”الانقطاع من الخلق الى الخلق“ اس سے مراد یہ ہے کہ مخلوق سے

توجہ ہٹا کر خالص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یہ مقام اسی وقت حاصل ہوگا جب عام لوگوں کی عادات کو چھوڑ دے اور عام لوگوں کی طرح اس میں خواہشات نہ پائی جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

”یا انس ان استطعت ان تكون ابداعی وضوء فافعل فان ملک الموت اذا قبض

روح العبد وهو علی وضوء كتب له شهادة“

اے انس! اگر تم طاقت رکھو، ہمیشہ وضوء پر رہنے کی تو وضوء پر رہو، کیونکہ ملک الموت (موت کا

فرشتہ) جب بندے کی روح قبض کرتا ہے، اس وقت اگر بندہ وضوء میں ہو تو اس کے لئے شہادت کا

مرتبہ لکھ دیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں بھی نبی کریم ﷺ کا اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوات انفصال ہو، اور رب تعالیٰ

سے اتصال ہو۔

”کما ان الصلوة اشارة الى الاتصال بالله تعالیٰ“

جس طرح نماز میں انسان باقی تمام چیزوں سے توجہ ہٹا کر اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کئے ہوتا ہے۔

اور ارشاد مصطفوی ہے۔ ”دم علی الطهارة یوسع علیک الرزق“

تم ہمیشہ طہارت پر رہو تمہارے رزق میں وسعت پائی جائے گی۔

ظاہری طہارت ظاہری رزق کی وسعت کا سبب ہے اور باطنی طہارت باطنی رزق کی وسعت کا سبب ہے۔

باطنی طہارت یہی ہے کہ دل اور اشیاء (چیزوں) سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دے، اور معنوی رزق یہ

ہے کہ معرفت حاصل ہو، الہام ہو جائے، خواب میں بشارت حاصل ہو جائے، کشف حاصل ہو، وغیرہ۔

”و عند ذلک یحی القلب بالحیوة الطیبة وتموت النفس عن صفاتها ولیس ذلک

الا اثر الجہاد الحقیقی فمن تخلص من قید النفس ومات بالاختیار فهو حی ابدًا“

جس شخص کو یہ مقام حاصل ہو گیا، یعنی اسے معنوی طہارت حاصل ہو گئی، اس کے دل کو حیات طیبہ

حاصل ہو گئی اور اس کا نفس صفات ذمیرہ (بری خواہشات وغیرہ) سے بچ گیا، گویا کہ نفس کو موت

حاصل ہو گئی اور دل کو حیات مل گئی، یہی جہاد حقیقی یعنی جہاد اکبر کے اثرات ہیں، جو شخص نفس کی قید

سے چھوٹا اور اپنے اختیار سے نفس کو موت دی وہی حقیقی زندگی پا گیا۔

مولانا رومی رحمہ اللہ مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں۔

ای بسا نفس شہید معتمد

مردہ درد دنیا و زندہ می رود

کتنے ہی نفوس کے شہید ہونے پر کامل اعتماد ہو سکتا ہے۔ وہ دنیا میں مردہ سمجھے جاتے ہیں اور

(از روح البیان)

حقیقت میں زندہ ہو کر جا رہے ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلَامِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۰۸)

۱۰

اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو، اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

۲۰

اے ایمان والو! داخل ہو اسلام میں کامل طور پر، اور نہ تابعداری کرو شیطان کے قدموں کی، بے شک وہ تمہارا دشمن ہے کھلا۔

شان نزول:

اس آیت کریمہ میں بھی شان نزول کی چند وجوہ ہیں، جو تمام ہی مجموعی طور پر معتبر ہیں۔

(۱) یہ آیت کریمہ منافقوں کے متعلق نازل ہوئی، کیونکہ اس سے پہلے ”وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْجِبُكَ آيَةُ نَّبِيٍّ تَأْتِيهِمْ كَلِمَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ فَيَقُولُ أَلَمْ يَأْتِ الْبَنِيَّاءَ نَبِيُّهُمْ بِالْآيَاتِ فَسَبِّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكَ صَبَاحًا مَدِينًا“ (سورة البقرة آیت ۲۵۵) میں منافقوں کے متعلق نازل ہوئی، اس آیت کریمہ میں منافقوں کو نفاق چھوڑنے اور دل سے ایمان لانے کے متعلق کہا گیا۔ اب آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہو گیا۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ابْسُتَكُم ادْخُلُوا بَكَلِيَّتِكُمْ فِي السَّلَامِ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

اِيْ اَنَار تَزِيْنِه وَغُرُورِه فِي الْاِقَامَةِ عَلٰى النِّفَاقِ“

اے زبان سے ایمان لانے والو! دل سے بھی ایمان لاؤ، اور مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو،

شیطان جو تمہارے لئے کفر یہ راہ مزین کرتا ہے اور منافقت پر قائم رہنے کے لئے تمہیں دھوکا دیتا

ہے، اس راہ پر نہ چلو، کیونکہ شیطان کے قدموں کے نشانوں پر چلنا بہت برا ہے۔ لہذا شیطان کی

پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(۲) یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے لئے نازل ہوئی، جنہوں نے نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں لایا۔
اب آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اے اہل کتاب جو تم نے پہلی کتابوں پر ایمان لایا ہے، اسلام میں بھی مکمل طور پر داخل ہو جاؤ، کیونکہ تمہارا اپنی کتابوں پر بھی ایمان اسی وقت مکمل ہو گا جب ان کتابوں کے اس حکم پر ایمان لاؤ گے کہ تمام انبیاء کرام اور تمام آسمانی کتب پر ایمان لاؤ۔

لہذا محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور قرآن پاک پر ایمان لاؤ، تاکہ اسلام میں تم مکمل طور پر داخل ہو سکو۔

”ولا تتبعوا خطوات الشیطن فی تحسینہ عند الاقتصار علی دین التوراة“

شیطان جو تمہیں توراة پر ہی فقط ایمان لانے کی راہ حسین و جمیل کر کے دکھاتا ہے تم اس کی تابعداری نہ کرو۔

(۳) آیت کریمہ کے شان نزول کی اور وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی جو یہودیت سے اسلام میں داخل ہوئے وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے چند احکام پر عمل کرتے تھے، یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے، اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے، اور اونٹ کا دودھ نہیں پیتے تھے، اور کہتے یہ تھے ان چیزوں کو چھوڑنا اسلام میں مباح ہے اور توراة میں واجب ہے، ہم احتیاطی طور پر ان کو چھوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا کہ اسلام میں کامل طور پر داخل ہو جاؤ، جب پہلی شریعتیں اسلام کے آنے کے بعد منسوخ ہو گئیں تو اسلام قبول کرنے کے بعد جاننے کے باوجود ان پر چلنا شیطانی راہ ہے۔ لہذا شیطانی راہ پر نہ چلو، یعنی شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(۴) اس آیت کریمہ کے نزول کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہے، کیونکہ اس میں خطاب عام مسلمانوں کو ہے، اس لحاظ پر مفہوم یہ ہوگا۔

”یا ایہا الذین امنوا باللسنة“ ”ادخلوا فی السلم كافة“ ای دو مواعلی الاسلام فیما

تستأنفوه من العمر ولا تخرجوا عنه ولا عن شی من شرائعہ“

اے زبان سے ایمان لانے والو! اسلام میں کامل طور پر داخل ہو جاؤ، یعنی جس طرح ابتداء میں تم

نے اسلام قبول کیا ہے، اسلام پر پیدا ہوئے ہو، اسی طرح اسلام پر قائم دائم رہو، اسلام سے نہ نکلو اور شریعت کے کسی قانون سے باہر نہ جاؤ۔

”ولا تتبعوا خطوات الشيطان“ ای ولا تلتفتوا الى الشبهات التي تلقىها اليكم اصحاب الضلالة والغواية“

اور گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ جو شبہات ڈالتے ہیں ان کی طرف توجہ نہ کرو، کیونکہ یہ شیطانی راہ ہے، اس لئے شیطان کی تابعداری نہ کرو اور اس کے نقش قدم پر نہ چلو۔ (از کبیر)

اس آخری شان نزول کو دیکھیں اور یہود و نصاریٰ کے آلہ کار نام نہاد مسلمانوں کو دیکھیں جو چند روز حکمرانی کے نشہ میں خدا اور اس کے رسول ﷺ سے برگشتہ ہو کر دینی مدارس کے پیچھے پڑے ہوئے، دینی نصاب کو کم کرنے کی فکر میں ہیں کہ جدید علوم پڑھیں اور دینی علوم کم پڑھیں تاکہ ہماری ہاں میں ہاں ملاتے چلے جائیں۔ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا، رب تعالیٰ علوم دینیہ کی خود حفاظت خود فرمائے گا۔

”يا ايها الذين امنوا ادخلوا في السلم كافة“ اے ایمان والو! داخل ہو اسلام میں کامل طور پر۔

اللہ تعالیٰ نے جب مومنین اور کفار اور منافقین کا ذکر فرمایا تو گویا کہ اس آیت میں تمام کو حکم دے دیا کہ جو اسلام نہیں لائے ہو وہ کامل طور پر سلام لے آؤ، اور جو صرف زبان سے اسلام کے دعویدار ہو دل سے ایمان لے آؤ اور جو زبان اور دل سے ایمان لا چکے ہو وہ اسلام پر قائم و دائم رہو۔

راقم نے یہ مفہوم قرطبی کی اس عبارت سے اخذ کیا ہے۔

”لمابين الله سبحانه الناس الى مؤمن و كافر و منافق فقال كونوا على ملة واحدة واجتمعوا على الاسلام واثبتوا عليه“

قبلہ استاذی المکرم حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی رحمہ اللہ العالی کے ارشاد کے مطابق اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ کی تحقیق کو دیکھتے ہوئے راقم اسی کا قائل ہے کہ شان نزول کی تمام وجوہ مجتمع ہیں۔

”السلم“ بفتح السين و کسرها، قراءتان سبعيتان هنا وفي الانفال والقتال لكن

الاكثر هنا الكسرو ما هناك العكس وقوله الاسلام اشارة لمعناه هنا عن القراءتين
واما في الانفال والقتال فمعناه الصلح

لفظ "السلم" کے سین میں فتح اور کسرہ دونوں حرکتیں پڑھی گئی ہیں۔ دونوں قراءتیں قراء سبعہ
(سات قاریوں) سے مروی ہیں، اسی طرح سورۃ انفال اور سورۃ قتال میں بھی دونوں حرکتیں پڑھی
گئی ہیں۔ البتہ یہاں کسرہ زیادہ مشہور ہے اور وہاں فتح زیادہ مشہور ہے۔

دو قراءتوں کے مطابق اس لفظ کا معنی اسلام بھی ہے اور صلح بھی، یہاں جمہور حضرات نے اسلام
معنی لیا ہے اور دوسرے دونوں مقاموں میں معنی صلح لیا ہے۔ (از جلالین و صاوی)

"واخرج ابن جرير وابن ابی حاتم عن عباس قال السلم الاسلام والزلل ترك الاسلام"
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "السلم" کا معنی اسلام ہے اور "الزلل" کا معنی ترک
اسلام ہے۔ (در منشور)

شاعر کندی نے بھی "السلم" کو اسلام کے معنی استعمال کیا ہے۔ کندہ قبیلہ کے لوگ نبی کریم ﷺ کے وصال
کے بعد اشعث بن قیس کندی کے ساتھ "العیاذ باللہ" مرتد ہو گئے تھے۔ تو کندہ قبیلہ کے ایک شاعر نے کہا۔

دعوت عشرتی للسلم لما رانیتهم تو لو امدبرینا

میں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی جبکہ میں نے ان کو پیٹھ پھیرتے ہوئے (مرتد ہوتے
ہوئے) دیکھا۔

فانہ : "یا ایہا الدین امنوا ادخلوا فی السلم" کے دو معنی ہیں۔ ایک عام اور ایک خاص۔

عام معنی یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب عام مؤمنین کو ہے۔

"ادخلوا فی شرائط الاسلام فی الباطن کما فی الظاهر"

اسلام کی شرائط میں جس طرح ظاہر داخل ہوئے ہو اسی طرح باطن بھی داخل ہو جاؤ۔

"ومن شرائطه ما قال النبی : "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمؤمن
من امنه الناس"

اسلام کی شرائط میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد یاد رکھا جائے کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ امن میں رہیں۔

خاص معنی یہ ہے کہ یہ خطاب انسان کی ذات اور اس کے ظاہری اور باطنی اعضاء سے ہے۔

”فینبغی ان یدخل ارکانہ فی الاسلام بالفعال“

کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے تمام اعضاء کو حقیقی طور پر اسلام میں داخل کرے۔

آنکھ کو حق راہ کے دیکھنے میں لگائے اور کانوں کو حق بات کے سننے میں لگائے، اور منہ کو حلال اشیاء کے کھانے میں لگائے، اور فرج کو جائز شہوت کے پورا کرنے میں لگائے، اور ہاتھ سے جائز چیزوں کو پکڑے، اور پاؤں سے نیکی کی راہ پر چلے۔

یعنی تمام اعضاء کو رب تعالیٰ کے اوامر کے مطابق چلائے اور نواہی سے اجتناب کرے، یعنی لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے اور ضروری کاموں پر عمل کرے۔

چونکہ ظاہری طور پر تو منافقین بھی اپنے اعضاء کو اسلام کے مطابق استعمال کرتے ہیں لیکن باطنی طور پر نہیں، اس لئے حکم دیا گیا کہ کامل طور پر یعنی ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی اسلام میں داخل ہو۔

نفس کو اسلام میں داخل کرنا:

نفس کو اسلام میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے باز آجائے، بری صفات کو چھوڑ دے، خواہشات کو چھوڑ دے، اور اپنے آپ کو عبودیت میں مطمئن سمجھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہو جائے، اور اپنے آپ کو رب تعالیٰ کے اس خطاب کا مستحق بنالے۔ ”یا ایہا النفس المطمئنة“

دل کو اسلام میں داخل کرنا:

دل کو اسلام میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو برے اخلاق سے پاک و صاف کرے اور روح کی اچھی عادات سے اپنے آپ کو مزین کرے۔

روح کو اسلام میں داخل کرنا:

روح کو اسلام میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے اپنے آپ کو متصف کرنا اور ازیلی حکام کو تسلیم کرنا، اور اللہ تعالیٰ کے ماسواء سے قطع تعلقی کر کے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا، اور روح کو اسلام میں داخل کرنا یہاں تک کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں گم کر کے اور اللہ تعالیٰ سے وصال حاصل کر کے ہمیشہ کی بقاء حاصل کر لینا۔
(روح البیان)

”السلام“ بمعنی صلح:

اس آیت کریمہ ”السلام“ کو صلح کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے، یعنی لڑائی جھگڑا نہ کرو بلکہ آپس میں صلح اور اتفاق و اتحاد سے رہو۔

اب معنوی لحاظ پر تقدیر عبارت کی یہ ہوگی۔

”یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلام كافة ای کونوا موافقین و مجتمعین فی نصرۃ

الدین و احتمال البلوی فیہ“

اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ صلح میں کامل طور پر، یعنی آپس میں اتفاق رکھو، دین کی امداد کرنے میں سب مجتمع ہو جاؤ، جب کسی قسم کے کفار کی طرف سے حملہ وغیرہ میں مبتلاء ہونے کا خطرہ ہو تو ان کے مقابلہ کے لئے تمام مسلمان متفق اور مجتمع ہو جاؤ۔

”ولا تتبعوا خطوات الشیطن) بان یحملکم علی طلب الدنیا و المنازعة مع الناس“
اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو، کیونکہ وہ تمہیں دنیا کی طلب اور لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے پر برا بیچتے کرے گا۔

(الانفال، ۴۵)

”ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب رب حکم

اور آپس میں جھگڑا نہ کرو پھر بزدل ہو جاؤ گے تمہاری ہوا چلی جائے گی۔

یعنی آپس میں جھگڑا کرنا بزدلی کا ذریعہ ہے اور کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب جو چھایا ہوتا ہے ان کی جرأت اور بہادری کی شہرت کا جو چرچا ہوتا ہے، آپس میں لڑنے سے اس چرچے کی ہوا جاتی رہتی ہے۔

اور رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ”واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا“ (آل عمران ۱۰۳)
اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو۔

”السلام“ بمعنی معرفت و تصدیق قلب:

اس آیت کریمہ کا اور مفہوم یہ ہے کہ نیکی کے کاموں پر عمل کر کے اور برائیوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ، کیونکہ معصیت کے ارتکاب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت لازم ہوتی ہے، معصیت کو چھوڑنے اور طاعت پر عمل کرنے سے ہی رب تعالیٰ کی کامل معرفت لازم آتی ہے اور کامل تصدیق قلبی حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اصل ایمان تو گناہوں کے ارتکاب سے بھی باقی رہتا ہے لیکن کمال ایمان کا حصول اسی وقت ہوتا ہے جب معاصی سے دور رہے۔

”السلام“ بمعنی رضا و بر تقدیر:

یعنی اس آیت کریمہ کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے۔ ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہو“
یعنی رب تعالیٰ کی قضاء و تقدیر پر صابر و شاکر رہے، کسی قسم کا دل میں کوئی اضطراب نہ ہو۔ قضاء و قدر پر مضطرب ہونے سے شیطان خوش ہوتا ہے، اس لئے شیطان کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔

”السلام“ بمعنی ترک انتقام:

یعنی آیت کریمہ کا اور مفہوم یہ ہے کہ انتقام لینے سے منع کیا گیا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا۔
”اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ ترک ایمان میں کامل طور پر“

رب تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی تعریف فرمائی۔ ”واذا مروا باللغو مروا کراما“ (الفرقان، ۷۲)
اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں تو اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں۔

یعنی اللہ کے نیک بندے بیہودہ لوگوں کی بیہودہ باتوں اور ان کی بیہودہ حرکات کا انتقام نہیں لیتے بلکہ اپنی عزت کا پاس کرتے ہوئے ان کی مجالس سے یوں ہی گزر جاتے ہیں جیسا کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔

اور رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ”خذ العفو و امر بالمعروف و اعرض عن الجاهلین“
اے محبوب معاف کرنا اختیار کر اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔ (از کبیر)

”کافۃ“: ”معناه جمیعاً فهو نصب علی الحال من السلم او من ضمیر المسلمین“
یعنی ”کافۃ“ کا معنی ہے تمام، مکمل وغیرہ، جب یہ ”السلم“ سے حال ہو تو معنی ہوگا ”اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے۔ یعنی مکمل طور پر، ایسا نہیں کہ زبان سے اسلام ہو دل میں نہ ہو۔ یا اسلام کے بعض شعائر پر عمل ہو اور بعض پر نہ ہو۔
اور اگر ”امنوا“ کی ضمیر سے حال ہو تو معنی یہ ہوگا ”اے ایمان والو! تم تمام اسلام میں ثابت قدم رہو“
یا معنی یہ ہوگا ”اے زبان سے ایمان لانے والو! تم تمام لوگ دل سے ایمان میں داخل ہو جاؤ“
یا یہ معنی ہوگا ”اے اہل کتاب! اپنی کتاب پر ایمان لانے والو! تم تمام لوگ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔
”کافۃ“ لیا ہوا ہے ”کف“ جس کا معنی ہے روکنا۔

”کفۃ القمیص“ (کاف کے ضمہ سے) قمیض کو بٹن وغیرہ لگا کر انتشار سے روکنا۔

”کفۃ المیزان“ (بکسۃ الکاف) ترازو کا پلڑا جس میں اس چیز کو روکا جاتا ہے جس کا وزن کیا جاتا ہے۔

”کف الانسان“ انسان کی ہتھیلی جس میں منافع اور نقصان دہ چیزوں کو جمع کر کے روکا جاتا ہے۔

اور ہر گول چیز کو ”کفۃ“ (کاف کے فتنہ سے) اور ہر لمبی چیز کو ”کفۃ“ (بضم الکاف) کہا جاتا ہے۔

”رجل مكفوف البصر“ وہ شخص جس کو نظر کرنے سے روکا جائے۔

اور ”کافہ“ جماعت کو کہا جاتا ہے کہ وہ بھی متفرق ہونے سے روکے جاتے ہیں۔ (از فرطی)
 ”کافہ“ یصح ان یرجع الی المامورین بالدخول ای ادخلوا باجمعکم فی السلم
 یعنی ایک احتمال یہ ہے کہ ”کافہ“ کا تعلق ان لوگوں سے ہو جن کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم تمام اسلام
 میں داخل ہو جاؤ۔

”ولا تتفرقوا ولا تختلفوا“ کہ متفرق نہ ہو اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔

قطرب نے کہا، عرب حضرات کہتے ہیں۔

”رأیت القوم کافۃ و کافین و رأیت النسوة کافات“

میں نے قوم کو مجتمع دیکھا، میں نے عورتوں کو مجتمع دیکھا۔

”ویصح ان یرجع الی الاسلام ای ادخلوا فی الاسلام کله ای فی کل شرائعه“
 اور ایک احتمال یہ ہے کہ ”کافہ“ کا تعلق اسلام سے ہو، اب معنی یہ ہوگا کہ اسلام کے تمام شرائع
 میں داخل ہو جاؤ۔ (از کبیر)

علامہ واحدی رحمہ اللہ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ تقریباً عام مترجمین اور مفسرین نے یہی معنی ذکر کیا ہے۔

”ولا تتبعوا خطوات الشیطن“: اور نہ تابعداری کرو شیطان کے قدموں کی۔

یعنی اس راہ پر نہ چلو جس کی شیطان تمہیں دعوت دیتا ہے۔

”فان اتباع السنة اولی بعد ما بعث محمد ﷺ من خطوات الشیطن“

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے اور اعلان نبوت کے بعد آپ کی اتباع زیادہ بہتر
 ہے۔ لہذا شیطان کی تابعداری نہ کرو، اس کی راہ سے مکمل اجتناب کرو۔ (از فرطی)

”ولا تتبعوا خطوات الشیطن“ ای لا تكونوا علی سیرتہ و صفتہ وھی الالباء
 والاستکبار فانه ضد الاسلام“

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”ولا تتبعوا خطوات الشیطان“ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی سیرت اور اس کے طریقہ پر نہ چلو، اور شیطان کی صفات کو حاصل نہ کرو، شیطان کی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرنا اور تکبر کرنا، یہ دونوں صفات اسلام کے مخالف ہیں، یعنی جو شخص اسلام میں مکمل طور پر داخل ہوگا اور کامل مومن ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار نہیں کرے گا اور نہ ہی تکبر کرے گا۔
(روح البیان)

”فانه لكم عدو مبين“: پھر بیشک وہ تمہارا دشمن ہے کھلا۔

وہ پیدائشی طور پر ہی تمہارا دشمن ہے، کیونکہ اس کی جبلت (پیدائشی عادت) تمہاری پیدائشی عادت سے مختلف ہے، اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے فطرت اسلامیہ پر پیدا کر کے جو نور عطاء فرمایا وہ اسے حاصل نہیں۔

”لکونه ناری الخلق لا یطلب منکم الا ان تکنونوا ناریین مثله لا نوریین فهو عدو فی الحقیقة فی صورة المحب“

وہ چونکہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے وہ تمہیں بھی آگ کا مستحق بنانا چاہتا ہے یعنی وہ چاہتا ہے کہ تم بھی میری طرح آگ والے بن جاؤ، تم نوری مخلوق کی طرح جنتی نہ بنو، وہ بظاہر محبت کرتا ہے کہ تم بھی میرے جیسے بنو، لیکن حقیقت میں وہ تمہارا دشمن ہے، کہ تمہیں جہنمی بنانا چاہتا ہے۔ (روح البیان)

اعتراض: شیطان کا وصف ذکر کیا گیا ہے ”مبین“ کھلا۔ کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

”کیف یمن و صف الشیطان بانه مبین مع انا لا نری ذاته ولا نسمع کلامه“
شیطان کو کھلا دشمن کہنا کیسے صحیح ہے؟ جبکہ ہم اس کی ذات کو دیکھ نہیں رہے اور اس کے کلام کو سن نہیں رہے۔ اگر وہ کھلا دشمن ہوتا تو ہم اسے دیکھتے اور اس کی باتوں کو سنتے۔

پہلا جواب: ایمان کامل وہی ہے جو ایمان بالغیب ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے پہنچے تو اسے تسلیم کر لیا جائے، اپنا دیکھنا یا سننا ضروری نہیں۔

”ان الله تعالى لما بين عداوته لا دم ونسله فلذ لك الأمر صرح ان يو صف با نه عدو

مبين وان لم يشاهد“

بیشک اللہ تعالیٰ نے جب بیان فرمایا کہ شیطان حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا دشمن ہے تو اسی سے اس کی کھلی دشمنی واضح ہو گئی۔ اگرچہ ہم اسے نہیں دیکھ رہے، لیکن اس کی دشمنی چھپی ہوئی نہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے علاقہ کا دشمن ہمیں نظر نہ آئے، لیکن جب اس کی عداوت اور ہمیں نقصان پہنچانا واضح ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہمارا کھلا دشمن ہے۔

آج کل تمام دنیا کے مسلمانوں کا بچہ بچہ امریکی صدر بش کو اپنا کھلا دشمن سمجھتا ہے، حالانکہ اسے دیکھا نہیں، اس کے کلام کو براہ راست ہر شخص نے نہیں سنا، لیکن اس کی عداوت ظاہر ہے، اس لئے کہ وہ مسلمانوں کا کھلا دشمن ہے۔ اگر ہم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے مسلمانوں کو یہ بتائیں۔

”ان فلانا عدو مبين لك وان لم تشاهده في الحال“

کہ بیشک فلاں شخص تمہارا کھلا دشمن ہے اگرچہ تم اسے دیکھ نہیں رہے۔

ہمارا یہ کلام درست ہوگا، دکھ درد رکھنے والے اور اسلام اور اپنے وطن سے محبت کرنے والے بتا رہے ہیں کہ دشمن سے خبردار ہو جاؤ۔ افسوس کہ کچھ لوگ اس کی دوستی کا دم بھرنے والے ٹس سے مس نہیں۔

دوسرا جہاب ”مبین“ کے دو معنی ہیں۔ جب یہ لفظ ”بیان“ سے لیا جائے تو اس کا معنی ہے ظاہر کرنا اور جب یہ ”بینونة وابانة“ سے لیا جائے تو اس کا معنی ہے منقطع کرنا۔ بلکہ.....

”والبيان انما سمي بيانا لهذا المعنى فانه يقطع بعض الاحتمالات عن بعض“

بیان کو بیان بھی انقطاع کے معنی سے ہی کہا جاتا ہے، کیونکہ ”بیان“ بھی بعض سے بعض احتمالات کو ختم کر دیتا ہے۔

شیطان کو مبین کہنے کی وجہ یہ ہے ”انہ یقطع المکلف بو سوسته عن طاعة الله وثوابه ورضوانه“ کہ وہ عاقل و بالغ شخص کو وسوسہ ڈال کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے ثواب اور اس کی رضا مندی سے منقطع کرتا ہے۔

اس جواب کے لحاظ سے ”انہ لکم عدو مبین“ کا معنی یہ ہے۔ بیشک وہ تمہارا نیکیوں سے منقطع کرنے والا دشمن ہے۔ (از کبیر)

اظہار تشکر:

علامہ رازی رحمہ اللہ کے دوسرے جواب سے استاذی المکرم حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کا ”سبعہ معلقہ، نفخۃ الیمن، مقامات حریری، حماسہ اور متبنی“ پڑھانے کا انداز یاد آیا کہ آپ آج کی طرح ان کتب کو قصے کہانیوں کے طور پر نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ ایک ایک لفظ کی اسی طرح وضاحت فرماتے جیسے علامہ رازی رحمہ اللہ نے ”مبین“ کی وضاحت کی۔

یقین جانئے کہ میرے ذہن میں پہلے ہی یہ باتیں ثابت تھیں، یہ سب استاذی المکرم کی مہربانیاں ہیں، جن کا میں شکر گزار ہوں، اگرچہ ان مہربانیوں کا کما حقہ شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

اعتراض: شیطان کا دشمن ہونا کیسے؟ اگر یہ کہا جائے کہ وہ ہمیں تکالیف اور دکھ درد پہنچاتا ہے، تو یہ کہنا اس لئے درست نہیں کہ اس کا کبھی دشمنی کرنا اور کبھی دشمنی نہ کرنا تو ممکن نہیں بلکہ وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دشمن ہے۔ حالانکہ ہمیں صحت بھی حاصل رہتی ہے، آرام بھی، ہم تمام اوقات میں تکالیف میں نہیں ہوتے، تو وہ ہمارا کھلا دشمن کیسے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ وسوسہ ڈال کر دین اور ثواب سے دور کرتا ہے تو اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہوگا۔

”وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی“ (ابراہیم، ۲۲)

اور مجھے تم پر کوئی غالبہ حاصل نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میری بات قبول کر لی۔

جواب: شیطان کی دشمنی دو وجہ سے مجموعی طور پر پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ ہمیں مصائب و آرام میں ہمیشہ بتلا رکھنے کا ارادہ کرتا ہے۔ ”الا ان الله تعالى منه عن ذلك“ مگر اللہ تعالیٰ اسے اس سے روک دیتا ہے، اجازت نہیں عطا فرماتا۔

”ولیس یلزم من کو نہ مریدا لا یصل الضرر السان یكون قادرا علیہا“

اگرچہ وہ نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اس نے نقصان پہنچانے کے ارادہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حقیقتہً نقصان پہنچانے پر قادر بھی ہو۔

اور دوسری وجہ ساتھ ہی یہ پائی گئی ہے کہ وہ وسوسہ ڈالتا ہے۔ یعنی

”ان ترینہ المعاصی و القاء الشبهات کل ذلك سبب لوقوع الانسان فی الباطل“

اس کا گناہوں کو مزین کر کے دکھانا اور شبہات ڈالنا، یہ تمام سبب ہیں کہ انسان کو باطل راہ پر چلایا جائے اور اس کو ثواب سے محروم کیا جائے۔

”فکان ذلك من اعظم جهات العداوة“ یہی اس کی بہت بڑی عداوت ہے۔

جہاں تک قیامت میں شیطان کا یہ جنہ کہ ”مجھ تو نہائی تم پر غلبہ حاصل نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تم نے میری بات مان لی“ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہے گا میں نے وسوسہ تو ڈالا تھا، تم اپنے اختیار سے میرے داؤ میں پھنس گئے تھے، میرا تم پر زور نہیں تھا۔

اس آیت کریمہ سے بھی اس کا وسوسہ ذال کر کر اہی کی طرف الانا واضح ہے جو باعث عداوت ہے۔ (اداکسور)

❦ ❦ ❦ ❦ ❦

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَكُمْ الْبَيِّنَاتِ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۰۹)

حکیم ☆

﴿۱﴾

اور اگر اس کے بعد بھی پچلو کہ تمہارے پاس روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ
زبردست حکمت والا ہے۔

﴿۲﴾

پھر اگر پھسل جاؤ تم اس کے بعد کہ آچکے ہیں تمہارے پاس واضح دلائل تو جان لو
بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا۔

شان نزول:

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں وہ تمام احتمال پائے گئے ہیں جو اس سے پہلی آیت کریمہ میں ذکر کئے گئے ہیں۔
ایک احتمال یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں خطاب منافقین کو ہے، یعنی اے منافقو! جب تم ظاہری طور پر زبان
سے ایمان لا چکے ہو تو دل سے بھی ایمان لے آؤ، جبکہ نبی کریم ﷺ تمہارے پاس معجزات اور واضح دلائل لا چکے ہیں تو
اس کے بعد اگر تم ایمان نہ لائے بلکہ متزلزل رہے تو جان لو اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔
دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس میں خطاب اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کو ہو کہ اے اہل کتاب جو
ایمان لا چکے ہو۔

”(فان زللتم) فی تحریم السبت و لحم الابل (من بعد ما جاء تکم البينات) محمد ﷺ

وشرائعه“

اگر تم ہفتہ کے دن کی تعظیم کر کے اور اونٹوں کے گوشت کو حرام سمجھ کر پھسل گئے جبکہ نبی کریم ﷺ

تمہارے پاس شریعت کے احکام لے آئے ہیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔
(از کبیر)

تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ خطاب اہل کتاب کو ہے کہ اے اہل کتاب! جب تم نے اپنی کتب پر ایمان لایا لیکن نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اور احکام شرائع لانے کے بعد تم ایمان نہ لا کر اگر پھسل گئے تو جان لو اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔
(از تفسیر ابی السعود)

چوتھا احتمال یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں خطاب مسلمانوں کو ہو۔

”یعنی انحرافتم عن الطريق الذی امرتم به“

کہ اگر تم اس راستہ سے پھر گئے جس کا تمہیں حکم دیا ہے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔
اس صورت میں ہر قسم کے گناہ مراد ہوں گے خواہ صغائر ہوں یا کبار۔

”فان الانحراف کما یحصل بالكثیر یحصل بالقلیل“

اس لئے کے سیدھی راہ سے انحراف قلیل سے بھی ہے اور کثیر سے بھی۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید ہر قسم کے گناہوں پر زبرد تو نبخ (ڈانٹ ڈپٹ) کے لئے ہے، تاکہ مومن تھوڑے اور چھوٹے گناہوں سے بھی بچ جائیں اور زیادہ گناہوں سے بھی بچ جائیں اور بڑے گناہوں سے بھی بچ جائیں۔

”لان ما کان من جملة الکبائر فلا شک فی وجوب الاحتراز عنه وما لم یعلم کو نہ

من الکبائر فانه لا یؤمن کون العقاب مستحقا به و حینئذ یجب الاحتراز عنه“

اس لئے کہ تمام بڑے گناہوں سے بچنا ضروری ہے، اور جن کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ یہ گناہ کبیرہ

ہے یا صغیرہ تو ان سے بچنا بھی ضروری ہے تاکہ انسان عذاب کا مستحق نہ بن جائے۔ (از کبیر)

پھر یہ ہے کہ صغائر اور کبار کی حد بیان نہیں کی گئی کہ انسان ہر گناہ کو کبیرہ ہی سمجھ کر اجتناب کرے، خاص کر کے صغائر کو بار بار کرنا اور ان پر قائم رہنا کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔

گویا کہ آیہ کریمہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہو جاؤ تو توبہ کرو اور اگر صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کر لو تو عبادات کے ذریعے ان کو رب تعالیٰ سے معاف کراؤ۔

”فان زللتم“: پھر اگر تم پھسل جاؤ۔

پہلے لام پر فتح بھی پڑھا لیا ہے اور کسرہ بھی، یعنی دونوں لغتوں کا اس میں استعمال ہے۔ جس طرح ”ضللت“ میں دونوں لغتوں کا استعمال ہے۔ معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

”زل یزل زلو لا وزلوا“ اذاحضت قدمہ“ یعنی قدم کا پھسل جانا۔

”زل فی الطین“ کہا جاتا ہے کہ وہ کچھڑ میں پھسل گیا۔

اگر کوئی شخص ایک حال سے پھسل کر دوسرے حال میں آجائے تو اس کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ”زلت به الحال“ اور گناہ پر ”زلة“ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ”یریدون به الزلة للزوال عن الواجب“ واجب سے پھسل جانے کو ”زلة“ کہا جاتا ہے۔

اب آیہ کریمہ میں معنی یہ ہو گیا۔ ”فان زللتم ای اخطأتم الحق وتعد یتموہ“

پھر اگر تم پھسل گئے یعنی تم نے حق سے خطا کر لی اور حق سے تجاوز کر لیا یعنی باطل راہ کو تم نے اختیار کر لیا۔ (بیر) شان نزول کی مختلف صورتوں کو دیکھ کر ہی خازن نے یہ تفسیر کی۔

”(فان زللتم) ای ملتتم و ضللتتم وقال ابن عباس اشركتم“

اگر تم راہ راست سے ہٹ کر دوسری جانب میلان کر لو، اور اگر تم راہ راست بھٹک جاؤ، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اگر تم مشرک ہو جاؤ۔

”من بعد ما جاء تکم البینات“: اس کے بعد کہ آچکے ہیں تمہارے پاس واضح دلائل۔

”البينات“ ای الدلائل الواضحات (خازن) ای الحجج الواضحة والشواهد اللانحة“

یعنی ”بینات“ کا معنی ہے واضح دلائل اور ظاہر چمکدار شواہد۔

صاوی نے اعتراض و جواب کی صورت میں ذکر کیا ہے کہ پھسلنا تو ہوتا ہی اس وقت ہے جب دلائل آجائیں

تو ”من بعد ما جاء تکم البينات“ کا کیا مطلب ہوگا؟

تو اس کا جواب یہ دیا گیا۔ ”ان المراد بمجینھا ظہورھا ظہور ابینا“

بے شک مراد دلائل کے آنے سے صرف دلائل کا آنا نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ دلائل کے واضح

اور بہت زیادہ ظاہر طور پر آنے کے بعد۔

واضح دلائل کیا ہیں؟

واضح دلائل کا تعلق دلائل عقیلہ سے بھی ہے اور دلائل نقلیہ سے بھی ہے۔

دلائل عقیلہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے تسلیم کرنے کے بغیر نبی کریم ﷺ کی نبوت کو ماننا صحیح نہیں ہو سکتا، وہ

یہ ہیں کہ ”عالم کے حادث ہونے کا علم ہو۔ اور یہ معلوم ہو کہ تمام جہان ایک خالق و مالک و صانع کا محتاج ہے۔ اور یہ

پتہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ اور یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر

قادر ہے، اور خود ہر ایک سے بے پرواہ ہے، یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور یہ علم حاصل ہو کہ جادو اور چیز ہے اور معجزہ اور

چیز ہے، ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ (پہلے پارہ میں جادو اور معجزہ کو ذکر کر دیا گیا ہے) اور یہ معلوم ہو کہ معجزہ انبیاء

کرام کے صدق کی علامت ہے۔

یہ تمام دلائل عقیلہ ہیں۔ جن کا علم پہلے حاصل ہوگا، اور نبی کی نبوت پر علم یقین اور ایمان بعد میں حاصل ہوگا۔

دلائل نقلیہ یہ ہیں جو کہ قرآن پاک اور حدیث پاک سے حاصل ہوں۔

”فکل هذه البينات داخله في الآية من حيث ان عذر المكلف لا يزول الا عند

حصول كل هذه البينات“

یہ تمام دلائل عقیلہ اور نقلیہ اس آیت کریمہ میں داخل ہیں، اس لئے کہ جب تک ان تمام دلائل کا

مکلف (عقل و بالغ) کو علم حاصل نہ ہو تو وہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے تو علم ہی حاصل نہیں تھا، میں راہِ راست پر کیسے قائم ہو سکتا۔

مسئلہ: اسی سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ بچے اور مجنون (پاگل) سے باز پرس (پوچھ) نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کو وعید کی گئی ہے، کیونکہ ان کو قدرتِ کاملہ ہی حاصل نہیں کہ وہ تمام عبادات پر عمل کریں۔ (ارکبیر)

”فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم“: پھر جان لو بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفتوں کا ذکر فرمایا ایک عزیز اور دوسری حکیم۔ اسی وجہ سے راقم نے ترجمہ میں ”غالب ہے حکمت والا“ لفظ ”ہے“ درمیان میں رکھا تا کہ دو صفتیں متحدہ سمجھ آ جائیں۔

کیونکہ اگر ترجمہ کیا جائے ”غالب حکمت والا ہے“ تو اس سے عام انسان سمجھتا ہے کہ شاید ایک ہی صفت حکمت غالبہ کا ذکر ہے۔

”فاعلموا“ کہہ کر رب تعالیٰ نے اپنی آگے ذکر ہونے والی صفات پر متنبہ کیا ہے کہ غور کرو، جان لو۔ پھر ”ان“ سے اور تاکید ذکر فرمائی، پھر جملہ اسمیہ سے اور دوام و استمرار کی طرف اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اسے ہمیشہ حاصل ہیں۔

”عزیز“ فان العزیز هو السعیء القادر علی ان یمنع ولا یمنع لان اصل العزۃ الامتناع

اللہ تعالیٰ عزیز ہے یعنی منع و قادر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود منع کرنے پر قادر ہے اور اس کو منع کرنے پر کوئی قادر نہیں، اس لئے کہ اصل میں ”عزۃ“ کا معنی ہی ”روکنا“ ہے۔

اسی وجہ سے کہا جاتا ہے ”الارض عزاز“ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ زمین بہت سخت ہو جسے کھودنا دشوار

ہو۔ اور اس میں بل چلانا مشکل ہو تو گویا کہ وہ روکنے والی ہے کھدائی سے۔ (از حصاص)

یہاں ”عزیز“ کا معنی کیا ہے۔ یہاں معنی یہ ہے۔

”عزیز“ لا یعجزہ شی عن انتقامہ منکم ای لا تفلتون منہ

یعنی اللہ تعالیٰ تم سے گناہوں کا انتقام لینے والا ہے اور تمہیں عذاب دینے والا ہے، تم اپنے آپ کو اس کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتے اور نہ ہی بھاگ سکو گے۔
(جلالین، صاوی)

اسی معنی کی مناسبت سے معنی کیا جاتا ہے ”غالب“

”حکیم“ کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جب ”حکمت“ سے ماخوذ ہو تو معنی ہوگا ”علم“ کہ وہ عالم ہے۔

”علم“ چونکہ رب تعالیٰ کی صفت ذاتیہ ہے۔ اس معنی کے لحاظ پر ”جسازان یقال لم یزل حکیم“ جائز ہے کہ کہا جائے کہ وہ ہمیشہ ہی حکیم ہے۔ (یہاں یہی معنی مناسب کہ وہ ہمیشہ ہی حکمت والا ہے)

البتہ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ”علم“ سے مشتق ہو، اور معنی یہ ہو ”فعلد المتقن المحکم“ کہ اس کا فعل پختہ اور یقینی ہے۔ اس معنی کے لحاظ پر یہ رب تعالیٰ کی صفت اضافیہ ہوگی۔

”واذا ارید به ذلک لم یزل ان یقال حکیم کما لایحوز ان یقال لم یزل فاعلا“

جب یہ معنی لیا جائے اور صفت اضافیہ ہو تو پھر یہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ ہمیشہ حکیم ہے، جیسا کہ یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ ہمیشہ کام کرتا ہے۔

پھر مطلب یہ ہوگا کہ وہ جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس کا کام پختہ اور یقینی ہوتا ہے۔ (اور احکام الفرقان للتحصیل)

دو صفات ذکر کرنے کی وجہ:

پہلی صفت میں وعید پائی گئی ہے اور دوسری صفت میں وعدہ پایا گیا ہے۔

وعید کا مطلب ہوتا ہے دھمکی دینا اور وعدہ کا مطلب ہوتا ہے تسلی دینا۔

اپنی صفت ”عزیز“ بیان کر کے رب تعالیٰ نے کئی دھمکیوں کو اس ایک لفظ میں جمع فرما دیا جو لفظ ”عقاب“

ذکر کرنے سے بھی حاصل نہ ہوتیں۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہوا۔

”فاعلموا ان اللہ مقتدر علیکم، لایمنعه مانع عنکم فلا یفوتہ ما یریدہ منکم و هذا نہایۃ

فی الوعد“

کہ رب تعالیٰ نے فرمایا، جان لو، متنبہ ہو جاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر قادر ہے۔ جب وہ تمہیں عذاب دینا چاہے تو کوئی اسے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرماتا ہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا، یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی بھاگ کر اس سے چلا جائے۔

رب تعالیٰ کا یہ ارشاد بہت زیادہ وعید پر مشتمل ہے، رب تعالیٰ کے اس ارشاد کو عام طور پر استعمال ہونے والے الفاظ سے سمجھئے۔ جب باپ اپنے بیٹے کو یہ کہے ”ان عصیتی فانت عارف لی“ ”اگر تم نے میری نافرمانی کی تو تم مجھے جانتے ہو“ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ ”وانت تعلم قدرتی علیک وشدة سطوتی“ اور تم جانتے ہو کہ مجھے تم پر قدرت حاصل ہے اور مجھے تم پر دبدبہ حاصل ہے۔

”فیکون هذا الکلام فی الزجر ابلغ من ذکر الضرب وغیره“

اس کلام میں زیادہ دھمکی پائی گئی جو یہ کہنے میں نہیں کہ اگر تم نے میری نافرمانی کی تو میں تمہیں ماروں گا۔

دوسری صفت ”حکیم“ بیان فرمائی، اس صفت میں رب تعالیٰ نے وعدہ کا ذکر فرمایا۔

”فان اللائق بالحکمة ان یميز بین المحسن والمسی فکما یحسن من الحکیم ایصال العذاب الی المسی فکذلک یحسن منه ایصال الثواب الی المحسن بل هذا البق بالحکمة واقرب للرحمة“

اس لئے کہ رب تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ نیک اور گنہگار میں فرق کرے۔ اور ساتھ ہی یہ واضح ہوا کہ جس طرح گنہگار کو عذاب دینا اس کے حکیم ہونے کے مناسب ہے، اسی طرح نیک کو ثواب عطاء کرنا بھی اس کی حکمت کے لائق ہے، بلکہ نیک کو ثواب عطاء کرنا زیادہ ہی حکمت کے مناسب ہے اور اس کی رحمت کے زیادہ ہی قریب ہے۔

(از کبیر)

علامہ رازی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کے مطابق خلاصہ کلام یہ ہوا۔ ”کہ اگر تم عقلی اور نقلی دلائل کے آجانے کے بعد

پھسل گئے تو متنبہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ غالب قدرت کا مالک ہے۔ اس کے عذاب سے تم اپنے آپ کو بچا نہیں سکو گے، کوئی اور بھی رب تعالیٰ پر غالب آکر تمہیں نہیں چھڑا سکے گا۔ کیونکہ اس پر کسی کے غالب آنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور ساتھ ساتھ ہی اپنی صفت ”حکیم“ ہونا ذکر فرما کر یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر تم نے دلائل کو دیکھ کر رب تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب عطاء فرمائے گا، تم پر رحمت فرمائے گا۔

حکیم ہونے کا ایک اور مطلب:

”حکیم“ ای لا یعذب الا بحق“ اللہ تعالیٰ حکیم ہے کہ وہ کسی کو ناحق عذاب نہیں دیتا، اور نہ ہی کسی کو جرم سے زیادہ سزا دیتا ہے، اس کے تمام امور حکمت کے مطابق ہیں۔ کوئی کام اس کا حکمت کے خلاف نہیں۔

(مدارک و حارث)

ایمان افروز واقعہ:

ایک قاری قرآن یہی آیت کریمہ پڑھ رہے تھے، انہوں نے بھول کر ”فاعلموا ان اللہ غفور رحیم“ پڑھ لیا، ایک عربی قرآن پاک سن رہا تھا، اس نے قرآن پاک نہیں پڑھا ہوا تھا، لیکن زبان اس کی عربی تھی، وہ سن کر کہنے لگا۔

”لیس هذا من کلام اللہ اذا الحکیم لا یذکر الغفران عند الزلل والعصیان لا نه اغراء علیه“

کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا، کیونکہ پہلے اغفرش کا ذکر ہے اور گناہوں میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے، اگر اس کے بعد یہ ذکر ہو ”فاعلموا ان اللہ غفور رحیم“ (تو جان بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے) تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی گناہ پر ابھارا ہے کہ تم گناہ کرتے رہو اور میں بخشتا رہوں گا اور رحم کرتا رہوں گا۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ہی خلاف ہے کیونکہ وہ نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے اور گناہوں سے باز رہنے کا حکم

(از مدارک)

دیتا ہے۔

مسئلہ : جب تک شریعت کا کوئی حکم نافذ نہ ہو اس وقت تک وہ واجب نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ ”من بعد ما جاء تکم
البینات“ سے واضح ہوا۔
(کبیر بتغیر)

اعتراض : جب رب تعالیٰ ”حکیم“ ہے تو یہ کہنا کیسے درست ہے کہ کافر کفر کرتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ پایا جاتا
ہے اور سفیہ (بے وقوف) سفاہت کرتا ہے تو اس کے ارادہ کے مطابق ہے، حالانکہ یہ کہنا تو اس کی حکمت کے خلاف ہے۔
جواب : یہ ذہنی الجھن اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ارادہ اور رضاء میں فرق نہ کیا جائے، رب تعالیٰ کافر سے کفر
اور سفیہ سے سفاہت کو پسند نہیں فرماتا، بلکہ انسان کو ہر کام کا اختیار دے رکھا ہے، انسان جو کام کرتا ہے وہ اس کے
دیئے ہوئے اختیار کے مطابق کرتا ہے، یہی اس کا ارادہ ہے۔

یہ ارادہ اس کی حکمت کے خلاف نہیں، کیونکہ اس نے ان کاموں سے روک رکھا ہے، وہ تمام امور کو جانتا ہے
اور باطل راہ پر چلنے والوں کو عذاب دے گا اور عذاب بغیر جرم کے نہیں دے گا اور عذاب جرم سے زائد نہیں دے گا۔
یہی اس کی حکمت ہے۔
(از کبیر بتغیر)

www.marfat.com

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ
وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَالِىَ اللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورُ ☆ (سورة البقرة آیت نمبر ۲۱۰)

۵۱۵

کا ہے کے انتظار میں ہیں مگر یہی کہ اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں
اور فرشتے اتریں اور کام ہو چکے اور سب کاموں کی رجوع اللہ کی طرف ہے۔

۵۲۵

وہ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر یہی کہ آجائے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب بچ
سائے بادلوں کے اور (آجائیں) فرشتے اور فیصلہ کر دیا جائے کام کا، اور طرف
اللہ کے لوٹائے جاتے ہیں تمام کام۔

شان نزول:

یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جن کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ کچھ لوگ شیطان کے قدموں کی تابعداری
کرنے والے ہیں اور اسلام میں مکمل طور پر داخل نہیں ہوتے ان کے متعلق اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ
شیطان کے قدموں کی تابعداری کر کے اور اسلام میں مکمل طور پر داخل نہ ہو کر وہ نہیں انتظار کر رہے ہیں، ہاں مگر اسی کی
انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے اور وہ عذاب بادلوں کی طرح چھا جائے، اور اس عذاب
کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی آجائیں۔ ان کو ہلاک کر کے ان کا فیصلہ ہی کر لیا جائے، یعنی ان کا کام ہی تمام کر دیا
جائے اور سب کام اور سب امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جانے ہیں، کیونکہ وہی ان کا خالق و مالک ہے۔

”هل ينظرون“: وہ نہیں انتظار کر رہے ہیں۔

”هل ينظرون“ استفہام فی معنی النفی ولذلك جاء بعده (الان یا تیہم اللہ) ای

(بیضاوی)

یأتی امرہ او بأسہ“

اس مقام میں ”ہل“ استفہام انکاری کے طور پر استعمال ہے جس کا معنی نفی والا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بعد ”الا“ استثناء کے لئے استعمال ہے۔

مطلب یہ ہوگا کہ وہ نہیں انتظار کر رہے مگر یہ کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے۔

خیال رہے کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ حقیقی ہے جس میں استفہام کا معنی کیا گیا، اور راقم نے مقصد کے مطابق تفسیر بیضاوی کے مطابق مجازی معنی کیا ہے۔

”ینظرون“ کا معنی ہے ”ینتظرون“ وہ انتظار کر رہے ہیں۔ اس معنی میں عام استعمال ہے۔ کہا جاتا ہے ”نظر تہ“ کہ میں نے اس کی انتظار کی۔ اور قرآن پاک میں ”انظرونا نقبیس من نور کم“ میں بھی ”انظرونا“ انتظار کے معنی میں استعمال ہے۔ اور ”فناظرہ بم یرجع المرسلون“ میں بھی ”ناظرہ“ انتظار کے معنی میں استعمال ہے۔

(شیخ زادہ)

دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے:

”نظر“ کے استعمال کے لحاظ سے مختلف معنی ہیں۔

نظر (ن.س) دیکھنا، غور سے دیکھنا: نظر (ن) فی الامر، سوچنا، فکر کرنا، اندازہ کرنا، الشیء، انتظار کرنا، بین الناس حکم کرنا، فیصلہ کرنا، للقوم، رحم کرنا، مدد کرنا، فلانا، متوجہ ہونا، فلانا الدین قرضہ کی مہلت دینا۔ نظر الدھر الی بنی فلان زمانہ نے فلاں کی اولاد کو ہلاک کر دیا۔

(المجد)

”الا ان یتیم اللہ“: مگر یہ کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے۔

اس کا ظاہری معنی یہ ہے ”مگر یہ کہ ان کے پاس اللہ آجائے“

لیکن اس پر اتفاق ہے اہل علم کا اللہ تعالیٰ آنے جانے سے پاک ہے، اس لئے ان الفاظ مبارکہ کے دو مطلب مفسرین کرام نے بیان کئے ہیں۔

ایک مطلب یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کا ظاہری معنی کیا جائے تو پھر یہ تشابہات کی اس قسم سے ہیں جن کے ظاہری معانی تو معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس لئے ظاہری معنی ذکر کرنے کے بعد یہ ذکر نا ضروری ہے کہ ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اسی طرح بعض آثار کا بھی ظاہری معنی تو معلوم ہوگا لیکن ان کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر طبری میں ذکر ہے۔

”عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال من الغمام طاقات یأتی اللہ عز وجل فیہا محفوظا“
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بادلوں کے پردے میں لپٹا ہوا آئے گا۔

اس حدیث پاک سے بھی ظاہری معنی سمجھ آ رہا ہے لیکن حقیقی مراد وہ نہیں جو ظاہر ہے۔ لہذا ظاہری معنی کو دیکھ کر کہنا پڑے گا ”اللہ ورسولہ اعلم مرادہ“ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس کی مراد کو جانتے ہیں۔

ایک عجیب نکتہ حل ہوتا ہے:

خازن رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ آیت صفات اور احادیث صفات یعنی جن آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہو اور ان کی مراد میں اشتباہ ہو جیسا اس آیت کریمہ میں ہے تو اس کا حکم یہ ہے۔

”وانہ یجب علینا الایمان بظاہرہا ونؤمن بہا کما جاءت ونکل علمہا الی اللہ تعالیٰ والی رسول اللہ ﷺ“

کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کے ظاہر پر ایمان لائیں کہ ظاہری معنی تو اس کا یہ سمجھ آتا ہے لیکن حقیقی علم ان آیات و احادیث کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیں کہ حقیقی مراد ہی جانتے ہیں۔

واضح ہوا کہ تشابہات کا علم اللہ تعالیٰ کو بھی حاصل ہے اور اس کے رسول ﷺ کو بھی حاصل ہے۔

خوبصورت اشعار:

ابھی جس عقیدہ کا ذکر کیا کہ آیات صفات اور احادیث صفات کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو ہے، اس کو اہل علم نے نظم کی صورت میں پیش کیا۔

عقیدتنا ان لیس مثل صفاته ولا ذاته شی عقیدہ صائب

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ بیشک نہیں مثل اس کی صفات کے۔ اور نہ ہی اس کی ذات کے کوئی چیز، یہی عقیدہ درست ہے۔

نسلم آیات الصفات باسرها واخبارها للظاهر المتقارب

ہم تسلیم کرتے ہیں آیات صفات کو مکمل طور پر۔ اور تسلیم کرتے ہیں ان کی خبروں کو جو ظاہر کے قریب ہیں۔ (سمجھنے کے لحاظ پر)

ونؤیس عنها کنہ فہم عقولنا وتاویلنا فعل اللیب المغالب

اور ہم ناامید ہیں ان سے کہ ہماری عقلیں ان کی حقیقت کو سمجھ لیں۔ اور ہم اپنی تاویلوں سے ناامید ہیں یہی عقلمند مغالب شخص کا فعل ہے۔

ونرکب للتسلیم سفنا فانها لتسلیم دین المرء خیر المراكب

اور ہم تسلیم کی کشتیوں پر سوار ہو رہے ہیں، بے شک، کہ انسان کا دین کو تسلیم کرنا ہے بہتر سواریاں ہیں۔

جمہور علماء متکلمین کا مذہب:

آیات صفات اور احادیث صفات میں جمہور علماء متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ آنے، جانے سے پاک، لہذا اس قسم کے الفاظ یعنی آنے، جانے کی نسبت.....

”فیستحیل ذلک فی حقہ تعالیٰ ثبت بذلک ان ظاہر الآیۃ لیس مراداً فلا بد من

التاویل علی سبیل التفصیل“

..... اللہ تعالیٰ کی طرف محال ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ آیہ کریمہ کا سب ظاہری مطلب مرا نہیں تو سیاق و سباق کی تفصیل کے مطابق ان آیات کی تاویل کی جائے۔

اسی وجہ سے مفسرین کرام نے تفسیر میں مختلف الفاظ نکالے ہیں۔

”(الا ان یا تیہم اللہ) ای بآیات اللہ ای بامرہ، ای یا تیہم عذاب اللہ، ای بآسہ

وغیرھا“

سب کا مطلب یہی ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے۔ (ما حود از حارون)

جمہور علماء متکلمین کا مذہب ہی صحیح ہے اور اسی کے مطابق مطلب کو سمجھنا آسان ہے، اور کسی کو سمجھنا آسان،

اسی مذہب کے صحیح ہونے کے مطابق راقم کی تسکین الجنان کا ایک ورق دیکھئے۔

تراجم میں تقابلی جائزہ:

”هل ينظرون الا ان يا تيهم الله في ظلل من الغمام“

کیا وہ اس کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں۔ (شہادۃ الدین صاحب)

کیا یہ لوگ یہی انتظار رکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں۔ (شاہ عبدالقادر صاحب)

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس آویں۔

(اشرف علی صاحب)

(یہ لوگ) تو بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس خدا بال کے سائبانوں میں آجائے۔

(عبداللہ بدیع صاحب)

نہیں انتظار کرتے مگر یہ کہ آوے ان کے پاس اللہ بیچ سایوں کے بادلوں سے۔ (شاہ رفیع الدین صاحب)

کا ہے کے انتظار میں ہیں مگر یہی کہ اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں۔

(مولانا محمد رضا خان بریلوی)

اس مقام پر بھی اعلیٰ حضرت کا ترجمہ تفاسیر کے مطابق ہے، لیکن دوسرے تراجم میں یہ ذکر ہے کہ اللہ آئے، خود سامنے آمو جو ہو، یہ سب تراجم اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اور تفاسیر کے برخلاف ہیں۔

کسی مفسر نے خود اللہ تعالیٰ کے آنے کا ذکر (بغیر تاویل کے) نہیں کیا، تو حید کے دعویٰ ارشاد الوہیت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

” (الان یا تیہم اللہ) ای امرہ کقولہ (اویاتی امر ربک) ای عذابہ (فی ظلل) جمع

ظلة (من الغمام) السحاب“ (جلالین)

مگر یہی کہ اللہ کا امر (عذاب) آئے، جس طرح دوسرے مقام پر ”اویاتی امر ربک“ ہے۔

وہاں بھی اس کا عذاب مراد ہے، یعنی اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بالوں میں۔

” (الان یا تیہم اللہ) ای یا تیہم امرہ اوبأسہ“ (بیضاوی)

مگر یہی کہ اللہ کا امر اور عذاب آئے۔

مدارک میں بھی بیضاوی کی طرح ہی تفسیر ہے۔ یعنی دونوں تفاسیر کے الفاظ ایک ہی ہیں۔

(از تسکین الجنان صفحہ نمبر ۶۳، ۶۵)

اللہ تعالیٰ آنے جانے سے کیوں پاک ہے؟

اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ آنا جانا حادث کا کام ہے، اللہ تعالیٰ قدیم ہے، اس لئے وہ آنے جانے سے

پاک ہے۔

حادث اسے کہتے ہیں جس کی ابتداء بھی ہو اور انتہاء بھی ہو، وہ اپنے قیام میں واجب الوجود (اللہ تعالیٰ)

کا محتاج ہو۔ اور قدیم وہ ہے کو خود قائم ہو، نہ اس کی ابتداء ہو اور نہ انتہاء۔

تفصیلی جواب میں کئی وجوہ پائی گئی ہیں، جو علامہ رازی رحمہ اللہ نے ذکر فرمائی ہیں، ان کو مختصر طور پر ذکر کیا

جار ہا ہے۔ سب سے پہلے تو اہل علم کا عقیدہ سمجھا جائے۔

”اجمع المعتبرون من العقلاء علی انه سبحانه وتعالی منزہ عن المجنی والذہاب“
کامل عقل رکھنے والے اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ آنے اور جانے سے پاک ہے۔
علم اصول میں یہ بات ثابت ہے کہ ہر وہ چیز جس کا آنا اور جانا صحیح ہو۔

(۱)

”لا ینفک عن الحركة والسکون وهما محدثان“
وہ حرکت اور سکون سے جدا نہیں ہوتے اور حرکت و سکون حادث ہیں۔
اور یہ بھی ضابطہ واضح ہے۔ ”و اما لا ینفک عن المحدث فهو محدث“
کہ جو حادث سے جدا نہ ہو وہ حادث ہے۔

لہذا واضح ہو کہ آنے اور جانے والی ہر چیز حادث ہے۔ ”والا له القديم يستحيل ان يكون كذلك“
لیکن اللہ تعالیٰ قدیم ہے، اس لئے اس کا آنا اور جانا اس کی شان کے لائق نہیں بلکہ محال ہے۔

آنے جانے والی چیزیں اتنی چھوٹی تو ہو نہیں سکتیں جن کو ”جزء لا یتجزی“ (ایسی جز، جس کی تقسیم نہ ہو سکے)
کہا جائے، لازم طور وہ چیزیں بڑی اور مرکب ہوں گی، ہر مرکب چیز اپنے اجزاء کی محتاج ہوتی ہے اور جو چیز
اپنے اجزاء کی محتاج ہو وہ ممکن اور حادث ہوتی ہے۔

(۲)

اور رب تعالیٰ اپنے افعال میں فاعل مختار ہے اور قادر مطلق ہے، وہ ممکن محتاج و حادث نہیں۔
”فاللا له القديم الازلی یمتنع ان یکون كذلك“

اللہ تعالیٰ قدیم ازلی ذات ہے اس لئے وہ آنے جانے سے پاک ہے۔

ہر وہ چیز جو ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہو وہ محدود ہوتی ہے، اور متناہی ہوتی ہے، یعنی اس کا ایک
حد تک اختتام ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ محدود اور متناہی ہونے سے پاک ہے۔ لہذا وہ آنے جانے اور ایک
جگہ سے دوسری جگہ سے منتقل ہونے سے بھی پاک ہے۔

(۳)

اگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے آنا جانا جائز مانا جائے تو کیا وجہ ہے کہ سورج اور چاند کو معبود نہ مانا جائے، اور
چاند اور سورج اور ستاروں کو اللہ ماننے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر طعن لازم آئے گا۔ اور ان کی تکذیب

(۴)

لازم آئے گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نبی پر کذب کا گمان کرنا کفر ہے۔ لہذا رب تعالیٰ کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ وہ آنے جانے والا ہے تو کفر لازم آئے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر طعن کیوں لازم آئے گا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے چاند، سورج اور ستاروں کے معبود ہونے کی نفی پر یہ دلیل قائم فرمائی۔ ”لا احب الافلین“ ”میں پسند نہیں کرتا چھپ جانے والوں کو“ یعنی چھپ جانے والے معبود نہیں بن سکتے۔ اسی سے واضح ہوا کہ آنے جانے والا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والا معبود نہیں بن سکتا۔

(۵) فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا ”وہ رب العالمین“ سب جہانوں کا رب کیسا ہے؟ اس کا خیال تھا کہ رب کی مابیت بیان کی جائے گی۔ اس کا جنس ہونا یا جوہر ہونا اور اس کا جسم ہونا بیان کیا جائے گا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی صفات بیان کر کے اس کا جواب دیا۔ ارشاد فرمایا ”رب السماوات والارض“ وہ آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔

اور ارشاد فرمایا ”ربکم ورب آبائکم الاولین“ وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آباء کا رب ہے۔ اور ارشاد فرمایا ”رب المشرق والمغرب“ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رب تعالیٰ کی صفات سے جواب دے کر اس کے نظریات باطلہ کا رد کر دیا۔ ”علمنا انہ تعالیٰ منزہ عن ان یکون جسما وان یکون فی مکان ومنزہ عن ان یصح علیہ المجنی والذہاب“

فرعون کے سوال اور موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے ہمیں بھی پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اور کسی مکان میں ہونے سے پاک ہے اور آنے جانے سے پاک ہے۔

(۶) جو چیز جسم ہو، وہ غرض اور اشارہ کے لحاظ سے دو جزؤں کی طرف منقسم ہوتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی ”قل هو اللہ احد“ فرمادو اللہ ایک ہے۔

”فلما کان تعالیٰ احدا امتنع ان یکون جسما او متحيزا فلما لم یکن جسما ولا متحيزا امتنع علیہ المجنی والذہاب“

جب اللہ تعالیٰ ایک ہے تو اس کا جسم ہونا یا اس کا کسی چیز (مکان) میں ہونا ممتنع ہے۔ جب اس کا جسم ہونا اور کسی مکان میں ہونا ممتنع ہے تو یقیناً اس کا آنا اور جانا بھی ممتنع ہے، کیونکہ آنے جانے والا جسم ہوتا ہے اور مکان میں پایا جاتا ہے۔

پھر جسم دوسرے جسموں کا مشابہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کوئی مشابہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف بیان کرتے ہوئے یوں سوال کیا ہے ” (هل تعلم له سميا) ای شبیہا “ کیا تم اس کی شبیہ کو جانتے ہو؟ یعنی اس کا کوئی مشابہ نہیں۔ وہ مشابہت سے پاک ہے۔ پھر اور فرمایا ” لیس کمثله شیء “ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

” فثبت انه تعالى لیس بجسم ولا متحيز وانه لا یصح المجئ والذهاب علیه “
ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ جسم نہیں اور کسی مکان میں نہیں پایا جاتا تو اسی سے واضح ہوا کہ وہ آنے اور جانے سے پاک ہے۔
(ارکبیر)

” فی ظلل من الغمام والملئكة “:

(مگر یہ کہ ان کے پاس اللہ کا عذاب آجائے) بادلوں کے سائے میں اور فرشتے آجائیں۔
دینی طلباء کی توجہ کے لئے:

” والملائكة “ کا عطف ہے لفظ ” اللہ “ پر اس لئے یہ فاعل ہوا ” یاتئ “ کا۔
” والمراد العذاب الذی یتیم فی الغمام مع الملائكة “
مراد یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ کا عذاب بادلوں میں آئے اور اس عذاب کے ساتھ فرشتے بھی آئیں۔
یعنی وہ عذاب لانے کی ذمہ داری فرشتوں کے سپرد کر دی جائے۔
” ظلل “ جمع ہے ” ظلة “ کی، جس چیز کے ذریعے کسی پر سایہ کیا جائے اسے ” ظلة “ کہا جاتا ہے۔
” والغمام ای السحاب لا یکون كذلك الا اذا کان مجتمعاً متراکماً “

غمام اس بادل کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ مجتمع ہو کر بادل چھا جائیں۔

”ظلل من الغمام“ کا مجموعی معنی یہ ہے کہ بادل کے کئی ٹکڑے آپس میں مل جائیں اور گتھم گتھا ہو جائیں۔

(از کبیر)

اعلیٰ حضرت نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے ”چھائے ہوئے بادل“

راقم نے حقیقی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ”فی ظلل من الغمام“ کا ترجمہ کیا ہے ”بادلوں کے سائے میں“

مطلب اس کا بھی یہی ہے کہ جب گہرے اور گھنے بادل بہت زیادہ چھا جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے ”بادلوں

نے سایہ ڈال دیا“ بادلوں نے رات ڈال دی۔

بادلوں میں عذاب کرنے کی حکمت:

”ان الغمام مظنة الرحمة“ بادلوں کو دیکھ کر رحمت کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی

بارش آرہی ہے۔

شر اور مصیبت کا گمان نہ ہو تو اچانک مصیبت واقع ہو جائے تو وہ زیادہ ہولناک اور پریشان کن ہوتی ہے۔

اسی طرح خیر اور مہربانی کا گمان نہ ہو تو اچانک مہربانی حاصل ہو تو اس سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔

”فكيف اذا جاء الشر من حيث يحتسب الخير“

جب ایک چیز کو خیر سمجھا جائے اور اس میں رحمت کی امید لگائی گئی ہو وہی جب عذاب بن جائے تو یقیناً وہ

بہت ہولناک منظر ہوگا، بہت زیادہ گھبراہٹ کا سبب بنے گا۔

بادلوں میں عذاب کے آنے کو ذکر کر کے اور اس طرف اشارہ کیا گیا کہ جس طرح بارش کے قطرات کو شمار

(از کبیر)

نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مقدار کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

”وقضى الامر“ : اور فیصلہ کر دیا جائے کام کا۔

”قضی“ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ لیکن معنی مستقبل کا ہے۔ اس سے اشارہ اس طرف پایا گیا ہے کہ قیامت کے امور دفعۃً واحدہ (ایک مرتبہ ہی) پائے جائیں گے۔
(ارکبیر)

”اتم امر العباد و حسابہم فائیب الطائع و عوقب العاصی“
بندوں کا معاملہ مکمل کر دیا جائے اور ان کا حساب کر لیا جائے مطیع کو ثواب دے دیا جائے اور نافرمان کو عذاب۔

”واتم امر ہلا کھم و فرغ منہ“ ان کی ہلاکت کا معاملہ مکمل کر دیا جائے اور اس سے فارغ ہو جائے۔
(روح السعاسی)

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ روح المعانی کی اس آخری عبارت کے مطابق ہے ”اور کام ہو چکے“
راقم کا ترجمہ بھی تقریباً اسی کے مطابق ہے لیکن لغوی معانی کا ذکر کیا گیا ہے ”اور فیصلہ کر دیا جائے کام کا“
روح البیان نے ماضی کا معنی کیا ہے۔ ”(وقضی) فی اللوح (الأمر) امر ہلا کھم“
لوح محفوظ میں ان کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

”والی اللہ ترجع الامور“: اور طرف اللہ کے لوٹائے جانے ہیں تمام کام۔

مجسمہ فرقہ کی غلط فہمی:

وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ کا جسم مانتا ہے، انہوں نے اس آیت کریمہ میں استعمال لفظ ”الی“ ذلتے دلیل پکڑی ہے کہ ”الی“ انتہاء غایت کے لئے آتا ہے تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہوگا، جس کی طرف تمام امور کو لوٹایا جائے گا۔ جب مکان میں ہوگا تو جسم بھی ہوگا۔

ان کی غلط فہمی کا ازالہ:

یہاں ”الی“ غایت مکانیہ کے لئے استعمال نہیں بلکہ غایت تقریب کے لئے استعمال ہے، دنیا میں بندوں کے

کثیر امور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں تو آخرت میں صرف رب تعالیٰ کا حکم بندوں پر چلے گا، جس طرح رب تعالیٰ نے فرمایا ”والا مریو منذلہ“ اس دن حکم صرف رب تعالیٰ کا ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوں گے، وہی ان کا بصیر ہوگا اس کے بغیر کسی کی ملکیت وہاں نہیں ہوگی۔

جس طرح ہم کہتے ہیں ”رجع امرنا الی الامیر“ ظاہری معنی تو اس کا بھی یہ ہے کہ ہمارا معاملہ امیر کی طرف لوٹ گیا، لیکن مراد اس کی یہ ہے کہ ”ہمارا معاملہ امیر کے پاس ہے“ یعنی اس کی نظر میں ہے۔

یہی مطلب ”والی اللہ المصیر“ کا ہے کہ مخلوق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا ”لان الخلق الساعة فی ملکہ و سلطانہ“ کیونکہ ہر گھڑی میں مخلوق اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کی بادشاہی میں موجود ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ کی طرف پھیرے جانے کا یہی مفہوم ہے۔

دوسرا مطلب ”اللہ تعالیٰ کی طرف امور لوٹائے جانے“ کا یہ ہے کہ دنیا مقام امتحان ہے، جب یہ سلسلہ امتحان ختم ہو جائے گا تو دار آخرت جو ثواب و عقاب کا مقام ہے وہاں انسان پہنچ جائیں گے۔ ”کان الامر کلہ للہ“ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہوں گے۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جائے اور رب تعالیٰ کی نہی کے مطابق شیطان کی تابعداری نہ کرے، یعنی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں تمام امور کا ہونا ہی ”اس کی طرف امور کو لوٹائے جانے“ کا مطلب ہے۔ (از کبیر)

مجسمہ کی طرح سندھی کی غلط فہمی:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب اہل قریظہ نے سعد بن معاذ کو حکم بنانے پر رضامندی کا اظہار کیا تو رسول ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا، وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب مسجد کے قریب آئے۔

”قال رسول اللہ ﷺ للانصار قوموا الی سیدکم او خیرکم“

تو رسول اللہ ﷺ نے انصار کو فرمایا اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ یا آپ نے فرمایا جو شخص تم سے بہتر ہے اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

اس حدیث پر عبد اللہ سندھی نے حاشیہ لکھا۔

”لا دلیل فیہ علی قیام التعظیم والتکریم اذ لو ارید ذاک لقیل قوموا السید کم واما هذا الحدیث فانما يدل علی القیام للمریض عند النزول او القیام لاستقبال العظیم ونحو ذلك“ کہ اس حدیث میں کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی، اگر یہ مقصد ہوتا تو یہ کہا جاتا ”قوموا السید کم“ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ ”قوموا الی سید کم“ نہ کہا جاتا کیونکہ اس کا معنی تو یہ ہے کہ اپنے سردار کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ ہاں البتہ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سعد چونکہ مریض تھے تو حکم دیا کہ مریض کے اترتے وقت اس کے پاس کھڑے ہو جاؤ (تاکہ اتارنے میں اس کی امداد کرو) یا اس سے ایک بڑے آدمی کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

سندھی کی عجیب غلطی:

سندھی پر تو ایک مشہور مثال چلی آتی ہے۔

”فر من المطر وقر تحت المیزاب“ بارش سے بھاگ کر پرنا لے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

تعظیم کے لئے کھڑا ہونے کا انکار اور عظیم شخص کے استقبال کے لئے کھڑا ہونے کا اقرار کیسی عجیب غلطی ہے۔ استقبال کے لئے کھڑا ہونے کا نام ہی تو قیام تعظیم ہی ہے، کیا یہ بھی کسی مسلمان سے سنا گیا ہے کہ وہ کسی بندے کو معبود سمجھ کر اس کے لئے بطور عبادت کھڑا ہوا ہو؟ ایسا ہرگز نہیں۔

سندھی کی دوسری غلطی:

وہی ہے جو مجسمہ نے ”الی“ کی وجہ سے غلطی کی ہے۔ سندھی کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ اس مقام میں ”الی“

غایت مکانی کے لئے نہیں بلکہ غایت تقرب کے لئے ہے، جس کا مقصد یہ ہے اپنے سردار کے استقبال کے لئے ان کے قریب ہو کر کھڑے ہو جاؤ، صرف کھڑے ہونے کی بہت قریب ہو کر کھڑے ہونے میں اور ہی کمال پایا گیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ کی تحقیق:

”قوله: ”قو مو الی سید کم او خیر کم“ فیہ اکرام اهل الفضل وتلقیہم بالقیام

لہم اذا قبلوا هذا احتج بہ جماہیر العلماء لا استحباب القیام“

اس حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ فضیلت والے حضرات کی عزت کی جائے اور کھڑے ہو کر ان سے ملاقات کی جائے، جمہور علماء کرام کی یہی تحقیق ہے اور یہی حدیث ان کی دلیل ہے کہ اہل فضل کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے۔

اس کے بعد علامہ نووی اپنا مختار بیان کرتے ہیں۔

”قلت القیام للقادم من اهل الفضل مستحب وقد جاء فیہ احادیث ولم یصح فی

النہی عنہ شی صریح“ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۳)

میں کہتا ہوں کہ اہل فضل کے آنے پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ جو احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، ممانعت پر کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔

استدلال لازوال:

سید الاولیاء، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو بیان فرماتے ہوئے شاندار دلیل قائم فرمائی،

آپ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”قو مو الی سید کم“ (اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو)

لفظ ”سید“ مشتق ہے، قانون یہ ہے کہ مشتق میں مبداء اشتقاق علت ہوتا ہے، اس لئے حدیث پاک کا مطلب

یہ ہے ”قو مو السید کم لسیادۃ“ اپنے سردار کے لئے ان کی سرداری کی وجہ سے کھڑے ہو جاؤ۔

اگر حضرت سعد کو سواری سے اتارنا مقصود ہوتا تو تمام انصار کو حکم نہ دیا جاتا۔ اور یہ کہا جاتا "قوموا الی سعد" سعد کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

اعتراض: نبی کریم ﷺ نے کسی کے سامنے کھڑے ہونے سے منع فرمایا، ان ممانعت والی احادیث کو دیکھ کر تو یہی پتہ چلتا ہے سندھی کا حاشیہ درست، ممانعت والی احادیث کو دیکھئے۔

☆ "عن ابی امامہ قال خرج رسول اللہ ﷺ متکنا علی عصا فقمنا له فقال لا تقوموا کما

(مسکوٰۃ باب القیام)

تقوم الا عاجم یعظم بعضها بعضا" رواہ ابو داؤد

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ عصا پر سہارا لگا کر نکلے، ہم آپ کے لئے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا تم نہ کھڑے ہو جیسے عجمی کھڑے ہوتے ہیں، بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔

☆ "عن معاویۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من سره ان یتمثل له الرجال قیما ما فلیتبو مقعدہ

(رواہ ابو داؤد والترمذی مشکوٰۃ باب القیام)

من النار

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ خوش لگے کہ لوگ اس کے سامنے بت کی طرح کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے۔

جواب: ان احادیث میں مطلقاً قیام سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ اس میں تفصیل ہے، آئیے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کی

وضاحت دیکھئے۔ "قیل هذا الوعيد لمن سلك فيه التكبر بقربة السرور للسنول"

اس وعید کا تعلق اس شخص سے ہے جو تکبر کے طور پر لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم دے، کیونکہ

حدیث شریف میں ہے "من سره" جس کو خوش لگے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں۔ تو اس

کا مقصد یہ ہے کہ وہ کھڑا ہونے کا سوال کرے، مطالبہ کرے کہ میرے سامنے کھڑے رہو۔

"وقد روی البیهقی فی شعب الایمان عن الخطابی فی معنی الحدیث هو ان یأمرهم

بذلک ویلزمہ ایاہم علی مذهب الکبر والفخر" (بیہقی فی شعب الایمان)

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا "کہ کوئی شخص کسی کو حکم دے کہ تم

میرے سامنے کھڑے رہو تو یہ منع ہے کیونکہ اس میں تکبر اور فخر پایا گیا ہے۔"

”و اما اذا لم يطلب ذلك وقاموا من تلقاء انفسهم طلبا للثواب او لإرادة التواضع فلا بأس به“
لیکن جب کوئی دوسرے سے کھڑے ہونے کا مطالبہ نہ کرے بلکہ لوگ خود کھڑے ہو جائیں کہ یہ بزرگ ہیں، عالم ہیں ان کے لئے کھڑا ہونا ثواب ہے، یا اس کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو جائے کہ میں تو اس بلند ہستی کے سامنے کم درجہ رکھتا ہوں، اس کے کھڑے ہونے کا مقصد اظہارِ بجز ہو تو یہ جائز ہے اس میں کسی قسم کی کوئی حرج نہیں۔

”وفی حدیث سعد دلالة على ان قيام المرء بين يدي الرئيس الفاضل والوالی العادل وقيام المتعلم للمعلم مستحب غير مكروه“

جس حدیث میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے کھڑا ہونے کا حکم دیا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ کوئی انسان اپنی مرضی سے کسی صاحبِ رئیس کے سامنے کھڑا ہو جائے یا عادل حاکم کے سامنے کھڑا ہو جائے یا شاگرد استاد کے لئے کھڑا ہو جائے یہ قیام مستحب ہے مکروہ نہیں۔

”وقال البيهقي هذا القيام يكون على وجه البر والاكرام كما كان قيام الانصار لسعد وقيام طلحة لكعب بن مالك“

بیہقی نے بیان کیا ہے کہ مشائخ، فضلاء، اساتذہ اور عادلین حضرات کے لئے کھڑا ہونا ان کے اکرام کے لئے ہے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے ہے یہ ایسے ہی جائز اور مستحب ہے جیسے انصار حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے کھڑے ہوئے اور طلحہ کعب بن مالک (رضی اللہ عنہما) کے لئے کھڑے ہوئے (جب ان کی توبہ قبول ہوئی)۔

قیام ممنوع پر فیصلہ کن بات:

”ولا ينبغي للذى يقام له ان يرید ذلك من صاحبه حتى ان لم يفعل فقد عليه او شكاه او عاقبه“
اس شخص کے لئے کھڑا ہونا منع ہے جو چاہے کہ میرے لئے لوگ کھڑے ہو جائیں جو نہ کھڑے ہوں ان کے خلاف کینہ رکھے یا اس پر شکایت کرے تم کیوں کھڑے نہیں ہوئے یا سزا دے۔

(ماخوذ از مرقاة)

فائدہ: ”والی اللہ ترجع الامور“ کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے امور اور اعمال قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور ہوں گے، وہ مطیع لوگوں کو ثواب عطاء فرمائے گا اور نافرمانوں کو عذاب دے گا۔

اس لئے مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع بن کر رہے۔ اور ناجائز خواہشات نفسانیہ سے دور رہے، اور شیطان کی تابعداری نہ کرے۔

”وعن النبی ﷺ انه قال (ان الله تعالى اظهر الشكایة من امتی) وقال (انی طردت الشیطان لا جلهم فهم یعصوننی ویطیعون الشیطان“

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں، بے شک رب تعالیٰ نے میری امت کے متعلق شکایت ظاہر کی کہ میں نے شیطان کو انسانوں (آدم علیہ السلام) کی وجہ سے اپنی درگاہ سے راند دیا، لیکن وہ میری نافرمانی کرتے ہیں، اور شیطان کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

کجا سر بر آریم از یر عار و ننگ کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ
کب سراو پر لائیں گے ہم شرم و حیاء کی وجہ سے۔ کہ اس کے ساتھ (شیطان کے ساتھ) ہم صلح رکھیں
اور رب تعالیٰ سے جنگ۔

نظر دوست نادور کند سوئے تو چودر روی دشمن بود روی تو
دوست تیری طرف کم ہی نظر کرے گا، جب تیرا منہ دشمن کے منہ کی طرف ہوگا۔
ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے چو بیند کہ دشمن بود در سرائے
تو نہیں جانتا کہ بہت کم ہی رکھے گا دوست اپنے پاؤں۔ جب تیری سرائے میں دشمن کو دیکھے گا۔

(از روح البیان)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ☆ (سورة البقرة آیت نمبر ۲۱۱)

۱۵

بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دیں اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدل دے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

۲۰

سوال کرو بنی اسرائیل سے کتنی در ہیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی اور جو شخص تبدیل کر دے اللہ کی نعمت اس کے بعد کہ آج ہے (وہ نعمت) اس کے پاس تو بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ما قبل سے رابطہ:

اللہ تعالیٰ نے پہلے ارشاد فرمایا۔ ”یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشیطن“ اس آیت کریمہ میں تہدید پائی گئی، یعنی ذرا یاد دہم کیا گیا ہے، کیونکہ اس میں اسلام کے احکام پر مکمل طور پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شیطان کی تابعداری سے منع کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تمہیں جہنم میں لے جائے گا۔

دوسری آیت کریمہ ”فان زلتم من بعد ما جاء تکم البينات فاعلموا ان الله عزیز حکیم“ میں بھی تہدید پائی گئی ہے، کیونکہ اس میں گناہوں میں مبتلا ہونے پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے، کہ وہ عذاب دے تو کوئی اس کے عذاب کو روکنے والا نہیں۔

اس آیت کریمہ میں ظاہر طور پر تہدید پائی گئی ہے کیونکہ فرمایا ”فان الله شدید العقاب“ بیشک اللہ سخت عذاب

(از کبیر)

والا ہے۔

شان نزول و مختصر مطلب:

جب نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے اہل کتاب کے پادریوں نے آسمانی کتب میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو تبدیل کر دیا، کتب میں تحریف کر دی تو ان کو ڈرانے کے لئے نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کے مسلمان لوگوں کو کہا گیا کہ بنی اسرائیل سے پوچھو ان کے آباؤ اجداد کو کتنی عظیم نعمتیں دی گئیں، پھر ان گنت نعمتوں سے ہر انسان کو نوازا گیا، حق تو یہ تھا کہ ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جاتا، لیکن تم نے ان نعمتوں کو بدل ڈالا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے اوصاف کا تمہاری کتب میں ذکر کرنا، تمہارے لئے عظیم نعمت تھی، لیکن تم نے اس نعمت کو تبدیل کر کے عظیم جرم کیا، لہذا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک دن فیصلہ کی گھڑی بھی آنے والی ہے، جبکہ تمہیں اس وقت شدید نقصان میں مبتلا ہونا پڑے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ شدید عذاب والا ہے۔

(احادیث)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

”سل“ امر کا صیغہ ہے، اصل میں ”اسئل“ ہے، ہمزہ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی گئی، ہمزہ کو گرا دیا، اور شروع میں ہمزہ وصل کو بھی گرا دیا گیا ”سل“ رہ گیا۔

خیال رہے کہ ابتداء کلام میں تخفیف کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا ابتداء میں یہاں بھی ”سل“ ذکر کیا گیا۔ اور ”سلہم“ میں بھی ”سل“ ذکر کیا گیا لیکن درمیان میں ہمزہ وصل درج کلام کی وجہ سے خود ہی گر جاتا ہے، اس لئے بغیر تخفیف کے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ”واسئل القرية“ میں، اور ”فاسئل الذین یقرؤن الكتاب“ میں اور ”واسئلوا اللہ من فضله“ میں تخفیف نہیں کی گئی، البتہ کسائی نحوی ہر جگہ پر ہمزہ کو ساقط کر کے تخفیف سے پڑھتے ہیں (تاہم ان کی قرات جمہور کے خلاف ہے)۔

(اکسیر)

”سل بنی اسرائیل“:

”اعلم انه ليس المقصود ”سل بنی اسرائیل“ لیخبروک عن تلك الآيات فتعلمها و

ذلک لان الرسول ﷺ کان عالماتک الاحوال باعلام اللہ تعالیٰ ایاہ

یہ خطاب براہ راست نبی کریم ﷺ کو ہے اور آپ کے واسطے سے آپ کی امت کے مسلمانوں کو بھی ہے۔ بظاہر یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں کہ ہم نے ان کو کتنی کھلی نشانیاں دی ہیں۔ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو علم حاصل نہیں تھا۔ تو اس کا جواب علامہ رازی رحمہ اللہ نے دیا کہ اس کا یہ مقصد نہیں کہ نبی کریم ﷺ ان سے پوچھیں تو آپ کو علم حاصل ہو جائے، بلکہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی علم عطاء کر رکھا ہے۔

”بل المقصود منه المبالغة فی الزجر عن الاعراض عن دلائل اللہ تعالیٰ“

بلکہ مقصد ان کو بہت زیادہ زجر و تنبیخ کرنا (ڈانٹ ڈپٹ دینا) ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل سے اعراض کر رہے تھے، یعنی یہاں سوال تو تنبیخ اور تقریع کے لئے ہے۔ (تقریع، کانوں پر کھٹکانا) (از کبیر)

”کم آتینا ہم من آیۃ بینة“: کتنی دی ہیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی۔

دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے:

لفظ ”کم“ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ کم استفہامیہ ہو۔ اور دوسرا یہ کہ کم خبریہ ہو۔ (مدارک)

کم استفہامیہ کے مطابق زجر و تنبیخ پر مبنی سوال ہوگا۔ اور کم خبریہ کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ ”ان سے پوچھ کر ان کو بتائیں ہم نے ان کو کتنی ہی کھلی نشانیاں دی ہیں۔“

کھلی نشانیوں سے مراد کیا ہے:

اس کے معنی میں وسعت پائی گئی ہے۔ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں، جیسے آپ کو عصا بطور معجزہ دیا گیا۔ اور ید بیضاء اور دریا کا پھٹ جانا، اور من و سلوی اتارنا، جن سے ان کے آباء و اجداد نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

کھلی نشانیوں سے اور مراد یہ ہے۔

”ہی حجج اللہ الدالة علی نبوة محمد ﷺ وذلک انہم انکروا ما وادلوہا“
کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جو دلائل دیئے گئے تھے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے ان کا انکار کر دیا تھا اور ان کو تبدیل کر دیا تھا۔

کھلی نشانیوں سے اور مراد یہ ہے ”عہدہ الذی عہد الیہم فلم یفوا بہ“
کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو عہد لئے تھے کہ ان کو پورا کرنا، لیکن انہوں نے ان کی وفاتہ کی۔

کھلی نشانیوں سے مراد مطلق اللہ تعالیٰ کی وہ آیات ہیں جو ان کو ہدایت دینے والی ہیں اور گمراہی سے بچانے والی ہیں، لیکن انہوں نے ان کو تبدیل کر دیا۔

”ومن یبدل نعمۃ اللہ من بعد ما جاءتہ“:

اور جس نے تبدیل کر دیا اللہ کی نعمتوں کو اس کے بعد کہ وہ آگئیں ان کے پاس۔

”فان اللہ شدید العقاب“: تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

جن کھلی نشانیوں کا پہلے ذکر کیا ان تمام کو انہوں نے اور ان کے آباء و اجداد نے تبدیل کر دیا۔ کیونکہ جا بجا ان کے آباء و اجداد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام کی مخالفت کرتے رہے گویا کہ ان کے معجزات کو خاطر خواہ نہ لاتے رہے۔ من و سلوی کے کھانے سے انہوں نے انکار کیا، دریا ان کے گزرنے کے لئے پھٹا تھا، حق تو یہ تھا کہ وہ کذر کر پختہ ایمان والے ہوتے، لیکن انہوں نے ظاہر دیکھے جانے والے خدا پر ایمان لانے کا اصرار شروع کر دیا، یہ سب نعمتوں کو تبدیل کرنے کے مترادف تھا۔ اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف کو کتب سے بدلا۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد کی وفات نہ کر کے ایفاء عہد کے حکم کو پس پشت ڈال کر بدل دیا۔ اور انہوں نے نجات دینے والی آیات کو بدل کر گمراہی کو حاصل کر لیا۔

(ارجحاً)

نعمت سے اور مراد یہ ہے:

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو اسبابِ صحت اور اسبابِ امن اور اسبابِ کفایت عطاء فرمائے، جب انہوں نے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے بطور انتقام ان نعمتوں کو تبدیل کر دیا۔ اگرچہ ان کو تبدیل تو اللہ تعالیٰ نے کیا، لیکن سبب یہی لوگ تھے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کو تبدیل کرنے کی نسبت ان کی طرف دی۔ (از کبیر)

مقام توجہ:

جب نعمتوں سے مراد آیات اور دلائل ہو تو ”من بعد ماجاء ته“ کا معنی ہوگا ”من بعد ما تمکن من معرفتها“ ان کی معرفت پر قدرت رکھنا، ان کی معرفت کا حاصل ہونا۔ کیونکہ جب تک آیات و دلائل کی معرفت حاصل نہیں ہوگی وہ غائب کے درجہ میں ہوں گے۔

اور اگر نعمتوں سے مراد صحت و امن کفایت ہوں تو پھر ظاہری معنی ”آنا“ ہی ہوگا۔

”فلا شک ان عند حصول هذه الاسباب يكون الشكر واجب فكان الكفر اقبح“

تو یقیناً ان نعمتوں کے حاصل ہونے پر شکر واجب ہوگا اور کفر قبیح ہوگا۔ (از کبیر)

تنبیہ: علامہ واحدی رحمہ اللہ نے فرمایا ”فان الله شديد العقاب“ میں لفظ ”له“ پوشیدہ ہے۔ معنوی لحاظ پر اصل

عبارت یہ ہے۔ ”فان الله شديد العقاب له“ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ یعنی ”شديد“ صفت ہے ”عقاب“

کی اصل میں ”العقاب الشديد“ تھا، صفت کو مضاف بنایا۔ (یہ تمام ضوابط دینی مدارس کے طلباء کرام سے مخفی نہیں، اور یہ

بھی خیال رہے کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے)

لیکن علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عبد القاہر نے ”دلائل الاعجاز“ میں ذکر کیا ”ان ترک هذا الاضرار

اولی“ بے شک یہ پوشیدہ عبارت مراد نہ لینا زیادہ بہتر ہے۔

”وذلك لأن المقصود من الآية التخويف يكون في ذاته وموصوفاً به شديد

العقاب من غير التفات الى كونه شديد العقاب لهذا ولذا

کیونکہ آیہ کریمہ میں اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات سے ڈرانا ہے، کہ وہ رب تعالیٰ سخت عذاب دینے سے متصف ہے، یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ اس کا عذاب سخت اس کے لئے یا اس کے لئے۔

(از کبیر)

راقم نے ترجمہ علامہ عبد القاہر کی تحقیق کے مطابق کیا ہے ”تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے“

اصل مقصود طلباء کرام کو مختلف بحثیں ذہن نشین کرانا ہے تاکہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو دیکھ کر علامہ

واحدی رحمہ اللہ کی تحقیق یاد ہو جائے، اور راقم کا ترجمہ علامہ عبد القاہر کی تحقیق کا پتہ چل جائے۔

عقاب کی وجہ تسمیہ:

عقب کا معنی ہوتا ہے پیچھے آنا، اسی وجہ سے ایڑی کو عقب کہا جاتا ہے کہ وہ بھی پاؤں کے پیچھے حصہ میں ہوتی ہے،

عذاب کو عقب اس لئے کہا جاتا ہے ”والعقاب عذاب يعقب الجرم“ کہ وہ جرم کے بعد پیچھے بطور سزا دیا جاتا ہے۔

(از کبیر)

فائدہ: ”والمقصود من ذكر هذه الحكاية ان يعتبروا بغيرهم“ اس آیہ کریمہ سے تمام مسلمانوں کو متنبہ

کیا گیا ہے کہ تم بھی عبرت پکڑو، اگر تم نے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تبدیل کیا تو تم بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آؤ گے،

جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب“

تحقیق ان کے قصے بیان کرنے میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے۔

(کبیر)

☆☆☆☆☆

زَيْنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيُسَخَّرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا
وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۱۲)

حِسَابِ ☆

﴿۱﴾

کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی اور مسلمانوں سے ہنتے ہیں اور ڈر
والے ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔

﴿۲﴾

مزین کر دیا ان کے لئے جنہوں نے کفر کیا ”نویا کی زندگی کو“۔ اور وہ ہنسی اڑاتے ہیں
ان لوگوں کی جنہوں نے ایمان لایا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا وہ اوپر
ہوں گے ان کے قیامت کے دن، اور اللہ عطاء کرتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔

ما قبل سے رابطہ:

پچھلی آیت کریمہ میں ذکر کیا ”وَمَنْ يَّبدِلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ“ اور جو شخص اللہ کی نعمتوں کو تبدیل
کرتا ہے ان کے آجانے کے بعد تو بے شک اللہ عزیز و حکیم ہے۔ یعنی وہ انتقام لینے والا ہے غالب ہے، کوئی اس کی گرفت
سے بچ نہیں سکتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تبدیل کرنا کافروں کا وطیرہ تھا۔ اس لئے اس آیت کریمہ میں ان کافروں کی
تبدیلی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ وہ دنیا کی مزین زندگی میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بدل دیتے ہیں۔
”وَمَحْصُولُ هَذَا الْكَلَامِ تَعْرِيفُ الْمُؤْمِنِينَ ضَعْفَ عَقُولِ الْكَفَّارِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي

تَرْجِيعِ الْفَانِي مِنْ زِينَةِ الدُّنْيَا عَلَى الْبَاقِي مِنْ دَرَجَاتِ الْآخِرَةِ“

اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ مومنوں کو بتایا جائے کہ کفار و مشرکین کی عقلیں ضعیف ہیں کہ وہ دنیا کی

زندگی اور اس کی زیب و زینت کو باقی رہنے والی اور فضیلت والی اخروی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔

(کبر)

شان نزول:

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں چند وجہ ذکر کی گئی ہیں، جو تمام ہی مجموعی طور پر مراد ہیں، کہ چند واقعات کے درپیش آنے کے بعد آیت کریمہ کو نازل کیا گیا۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ ابو جہل اور قریش کے رئیس لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ”کانوا یسخرن من فقراء المسلمین“ کہ وہ فقیر مسلمانوں سے طنز کرتے تھے اور ہنسی اڑاتے تھے۔

یعنی وہ عبداللہ بن مسعود، عمار، خباب، ابو حذیفہ کے غلام سالم، عامر بن فہیرہ اور ابو عبیدہ بن جراح جیسے غریب صحابہ کرام سے وہ ہنسی اڑاتے تھے۔

(۲) یہ آیت کریمہ بنو قریظہ اور بنو نضیر اور بنو قینقاع کے متعلق نازل ہوئی، جبکہ انہوں نے مہاجرین صحابہ کرام کا تمسخر (مزاح) اڑایا، کیونکہ مہاجرین صحابہ کرام اپنے گھر اور مال چھوڑ کر آئے، اس لئے وہ غربت کی حالت میں بہت سادہ لباس رکھا کرتے تھے، جس کی وجہ سے یہود کے رئیس اور پادری ان سے ہنسی اڑاتے تھے۔

(۳) یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی، کیونکہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی کمزور حال مسلمانوں سے اور فقراء مہاجرین سے ہنسی اڑاتے تھے اور مزاح کیا کرتے تھے۔

(از کبر)

تمام صورتوں کا مجموعہ ہی شان نزول ہے:

یعنی تمام واقعات کے درپیش آنے کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

”واعلم انه لا مانع من نزولها فی جمیعہم“

جان لو بے شک تمام واقعات کو مجموعی طور پر آیت کریمہ کے شان نزول ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (از کبر)

”زین للذین کفرو بالحیوة الدنیا“: مزین کی گئی کافروں کے لئے دنیا کی زندگی۔

”زین“ ماضی مجہول ہے، جس کا فاعل ذکر نہیں، اس کا فاعل کیا ہے؟ اس کے فاعل میں دو احتمال ہیں۔ ایک فاعل حقیقی۔ اور دوسرا فاعل مجازی۔

فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز کا خالق و مالک وہی ہے۔ جب اس کی نسبت حقیقی فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔

”او جدت حسنة وجعلت محبوبة في قلوبهم فتها فتوا عليها فتها فت الفراعش على النار واعرضوا عما سواها“

دنیا کی زندگی کو (کفار کے لئے) حسین طور پر ایجاد کیا گیا ہے اور ان کے دلوں میں اسے محبوب بنا دیا گیا، وہ اس پر ایسے گرتے ہیں جیسے پتنگ آگ پر گرتے ہیں اور اس کے ماسواء سے اعراض کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی کی (منہ پھیر لیا) اور آیات کو تبدیل کر لیا۔ اس معنی کے لحاظ پر فاعل اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ موجد و خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کسی کے دل میں کسی چیز کو اثر انداز کر دینا بھی اللہ تعالیٰ کا ہی وصف ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ فاعل مجازی مراد ہو۔ وہ شیطان ہے۔

”وان فسر بالتحسين بالقول ونحوه من الوسوسة كما في قوله تعالى ”لا زين لهم في الارض ولا غوينهم“ كان فاعل ذلك هو الشيطان“

اس صورت میں مطاب یہ ہوگا کہ باتوں سے اور وسوسہ سے دنیا کی زندگی کو مزین کرنے والا شیطان ہے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے شیطان کے قول کا ذکر کیا (ترجمہ) میں ضرور بر ضرور زمین میں ان کے لئے مزین کروں گا اور ان کو بھٹکاؤں گا۔

(روح المعانی)

راقم کے نزدیک دونوں معانی بیک وقت مختلف حیثیات سے مراد ہیں، اس طرح حقیقت و مجاز کا اجتماع بھی لازم نہیں آئے گا۔

یعنی کفار کے لئے دنیا کی زندگی اقوال اور وسوسہ سے شیطان مزین کرتا ہے جو ظاہری سبب ہے، اور حقیقت میں اس ترین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

”وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا“: اورہ ہنسی اڑاتے ہیں ایمان والوں سے۔

”فانہم کانوا یعظمون حالہم من الدنیا ویغبتون بہا ویستخرون من اتباع محمد ﷺ“
بیشک کافروں کو دنیا میں عظیم مال حاصل ہوتا ہے کہ وہ دولت مند ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ان کے مال و دولت کو دیکھ کر کمزور ایمان والے ان پر رشک کرتے ہیں اور ان کو دیکھ کر لپچاتے ہیں، یہی وجہ تھی نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے مشرکین اور منافقین اور یہود کی بھی کہ وہ اپنے مال و دولت پر ناز کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے متبعین سے تمسخر (ہنسی و مزاح) اڑاتے تھے۔

”وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“: اور متقی لوگ ان کے اوپر ہوں گے قیامت کے دن۔

فوقیت حاصل ہونے کی وجوہ:

- (۱) متقی لوگوں کو کفار پر فوقیت کی ایک وجہ یہ حاصل ہوگی کہ متقی لوگوں کا مقام علین ہوگا جو آسمانوں میں ہوگا اور بلند ہوگا۔ اور کفار کا مقام سجین ہوگا جو زمین کی پستی میں ہوگا۔ یعنی یہ بلندی مکان کے لحاظ پر حاصل ہوگی۔
- (۲) دوسری وجہ فوقیت کی درجات اور کرامت کے لحاظ پر ہوگی کہ متقی لوگوں کے درجات بلند ہوں گے۔

اعتراض: ”فلان فوق فلان فی الکرامۃ“ اس وقت کہا جاتا ہے جب دونوں کو کرامت حاصل ہو لیکن ایک کو دوسرے پر زیادہ فوقیت حاصل تو یہ کہا جاتا ہے ”فلان زائد الفوقیۃ علی فلان فی الکرامۃ“ کہ فلاں کو فلاں پر زیادہ فوقیت حاصل ہے، لیکن کفار کو تو کرامت حاصل ہوتی ہی نہیں، تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ مومنوں کو کفار پر

کرامت و درجات کے لحاظ پر فوقیت حاصل ہے۔

جواب: کفار کو دنیا میں مال و دولت کی وجہ سے عزت حاصل ہوتی ہے، لیکن آخرت میں معاملہ الٹ ہوگا کہ مومنین کو عزت حاصل ہوگی، یعنی ان کو ثواب حاصل ہوگا اور درجات بلند ہو جائیں گے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ مومنین متقین کو قیامت کے دن کفار کی دنیاوی عزت کی نسبت زیادہ عزت حاصل ہوگی۔

(۳) فوقیت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ متقین حجت و دلیل کے لحاظ پر کفار سے اوپر ہوں گے، کیونکہ دنیا میں کفار شبہات ڈالتے ہیں جو مومنین کے دل پر بظاہر اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد سے ان کے دلوں سے ان شبہات کو دور کر دیا جاتا ہے، لیکن قیامت کے دن کفار کو شبہات ڈالنے کی طاقت ہی حاصل نہیں ہوگی، ان کے شبہات خود بخود زائل ہو جائیں گے، شیطانوں کے وسوسے اثر انداز نہیں ہوں گے۔

یہ دلائل کی فوقیت مسلمانوں کو حاصل ہونی ہے جس کے مقابل کفار کو پستی و ذلت حاصل ہوگی۔

(۴) فوقیت کی چوتھی وجہ یہ ہوگی کہ مومنین کفار سے قیامت کے دن ہنسی اڑائیں گے جو کافروں کی دنیا میں ہنسی اڑانے سے اوپر ہوگی، کیونکہ کافروں کی مومنین سے ہنسی باطل ہے اور دنیا میں ہی ختم ہو جانے والی ہے، لیکن مومنین کا تمسخر (مزاح اڑانا) حق ہوگا اور دائمی ہوگا۔

(از کبیر)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”والذین اتقوا فوقهم يوم القيامة“ یہ جملہ معطوفہ ہے جس کا عطف ماقبل پر ہے۔ اور یہ جملہ اسمیہ جو دوام و استمرار پر دلالت کر رہا ہے۔ ”وفی ذلک من تسلیة المؤمنین ما لا یخفی“ اس میں مومنین کی تسلی پائی گی ہے جو پوشیدہ نہیں۔ یعنی اس جملہ سے ہی یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ قیامت کے دن مومنین کو جو فوقیت حاصل ہوگی وہ دائمی ہوگی، اس میں کسی قسم کا کوئی انقطاع نہیں ہوگا۔

(روح المعانی)

”واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب“: اور اللہ عطا کرتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔

قرآن پاک کی عظمت:

یہ مختصر الفاظ بہت بڑے مطالب کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

رزق سے مراد دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ متقین کو جو آخرت میں عطاء ہونا ہے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آیۃ کریمہ میں رزق کا مطلب دنیا کی مختلف نعمتیں ہوں، جو مومنین اور کفار سب کو حاصل ہیں۔

رزق اخروی کے چند مطالب:

(۱) ان میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ آخرت میں مومنوں کو بغیر حساب کے رزق عطاء فرمائے گا، یعنی وہ رزق وسیع ہوگا، اس میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اور وہ فنا نہیں ہوگا، اور اس نے ختم نہیں ہونا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

”فاولئك يدخلون الجنة يرزقون فيها بغیر حساب“

تو وہ لوگ (نیک لوگ) جنت میں داخل ہوں گے ان کو اس میں رزق دیا جائے گا بغیر حساب کے۔ جو چیز حساب میں ہو اور شمار میں ہو اور ایک مقدار میں ہو وہ ختم ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو قیامت کو عطا کرنا ہے اس نے ختم نہیں ہونا۔

”فمالا یكون منها هی کان لامحالة خارجا عن الحساب“

جو چیز ختم نہ ہونے والی ہو وہ حساب سے باہر ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں متقین کو جو منافع عطاء کئے جانے ہیں ان کو رزق سے تعبیر کر دیا گیا، وہ منافع ثواب اور فضل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”فیوفیہم اجر وہم ویزیدہم من فضلہ“ تو ان کو پورا پورا اجر عطاء فرمائے اور اپنے فضل سے اور (بھی) زیادہ عطاء فرمائے گا۔

”فالفضل منه بلا حساب“ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن متقین پر بغیر حساب کے فضل فرمائے گا۔

(۳) بغیر حساب کے رزق دینے کا اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء میں نہ کمی ہوئی ہے اور نہ ختم ہونا ہے کہ وہ حساب کرے، حساب وہ کرتا ہے جسے یہ خوف ہو کہ میرا خزانہ ختم ہو جائے گا۔ تو وہ مقدار سے زیادہ دینے سے ڈرتا ہے کہ میں کہیں محتاج ہو کر نہ بیٹھ جاؤں

”والله لا يحتاج الى الحساب لانه عالم غنى لا نهاية لمقدوراته“

اللہ تعالیٰ حساب کا محتاج نہیں کیونکہ وہ عالم ہے اور غنی ہے، اس کی قدرت میں جو چیزیں ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں۔

(۴) ”بغیر حساب“ ای بغیر استحقاق ”بغیر حساب کے دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بغیر استحقاق کے

دے گا، یعنی کسی کو رب تعالیٰ پر کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے اور اس سے حساب کرے۔

”بل كل ما اعطاه فقد اعطاه بمجرد الفضل والا حسان لا بسبب الاستحقاق“

بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطاء اس کے فضل و احسان سے حاصل ہوتی ہے۔ کسی کے مستحق ہونے کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتی۔

(۵) ”بغیر حساب ای یزید علی قدر الكفاية“ یعنی اللہ تعالیٰ ضرورت سے زیادہ عطاء فرماتا ہے کیونکہ جب

ضرورت کے مطابق کوئی شخص کسی کو دے تو اس وقت کہا جاتا۔ ”فلان ينفق بالاحساب“ فلاں شخص

حساب کے ساتھ خرچ کرتا ہے لیکن ضرورت سے زائد کوئی شخص کسی کو عطاء کرے تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے۔

”فلان ينفق بغیر حساب“ فلاں شخص بغیر حساب کے خرچ کرتا ہے۔

(۶) ”بغیر حساب“ ای يعطى كثيرا لان مادخله الحساب فهو قليل“

اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطاء کرتا ہے اس کا اور مطلب یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ عطا کرتا ہے جو

حساب میں نہیں آسکتا، حساب میں وہی چیز آتی ہے جو قلیل ہو۔

یہ تمام احتمالات جن کا ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ کی عطاء ان تمام کے مطابق ہے اسی لئے علامہ رازی رحمہ اللہ

فرماتے ہیں۔ ”فيجوز ان يكون المراد كلها“ جائز ہے کہ تمام وجوہ ہی مراد لی جائیں۔

دنیاوی رزق کے چند مطالب:

جب آیہ کریمہ کا یہ معنی لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رزق مومنین کو بھی عطا کرتا ہے اور کفار کو بھی تو اس میں چند مطالب پائے جاتے ہیں۔

(۱) اس میں ایک وجہ تو یہ ہے۔ ”وہو الیق بنظم الآیة“ کہ وہ آیہ کریمہ کے باقی مضمون کے بظاہر زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ کفار فقیر مسلمانوں سے مزاح اڑاتے تھے اور وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ ہمیں دنیا کا زیادہ مال حاصل ہے، لہذا ہم حق پر ہیں۔ لیکن مسلمان غریب اور فقیر ہیں ان کے پاس مال و دولت نہیں، اس لئے وہ باطل راہ پر ہیں۔

رب تعالیٰ نے ان کی اس دلیل کو رد فرمایا اور ارشاد فرمایا ”واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب“ اور اللہ عطا کرتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔ یعنی دنیا میں رب تعالیٰ کی عطا کا تعلق صرف اس کی مشیت (چاہے) پر ہے جسے مال دیا گیا وہ خواہ حق پر ہو یا باطل پر ہو خواہ برا ہو یا نیک۔

”فقد وسع الدنیا علی قارون و ضیقھا علی ایوب علیہ السلام“
اللہ تعالیٰ نے دنیا میں قارون کو بہت مال عطاء فرمایا حالانکہ وہ کافر تھا اور حضرت ایوب علیہ السلام پر مال کی تنگی رکھی حالانکہ وہ نبی تھے۔

لہذا واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو مال دینا اس کی مقبولیت کی علامت نہیں بلکہ وہ مردودوں کو بھی مال کی وسعت عطاء فرماتا ہے۔

لہذا کافروں کی یہ دلیل باطل ہو گئی کہ وہ مال و دولت کی وجہ سے حق پر ہیں۔ اور مسلمان غربت کی وجہ سے باطل پر ہیں۔

”بل الکافر قد یوسع علیہ زیادة فی الاستدراج والمؤمن قد یضیق علیہ زیادة فی الابتلاء والامتحان“

بلکہ کافر کو کبھی زیادہ مالی وسعت عطاء کی جاتی ہے تاکہ اس کی استدراجی قوت شعبدہ بازی اور زیادہ ہو۔ اور مومن کو امتحان میں مبتلا کرنے کے لئے تھوڑا مال دیا جاتا ہے۔ اور اس کے رزق میں تنگی کی جاتی ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”وَلَوْلَا اِنْ يَكُونُ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سَقْفًا مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ“
(سورة الزخرف ، ۳۳)

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک دین پر ہو جائیں تو ہم ضرور رحمن کے منکروں کے لئے چاندی کی چھتیں اور نیرھیاں بناتے جن پر چڑھتے۔

(۲) اور دنیا میں رزق بغیر حساب کے دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور کافروں میں سے جب چاہے بغیر حساب کے رزق عطا فرماتا ہے، نہ وہاں طلب کی کوئی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی کسی سائل کا کوئی سوال ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بغیر حساب کے عطاء کر دے تاکہ کافروں کو یہ کہنے کی جرأت حاصل نہ ہو سکے کہ مومن اگر حق پر ہوتے تو ان کو مال میں وسعت عطاء ہوتی، اسی طرح کوئی ضعیف ایمان والا یہ نہ کہہ سکے کہ اگر کافر باطل راہ پر ہوتے تو ان کو وسیع مال کیوں دیا جاتا۔

”وَالَا مْرَءِیْہِ وَالْحَکْمَ حَکْمَہ (لَا یَسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَہُمْ یَسْأَلُوْنَ)“

امرا مرہے، اور ظلم ظلم ہے، اس سے یہ نہیں پوچھا جاسکتا کہ وہ کیا کرتا ہے اور ان لوگوں سے پوچھا جائے گا وہ کیا کرتے رہے۔

(۳) اور وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے دنیا میں اتنا مال عطا کر دے جو اس کے حساب میں ہی نہ آ سکے، جس طرح کسی آدمی کے پاس مال بہت ہو تو وہ کہے۔ ”لَمْ یَكُنْ هَذَا فِیْ حِسَابِی“ یہ میرے حساب میں ہی نہیں۔

یہ کثیر مال اللہ تعالیٰ کافروں کو عطا کرتا ہے اور مومنوں کو بھی، تاہم مومنین کو کثیر مال دینا درحقیقت ان کا امتحان ہوتا ہے، کچھ لوگوں کو تو مال کی کثرت سے کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ وہ نیک ہی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ مال و دولت کی ہوس میں گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (ماخوذ از کبیر)
اس ساری بحث کو دیکھیں تو اعلیٰ حضرت کا ترجمہ خوب تر نظر آئے گا ”اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے“

مومن کی تذلیل پر وعید:

”روی علیٰ ان النبی ﷺ قال ”من استذل مؤمنا او مؤمنة او حقّره لفقره وقلّة ذات یدہ شہرہ اللہ یوم القيامة ثم فضحہ و من بہت مؤمنا او مؤمنة او قال فیہ ما لیس فیہ اقامہ اللہ تعالیٰ علی تلّ من نار یوم القيامة حتی یخرج مما قال فیہ وان عظم المؤمن من اعظم عند اللہ واکرم علیہ من ملک مقرب و لیس شیء احب الی اللہ من مؤمن تائب او مؤمنة تائبة وان الرجل المؤمن یعرف فی السماء کما یعرف الرجل اہلہ وولده“ (بحوالہ قرطبی)
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مومن مرد یا عورت کی تذلیل کی (ذلیل کیا) یا اسے غریب ہونے کی وجہ سے حقیر سمجھا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے (لوگوں پر) مشہور کرے گا، پھر اسے رسوا کرے گا (عذاب دے گا) اور جس شخص نے کسی مومن مرد یا عورت پر بہتان باندھا یا اس کے متعلق وہ کہا جو اس میں نہیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے آگ کے نیلے پر کھڑا کرے گا یہاں تک کہ وہ نکل جائے اس سے جو اس نے کہا، اور بے شک مومن کی عظمت اور اکرام اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب فرشتے سے بھی زیادہ عظیم ہوگا، اور تو بہ کرنے والے مومن مرد اور مومن عورت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی اور چیز زیادہ پسند نہیں، اور بے شک مومن شخص کو اس طرح پہچان لیا جائے گا جیسا کہ انسان اپنے اہل و عیال کو پہچانتا ہے۔

غریب کی شان:

”عن حارثة بن وہب انه سمع رسول اللہ ﷺ یقول الاخبرکم باہل الجنة کل ضعیف مستضعف لو اقسام علی اللہ لا یرہ الاخبرکم باہل النار کل عتل جواظ جعظری مستکبر“
(متفق علیہ)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے میں نے سنا، کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کی خبر نہ دوں؟ (ہاں جنتی لوگ) وہ غریب جنہوں نے اپنے آپ کو غربت میں رہنا پسند فرمایا، اگر وہ اللہ پر قسم اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دے گا، کیا میں تمہیں جہنمی لوگوں کی خبر نہ دوں؟ (ہاں جہنمی لوگ) وہ ہوں گے جو سخت جھگڑالو ہوں گے، بھلائی کا کوئی کام نہیں کریں گے اور فاجر ہوں گے، نازنخرے سے چلنے والے، اور اپنی جھوٹی تعریف کرنے والے ہوں گے۔

(العتل الفظ الغلیظ الشدید فی الخصومة الذی لا ینقاد لخبر والجواظ الفاجر المختال فی مشیتہ وقیل هو القصیر البطین والجعظری الفظ الغیظ وقیل هو الذی یتمدح بمالیس فیہ او عند)

(ترجمہ حدیث کے ترجمہ میں دیکھیں)

”عن اسامة بن زید عن النبی ﷺ قال قمت علی باب الجنة فكان عامة من دخلها المساکین واصحاب الجحیم محبوسون غیر ان اصحاب النار قد امر بهم الی النار وقمت علی باب النار فاذا عامة من دخلها النساء“ (متفق علیہ)

اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو (دیکھا) کہ اس میں عام لوگ داخل ہونے والے مسکین (غریب) لوگ ہیں اور مال داروں کو دروازے پر روک لیا گیا ہے۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے جو جہنمی ہیں ان کو آگ میں داخل کر لیا گیا، اور میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں زیادہ عورتوں کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ (خازن)

عن سهل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال مر رجل علی رسول ﷺ فقال لرجل عنده جالس ماراً یک فی هذا؟ فقال رجل من اشرف الناس هذا واللہ! حری ان خطب ان ینکح وان شفیع ان یشفع قال فسکت رسول ﷺ ثم مر رجل فقال له رسول ﷺ

ما رأیك فی هذا فقال یا رسول الله هذا رجل من فقراء المسلمين هذا حری ان
خطب ان لا ینكح وان شفیع ان لا یشفع وان قال ان لا یسمع لقوله فقال رسول
هذا خیر من ملأ الارض (مثل هذا رواه البخاری)

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص رسول کریم ﷺ کے قریب سے گزرا تو آپ نے اپنے پیچھے
پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس شخص نے کہہ دیا
یہ بڑے امیر لوگوں سے ہے، قسم ہے اللہ کی یہ شخص ایسی صلاحیت کا مالک ہے کہ کہیں سے اپنے
لئے رشتہ پوچھے تو اسے رشتہ دے دیا جائے (اس کی شادی کر دی جائے) اور اگر یہ کسی کی سفارش کر
دے تو اس کی سفارش کو قبول کر لیا جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ پھر ایک
اور شخص کا گزر رہا تو آپ نے اس شخص سے پوچھا اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے تو اس نے کہا
یہ تو ایک غریب مسلمان ہے اس کی صلاحیت تو اتنی ہی ہے کہ اگر رشتہ پوچھے تو رشتہ نہ ملے اور اگر
کسی کی سفارش کرے تو سفارش قبول نہ کی جائے اور کوئی بات کرے تو نہ سنی جائے۔ تو (یہ سن کر)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ (فقر) بہتر ہے بھرتی ہوئی زمین کے خزانوں سے۔ (مظہری)

نصیحت آموز واقعہ:

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ مایہ السلام کے ساتھ - غریب میں ایک یہودی بھی تھا، حضرت عیسیٰ مایہ السلام کے
پاس تین روٹیاں تھیں، آپ نے وہ روٹیاں یہودی کودیں، ان کو اپنی حفاظت میں رکھو، کچھ دیر کے بعد یہودی نے ایک
روٹی کھالی۔ جب عیسیٰ مایہ السلام نے روٹیاں طلب کیں تو اس نے آپ کو دو روٹیاں دیں، آپ نے پوچھا تیسری روٹی
کہاں ہے؟ وہ کہنے لگا روٹیاں ہی دو تھیں اس سے زائد کوئی روٹی نہیں تھی۔ (آپ اس کی بات سن کر خاموش رہے) دونوں
چلے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ مایہ السلام نے رب تعالیٰ کی قدرت کے عجائب دیکھے، تو آپ نے اس یہودی سے قسم دلا
کر سوال کیا کہ روٹیاں کتنی تھیں؟ خیال کیا شاید یہ اقرار کر لے لیکن اس نے اقرار نہ کیا۔ آگے چلے تو عیسیٰ مایہ السلام کو

سونے کی تین اینٹیں ملیں یہودی کہنے لگا اس کو تقسیم کرو۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے ایک میری اور ایک تمہاری اور ایک جس شخص نے روٹی کھائی وہ یہودی کہنے لگا، تیسری روٹی تو میں نے ہی کھائی تھی۔ آپ نے فرمایا جا مجھ سے دور ہو جا۔ رب تعالیٰ کے قدرت کے عجائب دیکھ کر قسم طلب کرنے پر تو نے اقرار نہ کیا اب دنیا کے مال کو دیکھ کر تو نے اقرار کر لیا۔ آپ نے وہ سونے کی تینوں اینٹیں اس کو دے دیں اور آپ خود چلے گئے۔

یہودی اپنے ساتھ سونے کی تین اینٹیں لے کر چل رہا تھا، اسے راستے میں تین چور مل گئے انہوں نے یہودی کو قتل کر دیا اور سونے کی تینوں اینٹیں لے لیں۔

پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو کھانا لینے کے لئے شہر بھیجا جب وہ چلا گیا تو دونوں نے مشورہ کیا کہ جب کھانا لے کر وہ ہمارا ساتھی آئے گا تو ہم اس کو قتل کر دیں گے تاکہ یہ سونا دو حصوں میں تقسیم ہو جائے تین حصے نہ کرنے پڑیں۔ ادھر کھانا لینے کے لئے جانے والے کے دل میں خیال آیا کہ کھانے میں زہر ملا دیا جائے تاکہ وہ دونوں مر جائیں اور سونا سارا میرے ہاتھ آجائے اس نے زہر خرید کر کھانے میں ملا دیا۔ جب وہ کھانا لے کر آیا تو ان دونوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور یہ دونوں زہر آلود کھانا کھا کر مر گئے۔

پھر عیسیٰ علیہ السلام کا واپسی میں وہاں سے گزر ہوا، دیکھا کہ یہودی اور تین شخص مرے ہوئے ہیں آپ نے تعجب فرمایا کہ ان کو کیا ہوا، تو جبرائیل نے آکر آپ کو اصل تمام واقعہ کی خبر دی۔
(روح البیان)

نوائد:

”فینبغی للعاقل ان لا یغتر بکثرة الدنیا وان لا یهتم فی جمعها بل یزرع فیہا بذر العمل کی یحصل فی الآخرة لان الدنیا مزرعة الآخرة“
عقل مند شخص کو چاہئے کہ وہ زیادہ دنیا کے مال پر دھوکا نہ کھائے اور نہ ہی زیادہ مال جمع کرنے کا اہتمام کرے، بلکہ دنیا میں نیک عمل کا بیج بوائے تاکہ آخرت میں کاٹ لے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

”ولا ينبغي للأغنياء أن يحقروا الفقراء بالغرور بكثرة دنياهم ولا يسخروا منهم لأن هذه الصفة من صفات الكفرة“

غنیوں کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ مال و دولت کی کثرت کے نشہ میں غریبوں کو حقیر سمجھیں، یہ صفت تو کافروں کی ہے۔
(روح البیان)

فائدہ جلیلہ:

آیہ کریمہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر ملکوت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور ان کو اپنے ملک و ملکوت کی نشانیاں دکھا دیتا ہے، جب بندہ اپنے احوال کو بدل دے اور سب کچھ اپنا ہی کمال سمجھنا ہی شروع کر دے، اور اپنی خواہشات نفسانیہ کے مطابق عمل کرے، بلکہ اپنی خواہشات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بدل دے تو اس کے لئے یہ وعید ہے ”فان الله شديد العقاب“ بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بھی بندے کے احوال کو بدل دیتا ہے اور اپنی نعمتیں اور اسے دیئے ہوئے کمالات اس سے دور کر دیتا ہے۔

”ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم“

بے شک اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کو یہاں تک کہ وہ خود اپنے آپ کو بدل لیں۔

جب بندہ گناہوں سے توبہ نہیں کرتا، گناہوں پر قائم رہتا ہے۔

” فيعاقبه الله بزوال نعمته في الدنيا ودوام النعمة في العقبى “

تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس سے اپنی نعمتوں کو زائل کر کے اسے عذاب دیتا ہے اور آخرت میں اسے دائمی عذاب دے گا۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ دنیا دار کا دنیا سے محبت کرنا اور دنیا سے مزین کر کے دکھانا اور اس کا غریبوں سے مزاح اڑانا، یہ اس کے لئے شدید عذاب ہے کیونکہ یہ شدید عذاب کے ذرائع ہیں۔ (ارواح البیان)

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَ
 أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُحْكَمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ
 وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا
 بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَ
 اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ☆ (سورة البقرة آیت نمبر ۲۱۳)

﴿۱﴾

لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سنا تے اور ان
 کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے، اور
 کتاب میں اختلاف انہوں نے ڈالا، جن کو دی گئی بعد اس کے کہ ان کے پاس
 روشن حکم آچکے آپس کی سرکشی سے تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سوجھادی
 جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دے۔

﴿۲﴾

تھے لوگ ایک گروہ، تو بھیجا اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے
 (بنا کر) اور اتاری ان کے ساتھ کتاب حق کے ساتھ (سچی کتاب) تاکہ فیصلہ
 کرے درمیان لوگوں کے اس چیز میں جس میں وہ اختلاف رکھتے، اور نہیں
 اختلاف کیا اس میں سوائے ان لوگوں کے جن کو عطاء کی گئی وہ (کتاب) اس کے
 بعد جب آگئیں ان کے پاس روشن دلیلیں، آپس میں سرکشی کرتے ہوئے، تو
 ہدایت دی اللہ نے ایمان والوں کو اس چیز کی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے

(ہدایت دی ان کو) حق کی اپنے حکم سے، اور اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے
سیدھی راہ کی۔

ما قبل سے تعلق:

اس سے پہلی آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا کہ کفار کا اپنے کفر پر اصرار تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دنیا سے محبت کرتے
تھے، یعنی دنیا کی محبت کی وجہ سے وہ ایمان لانے سے دور رہے۔

اب اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا کہ ان لوگوں کا کفر پر قائم رہنا اس زمانہ سے خاص نہیں بلکہ وہ پہلے زمانہ
میں بھی یہی کرتے رہے کہ لوگ ایک گروہ تھے، دین حق پر قائم تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تبلیغ کے لئے انبیاء کرام کو بھیجا،
تاکہ وہ سیدھی راہ پر چلنے اور نیکی پر قائم رہنے والوں کو جنت کی اور جزاء خیر کی بشارت دیں اور ان انبیاء کرام کے ساتھ
حجی کتاب نازل فرمائی کہ جب ان کی امتوں کا اختلاف ہو جائے تو وہ کتاب کے احکام سے فیصلہ کریں، لیکن انہوں
نے روشن دلائل اور واضح نشانیاں آجانے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف شروع کر دیا۔

”وما کان اختلافهم الا بسبب البغی والتحاسد والتنازع فی طلب الدنیا“

اور ان کا اختلاف صرف سرکشی اور حسد کی وجہ سے تھا، اور ان کا جھگڑا دنیا کی طلب کے لئے تھا۔

البتہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اختلاف کرنے کے باوجود اپنی مہربانی اور توفیق سے حق راہ کی ہدایت دی
جس کی وجہ سے ان کے وہ اختلافات نہ رہیں جو کفر تک پہنچا دینے والے تھے اللہ تعالیٰ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت
دیتا ہے۔

یہ بھی خیال رہے جو اختلافات کی وجہ سے کفر تک پہنچے وہ کافر ہی ہوئے ایمان والے رہے ہی نہیں۔

قرآن پاک عظیم کتاب ہے:

”کان الناس امۃ واحدة“ (لوگ ایک گروہ تھے) یہ جملہ بہت مختصر ہے لیکن بہت بڑے مطالب کو حاوی ہے۔

”امۃ“ کا لفظ اتمام سے لیا ہوا ہے جس کا معنی ہے اقتداء کرنا مطلب یہ ہوا۔

”القوم المجتمعون علی الشئ الواحد یقتدی بعضهم ببعض“

کہ تمام قوم ایک چیز پر متفق تھی بعض لوگ دوسرے بعض کی اقتداء کرتے تھے۔

(۱) اس کے مختلف مطالب میں سے ایک یہ ہے کہ.....

”انہم کانوا علی دین واحد وهو الایمان والحق“

وہ تمام ایک دین یعنی ایمان اور حق پر قائم تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف شروع کر لئے۔

ان کے معمولی اختلافات پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بشیرونذیر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ فیصلہ کرنے کے

لئے کتاب بھی نازل کر دی لیکن انہوں نے ان واضح دلائل کے آجانے کے بعد زیادہ ہی اختلاف شروع کر

دیا۔ وجہ اس کی ان لوگوں کی سرکشی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے انبیاء کرام سے حسد شروع کر دیا اور حسد کی

وجہ سے ہی وہ کفر تک پہنچ گئے۔ اس وجہ کے مطابق ”فبعث اللہ“ میں ”فا“ کا تعقیب کے لئے ہونا بھی

واضح ہو گیا ان کے کچھ اختلافات کے بعد انبیاء کرام کو بھیجا گیا۔

(۲) یہ آیت اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے کہ آدم علیہ السلام کو جب ان کی اولاد کی طرف مبعوث فرمایا تو اس

وقت تمام ایک گروہ تھے، دین حق پر قائم تھے، کوئی دین باطل پر نہ تھا یہاں تک قاتیل نے ہانپل کو حسد اور

سرکشی کی وجہ سے قتل کر دیا۔ اب آیت کریمہ کا مفہوم یہ بھی ہو گیا۔

”ان الناس وہم آدم واولادہ من الذکور والاناث کانوا امۃ واحدة علی الحق ثم

احتلہوا بسبب البغی والحسد“

بیشک لوگ یعنی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد مذکر اور مؤنث سب ایک گروہ تھے، دین حق پر قائم

تھے، پھر انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے سرکشی اور حسد کی وجہ سے اختلاف کیا۔

(۳) اس آیت کریمہ کا ایک مطلب یہ ہے۔

”لما غرقت الارض بالطوفان لم یبق الا اهل السفینۃ وکلہم کانوا علی الحق

والدین الصحیح ثم اختلفوا بعد ذلک“

کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا تو کافر تمام غرق ہو گئے، صرف کشتی والے باقی رہ گئے وہ تمام ہی ایک دین حق پر قائم تھے، بعد میں انہوں نے ایک دوسرے سے اختلاف شروع کر دیئے۔

ان دلائل سے واضح ہوا کہ تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے، اختلاف بعد میں پیدا کئے گئے۔

تذہب: آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد اور نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اکثر لوگ کافر ہو گئے تھے، یہ آیہ کریمہ اپنے مفہوم سے ان کو بھی شامل ہے کہ کسی ایک وقت میں سب لوگ کفر پر متفق ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام و بشیروندیر بنا کر مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ کتاب کو نازل کیا، لیکن پھر بھی وہ تمام ایمان نہ لائے بلکہ کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ لوگوں نے سرکشی اور حسد کی وجہ سے اختلاف کیا۔

ایک اور مطلب:

اہل کتاب نے موسیٰ علیہ السلام پر جب ایمان لایا تو تمام ہی ایک گروہ تھے، ایک دین اور ایک مذہب پر قائم تھے۔ ”ثم اختلفوا بسبب البغی والحسد فبعث الله النبین“

پھر انہوں نے سرکشی اور حسد کی وجہ سے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ (ماہود اور کبیر)

فبعث الله النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معهم الكتاب بالحق:

(۱) تو بھیجا اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے (بنا کر) اور اتاری ان کے ساتھ کتاب حق کے ساتھ (جی کتاب)۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو ایمان والوں کے لئے اور نیک، متقی لوگوں کے لئے بشارت دینے والا بنا کر بھیجا، اور کافروں اور گنہگار لوگوں کے لئے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں انبیاء کرام کی تین صفات بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صفت: ”کو نہم مبشرین“

دوسری صفت: ”کو نہم منذرین“

یعنی ان کا بشارت دینے والا ہونا، اور ان کا ڈرانے والا ہونا۔

بشارت کو پہلے ذکر کرنے کی وجہ:

انبیاء کرام کے بشیر ہونے کا ذکر پہلے کیا، اس لئے کہ بشارت حفظ صحت کے قائم مقام ہے، اور ”انذار“ (ڈرانا) مرض کو زائل کرنے کے قائم مقام ہے۔

”ولا شک ان المقصود بالذات هو الاول دون الثاني فلا جرم تقدیمہ فی الذکر“
اس میں کوئی شک نہیں کہ مقصود بالذات صحت کی حفاظت ہے، اسی کے لئے مریض ہونے کے بعد دوا لینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اسی طرح انبیاء کرام کو بھیجنے کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ ان کی دعوت پر لوگ ایمان لے آئیں، اور یہ ان کو بشارت دیں، لیکن اگر وہ اپنے دل کی مرض کی وجہ سے ایمان نہ لاسکیں تو پھر ان کو ڈرانے کی دوا دیں، اگر وہ ڈانے سے بھی اپنی مرض کو زائل نہ کرسکیں تو لا علاج مریض کی طرح ہلاکت کے گڑھے میں پہنچ جائیں۔

تیسری صفت: انبیاء کرام کی تیسری صفت۔

”وانزل معهم الكتاب بالحق“ اور نازل کی ان کے ساتھ سچی کتاب۔

اعتراض:

”ظاهر هذه الآية يدل على انه لا نبی الامعه کتاب منزل فيه بيان الحق“

اس آیت کریمہ کے ظاہری مضمون سے تو یہ پتہ چل رہا ہے کہ ہر نبی کو کتاب دی گئی جو حق و سچ پر مشتمل تھی،

حالانکہ کتابیں کل ایک سو چار نازل ہوئیں، چار مشہور ہیں۔ تورات، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر، اور قرآن پاک نبی کریم ﷺ پر، اور ایک سو صحیفے نازل ہوئے جن میں دس حضرت آدم علیہ السلام پر اور تیس حضرت شیث علیہ السلام پر، اور پچاس اور بیس علیہ السلام پر اور دس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئے، تو آیت کریمہ کا مطلب کیا ہوگا کہ تمام انبیاء کرام کے ساتھ کتاب نازل ہوئی۔

جواب:

یہاں کتاب سے مراد احکام ہیں کہ ہر نبی کو سچے احکام (وامر ونواہی) عطاء کئے گئے۔
 ”والممراد انه طال ذلك الكتاب ام قصر، ودون ذلك الكتاب اولم يدون و كان ذلك الكتاب معجزا اولم يكن كذلك لان كون الكتاب منزلا معهم لا يقتضي شيئا من ذلك“

یہاں جس کتاب کا ذکر ہے اس سے مراد عام ہے کہ وہ کتاب بڑی ہو یا چھوٹی ہو، اس کی تدوین کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، وہ کتاب معجز ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ کتاب کا نازل کیا جانا ان میں سے کسی چیز کا بھی تقاضا نہیں کرتا۔ لہذا واضح ہوا کہ مراد احکام ہیں جو ہر نبی کو عطا کئے گئے ہیں۔

(ماخوذ از کبیر روح المعانی)

انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق عقیدہ:

اگرچہ مشہور روایت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، لیکن ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے اور ایک روایت میں آٹھ ہزار کا بھی ذکر ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہو کہ جتنے انبیاء کرام رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ان پر میرا ایمان ہے، وہ سب برحق تھے، سب ہی سچے نبی تھے۔ لیکن معین تعداد نہ ذکر کی جائے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ تعداد کم ذکر کرے اور واقع میں زائد ہوں۔ یا ایسا نہ ہو کہ یہ تعداد زائد ذکر کرے واقع

میں کم ہوں۔

پہلی صورت میں کئی انبیاء کرام پر ایمان نہیں ہوگا اور دوسری صورت جو نبی نہیں ہوں گے ان کو نبی ماننا لازم

اس لئے دونوں صورتوں میں خرابی لازمی آتی ہے۔ لہذا یہی صورت بہتر ہے کہ ایمان رکھے، اے اللہ تیری طرف سے بھیجے ہوئے تمام انبیاء کرام پر میرا ایمان ہے کہ وہ برحق تھے۔ (۱) شرح عقائد

وہ انبیاء کرام جن کے اسماء گرامی قرآن پاک میں ہیں:

وہ کل چھبیس ہیں۔ اٹھارہ کا ذکر ان آیات میں موجود ہیں۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهُمْ عَلَىٰ قَوْمِهِمْ بَرِّفَعِ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَاءِ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٢﴾
وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا جَآءَهُ نَجَاةً مِّنْ قَبْلِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ
وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٣﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ
وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ وَاسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُونُسَ وَلُوطًا كُلًّا أَفَضَلْنَا
عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ﴿٨٥﴾

(سورة الانعام آيات، ٨٢ تا ٨٦)

اور آٹھ کا ذکر مختلف آیات میں ہے۔

آدم، اور یس، ہود، صالح، شعیب، ذوالکفل، عزیز اور محمد علیہم السلام (ارمظہری)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

”بالحق“ حال من الكتاب ای متلبس بالحق شاہد ابہ
یعنی ”بالحق“ الکتاب سے حال واقع ہو رہا ہے، معنی یہ ہے کہ نازل کی ان کے ساتھ کتاب جو
حق کے ساتھ متلبس (ملی ہوئی ہے)، اور حق کی شہادت دیتی ہے۔

اعلیٰ حضرت نے آسان ترجمہ فرمایا ”اتاری ان کے ساتھ سچی کتاب“

ذرا اور توجہ:

”لیحکم بین الناس“ تاکہ فیصلہ کرے درمیان لوگوں کے۔

”لیحکم“ میں ضمیر فاعل کے مرجع میں تین احتمال ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ضمیر ”الکتاب“ کی طرف لوٹے جو قریب ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر ”النبین“ میں واحد ”النبی“ کی طرف لوٹے۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر لفظ ”اللہ“ کی طرف لوٹے۔

ہر ایک احتمال درست ہے، بلکہ راقم کے نزدیک تمام احتمالات ہی بیک وقت پائے گئے ہیں۔

جب ضمیر ”اللہ“ کی طرف لوٹے تو معنی یہ ہوگا ”تاکہ فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان“

یہ معنی اس لئے بہتر ہے کہ حقیقی حاکم اور فیصلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کتاب حقیقی طور پر فیصلہ تو نہیں۔

اور اگر ضمیر ”النبی“ کی طرف لوٹے تو یہ اس لئے بہتر ہے کہ رب قدوس کے فیصلہ کو ظاہر کرنے والے انبیاء

کرام ہی ہیں۔

”الکتاب“ کی طرف لوٹے تو یہ بھی بہتر ہے، اگرچہ حقیقی حاکم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن یہ مجاز بھی زیادہ مشہور

ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے ”حکم الکتاب بکذا“ کتاب کا فیصلہ اس طرح ہے۔ اور کہا جاتا ہے ”قضى کتاب اللہ

بکذا“ اللہ کی کتاب کا فیصلہ اس طرح ہے، اور کہا جاتا ہے ”رضينا بکتاب اللہ“ اللہ کی کتاب کے فیصلہ پر ہم راضی ہیں۔

تنبیہ: راقم نے ترجمہ میں مطلق ذکر کیا ہے تاکہ فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان

اس لئے کہ اگر یوں کہہ دیا جائے تو حسین جمیل مطاب کلمہ کروا دیا جائے گا، اور ان کے ساتھ کتاب

نازل کی تاکہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے لوگوں کے درمیان ان کے اختلافات میں فیصلہ فرما کر انبیاء کرام کے

ذریعے اس فیصلہ کو ظاہر کر دے، یعنی انبیاء کرام ان کو مطلع کر دیں۔

طلباء کرام راقم کی اس وضاحت کو غور سے پڑھیں تو واضح ہو جائے گا کہ اس مطلب میں حقیقتہً و مجاز کا کوئی اجتماع نہیں، بلکہ معنی فقط حقیقی ہے، البتہ اس کی وضاحت کر دی گئی۔

”فیما اختلفوا فیہ“: (تا کہ فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان) اس چیز میں جس میں وہ اختلاف رکھتے۔

”فیہ“ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ”الکتاب“ کی طرف لوٹے، وہ کتاب میں اختلاف رکھتے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”الحق“ کی طرف لوٹے کہ وہ دین حق میں اختلاف رکھتے۔ اس احتمال کو علامہ رازی رحمہ اللہ نے رائج قرار دیا۔

”وما اختلف فیہ الا الذین اوتوه“:

اور نہیں اختلاف کیا اس میں سوائے ان لوگوں کے جن کو دی گئی وہ (کتاب)۔

”فیہ“ کی ضمیر ”حق“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور ”اوتوه“ میں ضمیر منصوب ”الکتاب“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اب معنی یہ ہوا۔ ”وما اختلف فی الحق الا الذین اوتوا الکتاب“

اور نہیں اختلاف کیا دین حق میں سوائے ان لوگوں کے جن کو کتاب دی گئی۔

حالانکہ کتاب کے نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس میں وہ اختلاف نہ کریں اور دین میں جھگڑا ختم کر دیں، لیکن انہوں نے مقصد سے ہٹ کر اختلاف شروع کر لیا۔

”من بعد ما جاء تهم البینات“: اس کے بعد جب آگئیں ان کے پاس روشن دلیلیں۔

یعنی ان کو دلائل عقلیہ عطاء فرمائے جو ان کے لئے روشن دلیلیں تھیں۔ پھر ان پر کتاب نازل کر کے اور روشن دلائل سمعیہ عطاء فرمائے۔

”بغیابینہم“: آپس میں سرکشی کرتے ہوئے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتاب نازل فرما کر دلائل سمعیہ عطاء فرمائے، اور اس سے پہلے ان کو عقلی دلائل عطاء فرمائے، جو ان کے لئے روشن اور واضح دلائل تھے۔ جب رب تعالیٰ نے ان کو واضح اور مکمل دلائل عطاء فرما دیئے۔ ”ولم یبق فی العدول عذر ولا علة“ تو ان کے لئے اس سے منہ پھیرنے کے لئے کوئی عذر نہ رہا۔ اور نہ ہی ان کے لئے کوئی وجہ رہی کہ وہ کیوں اختلاف کر رہے ہیں۔

”فلو حصل الاعراض والعدول لم یکن ذلک الا بحسب الحسد والبغی والحرص علی طلب الدنیا“

لیکن ان کا پھر اعراض کرنا اور رب تعالیٰ کے احکام ماننے سے عدول کرنا اور دین حق میں اختلاف صرف حسد اور سرکشی اور دنیا کے مال کے حرص کی وجہ سے تھا۔

”فهدی اللہ الذین آمنوا لاختلافوا فیہ من الحق باذنه“:

تو ہدایت دی اللہ نے ایمان والوں کو اس چیز کی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے (ہدایت دی ان کو) حق کی اپنے حکم سے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور کفار کا حال بیان کیا کہ وہ کامل اور روشن دلائل حاصل کرنے کے بعد سرکشی اور حسد کی وجہ سے سرکشی اور کفر پر قائم رہے۔

اب ان الفاظ مبارکہ سے نبی کریم ﷺ کی امت کا حال بیان فرمایا جا رہا ہے۔

”فان اللہ عصمہم عن الزلل وهداہم الی الحق فی الاشیاء التی اختلف فیہا اهل الکتاب“

کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حق سے عدول کرنے سے بچالیا ہے اور جن چیزوں میں اہل کتاب نے اختلاف کیا تھا ان میں ایمان والوں کو حق کی ہدایت دے دی۔ (ماخوذ از کبیر)

”باذنه“ ای بامرہ او بتوفیقہ و تیسیرہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ہدایت دی حق کی جس میں وہ اہل کتاب اختلاف رکھتے تھے، یہ ہدایت اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے حکم اور اپنی توفیق سے دی، اور مومنوں کے لئے دین حق کی راہ آسان کر کے ان کو ہدایت عطاء فرمائی۔

اہل کتاب کے اختلاف کی وجوہ:

اہل کتاب کے اختلاف کی چند وجوہ تھیں، ان تمام اختلافات میں ایمان والوں کو حق راہ عطاء فرمائی۔
(۱) ان کا اختلاف تھا جمعہ کے دن کی عظمت میں، یہود نے ہفتہ کو معظم سمجھا، اور نصاریٰ نے اتوار کو معظم سمجھا۔

”فہدی اللہ تعالیٰ امة محمد ﷺ لیوم الجمعة“

تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کو جمعہ کے دن کی ہدایت عطاء فرمائی کہ انہوں نے جمعہ کے دن کی عظمت کو سمجھا۔

(۲) اہل کتاب کا اختلاف قبلہ کے متعلق تھا۔ ”فاستقبلت النصارى المشرق واليهود بیت المقدس“

نصاری نے مشرق کی جانب قبلہ بنایا، اور یہود نے بیت المقدس قبلہ بنایا۔

یعنی اگرچہ قبلہ دونوں فریقوں کا بیت المقدس ہی تھا، لیکن نصاریٰ نے اس کی مشرقی جانب کو قبلہ بنا رکھا تھا۔ اور یہود نے سحرہ یعقوبی کی جانب کو قبلہ سمجھ رکھا تھا۔

”وہدی اللہ تعالیٰ امة محمد ﷺ للقبلة“

تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کو قبلہ کی ہدایت عطاء فرمائی کہ تمہارا قبلہ کعبہ شریف ہے۔

(۳) ”واختلفوا فی الصلوة فمنہم من یرکع ولا یسجد ومنہم من یسجد ولا یرکع ومنہم

یصلی وهو یمشی“

اہل کتاب کا نماز میں اختلاف تھا، ان میں سے کچھ لوگ نماز میں رکوع کرتے تھے اور سجدہ نہیں

کرتے تھے، اور کچھ لوگ سجدہ کرتے تھے، رکوع نہیں کرتے تھے اور کچھ لوگ نماز پڑھتے ہوئے آگے پیچھے چل لیتے تھے۔

”فہدی اللہ تعالیٰ امة محمد ﷺ للحق من ذلك“

تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کو نماز کے متعلق حق راہ کی ہدایت فرمائی کہ نماز ادا کرو تو اس میں رکوع کرو اور سجدہ بھی کرو اور نماز اطمینان سے ادا کرو، نماز میں چلنے سے نماز فاسد ہوگی۔ یہ تمام ہدایت مصطفیٰ کریم ﷺ کی زبان مبارک سے دی، کیونکہ نماز کی وضاحت حبیب پاک علیہ السلام نے فرمائی۔

(۴) ”واختلفوا فی الصیام فمنہم من یصوم النہار واللیل ومنہم من یصوم عن بعض الطعام“

اہل کتاب کا روزوں میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ بعض لوگ دن کو بھی روزہ رکھتے تھے اور رات کو بھی، اور ان میں سے بعض لوگ کچھ کھانے کی چیزوں سے روزہ رکھتے تھے کہ یہ چیزیں نہیں کھانی، اور کئی کھانے کی چیزیں روزے میں بھی کھا لیتے تھے ان سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔

”فہدی اللہ تعالیٰ امة محمد ﷺ للحق من ذلك“

تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کو روزہ کے متعلق حق راہ کی ہدایت دی کہ روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے، اور کوئی چیز بھی نہیں کھانی، ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۵) ”واختلفوا فی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فقالت الیہود کان یہودیا وقالت

النصارى کان نصرانیا“

اہل کتاب کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اختلاف پایا جاتا تھا، یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ آپ یہودی تھے اور نصرانیوں کا دعویٰ تھا کہ آپ نصرانی تھے۔

”فہدی اللہ تعالیٰ امة محمد ﷺ من ذلك انه کان حنیفا مسلما“

تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کو اس میں ہدایت عطا فرمائی کہ ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی تھے، بلکہ ہر باطل سے جدا سلمان تھے۔

(۶) ”واختلفوا فی عیسیٰ علیہ السلام فکذبت به اليهود وقالوا لامة بهتانا عظیما وجعلته

النصارى الهاوولدا“

اہل کتاب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا، یہود نے آپ کی تکذیب کی اور معاذ اللہ آپ کی والدہ پر بہتان لگایا اور نصرا نیوں نے آپ کو معبود اور خدا کا بیٹا مانا۔

”فهدى الله امة محمد ﷺ للحق من ذلك انه روح الله وكلمته“

تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کو اس معاملہ میں حق کی راہ عطاء کی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے نبی اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے۔ ان کو جھوٹا کہنے والے جھوٹے ہیں۔ اور ان کو معبود اور خدا کا بیٹا کہنے والے بھی جھوٹے اور باطل راہ پر ہیں۔ (از روح المعانی)

تنبیہ: زیادہ مناسب یہ ہے کہ ”با ذنہ کا تعلق“ فاهتدوا“ محذوف سے ہو جائے، تاکہ ہدایت اور اہتداء میں مغایرت ثابت ہو جائے، جس طرح ایمان اور ہدایت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور توفیق ایمان اور ایمان دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، اسی طرح ہدایت دینا اور ہدایت حاصل کرنا دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔

اب اس تقدیر سے مطلب یہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے ہدایت حاصل کر لی۔ (از کبیر)

”والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم“

اور اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے سیدھی راہ کی طرف۔

یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے، کیونکہ پہلے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ہدایت دیتا ہے۔ اب فرمایا کہ اس کے قبضہ اختیار میں ہے جسے چاہے ہدایت دے۔

ایمان والوں کی شان حدیث پاک سے:

”واخرج عبد الرزاق وابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابی هريرة في قوله

فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه قال قال النبي ﷺ نحن الاولون
والآخرون، الاولون يوم القيامة واول الناس دخولا الجنة بيدانهم اوتوا الكتاب من
قبلنا واولينا من بعدهم فهدانا الله لما اختلفوا فيه من الحق فهذا اليوم الذي اختلفوا
فيه فهدانا الله فالناس لنا فيه تبع فغد لليهود وبعد غد للنصارى

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم اول بھی ہیں اور آخر بھی۔ قیامت کے دن ہم اول ہوں گے، کیونکہ سب
لوگوں سے پہلے جنت میں ہم داخل ہوں گے، اور لوگ ہمارے پیچھے ہوں گے۔ سوائے اس کے
کہ ان لوگوں کو کتاب ہم سے پہلی دی گئی اور ہمیں ان سے بعد دی گئی، اللہ تعالیٰ نے ہمیں حق راہ
کی ہدایت کی جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے، یہود ایک دن کے وقفہ سے ہمارے پیچھے ہوں گے
اور نصاریٰ دو دن کے وقفہ سے پیچھے ہوں گے۔

(درستور)

یہ خیال رکھیں کہ یہود و نصاریٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ سے تشریف لانے سے پہلے انبیاء کرام پر
ایمان لانے والے تھے اور اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے ان کی وفات ہوئی۔

نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے کے بعد پہلی شریعتیں منسوخ ہو گئیں، جن یہود و نصاریٰ نے آپ پر ایمان نہیں
لایا وہ کافر ہیں، کافروں کی بخشش نہیں ہوگی، اس لئے ان کا جنت میں داخلہ نہیں ہوگا۔

تنبیہ:

اہل کتاب کے اختلاف کی جو وجوہ بیان کی گئیں روح المعانی کے حوالہ سے وہ تمام وجوہ ابن اثیر نے
عبدالرحمن بن زید کی اپنے باپ کی روایت سے بیان کی ہیں۔

نبی کریم ﷺ دعاء فرماتے تھے:

”عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان اذا قام من الليل يصلي بقول ”اللهم رب جبريل

ومیکائیل واسرافیل فاطر السموات والارض عالم الغیب والشهادة انت تحكم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اهدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک

(بخاری مسلم)

تهدی من تشاء الی صراط مستقیم“

اے اللہ جبریل و میکائیل واسرافیل کے رب، زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے، ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کو جاننے والے! تو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، مجھے اپنی توفیق سے ہدایت پر قائم رکھ، بے شک تو جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔

”اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه ولا تجعله

(بخاری و مسلم)

متلبسا علینا فنضل واحعلنا للمتقین اماما“

اے اللہ ہمیں حق راہ پر قائم رکھ، اور اسی کی اتباع کی توفیق عطا فرما، کہ ہم باطل کو باطل سمجھیں، اور ہمیں باطل سے دور رہنے کی توفیق عطا فرما، ایسا نہ ہو کہ ہم باطل پر چل کر گمراہ ہو جائیں، اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا۔

(ابن کثیر)

یہ دعائیں تعلیم امت کے لئے تھیں، اور بلندی درجات کے لئے تھیں، ورنہ نبی کا مقام بہت بلند ہے، باطل راہ پر چلنے اور گمراہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆☆☆

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۱۴)

۱۵

کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر انگلوں کی سی روداد نہ
آئی، پہنچی انہیں سختی اور شدت اور ہلا ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور ان
کے ساتھ کے ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد سن لو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔

۱۶

کیا گمان کیا تم نے کہ تم داخل ہو جاؤ گے جنت میں، حالانکہ نہیں آئی تمہارے پاس
مثلاً ان لوگوں کی جو گزر گئے تم سے پہلے، پہنچی ان کو شدت اور تکلیف، اور جھنجھوڑے
گئے وہ، یہاں تک کہ کہنے لگے رسول، اور جن لوگوں نے ان کے ساتھ ایمان لایا
کب آئے گی امداد اللہ کی، خبردار (آگاہ ہو جاؤ) بیشک مدد اللہ کی قریب ہے۔

ما قبل سے تعلق:

اس سے پہلے سابقہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے اختلاف کو ذکر فرمایا، اور ان کے اختلاف کے انبیاء کو
ذکر کیا، ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب انبیاء کرام اور ان کے ساتھ والوں کو کفار کی جانب سے مصائب و آلام پہنچے تو
انہوں نے صبر سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی امداد سے نوازا۔

تو اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کو خطاب کیا گیا کہ کفار کی طرف سے پہنچائی جانے والی
مصیبتوں اور تکلیفوں میں صبر سے کام لو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت تمہیں ہی حاصل ہوگی۔ (تفسیر السعید)

شان نزول:

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو مشرکین اور یہود اور منافقین کی طرف سے بہت مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا، پھر جنگوں میں کئی حضرات زخمی ہوئے اور مال اور جان کی قربانیاں پیش کی گئیں۔ جو بظاہر تکلیف دہ چیزیں تھیں، اس لئے صحابہ کرام کی تسلی کے لئے اس آیت کریمہ کو نازل کیا گیا کہ تم سے پہلے بھی انبیاء کرام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے بہت تکالیف برداشت کیں، صبر سے کام لیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد فرمائی، تم بھی صبر سے کام لو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں بھی امداد حاصل ہوگی۔

پہلے لوگوں کی تکالیف کے ذکر سے تسلی کیسے حاصل ہوتی ہے؟ ”والمصيبة اذا عمت طابت“ مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو اس کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ ڈالے جانے کا ذکر کیا، اور حضرت ایوب علیہ السلام پر تکالیف کے آنے کا ذکر کیا۔

”ومن امر سائر الانبياء عليهم السلام في مصابر تهم على انواع البلاء ما صار ذلك في سلوة المومنين“

اور دوسرے کئی انبیاء کرام پر تکالیف کے آنے اور ان پر صبر کرنے کا ذکر کر کے مومنوں کو تسلی دی۔

آیت کریمہ اپنے مضمون کے لحاظ پر کئی واقعات پر مشتمل ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو آپ پر وہ بہت سخت مشکل وقت تھا، کیونکہ وہ اپنے مال مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے تھے اور ان کے مکانات پر بھی مشرکین قابض ہو گئے تھے اور ادھر (مدینہ طیبہ میں) یہود آپ سے عداوت کر رہے تھے، تو آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو اس آیت کریمہ سے تسلی دی گئی۔

(۲) اسی طرح غزوہ احد میں مسلمان زخمی ہوئے اور ستر کی تعداد میں شہید ہوئے تو رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی،

نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو کہنے لگا۔

”السی متی تقتلون انفسکم وترجون الباطل ولو کان محمد نبیا لما سلط اللہ علیکم
الأسرو القتل“

کب تک تم اپنے آپ کو قتل کراتے رہو گے اور باطل باتوں پر (معاذ اللہ) کب تک امید لگائے
رکھو گے، اگر محمد نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم پر قید اور قتل مسلط نہ کرتا۔

اس آیت کریمہ میں منافقوں کا بھی رد کیا گیا اور مسلمانوں کو تسلی بھی دی گئی۔

(۳) غزوہ خندق میں مسلمانوں کو بہت مشقت برداشت کرنا پڑی، سخت سردی، کھانے پینے کی بہت کمی اور خندق
کی کھدائی اور تمام کفار کی اتحادی فوجوں سے مقابلہ، اس پریشان کرنے والی حالت سے مسلمانوں کا حال یہ
تھا ”وبلغت القلوب الحناجر“ اور دل گلوں کے پاس آ گئے۔

اس آیت کریمہ میں اس مشکل حال میں صحابہ کرام کو تسلی دی گئی کہ یہ تمہارے قرب الہی کا ذریعہ ہے۔

مختصر مطلب:

مسلمانوں کو تسلی دی گئی اور ساتھ ہی یہ سمجھایا گیا کہ کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ جنت جیسی عظیم نعمت تمہیں یوں ہی
مل جائے، نہیں یہ خیال نہ کریں، بلکہ یہ سمجھ لو کہ جنت کے حصول کے لئے تو بہت بڑی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے،
ابھی تک تو تم پر وہ مصیبتیں نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئیں۔ جب وہ شدید مشکلات میں آئے تو اس وقت کے
رسول اور ایمان والے کہنے لگے اللہ کی امداد کب آئے گی؟ تو بتایا گیا خبردار اللہ کی مدد قریب ہے۔

”ام حسبتم ان تدخلوا الجنة“: کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

جلائین میں لفظ ”ام“ کا معنی ”لکن“ (لیکن) سے کیا گیا ہے کہ یہ ”ام“ منقطعہ ہے۔ لیکن علامہ رازی رحمہ

نے اس مقام پر ”ام“ کو استفہام کے معنی میں رکھا ہے۔

آپ فرماتے ہیں ”ہل“ اور ”ہمزہ“ استفہام کے لئے استعمال ہوتے ہیں جو ابتداء میں آتے ہیں۔ جیسے کہا جائے ”ہل عندک رجل“ یا کہا جائے ”اعندک رجل“ (کیا کوئی مرد تمہارے پاس ہے) لیکن ”ام“ درمیان میں واقع ہوتا ہے، ابتداء میں نہیں آتا، اس لئے ”ام عندک رجل“ کہنا صحیح نہیں، ہاں البتہ ”ام“ سے پہلے کبھی استفہام ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔

پہلے استفہام ہو جیسا کہ کہا جائے ”انت رجل لا تنصف افعن جھل تفعل هذا ام لک سلطان“ تو وہ شخص ہے کہ انصاف نہیں کرتا کیا جہالت کی وجہ سے یہ (بے انصافی) کرتا ہے یا تجھے بادشاہی حاصل ہے۔ جب پہلے استفہام نہ ہو جیسا کہ قرآن پاک میں ”الم، تنزیل الكتاب لاریب فیہ من رب العالمین ام یقولون افتراء“ یہاں ”ام“ درمیان میں ہے لیکن اس سے پہلے بظاہر استفہام نہیں۔ البتہ بعض حضرات یہاں بھی اس پہلے استفہام مقدر مانتے ہیں، وہ مکمل تقدیر عبارت کی یوں مانتے ہیں۔

”افیو منون بهذا ام یقولون افتراء“

اہل ضابطہ کے مطابق زیر بحث آیت کی وضاحت بھی اس عبارت سے کرنے پڑے گی۔

”(فہدی اللہ الذین امنوا الماختلفوا فیہ من الحق باذنه) فصبروا علی استہزاء قومہم،

افتسلکون سبیلہم ام تحسبون ان تدخلوا الجنة من غیر سلوک سبیلہم“

تو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنی توفیق سے حق راہ کی ہدایت کی کہ وہ جس میں اختلاف کر رہے، تو ایمان والوں نے اپنی قوم کے مزاح اڑانے پر صبر کیا، کیا تم ان کی راہ پر چلو گے یا یونہی گمان کرو گے کہ ان کی راہ پر چلنے کے بغیر ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

البتہ یہ خیال رہے کہ یہاں استفہام انکاری ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ تمہیں مصائب و آلام کے برداشت کرنے کے بغیر، پہلے ایمان والوں کی راہ پر چلنے کے بغیر جنت میں داخل ہونے کا گمان نہیں کرنا چاہئے۔

ایک اور توجہ:

”حسب“ کا جب مصدر ”حسبان“ (بالکسر) اور محسبة (بفتح المیم وکسر السین) ہو تو ماضی اور مضارع دونوں مکسور العین ہوں گے، اس وقت معنی ہوتا ہے سمجھنا اور گمان کرنا۔

لیکن جب مصدر ”حسب“ (بفتح الحاء و سکون السین) ہو۔ یا ”حسبان“ (بالضم) ہو تو اس وقت اس کی ماضی مکسور العین اور مضارع مفتوح العین ہوگا۔ اس صورت میں معنی ہوگا۔ ”شمار کرنا، حساب کرنا“۔
لہذا طلباء کرام فرق ذہن میں رکھیں تاکہ معنی سمجھنے میں اور تلفظ صحیح کرنے میں آسانی ہو۔

البتہ ترجمہ کرتے وقت مصادر کا لحاظ کیا جائے گا، باب کا نہیں، کیونکہ ”علم يعلم“ باب سے بھی گمان کرنے کا معنی آتا رہتا ہے۔

”ولما یا تکم مثل الذین خلوا من قبلکم“:

حالانکہ نہیں آتی تمہاری پاس مثل ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزر گئے۔

اس مقام میں ”لما“ نافیہ ہے، جس کا معنی ہوتا ہے ”نہیں“ یہاں ”لما“ ظرفیہ نہیں جس کا معنی ہوتا ہے ”جبکہ“۔

”مثل“ میم کے فتح اور کسرہ سے دو لغتیں ہیں، جس طرح ”شبه“ شین کے فتح سے بھی استعمال ہوتا ہے اور کسرہ سے بھی۔

البتہ ”مثل“ میم کے فتح سے واقعہ عجیبہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ”وللہ المثل الاعلیٰ“ میں استعمال ہوتا ہے ”ای الصفة التي لها شان عظیم“ یعنی رب تعالیٰ کی صفات کو عظیم حالت حاصل ہے۔

”مستهم البأساء والضراء“:

”البأساء“ اسم ہے ”البؤس“ کا جس کا معنی ہے ”شدت“ یعنی فقر اور کمزوری۔

”والضراء“: اس کا معنی ”البأساء“ کے معنی کے قریب ہے، یعنی ضرر انداز (نقصان دینے والی) چیزوں کا

وارد ہونا، یعنی مصائب و آلام کا پہنچنا اور خوف لاحق ہونا۔

یعنی ”البأساء“ کا مطلب ہے خیر اور منفعت کی وجوہ میں تنگی کو واقع ہونا، اور ”الضراء“ کا مطلب شر اور

آفات اور تکالیف وغیرہ کے دروازے کھل جانا۔

یہاں تک مطلب:

اے مومنو! کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ صرف مجھ پر ایمان لا کر اور میرے رسول کی تصدیق کر کے تم سب سے

پہلے جنت میں داخل ہو جاؤ گے، جبکہ تم ہر قسم کی عبادت بھی نہ کرو، اور پہلے ایمان والے لوگ جس طرح بہت بڑی

تکالیف میں مبتلا ہوئے اسی طرح تمہیں کفار سے تکالیف بھی نہ پہنچیں اور تم فقر و فاقہ اور معیشت کی تنگی میں بھی مبتلا نہ

ہو، اور تم پر دشمن کے مقابل تکالیف بھی نہ آئیں۔

نہیں یہ تمہارا گمان درست نہیں، سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کے لئے اور رب تعالیٰ کا قرب حاصل

کرنے کے لئے تمہیں کفار کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان سے تمہیں مال و جان کی

بازی لگا کر مقابلہ کرنا ہوگا اور فقر و فاقہ اور معیشت کی تنگی میں مبتلا ہو کر صبر کرنا ہوگا اور ہر قسم کے مصائب و آلام کو برداشت

کرنا ہوگا، جب تم اس حال سے گزر دو گے پھر تمہارا گمان درست ہوگا کہ ہمیں قرب الہی حاصل ہے، اور ہم سب سے

پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

”وزلزلوا“: اور وہ جھنجھوڑے گئے۔

”وزلزلوا“ ای حركوا بانواع البلايا والوزايا

وہ مختلف قسم کی بلاؤں اور مصیبتوں سے حرکت دیئے گئے۔ زلزلہ میں مبتلا ہوئے ہلا دیئے گئے۔

خیال رہے کہ یہ ہمارے محاورہ میں بھی استعمال ہے کہ فلاں شخص کو مصیبتوں نے ہلا کر رکھ دیا گیا۔

”حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب“:

یہاں یہاں تک کہ کہنے لگے رسول اور ان سے ساتھ ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد، خبردار بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔

یعنی تم سے پہلے ایمان والوں کو شدت اور تکلیف پہنچی اور ان کو مصائب و آلام سے جھنجھوڑا گیا، ان کو ہلا کر رکھ دیا گیا، یہاں تک کہ اس وقت کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے کہنے لگے، اللہ کی مدد کب آئے گی، تو ان کو جواب دیا گیا تم آگاہ ہو جاؤ بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔

اعتراض:

”کیف یلیق بالرسول القاطع بصرہ وعدہ ووعدہ ان یقول علی سبیل الاستبعاد (متی نصر اللہ)“

یہ کس طرح کہنا صحیح ہوگا کہ اللہ کے رسول اس کی امداد کو بعید سمجھ کر یہ کہیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، حالانکہ اللہ کے رسولوں کو تو یقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس امداد اور اجر و ثواب کا وعدہ کر رکھا ہے اس نے واقع ہونا ہی ہے، اور گناہوں کی وجہ سے اس نے جن سزاؤں کا ذکر کیا ہے اگر اس نے فضل نہ کیا بلکہ عدل کیا تو ان سزاؤں نے واقع ہونا ہی ہے۔

پہلا جواب: کفار کی طرف سے تکالیف کا پہنچایا جانا رسولوں کی شان کے منافی نہیں بلکہ رسول اپنی عظمت شان کی وجہ سے زیادہ ہی تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون“

اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں بے شک آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کفار کی باتوں سے جو آپ کے دل کو تکالیف پہنچتی ہے وہ ہمارے علم میں ہوتی ہے۔

رسولوں کا سوال اس لئے نہیں تھا کہ وہ مایوس ہو گئے تھے، بلکہ سوال اس لئے تھا کہ امت کے لوگوں کو رب تعالیٰ سے جواب ملنے پر تسلی ہو جائے، اور وقت کا تعین ہو جائے، اگرچہ رب تعالیٰ کی طرف سے امداد تو حاصل ہونی ہی ہوتی ہے۔ جب رب تعالیٰ کی طرف سے جواب مل گیا ”الا ان نصر اللہ قریب“ (خبردار اللہ کی مدد قریب ہے) تو وہ لوگ مطمئن ہو گئے، رسولوں کے سوال کا یہی مقصد تھا۔

دوسرا جواب: یہی جواب خوب سے خوب تر اور زیادہ تحقیق پر مبنی یہی جواب ہے۔ آئیے جواب سنئے۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ”حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ“ یہاں تک کہ رسول کہنے لگے، اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے وہ کہنے لگے۔ (یعنی رب تعالیٰ نے یہ بتایا کہ رسول بھی کلام فرما رہے تھے اور ایمان والے بھی کلام فرما رہے تھے) اس کے بعد رب تعالیٰ نے دو کلاموں کا ذکر فرمایا۔ ایک ”متی نصر اللہ“ اور دوسرا کلام ”الا ان نصر اللہ قریب“ ذکر فرمایا۔

”فوجب اسناد کل واحد من ہذین الکلامین الی واحد من ذینک المذکورین“ اس لئے ضروری ہے کہ دونوں کلاموں میں ہر ایک کا تعلق پہلے جو دو قول ذکر کئے ہیں ان کے ساتھ کیا جائے۔ ایک کا تعلق ایک قول سے ہو جائے اور دوسرے کا تعلق ایک اور سے ہو جائے۔ حاصل کلام یہ ہے۔

”فالذین امنوا قالوا ”متی نصر اللہ“ والرسول قال ”الا ان نصر اللہ قریب“ ایمان والوں نے کہا ”متی نصر اللہ“ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ اور رسولوں نے کہا ”الا ان نصر اللہ قریب“ خبردار بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔

اسی کے قریب رب تعالیٰ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے۔

”ومن رحمته جعل لکم اللیل والنهار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضله“ والمعنی لتسکنوا فی اللیل ولتبتغوا من فضله النهار“

یعنی دو چیزوں کا پہلے ذکر کیا، کہ رب تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے۔
پھر اس کے بعد دو چیزوں کا ذکر کیا ایک کا تعلق رات سے کیا اور ایک کا دن سے، یعنی ”لتسکنوا
فی اللیل“ تم رات کو سکون حاصل کرو، ”ولتبتغوا من فضله فی النهار“ اور دن کو رب
تعالیٰ کا فضل یعنی مال حاصل کرو۔

اسی کے قریب ایک شاعر کا قول ہے۔

کان قلوب الطیر رطبا و یابسا لدی و کرھا العناب و الحشف البالی

گویا کہ پرندوں کے دل تر اور خشک۔ ان کے گھونسلوں کے قریب عناب اور پرانی خشک کھجوریں ہیں۔

شاعر نے پہلی دو چیزوں کا ذکر کیا ”رطبا“ اور ”یابسا“ کا، پھر دو چیزوں کا ذکر کیا ”عناب“ اور

”الحشف البالی“ کا۔

”فالتشبیہ بالعناب للرطب وبالحشف البالی للیابس“

یعنی تر دلوں کو تشبیہ دی عناب سے، اور خشک دلوں کو تشبیہ دی خشک پرانی کھجوروں سے۔ (از کبیر)

تنبیہ:

طلباء کرام یہ بات ذہن میں رکھیں کہ زیر بحث آیت میں کلام ”لف و نشر غیر مرتب“ ہے۔ اور دوسری آیت اور

شعر میں کلام ”لف و نشر مرتب“ ہے۔ اسی لئے ”اسی کے قریب“ کے الفاظ بڑھائے گئے ہیں۔ (راقم)

ایک حدیث پاک سے تائید:

اسی دوسرے جواب کی تائید میں ایک حدیث پاک بھی راقم کو سمجھ آئی، جو اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین

کرام نے ذکر کی۔ اس حدیث پاک سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امت کے لوگوں کے کلام میں اور اللہ کے نبی کے کلام میں

فرق ہوتا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کے کلام میں فرق ہے۔

”عن خباب بن الارت قال شكوا الى رسول الله ﷺ وهو متوسد بردة له في ظل الكعبة فقلنا الا تنصبر لنا الاتد عولنا فقال قد كان من قبلكم يؤخذ الرجل فيحفر له في الارض فيجعل فيها ثم يوتى بالمنشار فيوضع على رأسه فيجعل نصفين ويمشط بامشاط الحديد مادون لحمه وعظمه ما يصد ذلك عن دينه والله لیتمن الله هذا الامر حتى يسير الراكب من صنعاء الى حضرموت لا يخاف الله والذنب على غنمه ولكنكم تستعجلون“ (بخاری)

خباب بن ارت کہتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی جبکہ آپ کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ میں چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے، ہم نے کہا آپ ہمارے لئے امداد کیوں نہیں طلب کرتے، آپ ہمارے لئے دعاء کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں کو (دین پر عمل کرنے کی وجہ سے) گڑھے میں کھڑا کر کے آری سے سر سے لیکر قدموں تک چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے گئے، اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں سے گوشت کو اتار دیا گیا، لیکن وہ دین سے نہ ہٹے (بلکہ دین پر ثابت قدم رہے)۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اللہ تعالیٰ اس دین کی تکمیل فرمائے گا، یہاں تک کہ سوار (بلا خوف) صنعاء سے حضرموت تک چلا جائے گا، اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کا خوف نہیں ہوگا، اور بھیڑ بکری کو بھیڑیے کا ڈر نہیں ہوگا، لیکن تم جلدی کر رہے ہو۔ (خازن)

اس حدیث پاک سے واضح ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام نے تکالیف سے بے قرار ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دعاء کرنے اور امداد طلب کرنے کی درخواست کی، لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کو صبر کرنے کی تلقین کی۔ اسی طرح پہلے ایمان والے لوگوں نے بے قراری سے کہا ”اللہ کی امداد کب آئے گی“ تو رسولوں نے ان کو صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا، خبردار اللہ کی امداد قریب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (راقم)

☆☆☆☆☆

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ
وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ
خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ☆
(سورة البقرة آیت نمبر ۲۱۵)

☆ ۱ ☆

تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو کچھ مال نیکی میں خرچ تو وہ ماں باپ
اور قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہ گیر کے لئے ہے اور جو
بھلائی کرو بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔

☆ ۲ ☆

سوال کرتے ہیں آپ سے خرچ کرنے کے متعلق، فرما دو جو خرچ کرو تم مال نیکی میں
تو وہ ہو واسطے ماں باپ کے اور قریبی رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور
مسکینوں اور مسافروں (کے لئے ہو) اور جو کرو تم بھلائی تو بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔

ما قبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بیان فرمایا کہ ہر مکلف کے لئے واجب ہے کہ وہ دنیا کے جلدی حاصل ہونے والے
منافع سے اعراض کریں، اور آخرت کے دائمی منافع میں مشغول ہو جائیں، اور وہ اخروی منافع اللہ کی راہ میں مال اور
جان قربان کرنے سے حاصل ہوں گے۔

اب اس آیت کریمہ سے لے کر ”الم تر االى الذين خرجوا من ديارهم“ تک احکام بیان کئے جا رہے
ہیں۔ قرآن پاک کا انداز بیان یہ ہے کہ تو حید کا ذکر ہوتا ہے اور وعظ و نصیحت کو بیان کیا جاتا ہے اور پھر احکام کو بیان کیا
جاتا ہے، وہ احکام مختلف ہوتے ہیں جو آپس میں ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

اس انداز بیان سے بعض کو بعض سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور تاکید حاصل ہوتی ہے۔

شان نزول:

عطاء کہتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت کریمہ ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

”ان لی دینار ا فقال انفقہ علی نفسک، قال ان لی دینارین قال انفقہما علی اہلک، قال ان لی ثلاثة قال انفقہا علی خادمک، قال ان لی اربعة قال انفقہا علی والدیک، قال ان لی خمسة قال انفقہا علی قرابتک، قال ان لی ستة قال انفقہا فی سبیل اللہ وهو احسنہا“

بیشک میرے پاس ایک دینار ہے (میں کہاں خرچ کروں؟) تو آپ نے فرمایا، اپنے آپ پر وہ خرچ کرو، پھر اس شخص نے عرض کیا بیشک میرے پاس دو دینار ہوں تو؟ آپ نے فرمایا وہ دو دینار (اپنے آپ پر) اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، پھر عرض کیا بے شک میرے پاس تین دینار ہوں تو؟ آپ نے فرمایا وہ تین دینار (اپنے آپ پر اور اپنے اہل و عیال پر اور) اپنے خادم پر خرچ کرو۔ پھر عرض کیا بے شک میرے پاس چار دینار ہوں (تو میں کیا کروں؟) آپ نے فرمایا وہ چار دینار (اپنے آپ پر اپنے اہل و عیال پر، اور اپنے خادم پر اور) اپنے والدین پر خرچ کرو، پھر عرض کیا بے شک میرے پاس پانچ دینار ہوں (تو میں کیا کروں؟) آپ نے فرمایا وہ (اپنے آپ پر، اور اپنے اہل و عیال پر، اور اپنے خادم پر، اور اپنے والدین پر اور) اپنے قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرو۔ پھر عرض کیا بے شک میرے پاس چھ دینار ہوں (تو میں کیا کروں؟) آپ نے فرمایا وہ (اپنے آپ پر، اپنے اہل و عیال پر، اپنے خادم پر، اپنے والدین پر، اپنے قریبی رشتہ داروں پر اور) اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اللہ کی راہ میں خرچ بہت اچھا بھلائی کا کام ہے۔

(۲) شان نزول کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت عمرو بن جموح کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے تھے، اور بہت زیادہ مال دار تھے، غزوہ احد میں دوران جنگ حضور ﷺ سے سوال کیا۔

”ماذا انفق من اموالنا و این نضعہا“ ہم اپنا کتنا مال خرچ کریں اور کن پر خرچ کریں۔

ان کے اس سوال کے بعد یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”سوال کرتے ہیں آپ سے خرچ کرنے کے متعلق آپ فرمادیں جو بھی بھلائی کی راہ میں مال خرچ کرو، یعنی جتنا مال تم خرچ کرنا چاہو وہ خرچ کرو، لیکن جائز کاموں پر خرچ ہو، ناجائز کاموں پر نہیں، وہ مال والدین کو، اور قریبی رشتہ داروں کو دو اور یتیموں کو دو، اور مسکینوں کو دو، اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، اور جو بھی تم بھلائی کا کام کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ یعنی وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے، اس لئے تم جو مال بھی خرچ کرو اس میں صرف اللہ تعالیٰ رضاء مندی مقصود ہو، اور نیت خالص ہو۔“ (اکبر)

تنبیہ : علم معانی میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ کبھی سائل کے سوال کو اس کے غیر سوال کے درجہ میں رکھ کر جواب دیا جاتا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ بہتر یہ تھا کہ سوال اس طرح ہوتا، یا یہ بتانا مقصود ہوتا کہ اہم سوال یہ تھا۔

اس کی ایک مثال یہی آیہ کریمہ ذکر کی جس کی بحث جاری ہے کہ سوال تھا ”کیا خرچ کیا جائے“ جواب دیا کہ کن پر خرچ کرنا ہے، گویا کہ یہ بتایا گیا کہ وہی خرچ کرنا اللہ کے ہاں معتبر ہوگا جو صحیح مصرف میں خرچ ہوگا۔ لیکن کبیر سے شان نزول کی جو دو وجہ بیان کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہے۔ کیونکہ سوال میں ”کن پر خرچ کرنا ہے“ بھی موجود تھا۔

راقم نے تلخیص المفتاح کے اپنے عربی حاشیہ ”ضوء المصباح“ میں ”تفسیر ابی السعود“ سے ذکر کیا کہ سوال جواب کے مطابق ہے۔ ابوالسعود نے بھی پہلے علم معانی کے قانون کے مطابق بیان کیا لیکن پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے وہی الفاظ ذکر کئے جو کبیر سے نقل کئے جا چکے ہیں، عمرو بن جموح نے حضور ﷺ سے ”ماذا ننفق من اموالنا واین نضعها“ ہم اپنے کون سے مال خرچ کریں اور کن پر خرچ کریں۔

علامہ رازی رحمہ اللہ تفصیل بیان فرماتے ہیں:

(۱) اس میں ایک وجہ یہ ہے کہ سوال کا جواب دے کر پھر اور زیادہ وضاحت کر دی گئی تاکہ مقصد کو حاصل کرنے میں آسانی ہو۔

سوال کا جواب ” ما انفقتم من خیر “ سے دیا، ” ای ای شنی انفقتم من ای خیر کان “ یعنی جو چیز بھی تم خرچ کرو، جس طرح بھی اس میں بھلائی پائی جائے۔ یہ بیان ہے اور جواب ہے کہ کیا چیز خرچ کی جائے، اس کی بعد زیادہ وضاحت کر دی گئی کہ مال خرچ کرنا اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک صحیح مصرف اور صحیح مستحق پر نہ خرچ کیا جائے۔

” فلہذا الماذکر اللہ تعالیٰ الجواب اردفہ بذکر المصروف تکمیلاً للبیان “

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جب جواب ذکر فرمایا تو اس کے پیچھے مصرف کو ذکر فرمایا کہ مال کن لوگوں پر خرچ کرنا ہے، اس طرح ایک مسئلہ کو مکمل طور پر بیان فرما دیا گیا۔

مال کو خیر کہنے کی وجہ:

” والمال یسمی خیر لان حقہ ان یصرف الی جهة الخیر فصار بذلک کأنہ نفس الخیر “

مال کو خیر اس لئے کہا گیا ہے کہ حق یہ ہے کہ مال کو بھلائی کی راہ میں خرچ کیا جائے، جب نیکی کی راہ میں مال خرچ کیا جائے گا وہ مال بھی خیر بن جائے گا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ سوال میں لفظ ” ما “ واقع ہے، لیکن مقصد سوال یہ ہے کہ کیفیت بیان کی جائے کیونکہ

وہ جانتے تھے کہ ان کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے،

جب انہیں یہ معلوم تھا تو یہ سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ کونسا مال خرچ کریں۔ لہذا واضح ہوا۔

” ان المطلوب بالسؤال ان مصرفه ای شی ہوو حینئذ یكون الجواب مطابق للسؤال “

کہ سوال کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہ بتایا جائے کہ مال کن لوگوں پر خرچ کیا جائے۔

” و جب ان یقطع بأن مرادهم من قولهم (ما ذا ینفقون) لیس هو طلب الماہیة بل

طلب المصروف “

یہ ضروری بات ہے کہ یقین کیا جائے کہ ان کا سوال ” ما ذا ینفقون “ ماہیت کی طلب کے

لئے نہیں تھا کہ کونسا مال خرچ کریں بلکہ مصرف کے متعلق سوال تھا۔

(۳) تیسری وجہ وہی بیان کی گئی جس کا ذکر علم معانی کے ضابطہ میں کیا جا چکا ہے۔ (از کبیر و روح البیان)

رب کے کلام میں حکمت:

مصارف بیان کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے جس ترتیب سے والدین وغیرہ کا ذکر کیا وہ عجیب و غریب حکمت پر مبنی ہے۔

والدین کا سب سے پہلے ذکر کیا کیونکہ وہ انسان کے عالم اسباب میں عدم سے وجود کی طرف لاتے ہوئے ہیں، پھر والدین ہی اولاد کی تربیت کرتے ہیں اس حال میں جبکہ اولاد بہت کمزور ہوتی ہے۔ جتنا انعام والدین کا اولاد پر ہے اتنا کسی اور کا نہیں، اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین پر احسان کرنے کا حکم دیا۔

”وقضى ربك ان لا تعبدوا الا اياه وبوالوالدين احسانا“

اور آپ کے رب نے فیصلہ فرمایا کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین سے احسان کرو۔

والدین کے بعد قریبی رشتہ داروں کا ذکر کیا کیونکہ ایک انسان تمام فقیروں کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا اس لئے ضروری ہے کہ کوئی وجہ ترجیح پائی جائے۔ ”والقربابة تصلح ان تكون سببا للترجيح“

قریبی رشتہ دار جب محتاج ہوں تو ان پر مال خرچ کرنے کی وجہ ترجیح موجود ہے کہ وہ قریبی رشتہ دار ہیں۔

”وان الانفاق على القريب اولى من الانفاق على البعيد“

قریبی رشتہ دار پر خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے نسبت دور والے رشتہ دار کے۔

اس کے بعد یتیموں کا ذکر کیا کیونکہ وہ اپنے صغر (چھوٹی عمر) کی وجہ سے کسب (کمانے) پر قادر نہیں۔ چونکہ وہ یتیم ہے اس کا باپ نہیں جو اسے مال حاصل کر کے دے۔

”فالطفل الذي مات ابوہ قد عدم الكسب والکاسب واشرف على الضیاع“

وہ بچہ جس کا باپ فوت ہو جائے وہ بربادی کے کنارے پر ہوتا ہے کیونکہ اس کا کوئی کسب نہیں اور

نہ ہی اس کو کوئی کمانے والا ہے، اس لئے اس کی امداد کرنا ضروری ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔

یتیموں کے بعد مسکینوں کا ذکر کیا کیونکہ وہ وقتی طور پر محتاج ہیں، مالی امداد کے مستحق ہیں، لیکن یتیموں کے بعد

ذکر کرنے کی وجہ ہے کہ یہ ان سے کم حاجت مند ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں مال کمانے کی صلاحیت ہوتی ہے، وقتی طور پر عوارضات کی وجہ سے وہ محتاج ہو گئے ہیں۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ صرف عمر رسیدہ شخص کو حاجت مند سمجھنا اور نو جوان ادھیڑ عمر والے شخص کی اس لئے امداد نہ کرنا کہ یہ کمانے کے قابل ہے، یہ غلط ہے۔ جب وہ وقتی طور پر محتاج ہے تو اس کی امداد کی جائے خواہ وہ کسی عمر میں ہے۔ ہاں البتہ مستحق ہونے کا پتہ ہو تو امداد کی جائے، پیشہ ور بھکاریوں کی امداد نہ کر کے ان کی حوصلہ شکنی ضروری ہے تاکہ ان کی یہ عادت ختم ہو جائے۔

مسکینوں کے بعد اللہ کی راہ میں سفر کرنے والوں کا ذکر کیا کہ کبھی ایسا ہو جاتا ہے جہاد کرنے والے حضرات یا حج کرنے والے بے خرچ ہو جاتے ہیں، اس لئے ان کی وقتی حاجت کو پورا کرنے کے لئے ان کی مالی معاونت کی جائے، لیکن ایسی ضرورت بہت کم پیش آتی ہے، اس لئے ان کا ذکر سب سے آخر میں کیا۔

”فہذا هو الترتیب الصحیح الذی رتبہ اللہ تعالیٰ فی کیفیۃ الانفاق“

یہ وہ صحیح ترتیب ہے اور با کمال اور عجیب و غریب ترتیب ہے جس کو رب تعالیٰ نے خرچ کرنے کی کیفیت میں مرتب فرمایا ہے۔

”وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم“: اور جو کرو تم بھلائی بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔

خیال رہے کہ ”ما انفقتم من خیر“ میں ”خیر“ کا معنی مال ہے، جیسا کہ ”وانہ لحب الخیر لشدید“ میں، اور ”ان ترک خیر الوصیۃ“ میں ”خیر“ سے مراد مال ہے۔ البتہ مال کو خیر کیوں کہا؟ اس کی وجہ پہلے روح البیان کے حوالہ سے بیان ہو چکی ہے کہ مال کو بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے سے مال بھی خیر بن جاتا ہے۔

البتہ ”وما تفعلوا من خیر“ میں ”خیر“ سے مراد عام ہے صرف مال نہیں، جیسا کہ علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”(وما تفعلوا من خیر) يتناول هذا الانفاق وسائر وجوہ البر والطاعة“

اس مقام میں یعنی ”وما تفعلوا من خیر“ میں ”خیر“ سے مراد ہر قسم کی بھلائی ہے۔

والدین اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ضرورت مند مسافرین کی امداد کرنا، ان پر مال خرچ کرنا بھی بھلائی ہے اور نیکی اور اطاعت کے تمام کام ہی خیر ہیں۔ لہذا مطلب واضح ہوا کہ جو بھلائی تم کرو بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔

مسئلہ: والدین پر اور اصول (دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ) پر، اور فروع (بیٹا، بیٹی، نواسہ، نواسی، پوتا، پوتی وغیرہ) پر زکوٰۃ کا مال خرچ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے یہاں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کا مال نہیں۔ والدین کے پاس اپنا مال ہے تو ان کی مالی معاونت مستحب ہے، اور اگر ان کے پاس اپنا مال نہیں وہ محتاج ہیں۔ تو ان کی مالی معاونت فرض ہے۔

مسئلہ: مندرجہ بالا رشتہ داروں (یعنی اصول و فروع) کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو حاجت مند ہونے کی صورت میں، اور یتیموں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ کے مسافرین کو زکوٰۃ کا مال بھی دیا جاسکتا ہے۔

اس لئے جب ”ما انفقتم من خیر“ سے مراد بھلائی میں مال خرچ کرنا مراد ہو تو عام ہوگا جو صدقات فرضیہ اور نفلیہ دونوں کو شامل ہوگا۔

لہذا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی رضا، مندی کے لئے جو مال بھی تم والدین اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ کے مسافروں پر خرچ کر سکتے ہو وہ خرچ کرو۔

اسی سے خود بخود واضح ہو جائے گا کہ والدین اور باقی اصول اور فروع کو زکوٰۃ کے بغیر مال دیا جائے اور باقی حضرات کو خواہ زکوٰۃ کا مال دیا صدقات نفلیہ دو جائز ہے۔

راقم کی وضاحت کے بعد طلباء کرام آپ انھاسیہ کی ان بحثوں کو دیکھ کر یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں، اور آیت کا تعلق زکوٰۃ سے ہے یا نہیں، خود سمجھ لو گے کہ راقم کا انداز بیان اگر خوب تر نہیں تو آسان ضرور ہے۔

www.marfat.com

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرَّةٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ
هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ☆

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۱۶)

۱۵

تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات
تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند
آئے اور وہ تمہارے حق میں بری اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۲۵

فرض کیا گیا تم پر (اللہ کی راہ) میں لڑائی کرنا، اور وہ شاق ہے تم پر اور قریب ہے تم
شاق سمجھو جس چیز کو وہی بہتر ہو تمہارے لئے۔ اور قریب ہے تم پسند کرو کسی چیز کو
وہی تمہارے لئے شر (غیر بہتر) ہو۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ادکام بیان کئے جا رہے ہیں۔ پہلے ایک حکم خرچ کرنے کے متعلق بیان کیا گیا، اب دوسرا حکم جہاد کے متعلق
بیان کیا جا رہا ہے۔

”کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ“: ”کتب“ کا معنی ہے فرض کیا گیا۔

”وَالْمُرَادُ بِالْقِتَالِ قِتَالُ الْأَعْدَاءِ مِنَ الْكُفَّارِ“ اور ”قَالَ“ سے مراد کافر دشمنوں سے جنگ کرنا ہے۔
اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ”خدا کی راہ میں لڑنا“ ترجمہ کیا ہے۔ راقم نے بھی تقریباً وہی نقل کیا ہے۔
عمر بن ابی ربیعہ نے کہا۔

وَعَلَى الْغَانِيَاتِ جِرَ الذِّوَالِ

کُتِبَ الْقَتْلُ وَالْقِتَالُ عَلَيْنَا

فرض کیا گیا ہے ہم پر قتل اور لڑائی کرنا، اور گانے والی عورتوں پر دوپٹے کا دامن کھینچنا۔

جہاد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے امتحان کے لئے فرض کیا ہے ”وجعل وصلۃ الی الجنة“ اور جنت میں جانے کا ذریعہ بنایا۔ نبی کریم ﷺ جب مکہ مکرمہ میں تھے، اس وقت آپ کو کفار سے لڑائی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب مدینہ طیبہ میں آئے تو اجازت دی گئی۔ (مکمل تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے) ”وقاتلو اھی سبیل اللہ الذین یقاتلوکم“ (آیت کی بحث میں دیکھیں)

(ابن قریطی)

اب جہاد کا حکم یہ ہے۔

”قتال الکفار وهو فرض عین ان دخلوا بلا دنا و فرض کفایۃ ان کونوا بلا دھم“
مسلمانوں کے شہروں اور ملک پر چڑھائی کر دیں تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے یعنی ہر شخص پر جہاد فرض ہو جاتا ہے اور جب تک وہ اپنے علاقہ میں رہیں تو مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔
(روح المعانی)

جب کفار اسلامی ملک پر حملہ کریں تو ان لوگوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ کفار سے لڑائی کر کے ان کے شہر کو ختم کریں اور اپنے اسلامی ملک اور اسلام کی حفاظت کریں۔

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب جہاد فرض ہو جائے تو اس کی فرضیت پر عمل جہاد میں شریک ہو کر بھی ہو سکتا ہے اور گھر بیٹھ کر بھی، گھر بیٹھنے والے کو جہاد میں اس وقت شریک سمجھا جائے گا۔

”اذا استعین ان یعین، واذا استغیث ان یغیث واذا استغفر ان ینفر وان لم یحتج الیہ فقد“
جب اس سے امداد طلب کی جائے تو امداد کرے، جو اس سے فریاد کی جائے تو وہ فریاد کو پہنچے، اور اس سے جب مطالبہ کیا جائے کہ اب تم میدان جنگ میں آ جاؤ تو وہ وہاں پہنچ جائے، ہاں جب تک شدید ضرورت نہیں تو اس کا گھر بیٹھنا بھی جائز ہے۔

صحیح بخاری میں ہے ”من مات ولم یغزو ولم یحدث نفسہ بالغزومات میتة جاہلیۃ“ (مرد مسلم جو شخص اس حال میں فوت ہو گیا کہ اس نے جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال آیا تو جاہلیت کی موت مرا۔

نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا۔ ”لاہجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية واذا استنفرتهم فانفروا“
فتح مکہ کے بعد ہجرت فرض نہیں رہی، لیکن جہاد کرنا اور جہاد کی تمنا دل میں رکھنا برقرار ہے۔ جب
تمہیں جہاد کے لئے طلب کیا جائے تو تم جہاد میں شریک ہو جاؤ۔
(ابن کثیر)

”وہو کرہ لکم“: اور وہ ناپسند ہے تمہیں۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”وہو کرہ لکم“ بہ جملہ اسمیہ ہے، اس کا عطف ہے ”کتب علیکم القتال“ پر جو جملہ فعلیہ ہے
”وعطف الاسم على الفعلية كما نص عليه“ نحو یوں نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ جملہ اسمیہ کا عطف
جملہ فعلیہ پر جائز ہے۔

بعض حضرات نے ”وہو کرہ لکم“ کو جملہ حالیہ بنایا ہے لیکن یہ مناسب نہیں اس لئے کہ ”حال موكدة“
واؤ سے نہیں آتا، اور ”حال منتقلہ“ کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔
(روح المعانی)

”کرہ“: میں دو لغتیں ہیں، ایک کاف کے ضمہ سے اور دوسری فتح سے۔ دونوں مختلف معانی میں استعمال ہیں،
کسی کام کو باعث مشقت سمجھنا، اور مکروہ سمجھنا، ناپسند کرنا۔

بعض حضرات نے فرق بیان کیا ہے۔ ”الکرہ (بالضم) المشقة والکرہ (بالفتح) ما کرهت عليه۔
جب کاف پر پیش ہو تو معنی ہوگا، مشقت، اور جب زبر ہو تو معنی ہوگا مکروہ سمجھنا۔
(قبرطی)

اسی طرح جب کاف پر زبر ہو تو معنی ہوگا وہ مشقت جو انسان کو خارج سے حاصل ہو، اور جب پیش ہو تو معنی
ہوگا وہ مشقت جو انسان کو اپنی ذات سے حاصل ہو۔
(روح المعانی)

اعتراض: ”کتب علیکم القتال“ میں خطاب مومنین کو ہو کہ تم پر اللہ کی راہ میں لڑنا فرض کیا گیا ہے تو اس کے
بعد ”وہو کرہ لکم“ کہنا کس طرح صحیح کہ ”وہ تمہیں ناپسند ہے“ اس سے تو یہ پتہ چلا کہ مومنوں کو رب تعالیٰ کا حکم

پسند نہیں آیا، حالانکہ ”ان المؤمن لا یكون ساخطا لاوامر الله وتكاليفه بل یرضی بذلك ویحبہ“ مؤمن کی شان کے لائق تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو خوشی اور رضا مندی سے قبول کرتا ہے، ان کو ماننے میں ناراضگی کا اظہار نہیں کرتا۔

جواب اول: یہاں ”کرہ“ کا معنی ہے مشقت اگرچہ مکلف (عقل و بالغ) کو معلوم بھی ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، لیکن جب وہ کام نفس کو مشکل نظر آئے تو مشقت آمیز کام اتنی طرح رہے گا، جبکہ جہاد میں بھی جان اور مال قربان کرنے پڑتے ہیں جو بظاہر مشکل کام ہے تو فرمایا گیا ”وہو کرہ لکم“ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے نفس جہاد کو مشقت آمیز سمجھتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہی پسند نہیں۔

جواب دوم: جہاد کے فرض ہونے سے پہلے لڑائی کرنے کا خوف تھا، کیونکہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس وجہ سے طبعی طور پر جہاد ناپسند تھا۔ رب تعالیٰ نے پہلے ہی متنبہ کر دیا کہ تم اگرچہ لڑائی کرنے کو ناپسند کرتے تھے، لیکن ”ان الذی تکرہونہ من القتال خیر لکم من ترکہ لئلا تکرہونہ بعد ان فرض علیکم“ وہ چیز جسے تم ناپسند سمجھتے ہو وہ تمہارے لئے بہتر ہے، لہذا جہاد کے فرض ہونے کے بعد جہاد کو ناپسند سمجھ کر نہ چھوڑنا۔ یہ سارا کلام پہلے ہے، اس کے بعد فرمایا ”جہاد تم پر فرض کیا گیا۔“

یعنی اعتراض کا دار و مدار لفظی ترتیب پر ہے، اور جواب کا دار و مدار معنوی ترتیب پر ہے۔ (ماحولہ از کبیر)

”وعسی ان تکرہوا شیاً وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیاً وھو شر لکم“

اور قریب ہے کہ تم شاق سمجھو جس چیز کو وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور قریب ہے کہ تم پسند سمجھو کسی چیز کو وہ تمہارے لئے شر (غیر بہتر) ہو۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”عسی“ افعال مقاربہ سے، عام طور پر شک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ”عسی ان یحرج“ اس کا

نکنا قریب ہے، یعنی اس کے نکلنے کی امید کی جاسکتی ہے، ہو سکتا ہے وہ نکل جائے۔ البتہ کبھی یقین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اسی مثال کا یہ معنی بھی آتا ہے کہ اس کے نکلنے کا یقین ہے۔

”عسی“ کی نسبت جب بندوں کی طرف کی جائے تو اس وقت معنی ”شک“ والا ہوتا ہے، اور جب رب تعالیٰ کی طرف نسبت کی جائے تو ”یقین“ والا معنی ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں جہاں بھی لفظ ”عسی“ استعمال ہوا وہ یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے، صرف ”عسی ربہ ان طلقک الح“ کے وہاں شک کے معنی میں استعمال ہے۔ (از قرطبی و کبیر)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے ”قریب ہے“ یہ مطلق ہے چاہے تو اس کا معنی شک والا کر لیا جائے اور چاہے تو اس کا معنی یقین والا کر لیا جائے، راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے۔

وضاحت: اکثر اوقات ایک چیز کو وقتی طور پر مشقت والا سمجھا جاتا ہے، لیکن مستقبل میں اس پر منافع مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لڑوی دو اپنا وقتی طور پر ناپسند سمجھا جاتا ہے، لیکن اس پر صحت حاصل ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔ تجارت کی غرض سے سفر کرنا اگرچہ بظاہر مشکل ہوتا ہے اس میں خطرات بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس پر نفع حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔

”و حسن تحمل المشاق فی طلب العلم للفرز بالسعادة العظيمة فی الدنيا والعقبی“
علم دین حاصل کرنے میں اگرچہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے جو بظاہر طبیعت پر ناگوار لگتی ہے لیکن مستقبل میں اس سے سعادت دنیوی اور اخروی حاصل ہوتی ہے، اس لئے تکلیف اٹھانے پر بہتری کا حصول مرتب ہے۔

اسی طرح جہاد کو چھوڑنا وقتی طور پر مفید نظر آتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو قتل کے خطرات سے بچا لیتا ہے اور اپنے مال کو بچا لیتا ہے لیکن اس پر عظیم نقصان مرتب ہوتا ہے، کیونکہ جب دشمن کو پتہ چلتا ہے کہ مسلمان جہاد چھوڑ بیٹھے ہیں اور ہل پسند ہو چکے ہیں اور عیاش ہو چکے ہیں، تو وہ حملہ آور ہو جاتے ہیں، مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیتے ہیں، ان کے مال لوٹ کر لے جاتے ہیں، ان کے علاقہ پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ (ماخوذ از کبیر)

راقم کہتا ہے مسلمانوں کی اسی حالت نے فلسطین میں یہودیوں کو ڈیرے جمانے کا موقع عطا کیا ہے اور مسلمانوں کی اسی حالت نے یعنی عیسائیوں سے ڈرنے کی وجہ نے عیسائیوں کو موقع ملا کہ وہ سعودیہ میں ڈیرے جما چکے ہیں۔ مسلمانوں کی اسی حالت نے عراق کو تباہ کر دیا، آج عراق پر عیسائی قابض ہیں، عراق کے غدار جرنیل اگر نہ بکتے تو امریکہ کو آسانی سے وہاں قبضہ حاصل نہ ہو سکتا۔

”وهذا صحيح لا غبار عليه كما اتفق في بلاد الاندلس تركوا الجهاد وجنوا عن

القتال واكثر وامن الفرار، فاستولى العدو على البلاد“

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد روز روشن کی طرح جگمگا رہا ہے۔ جس کی صحت بلا غبار ہے کہ اندلس کے شہروں میں مسلمانوں نے جہاد چھوڑ دیا، بزدلی دکھائی، اور راہ فرار اختیار کی تو دشمن ان کے شہروں پر غالب آکر قابض ہو گئے۔

کتنے ہی شہروں میں مسلمانوں کا خون بہایا گیا، قید کیا گیا، اور غلامیت کی زندگی بسر کرنے پر مسلمان مجبور ہو گئے۔ ”انا لله وانا اليه راجعون“ ذلک بما قدمت ايدينا و كسبتہ“ یہ سب کچھ مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں ہی اپنی بربادی کی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے آیت ریمہ کا مطلب ان الفاظ سے بیان کیا۔

”لا تکر هو الملمات الواقعة فلرب امر تکره فيه نجاتك ولرب امر تحبه فيه عطبك“
واقع ہونے والے مصائب کو ناپسند نہ سمجھو، کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جن کو تم نہ پسند سمجھتے ہو وہی تمہاری نجات کا سبب ہیں۔ اور کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو ان میں ہی تمہاری بربادی ہے۔

ابوسعید خدری نے کہا۔

جرا مرا ترضيه

رب امر تقيه

وبدا المكروه فيه

خفي المحبوب منه

کتنے ہی کاموں سے تو بچتا ہے۔ کتنے ہی کاموں کو تو پسند کر کے لاتا ہے۔
محبوب چیز تجھ سے مخفی رہتی ہے۔ اور مکروہ چیز تجھ پر ظاہر ہوتی ہے۔ (از قرطبی)

جہاد کے فوائد:

جہاد کرنے سے امن حاصل ہوتا ہے، کیونکہ مومن کے جذبہ ایمانی اور جنگی شجاعت کو دیکھ کر کافر کے حملہ کر کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔

یہ مقصد عظیم وقتی سلامتی کے نفع سے زیادہ بہتر ہے۔ اور جہاد سے مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔

اور جہاد سے کافر پر غلبہ حاصل ہونے سے مسلمانوں کو بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہ تمام فوائد دنیا میں حاصل ہوتے ہیں۔

اخروی اور دینی فوائد کثیر ہیں، ان گنت ہیں، مختصر یہ کہ جہاد اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے تو اس پر عظیم ثواب مرتب ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوتی ہے اور اس انسان کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا یقین ہو جاتا ہے، رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”ان الله لا يضيع اجر المحسنين“ بے شک اللہ ضائع نہیں کرتا احسان کرنے والوں کا اجر۔ (از کبیر)

”الشر“ السوء، یعنی ”شر“ کا معنی برائی ہے، اصل اس کا معنی ہے ”پھیلا نا“ کہا جاتا ہے ”شررت اللحم و الثوب لیجف“ میں نے گوشت اور کپڑے کو پھیلا یا تا کہ خشک ہو جائے۔

”الشر“ اللہب لا نبطاطه، آگ کے شعلے بھی چونکہ پھیل جاتے ہیں، اسی لئے ان کو ”الشر“ کہا جاتا ہے۔ ”الشر“ انبساط الاشياء المضارة، نقصان دینے والی چیزوں کا پھیلا نا ”الشر“ (برائی) کہلاتا ہے۔

”والله يعلم وانتم لا تعلمون“: اور اللہ جانتا اور تم نہیں جانتے۔

اس ارشاد گرامی کا مقصد جہاد کی عظیم ترغیب دینا ہے۔ اس لئے کہ جب انسان یہ اعتقاد رکھے کہ میرا علم

ناقص ہے، میں کوتاہ علم ہوں اور کامل علم اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کے علم میں نقص کا تصور کرنا بھی کفر ہے۔ اور انسان کو جب یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا حکم دیتا ہے جو بہتر ہو اور ان میں مصلحت پائی جائے۔

”علم قطعاً ان الذی امرہ اللہ تعالیٰ بہ وجب علیہ امثالہ سواء کان مکروہا للطبع اولم یکن“
تو یقینی طور پر اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرنا واجب ہے، وہ انسان ان کاموں میں حکمت سمجھ کر ان پر عمل کرتا ہے خواہ اس کی طبیعت پرنا گوار گذریں یا ناگوار نہ سمجھے۔

گویا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔

”یا ایہا العبد اعلم ان علمی اکمل من علمک فکن مشغلاً بطاعتی ولا تلتفت الی مقتضی طبعک“

اے بندے میرا علم تیرے علم سے زیادہ کامل ہے، تو میری طاعت میں مشغول ہو جا، اپنی طبیعت کے مطابق کام نہ کر۔
(کتیر)

ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا ارشاد:

- آپ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں چھ چیزوں کی وجہ سے فساد پایا جاتا ہے۔
- (۱) آخرت کے عمل میں اس کے ارادہ میں کمی پائی جائے، یعنی عبادات و جہاد کا مشکل سمجھ کر روگردانی کرنا۔
 - (۲) انسان خواہشات نفسانیہ میں مبتلا ہو کر رہ جائے۔
 - (۳) لمبی لمبی امیدیں رکھنا باوجود اس کے کہ اس کی موت کا وقت قریب ہو۔
 - (۴) رب تعالیٰ کی رضا، پر مخلوق کی رضا، کو ترجیح دینا، یعنی یہ خیال کرنا کہ حاکم راضی رہے، سردار راضی رہے، چوہدری راضی رہے، خدا ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے، آجکل اسی چیز نے اسلامی ممالک کو اور اسلامی اداروں کو تباہ کر رکھا ہے، خوشامدی لوگوں نے ہر شعبہ زندگی کو برباد کر رکھا ہے۔

(۵) خواہشات کی تابعداری کرنا اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو پس پشت ڈال دینا۔ یعنی اس کی پرواہ نہ کرنا کہ نبی کریم ﷺ نے کیا فرمایا ہے، بلکہ اپنے مفادات کو حاصل کی کوشش میں رہنا۔

(۶) ”جعلوا قلیل ذلالت السلف حجة انفسهم ودفنوا کثیر مناقبهم“

سلف صالحین کی معمولی لغزش کو اپنے افعال پر دلیل بنالینا اور ان کے کثیر قابل تعریف کاموں کو دفن کر دینا۔ حقیقت میں سب سے زیادہ نقصان اسی میں ہے کہ کسی بزرگ کی لغزش کو اپنے لئے دلیل بنالیا جائے کہ فلاں بزرگ نے بھی وہی کام کیا تھا، نہیں نہیں یہ کوئی طریقہ نہیں، راہ راست یہ ہے کہ بزرگ کے کام کو سنت کے مطابق پرکھنا ہوگا۔ اگر سنت کے مطابق ہے تو بہتر، اگر سنت کے خلاف ہے تو اسے چھوڑ دینا ہوگا۔ کیونکہ مشائخ سنت کے تابع ہیں۔ سنت مشائخ کے تابع نہیں۔ (روح البیان مع وضاحت)

عقلمند کو چاہئے:

”فعلى العاقل ان يجاهد مع النفس والطبيعة ليرفع الهوى والشهوات والبدعة ويتمسك فى القلوب حب العمل بالكتاب والسنة“
عقلمند شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس اور اپنی طبیعت سے جہاد کرے تاکہ اس کی تمنا اور خواہشات اور بدعات اس سے دور ہو سکیں، اور اس کے دل میں قرآن اور حدیث کے مطابق عمل کرنے کی محبت جاگزیں ہو سکے۔ (روح البیان)

ابراہیم خواص رحمہ اللہ کا ارشاد:

آپ فرماتے ہیں میرے ایک جگہ سے گزر رہا تو میں نے وہاں انار دیکھے، ایک انار میں نے لے لیا، اسے توڑا وہ ترش نکلا، میں نے اسے پھینک دیا۔

اگے چلا تو ایک شخص کو دیکھا جو زمین پر پراگندہ حال (پریشان حال) ہے، اس پر بھڑ جمع ہیں، میں نے کہا ”

السلام علیکم“ اس نے کہا ”وعلیکم السلام یا ابراہیم“ اے ابراہیم تم پر بھی سلام ہو۔

میں نے اسے کہا، تم نے مجھے کیسے پہچانا ہے؟ اس نے کہا ”من عرف اللہ لایخفی علیہ شیء“ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ پھر میں نے اسے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل ہے۔ اگر تم اس سے سوال کرو کہ وہ تمہیں بھڑکی اذیت (تکلیف) سے بچالے تو یہ تمہارا کیا اچھا ہوگا۔ اس شخص نے کہا، میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے، تم اگر رب تعالیٰ کے حضور عرض کر دو کہ وہ تمہیں انار کی خواہش سے بچالے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

”فلدغ الرمان یجد الانسان المہ فی الآخرة ولدغ الزنابیر یجد المہ فی الدنیا“
انار کا ڈسا ہوا شخص آخرت میں درد محسوس کرے گا، کیونکہ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ ہنکل میں پائے جانے والے اناروں کا کوئی مالک بھی ہے یا نہیں کہ مالک سے اجازت لے لی جائے، پھر خواہش نفسانی کے مطابق وہ شخص چل رہا ہے۔
لیکن بھڑکا ڈسا ہوا شخص تو صرف دنیا میں محسوس کرے گا، آخرت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ رہے گا۔

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مہر طاعت نفس شہوت پرست کہ ہر ساعش قبلہ دیگرست

کند مرد را نفس امارہ خوار اگر ہوشمندی عزیزش مدار

نفس شہوت پرست کی فرمانبرداری نہ کر۔ کہ ہر گھڑی اس کا قبلہ دوسرا ہے۔

مرد حق نفس امارہ کو ذلیل رکھتا ہے۔ اگر تو عقلمند ہے تو اسے عزیز نہ رکھ۔ (روح البیان)

روح جہاد:

تاویلات قاشانیہ میں ہے کہ نفس اور شیطان سے جہاد کرنا بھی فرض کیا گیا ہے اور حقیقت میں جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے وجود مجازی کو درمیان سے ہٹا دے، فناء فی اللہ کے درجہ میں آجائے، کیونکہ انسان کا وجود اس کے اور رب تعالیٰ کے درمیان حجاب ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

”وجود ک ذنب لا یقاس علیہ ذنب آخر“

تمہارا اپنا وجود ایسا گناہ ہے کہ اس پر کوئی اور گناہ قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ابن منصور نے کہا۔

بینی و بینک انی قد یزاحمنی

فارفع بحد ک لی انی من البین

اے اللہ میرے اور تیرے درمیان بے شک میرا وجود ہی مزاحم ہے۔

تو اپنی مہربانی سے میرے وجود کو درمیان سے ہٹا دے۔

یعنی روح جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے اور رب تعالیٰ کے درمیان دوئی کو مٹا دے، رب تعالیٰ کی تجلیات میں

اپنے آپ کو گم کر لے، یہی نفس سے جہاد ہے، جو عظیم جہاد ہے۔

(ماخوذ از روح البیان)

☆☆☆☆☆

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ
وَصَدْعٌ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ
مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ
حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ
دِينِهِ فِيمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ☆ (سورة البقرة آیت نمبر ۲۱۷)

﴿۱﴾

تم سے پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنے کا حکم تم فرماؤ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی
راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو
نکال دینا اللہ کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں، اور ان کا فساد قتل سے سخت
تر ہے اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر
دیں اگر بن پڑے اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لو
گوں کا کیا اکارت کیا دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انہیں اس میں
ہمیشہ رہنا ہے۔

﴿۲﴾

سوال کرتے ہیں آپ سے عزت والے مہینے کے متعلق لڑنا اس میں (کیسا ہے) تم
فرما دو لڑنا اس میں بڑا (گناہ) ہے، اور روکنا اللہ کی راہ سے، اور کفر کرنا اس کے
ساتھ، اور (روکنا) مسجد حرام سے، اور نکالنا اس کے باشندوں کو اس سے بڑا (گناہ)

ہے اللہ کے ہاں، اور فتنہ بڑا (گناہ) ہے قتل سے، اور ہمیشہ لڑتے رہیں کہ تم سے یہاں تک کہ وہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر وہ طاقت رکھیں، اور جو شخص پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے پھر مرا حالت کفر میں تو ان لوگوں کے ضائع ہو گئے عمل دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ لوگ جہنم والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جن احکام کا ذکر کیا جا رہا ہے ان میں سے یہ تیسرا حکم ہے۔ دو کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

شان نزول:

اس آیت کریمہ کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر سے دو ماہ پہلے اپنے پھوپھی زاد حضرت عبداللہ بن جحش کی زیر قیادت ایک چھوٹا سا لشکر روانہ فرمایا، جو صرف آٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ لشکر جمادی الاخریٰ میں بھیجا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک بند خط دیا، اور ارشاد فرمایا کہ خط کو نہ کھولنا، بلکہ دو دن تک چلتے رہنا، پھر خط کو ہول لڑ پڑھنا، اور اپنے ساتھیوں کو بھی سنانا، پھر جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا، اور ساتھیوں کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا، جو خوشی سے چلے اسے ساتھ لینا، انہوں نے دو دن چلنے کے بعد خط کھولا اس میں لکھا ہوا تھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم اما بعد فسر علی بركة اللہ تعالیٰ بمن معک من

اصحابک حتی تنزل بطن نخلة فارصد بها غیر القریش لعلک تاتینا منها بخیر“

اللہ کے نام سے شروع جو رحمن و رحیم ہے، اس کے بعد (آپ کو حکم دیا جاتا ہے) تم اللہ تعالیٰ کی برکت

سے چلو، تمہارے ساتھی بھی جو تمہارے ساتھ چلنا چاہیں چلیں، یہاں تک کہ وادی بطن نخلہ میں پہنچ جاؤ، وہاں کفار کے ایک قافلہ کی انتظار کرنا، ہو سکتا ہے کہ تم ہمارے پاس کوئی بہتر خبر لے آؤ۔

آپ نے خط کھولا تو کہا ”سمعاً و طاعة“ نبی کریم ﷺ کا ارشاد دل و جان سے قبول ہے۔

پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو کہا نبی کریم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں مجبور کر کے اپنے ساتھ نہ

لے جاؤں۔ جو شخص شہادت کو پسند کرتا ہے وہ میرے ساتھ چلے، اور جو شخص شہادت کو ناپسند کرتا ہے وہ میرے ساتھ نہ چلے، آپ یہ کہہ کر چل پڑے، آپ کے ساتھ تمام ساتھی خوشی سے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق چلے، جب یہ حضرات نجران میں پہنچے تو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوہ ان کے اونٹ گم ہو گئے، وہ ان کی تلاش میں نکلے، تو عبداللہ بن جحش اپنے باقی ساتھیوں کو ساتھ لے کر مکہ اور طائف کے درمیان وادی بطن نخلہ میں پہنچ گئے، وہاں سے جب قریش کا قافلہ گزر راجن کے پاس سامان تجارت بھی تھا۔

اس قافلہ میں عمرو بن حضرمی اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور نوفل بن عبداللہ مخزومی تھے، جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کو دیکھا تو ڈر گئے۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو کہا، یہ لوگ تم سے ڈر گئے ہیں (کہیں ڈر کی وجہ سے تم پر اپنا حملہ کر کے تمہیں نقصان نہ پہنچائیں) اس لئے تم میں سے ایک شخص اپنا سر منڈا کر ان کے سامنے ہوتا کہ وہ یہ سمجھیں کہ یہ مہرہ سے واپس آرہے ہیں، اس طرح وہ تمہیں نقصان پہنچانے سے باز رہیں گئے۔

صحابہ کرام نے اپنے ہی ایک ساتھی عکاشہ بن محسن کا سر مونڈ دیا، پھر یہ کافروں کے سامنے سرنگا کئے ہوئے گئے، تو وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے، ان سے ہمیں کوئی خوف نہیں، کیونکہ یہ تو عمرہ کر کے واپس آرہے ہیں۔

”وكان ذلك في آخر يوم من جمادى الآخرة وكانوا يرون انه رجب“

وہ دن جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ تھی، البتہ کفار اس دن کو رجب کی پہلی تاریخ کہہ رہے تھے۔

ادھر حضرت عبداللہ بن جحش نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ آج اگر ان کو قتل نہیں کیا جائے گا، تو کل رجب کی پہلی تاریخ آجائے گی اور یہ لوگ حرم میں داخل ہو جائیں گے، تو ان کو قتل کرنا مشکل ہو جائے گا۔

سب حضرات نے اس پر اتفاق کیا کہ ان پر ہمیں حملہ کر دینا چاہئے، اس طرح ایک صحابی واقعہ بن عبداللہ سمی نے تیر چلا کر ایک کافر عمرو بن خضرمی کو قتل کر دیا۔ یہ مشرکوں کا مسلمانوں کی طرف سے پہلا قتل تھا۔

اور دو کافروں یعنی حکم بن کیسان اور عثمان کو قیدی بنا لیا گیا۔ اسلام میں یہی پہلے قیدی تھے۔

صحابہ کرام قیدیوں کو اور ان کا سامان ساتھ لئے مدینہ طیبہ میں آ گئے۔

ادھر کافروں نے یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) نے عزت والے مہینہ میں لڑائی کرنا اور قتل کرنا حلال سمجھ لیا ہے، حالانکہ اس مہینہ میں قتال حرام ہے۔ ہمارے آدمیوں کو قیدی بنالیا گیا اور مال لوٹ لیا گیا۔ اور مکہ مکرمہ میں جو مسلمان رہ گئے تھے، ہجرت نہیں کر سکتے تھے، ان کو کافر عار دلاتے تھے، اور یہ کہتے تھے۔

”یا معشر الصلوۃ استحللتم الشهر الحرام وقاتلتم فیہ“

اے نمازیو! تم نے حرمت والے مہینہ میں لڑائی کرنا حلال سمجھ لیا، اس مہینے کی عزت کے منافی کام کئے۔

نبی کریم ﷺ کو جب پتہ چلا تو آپ نے فرمایا اے عبد اللہ بن جحش میں نے تمہیں یہ تو نہیں کہا تھا کہ حرمت والے مہینہ میں تم نے لڑائی کرنی ہے، کچھ دیر کے لئے نبی کریم ﷺ نے قیدی اور مال وصول کرنے میں توقف اختیار کیا۔ مسلمانوں نے بھی لشکر والوں پر کچھ سخت الفاظ استعمال کئے، سختی کے انداز میں یہ کہا ”لم صنعت ما لم تؤمروا بہ“ تم نے یہ کام کیوں کیا جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، یہ سن کر لشکر والے حضرات کافی پریشان ہو گئے کہ شاید ہمارے عمل برباد نہ ہو جائیں۔

”وقالوا یا رسول اللہ انا قتلنا ابن الخضر می ثم امسینا فنظرنا ہلال رجب فلا ندری

افی رجب اصینا ہ ام فی جمادی واکثر الناس فی ذلک“

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے ابن خضری کو قتل کیا، شام بعد میں ہوئی، پھر بھی ہمیں رجب

کا چاند نظر نہ آیا، لہذا ہمیں معلوم نہیں کہ ہم نے اسے رجب میں قتل کیا ہے یا جمادی میں۔ (اکثر

حضرات نے یہی وضاحت کی ہے)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تائید میں اور کفار کے رد میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

کہ اے محبوب یہ لوگ آپ سے شہر حرام (حرمت والے مہینے) میں لڑائی کرنے کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس

مہینے میں جنگ کرنا گناہ ہے کہ نہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ ہاں اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن اے محبوب آپ ان

لوگوں کے کرتوتوں کو بھی دیکھو، اللہ کی راہ سے آپ کو اور مسلمانوں کو یہ روکتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے کفر یہ کرتے ہیں۔ اور

مسجد حرام سے یہ روکتے ہیں، حرم کے باشندوں کو وہاں سے یہ نکالتے ہیں، ان لوگوں کے یہ جرائم اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے، پھر ان لوگوں کو یہ تمام کام اور مسلمانوں کو تکالیف پہنچانا فتنہ ہے، اور فتنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حرمت والے مہینے میں کفار کو قتل کرنے سے بھی شدید اور عظیم جرم ہے، اور پھر یہ کفار اے محبوب اور مومنین تم سے اس وقت تک لڑائی کرنے کی کوشش میں رہیں گے کہ ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، یعنی وہ اپنے باطل گمان کے مطابق تمہیں دین سے پھیر دینے تک لڑائی جاری رکھیں گے، ہاں یہ بھی سن لو کہ جو شخص ان کے کتبے پر دین سے پھر گیا، مرتد ہو گیا، اور اس کی موت کفر پر آگئی، یعنی اس نے پھر توبہ نہ کی اور مسلمان نہ ہوا تو اس کے عمل دین و دنیا میں برباد ہو کر رہ جائیں گے، وہ لوگ جہنم والے ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ (ما حود اور حارون)

تنبیہ: خازن کی دو عبارتوں کی طرف ذرا پھر سے غور کریں۔

”وكان ذلك في آخريوم من جمادى الآخرة و كانوا يرون انه من رجب“
جس دن ابن حضرمی کو قتل کیا گیا وہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ تھی، جسے کفار رجب کی پہلی تاریخ سمجھ رہے تھے۔

”وقالوا يا رسول الله انا قتلنا ابن الحضرمي ثم امسينا فنظرنا هلال رجب فلاندرى
افی رجب اصبناہ ام فی جمادی“

اور لشکر والے حضرات نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے ابن حضرمی کو قتل کیا، شام اس کے بعد ہوئی،
”ثم“ کا لفظ تراخی پر دلالت کر رہا ہے جس سے واضح ہو رہا ہے کہ قتل جمادی الاخریٰ کے آخری دن کیا گیا اور
شام بعد میں ہوئی پھر ”فساء“ بھی تراخی بلا مہلتہ پر دلالت کر رہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ شام ہونے کے بعد ہم
نے رجب کا چاند دیکھ لیا، اب ہمیں تو معلوم نہیں کہ ہم نے جمادی الاخریٰ میں قتل کیا ہے یا رجب میں؟
یہ کام تجاہل عارفانہ کے طور پر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو جمادی الاخریٰ میں قتل کیا ہے، کفار اس
کو رجب کہہ رہے ہیں۔

راقم کو بھی خازن کی تحقیق سے ہی اتفاق ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم واضح ہے کہ آپ سے عزت والے مہینے میں

لڑائی کرنے کا حکم پوچھتے ہیں آپ وہ ان کو بتادیں، ان کے کرتوتوں کے متعلق بھی بتادیں کہ وہ کتنے بڑے جرم ہیں۔ لیکن آیت کریمہ میں یہ ذکر نہیں کہ صحابہ کرام کا کافر کو قتل کرنا یا دوسرے کافروں کو قیدی بنانا اور ان کا مال چھیننا حرمت والے مہینہ میں واقع ہوا۔

اس سے تو یہ پتہ چلا کہ مقصد بیان یہ ہے کہ اگر حرمت والے مہینہ میں قتل کیا جاتا تو پھر بھی تمہارے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے جائز ہوتا، اگرچہ بغیر فتنہ کے وہ بڑا گناہ ہوتا، لیکن صحابہ کرام نے تو حرمت والے مہینہ میں قتل ہی نہیں کیا۔ بعض مفسرین کرام نے کہا:

بعض تفاسیر میں اس طرح ذکر ہے کہ یہ قتل رات کو ہوا، صحابہ کرام کو پتہ نہ چل سکا کہ رجب کا چاند نظر آ گیا ہے، جبکہ واقع میں چاند نظر آچکا تھا۔ ”واللہ اعلم بالصواب“

آیت کریمہ کے نزول کے بعد:

نبی کریم ﷺ نے قیدیوں کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اور لائے ہوئے سامان سے خمس وصول فرمایا، اسلام میں یہ سب سے پہلا خمس تھا، باقی مال لشکر والوں پر بطور مال غنیمت کے تقسیم کر دیا۔ اسلام میں یہ پہلا مال غنیمت تھا۔

قیدیوں کا معاملہ:

کفار نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے فدیہ بھیجا، لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر قیدیوں کو چھڑانا ہے تو ہمارے پاس سعد اور عقبہ کو بھیجو، اگر وہ نہ آئے تو ہم ان کو قتل کر دیں گے۔

جب وہ دنوں آئے تو قیدیوں کو ان کے ساتھ بھیجنے کے متعلق حکم فرمایا، لیکن حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا، ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن عثمان بن عبد اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں چلا گیا، اور وہیں حالت کفر میں فوت ہو گیا۔

نوفل جو قید ہونے سے پہلے ہی بھاگ گیا تھا، یہ غزوہ احزاب میں مسلمانوں کے مخالف کفار کے ساتھ تھا، کیونکہ خود بھی کافر تھا، اس نے اپنے گھوڑے کو تیز دوڑانے کے لئے ایڑی لگائی تاکہ خندق سے پار ہو جائے، لیکن یہ اپنے گھوڑے سمیت خندق میں گر کر مر گیا۔ کافروں نے پیسے دے کر اس کی لاش کو حاصل کرنے کی کوشش کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ”خذوه فانه خبيث الجيفة خبيث الدية“ اس کی لاش لے لو بے شک یہ خبیث مرد، اور اس کی دیت بھی ناپاک ہے۔ (لہذا ہمیں ناک پا چیز کے لینے کی کوئی غرض نہیں)۔

سوال کس نے کیا؟

حرمت والے مہینہ میں لڑائی کرنے کا کیا حکم ہے؟ یہ سوال کس نے کیا مسلمانوں نے یا کفار نے؟ اصل میں سوال کافروں نے ہی کیا تھا، اس واقع کے بعد تمام ذکر کفار کا ہی آرہا ہے، جو ان کا جواب دیا گیا ہے۔ لیکن کفار کی باتوں کے بعد مسلمانوں نے بھی پریشان ہو کر سوال کر لیا تھا کہ حرمت والے مہینوں میں لڑائی کا حکم کیا ہے تو، جب جواب دیا گیا تو کفار کا جواب بھی آگیا اور مسلمانوں کی پریشانی کا اندفاع ہو گیا۔ اس لئے مندرجہ ذیل روایت سے اس غلطی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ سوال کفار نے نہیں کیا تھا، صرف مسلمانوں نے ہی کیا تھا۔

☆ ”عن سعيد بن جبیر عن ابن عباس انه قال ما رأيت قوما كانوا اخيراً من اصحاب رسول الله ﷺ ما سألوه الا عن ثلاث عشرة مسألة حتى قبض كلهن في القرآن (منها) ”يسئلونك عن الشهر الحرام“

حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام سے بہتر کسی قوم کو نہیں دیکھا، کیونکہ انہوں نے ہی تو آپ کے وصال سے پہلے یہ مسئلے پوچھے۔

یعنی صحابہ کرام کا مسلمانوں پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے تیرہ مسائل پوچھے جو تمام ”یسئلونک“ سے شروع ہو رہے ہیں۔ ان میں ہی ”یسئلونک عن الشهر الحرام“ بھی ہے۔

یہ روایت بھی اپنی جگہ درست ہے، کیونکہ کفار کے سوال کے بعد اور ان کے شور و غل کے بعد مسلمانوں نے بھی پوچھ لیا تھا، آیہ کریمہ بعد میں نازل ہوئی۔ لہذا جواب کفار اور مسلمانوں کے سوال کا مشترک تھا۔

”الشہر الحرام“ حرمت والا مہینہ، یہاں سے مراد رجب ہے، البتہ کل حرمت والے مہینے چار ہیں۔ رجب، شوال، ذیقعد، ذی الحج۔

حرمت والے مہینوں میں لڑائی کا حکم اب کیا ہے؟

اگرچہ تفصیل پہلے ذکر کر دی گئی ”وقاتلو فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم الخ“ کی وضاحت کے ضمن میں دیکھیں۔ تاہم مختصر حکم یہ ہے کہ ابتداء میں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کی مطلقاً ممانعت تھی، پھر ”واقفلوہم حیث ثقتموہم“ سے پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا اور حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ البتہ اگر اشد ضرورت درپیش نہ آئے اور ان مہینوں میں کسی وجہ سے لڑائی ٹل سکے تو لڑائی نہ کرنا بہتر ہے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”قل قتال فیہ کبیر“ میں ”قتال“ مبتداء ہے، اور ”کبیر“ خبر ہے۔ اگرچہ ”قتال“ نکرہ ہے لیکن ”فیہ“ کے ذریعے اس کی تخصیص کر دی گئی، اس لئے مبتداء بنانا صحیح ہے۔ ”کبیر“ کا معنی ”عظیم مستنکر“ ہے، بہت قبیح یعنی بہت برا، اسی وجہ سے بڑے گناہ کو ”کبیرۃ“ کہا جاتا ہے۔

اور نکتہ کی طرف طلباء کرام توجہ فرمائیں:

نکرہ کا جب تکرار آئے تو پہلے نکرہ سے مراد حکم ہوتا ہے اور دوسرے سے مراد اور ہوتا ہے۔ اور معرفہ کا تکرار ہو تو دونوں کا حکم ایک ہوتا ہے۔ اسی لئے ”فان مع العسریسرا ان مع العسریسرا“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک مشکل میں دو آسانیاں ہوتی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں سوال میں بھی ”قتال“ نکرہ ہے اور جواب میں بھی نکرہ ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ سوال عبد اللہ بن جحش اور آپ کے ساتھیوں کا ابنِ حضرمی کو قتل کرنے کے متعلق تھا، جس میں ذکر ”قتال“ نکرہ ہے، اور جواب میں ارشاد ہوا۔

” (قل قتال فیہ کبیر) ”وفیہ تنبیہ علی ان القتال الذی یکون کبیر لیس ہو هذا القتال الکبیر الذی سألتم عنہ بل هو قتال آخر لان هذا القتال کان الغرض بہ نصرۃ الاسلام واذلال الکفر فکیف یکون هذا من الکبائر انما القتال الکبیر هو الذی یکون لغرض فیہ هدم الاسلام وتقویۃ الکفر، فكان اختیار التنکیر فی اللفظین لأجل هذه الدقیقة“

اس میں بیان کرنا یہ مقصود ہے کہ حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن وہ قتال بڑا گناہ نہیں جس کے متعلق تم نے سوال کیا ہے بلکہ وہ اور قتال ہے، کیونکہ جو قتل عبد اللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں نے کیا ہے وہ تو اسلام کی امداد کے لئے تھا اور کافروں کو ذلیل کرنا مقصود تھا، وہ کس طرح بڑا گناہ ہو سکتا ہے؟ بڑا گناہ تو اس قتال (لڑائی) میں ہوتا ہے جس میں اسلام کی بنیادوں کو کمزور کرنا ہوتا ہے اور کفر کو تقویت پہنچانا ہوتا ہے۔ اس بیان کے بعد واضح ہو گیا کہ دو جگہ پر ”قتال“ کو نکرہ ذکر کرنے میں یہی باریک نکتہ ہے۔

اور اگر ایک مرتبہ خازن کی وضاحت جو راقم نے نقل کی ہے اس پر پھر نظر کریں تو ”قتال“ کو دو مرتبہ نکرہ ذکر کرنے سے ایک اور عجیب چاشنی پائیں گے۔

”فسبحان من له تحت کل کلمۃ من کلمات هذا الكتاب سر لطیف لایہتدی الیہ الا اولوالالباب“

وہ ذات پاک جس نے اس کتاب کے ہر کلمہ میں لطیف راز رکھا ہے، اس کی طرف سوائے عقل والوں کے کوئی راہنمائی حاصل نہیں کر سکتا۔

(ارکبیر)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”وَصَدَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفَرَ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ“ اس مقام میں ”المسجد الحرام“ کا عطف ہے ”سبیل اللہ“ پر، لہذا معنوی طور پر عبارت یہ ہوگی ”وَصَدَّ عَنْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“ اب معنی مکمل یہ ہو گیا، اور روکنا اللہ کی راہ سے، اور کفر کرنا اس کے ساتھ، اور روکنا مسجد حرام سے۔

اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب؟

اس میں چند وجوہ پائی گئی ہیں، تمام کو یہ آیت کریمہ شامل ہے۔

(۱) ایک وجہ یہ پائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایمان لانے سے منع فرماتے تھے۔

(۲) مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے سے روکتے تھے، یہ دوسری وجہ ہے۔

(۳) اور اس میں تیسری وجہ یہ پائی گئی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو حدیبیہ میں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔

اس تیسری وجہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن جحش کا واقعہ غزوہ بدر سے بھی پہلے کا ہے اور حدیبیہ کا واقعہ بہت بعد میں ہجرت کے چھٹے سال درپیش آیا۔ تو کس طرح یہ آیت کریمہ اسے شامل ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے۔ ”ما کان فی معلوم اللہ تعالیٰ کان کالو واقع“

اللہ تعالیٰ نے علم میں جب حدیبیہ کا واقعہ بھی تھا تو وہ اس کے نزدیک ایسا ہی تھا جیسا کہ واقعہ ہو چکا ہے۔

”وکفر بہ“: اگرچہ بظاہر معنی تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا، کیونکہ ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے،

البتہ اللہ سے کفر کرنے والا رسولوں سے بھی کفر کرتا ہے، اور عبادت اور قیامت وغیرہ سے بھی کفر کرتا ہے۔ اس لئے ”وکفر بہ“ مختصر الفاظ وسیع مضمون کو شامل ہیں۔

تنبیہ: ”والمسجد الحرام“ کا تعلق ”کفر“ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا مسجد حرام سے کفر کرنا،

یعنی وہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام سے نماز ادا کرنے سے روکتے تھے اور بیت اللہ شریف کا طواف کرنے سے روکتے تھے، جسے وہ اپنا حق سمجھتے اور جائز سمجھتے تھے، جو باعث کفر تھا۔

”واخراج اہلہ منہ“: اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا۔

یعنی کفار کا اور عظیم جرم یہ تھا کہ مسجد حرام کے باشندوں کو مسجد حرام سے نکال دیتے تھے، بلکہ شہر حرم مکہ مکرمہ سے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔

”اکبر عند اللہ“: بہت بڑا گناہ ہے اللہ کے ہاں۔

ان الفاظ مبارکہ کا تعلق ان کے تمام جرائم سے ہے، یعنی اللہ کی راہ سے روکنا، حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے سے بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے سے بڑا گناہ ہے۔ اور مسجد حرام سے روکنا اور مسجد حرام سے کفر کرنا حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنے سے بڑا گناہ ہے۔ (از کبیر)

”والفتنة اکبر من القتل“: اور فتنہ بڑا گناہ ہے قتل سے۔

”ان الفتنة عن الدين تفضي الى القتل الكثير في الدنيا والى استحقاق العذاب الدائم في الآخرة فصح ان الفتنة اکبر من القتل“

بے شک دین میں فتنہ دنیا میں کثیر قتل کی طرف پہنچاتا ہے۔ اور آخرت میں دائمی عذاب کا مستحق بناتا ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

آج ہم اپنے ملک پاکستان میں فتنہ کو دیکھتے ہیں تو سمجھ آتا ہے کہ شاید اس فتنہ کا اصل سبب علماء ہیں؟ لیکن یہ غلط ہے، علماء کے اختلافات قتل و غارت تک نہیں پہنچاتے، اس کی اصل وجہ وقت کے حکام اور ان کے چمچے کڑ چھ ہیں، جو پیسہ دے کر جہلاء کو خرید کر فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں، بظاہر وہ مولوی نظر آتے ہیں۔ عالم دین بک جائے یہ ممکن نہیں۔ بکنے والے جھکنے والے علماء نہیں جہلاء ہیں۔

”ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا“

اور وہ ہمیشہ لڑیں گے تمہارے ساتھ یہاں تک تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر وہ طاقت رکھیں۔

یہ کلام فرض کے طور پر ہے۔ جس طرح رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین“

فرمادو اگر رحمن کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔

یعنی اس کی کوئی اولاد نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے، اگر فرض کیا جاتا کہ اس کی اولاد ہوتی وہ مستحق عبادت ہوتی۔

اسی طرح یہاں مطلب یہ ہے کہ وہ کافر اپنے باطل خیال میں تو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ لڑائی جاری رکھیں تاکہ تمہیں دین سے پھیر لیں، لیکن یہ اسی وقت ہوتا جب ان کو طاقت ہوتی۔ ان کو تو اس کی طاقت ہی نہیں کہ تمہیں لڑائی کر کے دین سے پھیر دیں۔

آج بھی کافر اور کافروں کے ہمنو ایسی چاہتے ہیں کہ دینداروں سے لڑائی کر کے اور ان کو قتل کر کے لوگوں کو دین سے پھیر دیں، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ جتنا انہوں نے مساجد میں قتل عام کیا اتنا ہی نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

ان شاء اللہ غدار مسلمان اپنے آقاؤں کی طرح ذلیل ہوتے رہیں گے، اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کا ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔

”ومن یرتد دینکم عن دینہ فیمت وهو کافر فاولئک حبطت

اعمالہم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون۔“

اور جو شخص پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے، پھر مرا حالت کفر میں تو ان لوگوں کے ضائع ہو گئے

عمل دنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ جہنم والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جب پہلے ذکر فرمایا کہ کافروں کا مسلمانوں سے لڑائی کرنا صرف اس لئے ہے کہ وہ مسلمان کو دین سے پھیر

دیں۔ اور ضمنیہ بھی بیان کیا گیا کہ وہ کامل مسلمانوں کو دین سے نہیں پھیر سکیں گے۔ اب بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ ضعیف اعتقاد والے مسلمانوں کو ڈرانے یا لالچ دینے کی وجہ سے دین سے پھیر لیں، تو جو شخص مرتد ہو گیا اس کے اعمال دین و دنیا میں برباد ہو جائیں گے، اور وہ لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

تنبیہ: ایمان اور کفر کی دار و مدار وقت و فوات پر ہے۔

”الایمان لایکون ایمانا الا اذا مات المومن علیہ والکفر لایکون کفرا الا اذا مات

الکافر علیہ“

ایمان اس وقت تک ایمان نہیں ہو گا جب تک کہ مومن کی موت ایمان پر نہ آئے۔ اور کفر اس

وقت تک کفر نہیں ہو گا جب تک کافر کی موت کفر پر نہ آئے۔

یعنی اگر کوئی شخص مومن تھا لیکن ”العیاذ باللہ“ وہ کافر ہو گیا اور توبہ کر کے دوبارہ اسلام میں داخل نہیں ہوا، حالت کفر میں وہ مر گیا تو اس کے اعمال برباد ہو گئے، ایمان رائیگاں (ضائع) ہو گیا۔ اسی طرح ایک شخص کافر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور توفیق سے اسے ایمان حاصل ہو گیا، اور وہ حالت ایمان میں ہی فوت ہو گیا تو ”ان الایمان یهدم ماضی“ (بے شک ایمان پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے) کا مصداق بن گیا۔

مختصر مطلب یہ ہے کہ انسان کے ایمان و نجات اور کفر و عذاب کی دار و مدار خاتمہ پر ہے۔ جس حال میں مرے گا، اسی حال والے احکام بھی مرتب ہوں گے۔

اعتراض:

جب ایک شخص کتنا عرصہ مومن رہا تو وہ ایمان اور اس کے اعمال ضائع کیسے ہو گئے؟

جواب:

”فذلک الایمان السابق وان کنا نظنه ایمانا الا انه ما کان عند اللہ ایمانا فظہر ان

المواقاة شرط لکون الایمان ایمانا والکفر کفرا“

اس کا ایمان جسے ہم ایمان سمجھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہی نہیں تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ایمان مقبول ہے جب اسی ایمان پر خاتمہ ہو، اسی طرح وہی کفر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور اسی کفر پر دائمی عذاب مرتب ہوتا ہے جس پر موت آجائے، اگر ساری عمر کفر کرتا رہا موت ایمان پر آگئی تو وہ کفر مٹ گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

مسئلہ:

اگر کوئی شخص (العیاذ باللہ) مرتد ہو گیا، اسے قید کر لیا جائے اور اس کے شہادت کو زائل کیا جائے، اگر وہ تین دنوں تک توبہ کر لے اور پھر اسلام قبول کر لے تو بہتر، ورنہ اسے قتل کر لیا جائے۔ اگر عورت مرتد ہو جائے تو اسے قید کر لیا جائے جب تک وہ توبہ کر کے اسلام قبول نہ کر لے، اس وقت تک اسے قید میں رکھا جائے۔ خواہ تمام عمر ہی اسے قید میں رکھنا پڑے تو اسے قید میں رکھا جائے۔

مسئلہ:

مرتد مسلمان کا وارث نہیں اور مسلمان مرتد کا وارث نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ:

اگر کوئی شخص کسی وقت کی نماز ادا کر کے العیاذ باللہ مرتد ہو گیا، پھر اسی نماز کے وقت ختم ہونے سے پہلے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا جائے تو اسے پھر دوبارہ وہ نماز ادا کرنی پڑے گی۔

☆☆☆☆☆

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ

يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ☆ (سورة البقرة آیت نمبر ۲۱۸)

۵۱۵

وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمت الہی کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۵۲۵

بیشک وہ لوگ جنہوں نے ایمان لایا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہ لوگ امید کرتے ہیں اللہ کی رحمت کی۔ اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ما قبل سے تعلق:

- (۱) جب اس سے پہلی آیت کریمہ میں حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کو ابن حضرمی کے قتل کے جرم سے بری قرار دیا کہ وہ گنہگار نہیں، تو انہوں نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمیں اس پر اجر بھی حاصل ہوگا؟ تو اس آیت کریمہ کو نازل فرما کر بتا دیا کہ وہ اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو رحمت عطا فرماتا ہے۔
- (۲) جب پہلے جہاد کا ذکر فرمایا ”کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم“ تو اس میں وعید پائی گئی تھی اب اس آیت کریمہ میں وعدہ کا ذکر فرمایا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ ہے کہ وعدہ کے بعد وعدہ کا ذکر فرماتا ہے۔

”ان الذين آمنوا والذين هاجروا وجاهدوا في سبيل الله“:

بیشک وہ لوگ جنہوں نے ایمان لایا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔

”ہاجروا“ وطن اور قبیلہ کو چھوڑا اصل میں ”ہجر یہجر ہجرا“ کا معنی ترک کرنا اور چھوڑنا ہے جو

وصل کی ضد ہے۔ اسی وجہ سے قبیح کام کو ”ہجر“ کہا جاتا ”لانہ مما ینبغی ان ینہجر“ کیونکہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ برے کلام کو ترک کر دیا جائے۔ ”ہاجرة“ دوپہر کے وقت کو کہا جاتا ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز یعنی فرض، نفل، نماز جنازہ کو چھوڑ دیا جاتا ہے بلکہ سجدہ تلاوت بھی نہیں کیا جاتا۔

”جاہدوا“ ماخوذ ہے ”جہد“ سے جس کا معنی ہے مشقت کرنا، محنت کرنا اسی وجہ سے جہاد اور مجاہدہ کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے ”بذل الجہد فی قتال العدو“ دشمن کے قتل کرنے میں کوشش کرنا۔

”اولئک یرجون رحمت اللہ“ : وہ امید کرتے ہیں اللہ کی رحمت کی۔

امید کرنے کا ذکر کیا ہے، یقین کرنے کا ذکر نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ اس میں چند وجوہ پائی گئی ہیں۔

(۱) ہمارا مذہب یہ ہے کہ ایمان پر اور اعمال پر ثواب عطا کرنا عقلاً کوئی واجب نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے وعدہ کے مطابق اپنے فضل و کرم سے اپنے ذمہ لگا دیا۔ اس لئے امید کا ذکر کیا ہے یقین کا نہیں۔

(۲) اور وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وعدہ فرما کر اپنے ذمہ و کرم پر لگایا ہے کہ وہ ثواب عطا فرمائے گا لیکن گزشتہ آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ ثواب اس وقت حاصل ہوگا کہ جب موت حالت ایمان پر آئے، انسان کے لئے یہ حالت مشکوک ہے کہ اس نے ایمان پر مرنا ہے یا کفر پر اس لئے وہ اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں یقین نہیں کرتے۔

(۳) اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا گیا، ایمان، ہجرت، اور اللہ کی راہ میں جہاد، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ”لابدللانسان مع ذلک من سائر الاعمال“ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام اعمال پر عمل کرے۔ یہ صورت انسان کے لئے یقینی نہیں بلکہ امید پر مبنی ہے کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ باقی اعمال کی بھی توفیق عطا فرمائے گا ”فلا جرم علقۃ علی الرجاء“ اسی لئے یقیناً اس نے اللہ کی رحمت کو امید کے ساتھ متعلق کر لیا ہے۔

تنبیہ: امید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ”لیس المراد من الآیۃ ان اللہ شکک العبد فی ہذہ

المغفرة“ یعنی آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی مغفرت میں شک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ نسبت بندوں کی طرف ہے کہ وہ ہجرت کرتے اور جہاد کرتے ہیں، لیکن اپنے نفسوں میں کوتاہی سمجھتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طرح نہیں کی جیسا کہ کرنے کا حق تھا۔ ہم نے دین کی امداد اس طرح نہیں کی جیسا کہ ہم پر لازم تھا۔ اپنی اسی حالت کو دیکھ کر وہ رب تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی رحمت کی امید تو کرتے ہیں لیکن یقین نہیں کرتے۔

ایک اور وجہ:

”ان المراد من الرجاء القطع والیقین فی اصل الثواب، والظن انما دخل فی کمیته وفی وقته“

ایمان والے لوگ جو ہجرت بھی کرتے ہیں اور جہاد بھی ان کو یہ تو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ثواب تو عطا کرنا ہے لیکن انہیں یہ یقین نہیں ہوتا کہ کتنا ثواب عطا کرنا ہے اور کس وقت عطا کرنا ہے، گویا کہ امید کی نسبت مقدار ثواب اور وقت ثواب کی طرف ہے، اصل ثواب کی طرف نہیں۔ (از کبیر)

”واللہ غفور رحیم“: اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کی امید کو ثابت فرما دیا کہ جب ان کی موت ایمان پر آئی اور اچھے عمل کئے تو بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمانے کا اور رحم فرمائے گا۔

اسی سے یہ واضح کر دیا کہ عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت مغفرت فرمادی جب وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے تھے۔ اور اسی وقت ان پر رحم فرما دیا۔ یعنی ان کی اس وقت مغفرت کی اور اس وقت ان پر رحم فرمایا، جب ان کو اس کا علم بھی نہیں تھا۔ (از کبیر)

رحمت کی امید پر اللہ کا کرم:

ابو عمر و ایک دن ایک گلی سے گزر رہے تھے، وہاں دیکھا کہ محلہ کے چند لوگ جمع ہیں جو ایک جوان کو اس کے فساد کی وجہ سے محلہ سے نکالنا چاہتے ہیں، اس کی ماں رو رہی ہے۔

ابو عمر و کندی کو اس پر رحم آیا۔ آپ نے لوگوں کو کہا اس مرتبہ میری وجہ سے اسے معاف کر دو، اگر پھر اس نے فساد برپا کیا تو تم جو چاہو اس سے سلوک کرنا۔ انہوں نے معاف کر دیا۔

کچھ دنوں کے بعد آپ پھر اس محلہ اور اسی گلی سے گزرے تو دیکھا اس نو جوان کے گھر سے بڑھیا (اس کی ماں) کی رونے کی آواز آرہی ہے، آپ نے سمجھا شاید جوان نے پھر کوئی فساد برپا کیا، تو لوگوں نے اس کو گھر سے نکال دیا ہے، دروازہ کھٹکھٹایا، اس بڑھیا سے اس کے بیٹے کا حال پوچھا، تو اس نے بتایا کہ وہ فوت ہو گیا۔ اس کے متعلق کچھ تفصیل پوچھی تو اس عورت نے بتایا کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے مجھے کہا اے میری ماں! میری موت کی خبر کسی کو نہ دینا، کیونکہ میں نے اپنے ارد گرد کے لوگوں کو ستایا ہے، وہ مجھے گالی دیں گے، میرے جنازہ پر حاضر نہیں ہوں گے، مجھے خود ہی دفن کر دینا، اور میری انگلی پر ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ لکھا ہوا ہے، وہ انگلی میرے ساتھ دفن کر دینا۔ میں نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا، جب دفن سے فارغ ہوئی۔

”سمعت صوته يقول انصرفي يا اماه قدمت على رب كريم“

تو میں نے یہ آواز سنی کہ وہ میرا بیٹا مجھے یہ کہہ رہا ہے کہ اے میری ماں! چلی جا، میں اپنے مہربان رب کے پاس آ گیا ہوں۔

یعنی میرے خوف اور میری اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کے وسیلہ اور برکت سے معاف فرمائے گا، اس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ”بیہانہ امید بد، بیہانہ امید بد“ وہ بہانے سے عطا کرتا ہے، قیمت سے عطا نہیں کرتا۔
(روح البیان)

فائدہ:

”ولا سبیل الی المہاجرۃ الا بعد اٰیمان ولا الی جہاد الا بعد ہجران الشہوات“
جب تک ایمان حاصل نہ ہو اس وقت تک ہجرت کا کوئی فائدہ نہیں اور جب تک انسان خواہشات
کو نہ چھوڑے اس وقت جہاد کا کوئی فائدہ نہیں۔
(روح البیان)

ہجرت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ہجرت کی ایک قسم وہ ہے جسے ہجرت صوریہ کہا جاتا ہے، یعنی ظاہری طور پر اپنے وطن کو چھوڑنا ہے۔ اس
ہجرت کی فرضیت فتح مکہ کے بعد ختم ہو چکی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”لا ہجرۃ بعد الفتح“
فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔

ہاں البتہ کسی ملک کے کافر مسلمانوں کو شعائر اسلام پر عمل نہیں کرنے دیتے تو اب بھی اس حال میں ہجرت
فرض ہوگی۔ لیکن یہ ہجرت بھی اس وقت معتبر ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی رضا، مقصود ہو، دنیاوی مقصد اور
دنیاوی منافع پیش نظر نہ ہوں۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
”فمن کانت ہجرته الی اللہ ورسولہ فہجرته الی اللہ ورسولہ ومن کانت ہجرته الی
دنیا یصیبھا“

جس نے ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف کی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف
پائی گئی، اور جس نے ہجرت دنیا کی طرف کی اس نے دنیا کو ہی پایا۔
اس کے بعد اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ دیکھیں خوب تر نظر آئے گا۔
”اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے گھریا چھوڑے“

(۲) ہجرت کی دوسری قسم وہ ہے جسے ہجرت معنویہ کہا جاتا ہے، یہ وہ ہے کہ انسان بت پرستی کو چھوڑ کر اور کٹناہوں کو
چھوڑ کر اور خواہشات نفسانیہ کو چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے، اور اسی ذات کی طرف اس کی
توجہ ہو۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک قسم جہاد کی وہ ہے جسے جہاد اصغر کہا جاتا ہے، یہ کافروں سے جہاد کرنا ہے۔

(۲) دوسری قسم جہاد کی وہ ہے جسے جہاد اکبر کہا جاتا ہے، یہ نفس سے جہاد کرنا ہے۔

جہاد اصغر میں ظاہر کی اصلاح کرنا ہے اور جہاد اکبر میں باطن کی اصلاح کرنا ہے، اور یہ جہاد بہت مشکل اور بہت قوی ہے۔

جہاد اصغر سے انسان جنت اور رحمت تک پہنچتا ہے۔ اور جہاد اکبر سے انسان رب تعالیٰ کے مشاہدہ اور اس کے جمال مطلق تک پہنچتا ہے۔

جہاد اصغر سے شہادت حاصل ہوتی ہے اور جہاد اکبر سے صدیقیت حاصل ہوتی ہے، صدیقین کا مقام شہداء کے مقام سے بلند ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

”فَاُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهِدَاءِ“

اس ارشاد گرامی میں صدیقین کا ذکر انبیاء کے ذکر کے بعد اور شہداء سے پہلے کر کے واضح کر دیا کہ انبیاء کرام کے بعد مقام ہے صدیقین کا اور اس کے بعد مقام ہے شہداء کا۔ (روح البیان بزبادة)

اگر تو رب تعالیٰ کی رحمت چاہتا ہے تو مخلوق پر رحم کر:

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مکن تا توانی دل خلق ریش وگر میکنی میکنی بیخ خویش

جب تک تو طاقت رکھتا ہے مخلوق کا دل زخمی نہ کر۔ اگر مخلوق کا دل زخمی کرے گا تو اپنی جڑوں کو اکھیر دے گا۔

یعنی مخلوق کو ستانے میں اپنی بربادی ہے۔ اور مخلوق پر رحم کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہوتی ہے۔

(روح البیان)

☆☆☆☆☆

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِمَّنْ نَّفَعَهُمَا

(سورۃ البقرہ آیت ۲۱۹)

﴿ ۱ ﴾

تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور
لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

﴿ ۲ ﴾

وہ پوچھتے آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق، فرمادو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور
(دنیاوی) منافع ہیں لوگوں کے لئے، اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

شراب کو تدربجاً (آہستہ آہستہ) حرام کیا گیا:

سب سے پہلے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

”وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ“

(سورۃ النخل آیت ۶۷)

اور کچھو را اور انگور کے پھلوں میں سے کہ اس سے نمبذ بناتے ہو اور اچھا رزق بے شک اس میں نشانی
ہے عقل والوں کو۔

ابھی تک شراب کو حرام نہیں کیا گیا تھا بلکہ ”فَطَفِقَ الْمُسْلِمُونَ يَشْرَبُونَهَا وَهِيَ لَهُمْ حَلَالٌ يَوْمَئِذٍ“
مسلمان (صحابہ کرام) شراب پیتے رہے اور یہ ان کے لئے حلال تھی۔

”ثُمَّ إِنَّ عَمْرُو مَعَاذَ أَوْ نَفَرًا مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالُوا الْفَتَانَا، سَوَّلَ اللَّهُ فِي
الْخَمْرِ فَانْهَاهَا مَذْهَبًا لِلْعَقْلِ وَمَسْلَبَةً لِلْمَالِ“

پھر حضرت عمر اور حضرت معاذ اور چند صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور عرض کیا یا رسول اللہ شراب کے متعلق کوئی حکم جاری فرمائیں کیونکہ یہ عقلوں کو زائل کر دیتی ہے اور مال کو ضائع کر دیتی ہے۔

ان کے عرض کرنے پر یہ آیت کریمہ (جس کی وضاحت جاری ہے) نازل ہوئی۔ ”یسئلونک عن الخمر والمیسر“ الخ

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد لوگ دو قسم پر منقسم ہو گئے۔

”قوم وقالوا نأخذ منفعتها ونترك أثمها“ بعض لوگ شراب پیتے رہے کہ ہم اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ اور اس کے گناہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔

”وتركها آخرون وقالوا لا حاجة لنا فيما فيه أثم كبير“ اور کچھ حضرات نے مکمل طور پر شراب کو چھوڑ دیا کہ جس چیز میں بڑا گناہ ہے اس کی ہمیں حاجت نہیں۔

”ثم ان عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دعانا سامنهم فشربو اوسكرو اقام احدہم فقرا قل يا ايها الكافرون اعبدوا ما تعبدون الى آخر السورة بدون لا في لا اعبد“
پھر حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کی دعوت کی، تو انہوں نے دعوت میں شراب پیا، نشہ میں آ گئے، ان میں سے ایک صاحب نے نماز پڑھائی، تو نماز کے قیام میں ”سورة الكافرون“ پڑھی، لیکن ”لا اعبد“ کی جگہ ”اعبد“ پڑھا، بلکہ تمام سورة میں جہاں جہاں ”لا“ مذکور تھا اسے چھوڑ دیا۔

اس واقع کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ”يا ايها الذين امنوا لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى“
اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ ایسے حال میں جب تم نشہ میں ہو۔

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد زیادہ حضرات نے شراب کو چھوڑ دیا کہ ”لا خیر فی شیء یحول بیسا و بین الصلوة“ اس چیز میں کوئی بھلائی اور بہتری نہیں جو ہمارے اور ہماری نماز کے درمیان میں حائل ہو جائے۔

لیکن کچھ لوگ عشاء کی نماز کے بعد شراب پی لیتے تھے تاکہ صبح کی نماز تک نشہ اتر جائے، اسی طرح بعض لوگ صبح کی نماز کے بعد شراب پی لیتے تھے تاکہ ظہر تک نشہ اتر جائے۔

”ثم ان عتبان بن مالک اتخذ صنيعا يعنى وليمة ودعا رجلا من المسلمين فيهم سعد بن ابى وقاص رضى الله عنه وكان قد شوى لهم راس بعير فاكلوا منه وشربوا الخمر حتى سكر وامنها ثم انهم افتخروا عند ذلك وانتسبوا وتناشدوا الا شعار قانشد سعد قصيدة فيها هجاء الانصار وفخر لقومه فاخذ رجل لحى البعير فضرب به رأس سعد فشجه مو ضحة فانطلق سعد الى رسول الله ﷺ وشكا اليه الانصارى فقال عمر اللهم بين لنا فى الخمر بيانا شافيا فنزل (انما الخمر والميسر) فى المائدة الى قوله (فهل انتم منتهون) فقال عمر انتهيينا يا رب“

پھر عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ دی، جب لوگ حاضر ہوئے تو ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اونٹ کا گوشت بھونا گیا، وہ دعوت میں شرکا، نے کھایا اور شراب پی یہاں تک کہ وہ نشہ میں آ گئے۔ اسی نشہ کی حالت میں انہوں نے اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے نسب کی تعریف میں فاخرانہ اشعار پڑھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ پڑھا، جس کے اشعار میں انصار کی ہجو (ذمت) بیان کی گئی اور اپنی قوم پر فخر کیا گیا، تو انصار میں سے ایک شخص نے اونٹ کے جبرے کی ہڈی حضرت سعد کو اس زور سے ماری کہ ان کے سر اور چہرے پر گہرا زخم ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر آئے، ادھر انصاری نے بھی شکایت پیش کی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ کے حضور عرض لیا اے اللہ شراب کے متعلق کوئی واضح حکم نافذ فرما۔ تو رب تعالیٰ نے سورۃ مائدہ میں آیت کریمہ ”یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر الخ“ نازل فرما لہ شراب کو مکمل طور پر حرام کر دیا۔

رب تعالیٰ کے ارشاد ”فهل انتم منتهون“ (کیا تم رک جاؤ گے) پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”انتھینا یا رب“ تو اے ہمارے رب ہم رک گئے۔

(از بغوی، مظہری، روح البیان، حارث)

تنبیہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی دعوت میں شراب پینے سے جب نشہ میں آ گئے۔

”و حضرت صلوة المغرب فقد مواعلیا کرم الله وجهه فقرا (قل یا ایہا الکافرون)

الح بحذف لا“

اور مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آ گے کیا گیا کہ آپ نماز پڑھائیں،

تو آپ نے نشہ کی حالت میں سورۃ کافرون پڑھی ” لا اعبد “ کی جگہ ” اعبد “ پڑھا۔

(روح المعانی)

مزید طلبہ، کرام! تنبیہ سے آپ کو اس بات سے خبردار کرنا مقصود ہے کہ جس طرح اکثر مفسرین کرام نے مبہم

حصہ پر بیان کیا کہ ایک شخص کو آ گے کیا گیا، اسی طرح آپ حضرات بھی اپنی تقاریر میں بیان کریں۔

آزاد کشمیر باغ سے ایک مرتبہ ایک مولانا صاحب جو سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں مجھ سے بذریعہ

فون مشورہ طلب کیا کہ کالج میں ایک لیکچرار صاحب نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شراب کے نشہ میں

” لا اعبد “ کی جگہ ” اعبد “ پڑھا تو اس پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا، اچھ طلباء لڑائی میں زخمی ہو گئے، معاملہ پولیس کے پاس

چلا گیا۔

میں نے شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ وقتی طور پر یہ کہہ کر ٹال دیں کہ مسئلہ کی تحقیق کریں گے، اگر

لیکچرار صاحب نے غلط کہا تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ لیں گے۔

معاملہ دورفع دفع کرنے کے لئے اور جذبات کو ٹھنڈا کرنے کا یہ حیلہ ہے ورنہ مسئلہ ٹھیک بتایا گیا ہے۔

اصل میں سمجھانے کا یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو لوگوں کے ذہن قبول کر لیں گے، کہ اسلام سے پہلے لوگ

بت پرست تھے، مشرک تھے جب اسلام لے آئے، تو کامل مسلمان بن گئے، اسلام سے پہلے سود خوار تھے، اسلام کے

بعد متقی بن گئے، اسلام سے پہلے چور تھے، اسلام کے بعد پرہیزگار بن گئے، اسلام سے پہلے جھگڑالو تھے، اسلام کے

بعد بھائی بھائی بن گئے، شراب کی حرمت سے پہلے شراب پینا جائز تھا، اس لئے جب تک جائز رہا صحابہ کرام شراب

پیتے رہے، جب شراب حرام ہو گیا تو منہ توڑ دیئے گئے۔

شراب کی حرمت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تقویٰ:

”و عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ لہ وقعت قطرة منها فی بنر فینت فی مکانہا منارہ
 لم اؤذن علیہا ولو وقعت فی بحر ثم جف فینت فیہ الکلا لم ارعہ دابی“
 حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر ایک قطرہ شراب کانٹوں میں گر جائے، اس جگہ پر (یعنی
 کانٹوں کو بند کر کے وہاں) مینار بنا دیا جائے تو میں اس مینار پر اذان نہیں ادا کروں گا۔ اور اگر ایک قطرہ
 دریا میں یا سمندر میں گر جائے تو وہاں گھاس اگ آئے تو میں اپنے کسی جانور کو وہ لگھاں نہیں
 چراؤں گا۔ (صحیح المعاصی)

یہی واقعہ روح البیان اور مدارک التذکرہ میں اور کئی دیگر کتب میں بھی مذکور ہے۔

شراب کب حرام ہوئی؟

”و حرمت الخمر فی السنة الثالثة من الهجرة بعد غزوة الاحزاب ما اذا
 هجرت کتیرے سال میں غزوہ احزاب کے چند دنوں کے بعد شراب حرام ہو گیا۔“

شراب کو تدْرِیجاً حرام کرنے میں فائدہ:

شراب کو ایک مرتبہ ہی حرام نہیں کیا گیا بلکہ تدریجاً شراب حرام کیا گیا۔ یہ دیکھ کر ہر شخص کے
 بہت زیادہ محبت کرتے تھے، اور وہ اس میں اپنا بہت نفع سمجھتے تھے، اب تو ان کو یہ خبر ہوئی کہ شراب حرام ہو گیا ہے۔
 ویسا یہ تو ان پر مشکل ہوئی۔

”فلا جرد استعمل فی التحريم هذا التصريح وهذا صرف لئلا یحسوا ان شرابهم حرام
 اس لئے کہ تدریجاً شراب حرام کیا گیا تھا۔ یہ صرف اس لئے کہ ان کو یہ نہ لگے کہ شراب حرام
 شراب حرام کر دیا تو صحابہ کرام نے شراب کو نہیں دیا۔“

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا کمال:

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔

”ما شربت الخمر قط لانی رائتھا تزیل العقل“

میں نے شراب کبھی نہیں پیا، بے شک میں نے دیکھا کہ یہ عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

”وما عبدت صنما قط لانی رائتھ لا یضر ولا ینفع“

میں نے کسی بت کی عبادت نہیں کی، کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ یہ کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

”وما زنیٰ قط لغيرتی علی اہلی“

اور میں نے کبھی زنا نہیں کیا کہ میری زوجہ کو غیرت حاصل نہ ہو۔

”وما کذبت قط لانی رائتھ دناءة“ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کیونکہ میں نے جھوٹ کو گھٹیا سمجھا۔

یعنی یہ تمام اور صاف حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو زمانہ جاہلیت میں بھی حاصل تھے۔ (ماخوذ از روح البیان)

مومن کی شان کی لائق یہ ہے:

”فینبغی للمسلم ان لا یخطر بباله شرب الخمر فضلا عن شربها“

مسلمان کی شان کے لائق یہ ہے کہ اس دل میں یہ نہ آئے کہ میں نے شراب پینا ہے۔ یعنی شراب

کا تصور اور خیال آنا بھی غلط کام ہے شراب پینا تو دور کی بات ہے۔ (روح البیان)

شرابی سے قطع تعلقی کی جائے:

”وینقطع عن شاربها فانه اذا خالط شاربا الخمر یخاف علیه ان یتصیبه من عثاره“

مسلمان کو چاہئے کہ وہ شرابی سے قطع تعلقی رکھے، اس لئے کہ شرابی سے میل جول پر خطرہ ہے کہ

اسی طرح یہ بھی اس لغزش میں مبتلا نہ ہو جائے۔ کیونکہ جس طرح کی صحبت اسے حاصل ہوگی وہ ہی

اثرات اس پر مرتب ہوں گے۔

شرابی کو رشتہ نہ دیا جائے۔

”وعن بعض الصحابة انه قال من زوج ابنته لشارب الخمر فكأنما ساقها الى الزنا معناه ان شارب الخمر يقع منه الطلاق وهو لا يشعر“
 بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کا نکاح شرابی سے نہ کرے۔ کیونکہ شرابی سے نکاح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیٹی کو زانیہ بنانا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شرابی نشہ کی حالت میں طلاق دے تو وہ طلاق واقع ہو جاتی ہے، لیکن شرابی لوگ اکثر اوقات تین طلاقیں بھی دے دیتے ہیں، پھر وہ میاں بیوی اکٹھے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے، تین طلاق کے بعد ان کا میاں بیوی کی حیثیت میں رہنا زنا کرنے کے مترادف ہے۔ (ازروح البیان)

تنبیہ:

”فالذی یجب علی الولی ان لا یزوج ابنته ولا اخته من فاسق ولا ممن یتعاطی المنکرات“
 اسی سے ایک اور مسئلہ واضح ہو گیا کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح فاسق سے نہ کرے اور ایسے شخص سے نہ کرے جو ناجائز کاموں کا ارتکاب کرنے والا ہو۔ (ازروح البیان)

انگوری شراب اور دوسرے شرابوں میں فرق:

انگور کا نچوڑ جسے آگ پر نہ پکایا جائے بلکہ کچا ہی ہو اس پر جھاگ پیدا ہو جائے اور نشہ دے اسے فقہاء کرام کی اصطلاح میں ”خمر“ کہا جاتا ہے۔ جس کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے اور زیادہ مقدار پینا بھی حرام ہے۔ ایک قطرہ پینے سے بھی حد لگے گی اور زیادہ مقدار پینے سے بھی حد لگے گی۔

خمر (انگوری شراب) نجاست غلیظہ ہے اور باقی مشروبات نجاست خفیفہ ہیں، بلکہ باقی مشروبات میں طہارت اور نجاست غلیظہ کا بھی قول پایا جاتا ہے۔

ہر نشہ آور مشروب قلیل و کثیر حرام ہے:

”وعن عائشة ان رسول الله ﷺ قال كل مسكر حرام وما اسكر منه الفرق فملؤ

الكف منه حرام“ (اخرجه ابو داؤد والنسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے، وہ چیز جس سے ایک فرق پینے سے نشہ آئے وہ چلو بھر پینے میں بھی حرمت ثابت ہے۔

”الفرق بالتحريك مكيال يسع تسعة عشر طلا بالبغدادی“

فرق کی را پر حرکت فتح ہے۔ یہ ایک پیانا ہے جس میں انیس رطل (تقریباً نو کلو) سما جائیں۔

واضح ہوا کہ ایسا مشروب جو زیادہ مقدار میں پییں تو نشہ آئے اور تھوڑی مقدار میں پییں تو نشہ نہ آئے، وہ

حقیقت میں نشہ آور ہی ہے، اس کا تھوڑی مقدار میں پینا یا زیادہ مقدار میں پینا حرام ہے۔ (خازن)

☆ ”عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال كل مسكر خمر وكل مسكر حرام ومن شرب

الخمر في الدنيا وهو بد منها لم يتب منها لم يشهر بها في الآخرة“

(بخاری و مسلم، واللفظ للمسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔ اور جس نے دنیا میں شراب پیا اور اس سے بچنے کا چارہ اس کے لئے تھا اور اس نے توبہ بھی نہیں کی تو وہ آخرت میں ”شراب طہور“ (جنتی پاکیزہ مشروب) نہیں پئے گا۔

ایک تو یہ خیال کیا جائے کہ لغوی معنی کے لحاظ سے ہر نشہ دینے والا مشروب خمر کہلاتا ہے اور اصطلاح فقہاء

میں خمر انگوری شراب کو کہا جاتا ہے، وہ بھی اس وقت تک جب اسے آگ پر نہ پکایا جائے۔

اگر شراب پینے سے کوئی چارہ نہ ہو، یعنی بھوک سے مرنے کا خطرہ ہو، اور کوئی چیز نہ ملے صرف شراب ہی

میسر ہو، تو اس حالت اضطراری (مجبوری کی حالت) میں شراب پینا جائز ہے۔

کبھی شراب پیتا تھا، اس کے بعد توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ توبہ کے بعد کسی کو عار نہ دلائی جائے۔

☆ "عن جابر ان رجلا قدم من جیشان من الیمن فسأل النبی ﷺ عن شراب یشربو نہ بارضہم من الذرة یقال له المزر فقال رسول اللہ ﷺ او مسکر هو قال نعم قال رسول اللہ ﷺ کل مسکر حرام وان علی اللہ عہد لمن یشرب المسکر ان یسقیہ من طینۃ الخبال قالوا وما طینۃ الخبال یا رسول اللہ قال عرق اهل النار او عصارة اهل النار" (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک ایک شخص جیشان سے آیا، جیشان یمن کا ایک علاقہ ہے، اس نے نبی کریم ﷺ سے ایک شراب کے متعلق پوچھا، جو ان کے علاقہ میں پیا جاتا تھا اور جو ار کے دانوں سے بنایا جاتا تھا، جسے مزر (شراب کا نام) کہا جاتا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ جو شخص نشہ والی چیز پئے گا "طینۃ الخبال" پلایا جائے گا۔ صحابہ کرام نے فرمایا یا رسول اللہ "طینۃ الخبال" کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جہنمیوں کا پسینہ اور ان کا نچوڑ یعنی خون اور پیپ ہے۔ (ازخازن)

☆ "قال عمر بن الخطاب فی خطبته نزل تحریم الخمر وہی من خمسة اشیاء العنب التمر والحنطة والشعیر والعسل ما خمر العقل" (بخاری و مسلم)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ شراب حرام ہونے کے متعلق قرآن پاک کا حکم نازل ہو چکا ہے، وہ پانچ چیزوں سے بننے والا شراب ہے، انگور اور کھجور اور گندم اور جو اور شہد سے، ہر وہ چیز جو عقل ڈھانپ دے وہ خمر (شراب) ہے۔

آپ کے آخری الفاظ نے یہ واضح کر دیا کہ ہمارے علاقہ میں شراب پانچ چیزوں سے بنتا ہے، کسی اور علاقہ میں ان پانچ چیزوں کے بغیر کسی اور چیز سے بنے تو وہ بھی حرام ہوگا۔

☆ "وعن ابن عمر عن النبی ﷺ من الحنطة خمر ومن الشعیر ومن التمر خمر ومن الزبيب خمر ومن العسل خمر"

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا گندم سے بننے والا خمر ہے، اور جو سے بننے والا خمر ہے، اور کھجور سے بننے والا خمر اور کشمش سے بننے والا خمر ہے اور شہد سے بننے والا خمر ہے۔

☆ ”وعن سعد بن ابی وقاص انه سمیٰ نھی عن قليل ما اسکر كثير ه“

(رواه النسائی وابن حبان والبیہار ورجالہ رجال الصحیح)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم ﷺ نے اس چیز کے قلیل مقدار کو استعمال سے منع فرمایا جس کا کثیر نشہ دے۔

یعنی کثیر مقدار سے نشہ آئے اور قلیل مقدار سے نشہ نہ آئے تو پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے قلیل مقدار کے استعمال سے منع فرمایا۔

☆ ”وعن دیلم الحمیری قال قلت لرسول ﷺ انابارض باردة ونعالج فیہا عملا شديدا وماناتخذ شرابا من هذا القمح نتقوى به على عملنا وعلى برد بلادنا قال هل یکسر قلت نعم قال فاجتنبوه قلت ان الناس غیر تارکیه قال ان لم یترکوه قاتلوهم“

(رواه ابو داؤد)

دیلم حمیری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا بے شک ہم ٹھنڈی زمین (ٹھنڈے علاقہ) میں ہوتے ہیں، بہت محنت و مشقت والا کام کرتے ہیں، بیشک ہم گندم سے ایک شراب تیار کرتے ہیں جس سے ہم اپنے کام کے لئے تقویت حاصل کرتے ہیں، اور اس کی حرارت سے علاقہ کی برودت (ٹھنڈک) کو زائل کرتے ہیں۔

☆ ”وعن ابی مالک الاشعری انه سمع رسول الله ﷺ یقول لیشر بن ناس من امتی

(رواه ابو داؤد)

الخمر یسمونها بغیر اسمها“

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ میری امت میں سے کئی لوگ خمر کا اور نام رکھ کر پیئیں گے۔

یعنی نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے خواہ اسے خمر کہا جائے یا اس کا کوئی اور نام رکھا جائے، کوئی اور نام رکھنے سے اس کی حرمت ختم نہیں ہوگی۔

تنبیہ:

”وفی فتاویٰ النسفی ان البنج حرام و طلاق البنجی واقع ومن یعتقد حلیته یقتل ویحد شاربه کما یحد شارب الخمر، ویدل علی ان کل مسکر حرام“
فتاویٰ نسفی میں ذکر ہے کہ بھنگ پینا حرام ہے۔ بھنگ پینے والا نشہ میں طلاق دے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی (جس طرح ہر نشہ والی چیز سے نشہ میں آنے والے شخص کی طلاق واقع ہو جاتی ہے) اور جو شخص بھنگ کو حلال سمجھنے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے، ارتداد سے باز نہ آئے، بلکہ بھنگ کے جواز کا ہی قول کرتا رہے تو حاکم وقت اسے قتل کرادے، اور بھنگ پی کر نشہ میں آ جانے والے شخص کو بھی اسی طرح حد لگائی جائے جس طرح کسی نشہ والی چیز سے نشہ آنے پر حد لگائی جاتی ہے۔
(ماخوذ از مظہری)

شراب کی حرمت پر صحابہ کرام کا شراب انڈیل دینا:

”عن انس بن مالک قال كنت ساقی القوم یوم حرمت الخمر فی بیت ابی طلحة و ماشرابهم الا الفضیح البسر و التمر فاذا منادینادی فقال اخرج فانظر فخرجت فاذا منادینادی الا ان الخمر قد حرمت قال فخرجت فی سبک المدينة فقال لی ابو طلحة اخرج فاهرقها فاهرقها“ الح (مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن شراب حرام ہوئی اس سے پہلے میں ابو طلحہ کے گھر لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، اس وقت شراب بسر (سرخ، پیلی) کھجور اور خشک کھجور سے تیار کی جاتی تھی۔ اچانک آواز دینے کی آواز کو سنا، تو ابو طلحہ نے کہا نکلو، دیکھو (یہ آواز دینے والا کیا آواز دے

رہا ہے اس کی آواز سنو) میں نکلا تو آواز دینے والا یہ آواز دے رہا ہے“ خبردار بے شک شراب بہادو“ (اس کی آواز کو سننے سے ہی) شراب مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی۔ مجھے ابو طلحہ نے کہا نکلو شراب بہادو، میں نے بہادی۔

نبی کریم ﷺ کا نبیز پینا:

”عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ ینتبدلہ اول اللیل فی شربہ اذا أصبح یومہ ذاک واللیلۃ الی تجی والغد واللیلۃ الآخری والغدالی العصر فان بقی شیء سقاہ الخادم او امر بہ فصب“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے لئے نبیز تیار کیا جاتا تھا، جو آپ تین دن پی لیتے تھے۔ تیسرے دن کے ختم ہونے سے پہلے ہی آپ کسی خادم کو دے دیتے تھے، یا انڈیل دیتے تھے۔

یعنی اگر اس میں نشہ نہ ہوتا تو کسی خادم کو دے دیتے اور اگر نشہ اس میں پیدا ہو جاتا تو انڈیل دیتے تھے۔ آپ خود نشہ پیدا ہونے سے پہلے ہی تقویٰ کے طور پر چھوڑ دیتے تھے۔

☆ ”عن ثمامۃ یعنی ابن حزن القشیری قال لقیۃ عائشۃ فسألتها عن النبیز فذعت عائشۃ جاریۃ حبشیۃ فقالت سل هذه انہا كانت تنبذ لرسول اللہ ﷺ فقالت الحبشیۃ کنت انبذہ فی سقاء من اللیل واوکیہ واعلقہ فاذا أصبح شرب منہ“ (مسلم)

ثمامہ یعنی ابن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملا، میں نے نبیز کے متعلق سوال کیا، آپ نے ایک حبشیہ غلامہ کو بلایا کہ اس سے سوال کرو، یہ نبی کریم ﷺ کے لئے نبیز تیار کرتی تھی۔ اس حبشیہ نے بتایا میں آپ کے لئے چھوٹے مشکیزہ میں نبیز تیار کرتی تھی، رات کے وقت نبیز تیار کر کے مشکیزہ کا منہ بند کر کے لٹکا دیتی صبح آپ پیتے۔

ایک روایت میں ہے ”نبذہ غدوة فی شربة عشاء نبذہ عشاء فی شربة غدوة“
ہم صبح نبذ تیار کرتے اور شام کو پیتے اور شام کو تیار کرتے اور صبح پیتے۔

خیال رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں تیسرے دن تک پینے کا ذکر ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ایک دن کا ذکر ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ گرمیوں میں صبح کا تیار کیا نبذ شام تک اور شام کو تیار کیا ہوا نبذ صبح تک پیا جاتا، اور سردیوں میں تین دن تک پی لیا جاتا تھا۔

یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کا ذکر ہے، زیادہ وقت کی نفی نہیں۔

نبذ کیا ہے؟

پانی میں کشمش کو ڈال لیا جاتا ہے، یا کھجوروں کو ڈال لیا جاتا، پانی میں مٹھاس پیدا ہو جاتی اور اس میں تقویت بھی پیدا ہو جاتی، نشہ کی حالت میں پہنچنے سے پہلے نبذ پینا جائز ہے، اور نشہ کی حالت میں جب نبذ پہنچ جائے تو اس کا پینا ناجائز ہے۔

اگرچہ نبذ نشہ نہ دے اس کا پینا بھی صرف تقویت حاصل کرنے کے لئے ہو، ایسا نہ ہو کہ اس لئے نبذ پیئے کہ یہ شراب کا نمونہ ہے، لہو و لعب کی نیت نہ ہو۔

راقم نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کو اسی طرح سمجھا جیسا کہ قلمبند کر دیا۔

شراب کی خرید و فروخت ناجائز ہے:

اجماع امت ہے اس پر کہ شراب کی خرید و فروخت حرام ہے اور شراب سے حاصل ہونے والی رقم کا استعمال کرنا حرام ہے۔

☆ ”عن جابر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول عام فتح مكة ان الله تعالى حرم بيع الخمر

والانتفاع بها والميتة والخنزير والا صنم“ (اخرجاه في الصحيحين مع زيادة اللفظ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے سال فرماتے ہوئے سنا، بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب کی خرید و فروخت اور اس سے نفع حاصل کرنا اور مردہ جانور اور خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت اور نفع حاصل کرنا حرام کر دیا ہے۔

☆ "عن ابن عباس قال بلغ عمر بن الخطاب فلانا باع خمر فقال قاتل الله فلانا الم يعلم

ان رسول الله ﷺ قال لعن الله اليهود حرمت عليهم الشحوم فحملوها فباعوها " حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ فلاں شخص نے شراب بیجا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اسے برباد کرے کیا اسے معلوم نہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود پر کہ ان پر چربی حرام کر دی گئی تھی، لیکن انہوں نے پھر اسے اٹھایا اور بیجا۔ (ازخازن)

شراب سے متعلق دس شخصوں پر نبی کریم ﷺ کی لعنت:

"عن انس قال لعن رسول الله ﷺ في الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها و

ساقياها وحاملها والمحمولة اليها وبائعها ومبتاعها واهبها و آكل ثمنها"

(أخرجه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے شراب کے متعلق دس شخصوں پر لعنت فرمائی، شراب کے لئے رس نچوڑنے والے پر، اور جس کے لئے نچوڑا گیا ہے، اور پینے والے پر، اور پلانے والے پر، اور اٹھانے والے پر، اور جن کے لئے اٹھایا گیا ہے، اور بیچنے والے پر، اور خریدنے والے پر، اور ہبہ کرنے والے پر، اور شراب سے حاصل ہونے والی رقم کو استعمال میں لانے والے پر۔ (ازخازن)

شراب (خمر) نجاستِ غلیظہ ہے:

رب تعالیٰ نے شراب کے متعلق فرمایا: ”رجس عن عمل الشیطان فاجتنبوه، والرجس فی اللغة النجس“
شراب رجس ہے، شیطانی عمل ہے اس سے اجتناب کرو۔ اور رجس میں رجس کا معنی ہے نجاست۔
(حارون)

شراب کے مختلف نام اور ان کی حرمت:

”عن عائشة ان رسول الله ﷺ سئل عن البتع فقال كل شراب اسکر فهو حرام البتع
شراب يتخذ من العسل كان اهل اليمن يشربونه“ (بخاری و مسلم)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ سے ”بتع“ کے متعلق سوال کیا گیا
آپ نے فرمایا ہر نشہ دینے والا مشروب حرام ہے، ”بتع“ وہ شراب ہے جو یکن والے لوگ شہد
سے بناتے تھے، اور پیتے تھے۔

☆ ”عن ابن عباس انه سئل عن الباذق قال فما اسکر فهو حرام علیک“ (بخاری)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے باذق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا جو چیز بھی نشہ
دے تم پر حرام ہے۔

”قال صاحب المطالع الباذق بفتح الذال المعجمة هو الطلاء المبطوخ من عصير
العنب“

صاحب مطالع نے بیان کیا کہ انگور کا نچوڑ جسے پکا لیا جائے اسے طلاء اور باذق کہا جاتا ہے۔ (حارون)
لیکن مظہری نے تفصیل بیان کی ہے۔ یعنی انگور کے نچوڑ کو جب پکا لیا جائے تب تہائی حصہ سے کم خشک ہو تو
اسے طلاء کہا جاتا ہے۔ اگر نصف خشک ہو کر چلا جائے تو اسے ”منصف“ کہا جاتا ہے۔ تیسرے حصہ سے زائد اور نصف
سے کم خشک ہو جائے تو اسے ”باذق“ کہا جاتا ہے۔ اور اگر کھجور کو پانی میں آگ پر پکا لیا جائے اس میں نشہ آ جائے اور

جھاگ پیدا ہو جائے تو اسے ”سکر“ کہا جاتا ہے۔ اور اگر کشمش کو آگ پر پکایا جائے تو اس میں نشہ آ جائے اور جھاگ پیدا ہو جائے تو اسے ”نقیع الزبيب“ کہا جاتا ہے۔

آیہ کریمہ میں خمر سے مراد:

قاضی مظہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جمہور حضرات کا مذہب یہ ہے کہ خمر لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل پر پردہ چھادے۔ فقہاء کرام نے اپنی اصلاح میں خمر صرف انگوری شراب کو کہا۔

”والتحقیق عندی ان الخمر لفظ مشترک بین الخاص والعام اما حقیقة واما بعموم

المجاز والمراد فی الآیة ہوا المعنی الاعم“

میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ بیشک لفظ خمر خاص اور عام میں مشترک ہے، حقیقت کے لحاظ پر ہو یا عموم المجاز کے لحاظ پر ہو، آیہ کریمہ میں بھی عام معنی لینا ہی مناسب ہے، جو ہر نشہ آور کو شامل ہے۔

”قال صاحب القاموس الخمر ما سکر من عصیر العنب او عام والعموم اصح“

صاحب قاموس نے کہا ہے خمر اسے کہتے ہیں جو نشہ دے، وہ انگور کا نچوڑ ہو، یا کوئی چیز بھی نشہ دینے والی ہو، یہ عام معنی لینا ہی بہتر ہے۔

”والمیسر“: جو۔

”واما المیسر فهو القمار واشتقاقه من الیسر لانه اخذ مالا بسهولة من غیر تعب“

جوئے کو میسر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ”میسر“ مشتق ہے ”یسر“ سے، یسر کا معنی ہے آسانی، چونکہ جو اباز بھی بغیر مشقت کے دوسرے کا مال آسانی سے لے لیتا ہے، اس لئے اسے میسر کہا گیا۔

”عن ابن عباس کان الرجل فی الجاہلیة یخاطر الرجل علی اہله وماله فایهما قمر

صاحبه ذهب باہله وماله“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت میں لوگ جو اپنی زوجہ اور مال لگاتے

تھے۔ جو شخص جو اجیت جاتا وہ دوسرے کی زوجہ اور مال لے جاتا۔

(خازن)

سورۃ مائدہ میں ان شاء اللہ شراب اور جوئے کے متعلق مزید تفصیل آئے گی، یہاں صرف ایک ضابطہ سمجھ لیا جائے، ہر ایسا کھیل جس میں ہار جیت ہو، اور ہارنے والے پر مال دینا لازم ہو وہ جوئے ہے۔

اگر مال نہ لگایا جائے تو وہ کھیل بظاہر تو جائز ہے لیکن درحقیقت وہ جوئے کی طرف قدم بڑھانے کے مترادف ہے۔ تاش کھیلنے والے، لڈو کھیلنے والے وغیرہ ہی جوئے باز بنتے ہیں۔

☆ "عن ابن سیرین ومجاهد وعطاء کل شی فیہ خطر فہو من المیسر حتی لعب الصبیان بالجوز"

ہر ایسا کھیل جس میں ہارنے اور جیتنے کا خطرہ ہو اور اس پر رقم وغیرہ لگادی وہ جوئے ہی ہے یہاں تک کے بچوں کا خروٹوں سے اسی شرط پر کھیلنا بھی جوئے ہے۔

☆ "روی عن علی علیہ السلام انه قال النرد والشطرنج من المیسر"

حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا نرد شیر اور شطرنج جواہ کی قسمیں ہیں۔ (اس وقت یہ کھیل جوئے بازی تھے)

☆ "وقال الشافعی رحمہ اللہ اذا خلا الشطرنج عن الرهان واللسان عن الطغیان والصلوة عن النسیان لم یکن حراما وهو خارج عن المیسر لان المیسر ما یوجب دفع المال او اخذ مال وهذا لیس كذلك فلا ینکون قمارا ولا میسرا،،

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب شطرنج پر پیسے نہ لگائے جائیں، زبان کو فحش کلام سے بچایا جائے، نماز کو ترک نہ کیا جائے، تو یہ حرام نہیں۔ اور نہ ہی جوائے بازی ہے، کیونکہ جوائے بازی میں مال دینا یا مال لینا ضروری ہوتا ہے۔ جس میں مال نہ لگایا جائے وہ کھیل جائز ہے۔ (کبیر)

بہت خوب نتیجہ:

امام شافعی رحمہ اللہ کے قول سے یہ واضح ہوا کہ ہر کھیل جو کسی نہ کسی حرام فعل کو شامل ہو وہ حرام ہوگا۔ ایسا کھیل جس پر ہار جیت اور مال لگایا جائے وہ حرام اور جوائے ہے۔

ہر ایسا کھیل جس پر فحش کلامی مرتب ہو۔ لڑائی جھگڑا پایا جائے وہ حرام ہوگا۔ اور ہر ایسا کھیل جس سے نماز ضائع ہو وہ حرام ہوگا۔ ہر ایسا کھیل جس میں مرد کا جسم گھٹنے اور ناف کے درمیان ننگا ہو وہ کھیل حرام ہوگا۔ ہر ایسا کھیل جسے مرد اور عورتیں مل کر دیکھیں وہ حرام ہوگا۔

تنبیہ : نیل دوڑ، گھوڑے دوڑ کے مقابلوں پر جب شرط لگائی جائے جو دو طرفہ ہو، جو ہارے گا وہ اتنا مال دے گا وہ حرام ہے۔ اگر یہ شرط نہ ہو تو حرام نہیں۔ (از کبیر)

”قل فیہا تم کبیر“ : فرما دو ان دونوں میں گناہ ہے بڑا۔

ان مختصر الفاظ مبارکہ میں عظیم مطالب پائے گئے ہیں، یہ عظمت قرآن ہے کہ الفاظ مختصر اور مطالب عظیم پائے گئے۔

(۱) انسان کی تمام صفات میں سے اشرف صفت عقل ہے، اور شراب عقل کی دشمن ہے۔

”وکل ما کان عدوا لاشرف فهو احس“ ہر وہ چیز جو کسی اعلیٰ اور اشرف چیز کی دشمن ہو وہ خسیس ترین ہوگی۔

اسی سے یہ واضح ہوا کہ شراب پینا تمام امور سے گھٹیا امر (کام) ہے۔

”عقال الناقة“ اونٹنی کی رسی کو کہتے ہیں جو اسے روک کر رکھتی ہے۔ اسی سے ”عقل“ کو لیا ہوا ہے۔

انسان کی طبیعت جب اس کو برائی کی طرف دعوت دیتی ہے تو عقل اسے روکتی ہے۔ شراب پینے والے کی عقل کا زوال ہو جاتا ہے۔ اسے برے کاموں سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی، بلکہ برائیوں کی طرف رغبت دلانے والی طبیعت ہی موجود ہوتی ہے۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا کہ ان کا ایک نشی پر گزر رہا، دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پر پیشاب کر کے اپنے چہرے پر مل رہا ہے، جیسا کہ وضو کے لئے پانی چہرے پر ڈالا جاتا ہے، اور وہ یہ پڑھ رہا ہے۔

”الحمد لله الذی جعل الاسلام نورا والماء طهورا“

حضرت عباس بن مرداس کو زمانہ جاہلیت میں کہا گیا تم شراب کیوں نہیں پیتے کہ اس سے تمہاری جرأت بڑھ

جائے۔ تو انہوں نے جواب دیا ”ما انا آخذ جھلی بیدی فادخلہ فی جو فی“ شراب پینا تو جہالت ہے لیونکہ شرابی کا ہر کام جاہلوں کی طرح ہوتا ہے۔ میں جہالت کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اپنے پیٹ میں داخل نہیں کرنا چاہتا۔

”ولا رضى ان اصبح سيد قوم وامسى سفيهم“

شراب پینے والا تو ہر قسم کی بے وقوفی کرتا، اور میں اپنی قوم کا سردار ہوں، اس لئے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں صبح کے وقت (نشہ کے بغیر) قوم کا سردار ہوں اور (شراب پی کر) شام کے وقت ان سب سے بے وقوف ہوں۔

(۲) شراب انسان کو دوسروں سے عداوت کرنے والا اور بغض کرنے والا بنادیتی ہے۔ اور شراب انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔

(۳) شراب پینا ایسا عظیم جرم ہے کہ جب انسان شراب پینے کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ اس برے فعل میں بڑھتی ہی چلا جاتا ہے۔ اور اس کی خوشی اور لذت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، اسی وجہ سے شراب تمام برائیوں سے زیادہ بری چیز ہے۔ کیونکہ زانی جب زنا کرتا ہے تو اس کی رغبت میں آہستہ آہستہ کمی آتی جاتی ہے، آخر کار وہ زنا کو چھوڑ دیتا ہے۔

”فاذا واظب الانسان عليه صار الانسان غرقا في اللذات البدنية معرضا عن تذکر الآخر والمعاد حتی يصیر من الذین نسوا اللہ فانساہم“

جب انسان شراب پینے پر پیشگی اختیار کرتا ہے تو لذات بدنیه میں غرق ہو جاتا ہے اور آخرت کی یاد سے اعراض کر لیتا ہے۔ تو ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے، جو رب تعالیٰ کو چھوڑ دیتے ہیں اور رب تعالیٰ ان کو چھوڑ دیتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شراب سے عقل زائل ہو جاتی ہے، جب عقل زائل ہو جاتی ہے تو تمام قسم کی برائیاں اسے حاصل ہو جاتی ہیں، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”الخمرا م الخبائث“ شراب تمام برائیوں کی اصل ہے۔

(ارکب)

جو امیں بڑا گناہ:

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اجواریوں کے درمیان عداوت پیدا کرتا ہے، اس لئے کہ جب ایک شخص دوسرے کا مال مفت ہی میں بٹور لیتا ہے تو وہ شخص اس کا دشمن بن جاتا ہے، ان کے درمیان بغض اور عداوت پیدا ہو جاتے ہیں، جو بہت بڑے گناہ کا سبب ہے۔ اسی طرح جو ابھی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے۔ لہذا عظیم گناہ کا سبب ہے۔

”ومنافع للناس“: اور نفع ہے لوگوں کے لئے۔

شراب میں ان کا نفع یہ تھا کہ وہ اس کی تجارت کرتے تھے، دیہاتوں سے سستا خریدتے تھے اور شہروں میں مہنگا بیچتے تھے۔ اور شراب بظاہر جسمانی طاقت کا سبب بھی بنتا ہے۔ پینے والا چستی اور جرأت محسوس کرتا ہے۔

اور جو امیں ان کو نفع یہ تھا کہ وہ آسانی سے دوسرے کا مال حاصل کر لیتے تھے، جو اباز کبھی کبھی بہت زیادہ مل حاصل کر لیتے تھے، ایک محفل میں سوانٹ ذبح کر دیتے تھے، کبھی محتاجوں کی امداد بھی کر دیتے تھے۔ (از کبیر)

”واثمہما اکبر من نفعہما“: اور ان دونوں کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے نفع سے۔

اس لئے کہ ان دونوں میں منافع عارضی ہیں، لیکن ان دونوں میں گناہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لعنت کا مستحق ہونا، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ان پر ناراض ہونا، اور شرابی اور جو اباز کا نماز اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور ہونا یہ سب بہت بڑے گناہ ہیں، معمولی اور عارضی منافع کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہذا منافع کولات ماردے اور اپنے آپ کو بہت بڑے گناہ اور رب تعالیٰ کے عذاب سے بچالے۔

☆☆☆☆☆

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ☆ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (سورة البقرة آیات ۲۱۹، ۲۲۰)

﴿۱﴾

اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل ہے، اسی طرح اللہ تم سے آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم دنیا اور آخرت کے کام سوچ کر کرو۔

﴿۲﴾

اور سوال کرتے ہیں تم سے کتنی مقدار خرچ کریں، تم فرماؤ جو آسان ہو، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیات کوتا کہ تم فکر کرو دنیا میں اور آخرت میں۔

جن تیرہ احکام کو ذکر کیا جا رہا ہے، ان میں یہ چوتھا حکم اس آیت کریمہ میں بیان کیا جا رہا ہے۔ (از کبیر)

شان نزول:

”واخرج ابن ابی حاتم من طریق ابان عن یحییٰ انه بلغه ان معاذ بن جبل وثعلبة اتيا رسول الله ﷺ فقالا يا رسول الله ان لنا ارقاء واهلين فما ننفق من اموالنا فانزل الله تعالى هذه الآية“

یہی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی کہ حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے غلام بھی ہیں اور اہل و عیال بھی ہم کتنی مقدار میں مال خرچ کریں؟ تو ان کے سوال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل کیا۔

”وقيل نزلت في عمرو بن الجموح كنظيرتها“

بعض حضرات نے کہا یہ آیت کریمہ حضرت عمرو بن الجموح کے سوال کے بعد نازل ہوئی جبکہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے غلام بھی ہیں اور اہل و عیال بھی ہم کتنی مقدار میں مال خرچ کریں؟۔

(درج السعاسی)

تاہم مسئلہ واضح ہے کہ معاذ بن جبل اور ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی سوال کیا، اور حضرت عمرو بن الجموح نے بھی سوال کیا، ان تینوں حضرات کے سوال کے جواب میں آیہ کریمہ کا نزول ہوا۔

مختصر مطلب:

نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ سے صحابہ کرام سوال کرتے ہیں کہ وہ کتنی مقدار میں مال خرچ کریں؟ آپ ان کو فرمادو جتنی مقدار میں مال خرچ کرنے میں تم آسانی سمجھو، اتنی مقدار میں مال خرچ کرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں فکر کرو۔

”وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ“: ”ای ما قدرہ“ اور وہ آپ سوال کرتے ہیں وہ کتنی مقدار میں مال خرچ کریں۔

”قل انفقوا العفو ای الفاضل عن الحاجة“: آپ فرمادو خرچ کرو جو تمہاری حاجت سے زائد ہو۔

تمام مال خرچ نہ کر دو کہ تم خود محتاج ہو جاؤ، اور اپنے آپ کو ضائع کر لو۔ (جلالین)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تفسیر جلالین کے مطابق ہے۔

”العفو“ وهو نقيض الجهد وهو المشقة، ونقيضه اليسر والسهولة

یعنی عفو نقيض ہے جہد کی۔ جہد کا معنی ہے مشقت اٹھانا، محنت سے کام کرنا، اور اس کے مقابل

”یسر اور سہولت“ کے الفاظ استعمال ہیں کہ آسانی سے کام کرنا۔

یہی مطلب ہے ”العفو“ کا، گویا کہ یہ کہا گیا ہے۔

”قل انفق ما سهل و ليسر ولم يشق عليك انفاقه فالفو من المال ما سهل انفاقه

والجهد من المال ما يسر انفاقه“

کہ آپ فرمادو اتنی مقدار میں مال خرچ کرو جو تمہیں آسان ہو، جس کا خرچ کرنا تم پر مشکل نہ ہو۔

واضح ہوا کہ ”العفو من المال“ کا یہ مطلب ہے جس کا خرچ کرنا آسان ہو، اور اس کے مقابل ”الجهد من المال“ کا مطلب یہ ہوگا جس کا خرچ کرنا مشکل ہوگا، ہاں البتہ مال کا خرچ کرنا آسان اسی وقت ہوگا۔
(روح البیان)

”العفو“ کے تمام معانی ایک معنی میں سمٹ کر آ جاتے ہیں۔ وہی معنی جو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے بیان فرمایا۔
”العفو، یعنی الفضل“ العفو کا معنی ہر چیز میں آسانی کا پایا جانا ہے۔
”وعن الربيع افضل مالک واطيبه“
حضرت ربیع رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ”العفو“ کا معنی ہے تمہارا افضل اور پاکیزہ مال۔
”والكل يرجع الى الفضل“ تمام معانی فضل کی طرف لوٹتے ہیں۔

یعنی تم اپنا پاکیزہ مال، حاجت سے زائد مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو، جس کا خرچ کرنا تم پر آسان ہو۔
(ابن کثیر)

”عن ابن هريرة قال قال رجل يا رسول الله عني دينار قال انفقہ علی نفسک ،
قال عندي آخر ، قال انفقہ علی اهلك ، قال عندي آخر ، قال انفقہ علی ولدک ، قال
عندي آخر ، قال فانت ابصر“
(رواہ ابن جریر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا، اپنے آپ پر خرچ کرلو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے، تو آپ نے فرمایا، وہ اپنی زوجہ پر خرچ کرلو، پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے، آپ نے فرمایا، وہ اپنی اولاد پر خرچ کرلو، پھر اس نے کہا میرے پاس ایک اور بھی دینار ہے تو آپ نے فرمایا، تم جو بہتر سمجھو، یعنی جس جائز کام میں خرچ کرنا چاہو کرلو۔ (ابن کثیر)

تنبیہ: اس حدیث پاک میں اگرچہ صیغہ خبر کے ہیں، لیکن معنی استفہام والا پایا گیا ہے، یعنی اس شخص کا مطلب یہ تھا کہ میرے پاس ایک دینار ہو تو کیا کروں؟ اگر دو ہوں تو پھر کیا کروں؟ اگر تین ہوں تو پھر کیا کروں؟ اور اگر چار ہوں تو پھر کیا کروں۔

☆ ”و عن جابر ان رسول الله ﷺ قال لرجل ابدأ بنفسك فتصدق عليها فان فضل شي فلاهلك فان فضل شي عن اهلك فلذی قرابتك فان فضل عن ذی قرابتك شي فهكذا فهكذا“
(رواه ابن جریر، ورواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا ابتداء اپنے نفس سے کرو، یعنی اپنے نفس پر پہلے خرچ کرو، اگر مال بچ جائے تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، پھر اپنے قریبی رشتہ داروں پر مال خرچ کرو، پھر اس طرح اور اس طرح، یعنی رشتہ داروں سے جو مال بچ گیا وہ اللہ کی راہ میں جہاں جہاں سمجھو خرچ کرو۔

☆ ”عن ابن ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ خیر الصدقة ما كان علی ظہر غنی والید العلیا خیر من الید السفلی وابدأ بمن تعول“
(رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر صدقہ وہ ہے جو غنی ادا کرے (یعنی صدقہ کرنے کے بعد بھی محتاج نہ ہو) اوپر والا ہاتھ (دینے والا ہاتھ) نیچے والے ہاتھ (لینے والے ہاتھ) سے بہتر ہے، ابتداء خرچ کی اپنے اہل و عیال سے کرو۔
(ابن کثیر)

عفو کی تین قسمیں:

عبد الملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف خط لکھا ”العفو“ کے متعلق سوال کیا گیا کہ ”عفو“ سے مراد کیا ہے؟

”فقال العفو علی ثلاثة أنحاء نحو تجاوز عن الذنب ونحو فی القصد فی النفقة ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو ونحو فی الاحسان فیما بین الناس الا ان یعفو الذی بیده عقدة النکاح“ (اخرجه ابن المنذر عن عطاء بن دینار الہذلی) (درمنشور)

تو انہوں نے فرمایا ”عفو“ کی تین قسمیں ہیں، ایک گناہ معاف کرنا، اور دوسری قسم خرچ میں میاں روی اختیار کرنا، جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) اور وہ سوال کرتے ہیں آپ سے کتنی مقدار

میں خرچ کریں، آپ فرماؤ ”العفو“ جتنا آسان ہو، (میانہ روی پر مبنی ہو) اور تیسری قسم ہے احسان کرنا، رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”الا ان یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح“ میں یہی معنی ہے (مگر یہ احسان کرے وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے)۔

☆ ”واخرج البخاری والنسائی عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ افضل الصدقة ما ترک غنی والید العلیاء خیر من الید السفلی وابدأ بمن تعول تقول المرأة اما ان تطعمنی واما ان تطلقنی ویقول العبد اطعمنی واستعملنی ویقول الابن اطعمنی الی من تدعنی“ (درمنثور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد انسان غنی رہے، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے) اور ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو (ایسا نہ ہو کہ) عورت کہے یا مجھے خرچ دو یا مجھے طلاق دو، اور غلام کہے کہ مجھے کھانا دو تو مجھ سے کام لو، اور بیٹا کہے مجھے طعام دو تم مجھے کس کی کفالت میں چھوڑ رہے ہو۔

☆ ”واخرج ابن سعد و ابو داؤد والحاکم وصححه عن جابر بن عبد اللہ قال کنا عند رسول اللہ ﷺ اذ جاء رجل وفي لفظ قدم ابو حصین السلمی بمثل بیضة الحمامة من ذهب فقال یا رسول اللہ اصبت هذه من معدن فخذها فہی صدقة ما املك غیرها فاعرض عنه رسول اللہ ﷺ ثم اتاه من خلفه فاخذها رسول اللہ ﷺ فخذفه بها فلو اصابته لا وجعته اول عقرته فقال یاتی احدکم بما یملک فیقول هذه صدقة ثم یقعہ یتکف الناس خیر الصدقة ما کان عن ظہر غنی وابدأ بمن تعول“ (درمنثور)

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ ایک شخص (ابو حصین سلمی) آپ کے پاس آئے ان کے پاس کبوتری کے انڈے کی مثل سونا تھا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ میں نے معدن (کان) سے پایا ہے آپ یہ لے لیں، میں یہ صدقہ کرتا ہوں۔ اور اس کے سوا بھی

میں جس کا مالک ہوں، بعض حضرات نے مانافہ کا معنی بھی کیا ہے ”میں اس کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں“، تو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے اعراض فرمایا۔ پھر وہ آپ کے پاس دوسری جانب حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یہ صدقہ ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے وہ لے کر پھینک دیا، اگر اس شخص کو لگتا تو وہ زخمی ہو جاتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے میں تمام مال صدقہ کرتا ہوں، پھر بیٹھ جاتا ہے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے شروع کر دیتا ہے، بہتر صدقہ وہ ہے جو دینے کے بعد بھی انسان غنی رہے۔ اور ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو۔

اعتراض: زیر بحث آیت کریمہ اور بیان کردہ احادیث سے یہ واضح ہوا کہ تمام مال خرچ کرنا مکروہ ہے، ناپسندیدہ عمل ہے، اور کم مال والا شخص مال خرچ کر کے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے۔

اور دوسری احادیث (جن کو قریب ہی ان شاء اللہ ذکر کیا جا رہا ہے) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔ تو ان احادیث میں تطبیق کیسے ہوگی کہ بعض احادیث میں کل مال صدقہ کرنے کی ممانعت ہے اور بعض میں کل مال صدقہ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

جواب: ”الحکم یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال“، مختلف شخصوں اور مختلف حالات اور مختلف اوقات کے لحاظ پر احکام مختلف ہوتے ہیں۔ ایک شخص کے لئے حکم اور ہوتا ہے اور دوسرے کے لئے اور ہوتا ہے۔

”فمن كان بعد ما يتصدق كل ماله يتكفف الناس ولا يستطيع الصبر على الفقر لا يجوز له ذلك“

جو شخص کل مال صدقہ کرنے کے بعد لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر شروع کر دے اور فقر پر صبر کرنے کی طاقت نہ رکھے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا تمام مال صدقہ کر دے۔

”ومن يقدر على الصبر وليس عليه حق من حقوق الناس فلا فضل في حقه البذل في سبيل الله“

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کل مال خرچ کر کے صبر کر سکے، لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے

اور اس پر لوگوں کے حقوق نہیں، تو اس کے لئے تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا افضل ہے۔
لوگوں کے حقوق سے یہ مراد ہے کہ لوگوں کا قرض ادا کرنا ہے، اور اہل و عیال کا خرچ اور خادم کا خرچ یا رشتہ دار جو محتاج ہو جائیں ان کو اپنی طاقت اور رشتہ کے تعلق کی نسبت کے مطابق مال دینا۔

” (فہذہ الحقوق) مقدم علی الصدق علی الاجنبی لامحالة فان ذلک فریضة وھذہ نافلة ،،
یہ حقوق اس لئے مقدم ہیں کہ یہ فرض ہیں اور اجنبی لوگوں پر مال خرچ کرنا مستحب ہے، اس لئے
اس کا حق بعد میں ہے۔ (از مظہری)

وہ احادیث جن میں تمام مال خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان ہے:

” عن ابی امامۃ سئل عن النبی ﷺ ای الصدقة افضل قال جھد المقل وابدأ بمن
تعول“ (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو
آپ نے فرمایا تنگ دست شخص مشقت سے صدقہ دے، اور ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو۔
” عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لو کان لی مثل احد ذھبا لسنی ان لا یمر
علی ثلاث لیل“ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کی طرح
سونا تو مجھے یہ پسند ہے کہ وہ میرے پاس (تین دن) تین راتیں نہ رہے۔
” وعن اسماء قالت قال رسول اللہ ﷺ انفقی ولا تحصى فیحصى اللہ علیک ولا توعی
فیوعی اللہ علیک ارضحی ما استعطت“ (بخاری و مسلم)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا، مال خرچ کرو، اور گنتی نہ کرو اللہ
تعالیٰ بھی تم پر گنتی کرے گا۔ اور جمع کر کے نہ رکھو، اللہ تعالیٰ بھی تم پر روک کر رکھے گا، جتنی طاقت
رکھتی ہو (اتنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے لوگوں کو) نفع پہنچاؤ۔ (از مظہری)

”وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال امرنا رسول الله ﷺ ان نتصدق ووافق ذلك ما لا عندي فقلت اليوم اسبق ابابكر رضي الله عنه فجئت بنصف مالي فتصدق به فقال رسول الله ما ابقيت لا هلك يا عمر قلت نصف مالي يا رسول الله ، ثم قال لا بى بكر ما ابقيت لا هلك قال لهم الله ورسوله فقلت لا اسا بقك بشئ بعدها، روى ان النبي ﷺ قال عند ذلك ما بينكما ما بين كلاميكما“ (روح البيان)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، اتفاقاً اس دن میرے پاس زیادہ مقدار میں مال تھا، میں نے کہا آج میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے سبقت لے جاؤں گا۔ تو میں اپنا آدھا مال لے آیا، وہ صدقہ کر دیا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کتنا مال باقی رکھا، اے عمر؟ میں نے عرض کیا آدھا مال یا رسول اللہ۔ پھر آپ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کتنا مال باقی رکھا؟ انہوں نے کہا، اہل و عیال کے لئے تو اللہ اور اس کے رسول کافی ہیں۔ حضرت عمر کہتے ہیں، میں نے ابوبکر کو کہا آج کے بعد میں تمہارے ساتھ مقابلہ نہیں کروں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے درمیان وہی فرق ہے جو تمہارے کلاموں کے درمیان فرق ہے۔

فائدہ:

”كان ابو بكر غالب المعرفة وعمر غالب الشريعة و عثمان غالب الطريقة وعلى غالب الحقيقة وان كانوا كالمليين في الله لمراتب الاربع“ (روح البيان)

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم معرفت و شریعت و طریقت و حقیقت میں کمال درجہ رکھتے تھے، تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ معرفت میں باقی حضرات پر غالب تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نسبت باقی حضرات کے شریعت غالب تھی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ طریقت میں باقی حضرات سے زیادہ کمال رکھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حقیقت میں باقی حضرات سے زیادہ کمال رکھتے تھے۔

غریب کے لئے خوشخبری:

”وحدث النبی علیہ السلام اصحابہ علی الصدقة فجعل الناس يتصدقون وکان ابو امامة الباهلی جالسا بین یدیه علیہ السلام وهو یحرک شفّتیہ فقال له النبی علیہ السلام ماذا تقول حیث تحرک شفّتیك قال انی ارى الناس يتصدقون ولیس معی شیء اتصدی به فاقول فی نفسی سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر فقال ﷺ هو لا ء الکلمات خیر لک من مد ذہبا تتصدق به علی المساکین“

(روح البیان)

نبیلا کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کو صدقہ پر برا بیچتہ کیا (ابھارا) لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا۔ ابو امامہ باہلی نبی کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ کر اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے تھے، تو ان سے نبی کریم ﷺ نے پوچھا تم اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے تھے تو کیا کہہ رہے تھے؟ انہوں نے عرض کیا کہ بیشک میں نے لوگوں کو صدقہ کرتے ہوئے دیکھا، میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی کہ میں اس کے درپے ہوتا۔ (یعنی میرے پاس مال نہیں تھا کہ میں صدقہ کرتا) تو میں اپنے دل میں یہ پڑھ رہا تھا ”سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کلمات پڑھنا تمہارے لئے مد (صاع کا چوتھائی حصہ) سونا مساکین پر خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

فائدہ: بیشک سب سے پہلے ”سبحان الله“ جبریل علیہ السلام نے کہا، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا ان

کی نظر عرش پر پڑی تو عرش کی عظمت کو دیکھ کر کہا ”سبحان الله“

”فمن قالها نال ثواب جبریل“ جس شخص نے ”سبحان الله“ پڑھا اس نے جبریل علیہ السلام کی سنت

پر عمل کرنے کا ثواب حاصل کر لیا۔

حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم جب روح پھونکی گئی تو سب سے پہلے آپ نے پڑھا ”الحمد لله“

”فمن قالها نال نصیبها من فضل آدم“ جس شخص نے ”الحمد لله“ پڑھا اس نے حضرت آدم علیہ

اسلام کی سنت پر عمل کرنے کا ثواب حاصل کر لیا۔

سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے اس وقت ”لا الہ الا اللہ“ پڑھا جبکہ آپ نے طوفان اور شدید مصائب کا مشاہدہ فرمایا۔

”فمن قالها اخذ حظا وافرا من ثواب نوح“ جس شخص نے ”لا الہ الا اللہ“ پڑھا اس نے حضرت نوح علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے ثواب کا کامل اور وافر حصہ پالیا۔

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ”اللہ اکبر“ پڑھا جبکہ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جدہ رب تعالیٰ کی طرف سے ذنب قربانی کرنے کے لئے بطور فد یہ مشاہدہ فرمایا۔

”فمن قالها نال فیضا من فیض ابراہیم“ جس شخص نے ”اللہ اکبر“ پڑھا اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنے کا فیضان حاصل کر لیا۔

”اللہم اجعلنا من الذاکرین الشاکرین آمین یا رب العلمین“ (روح البیان)

”کذلک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرۃ:

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات تاکہ تم فکر کرو دنیا اور آخرت میں۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ بتایا ہے کہ مشقت میں پڑ کر خرچ کرنے کی بجائے اتنی مقدار میں خرچ کیا جائے جس میں آسانی ہو اور جواہل و عیال کی حاجت سے زائد ہو وہ خرچ کیا جائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات کو بیان فرماتا ہے جو احکام شریعت پر دلالت کرتی ہیں۔

تنبیہ:

”تبیین الآیات تنزیلہا مبینۃ الفحوی واضحۃ المدلول لا انہ تبیینہا بعد ان کانت

مشتبہة وملتبسة“

آیات کو بیان کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے آیات کو مشتبہ طور پر نازل کیا جاتا ہے اور ان سے مضامین کو خلط ملط کر کے نازل کیا جاتا ہے، پھر ان کی وضاحت کی جاتی ہے اور ان کو بیان کیا جاتا ہے بلکہ بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آیات کریمہ کو واضح طور پر نازل فرماتا ہے، جن سے مطالب واضح ہوتے ہیں۔

اعتراض:

”کذلک“ میں کاف واحد ہے حالانکہ کاف محل نصب میں صفت ہے مصدر مندوف ”تیسرا“۔
جب مخاطبین کی تعداد کثیر ہے تو ”کذلکم“ کیونکہ ذکر نہیں کیا گیا۔

جواب:

”وافراد حرف الخطاب مع تعداد المخاطبين باعتبار القبيل او الفريق او القوم مما هو مفرد اللفظ ومجموع المعنى“
”کذلک“ میں حرف خطاب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے باوجود اس کے کہ مخاطبین کی تعداد کثیر ہے اس لئے اس سے مراد قبیلہ یا فریق یا قوم ہے، جو لفظاً مفرد ہیں اور معنی جمع ہیں۔

دنیا و آخرت میں فکر کرنے سے مراد کیا ہے؟

اس سے مراد یہ ہے۔

”لکی تفکروا فی امور الدارین فتأخذوا بما هو اصلح لکم واسهل فی الدنیا وانفع

فی العقبی وتجنبوا عما یضمركم فی العقبی“

کہ تم دنیا اور آخرت کے امور میں فکر کرو اور سمجھو کہ تمہارے لئے نفع مند کیا ہے اور نقصان دہ کیا ہے، تم اس چیز کو حاصل کرو جو دنیا میں تمہارے لئے نفع مند اور آسان ہو۔ اور آخرت میں نفع مند

ہو۔ جو چیز آخرت میں تمہارے لئے نقصان دے ہو اس سے تم اجتناب کرو۔

”قال البغوی یبین الآیات فی امر الدنیا والآخرة لعلکم تتفکرون فی زوال الدنیا

وفنائها فتزهدواو فی اقبال الآخرة وبقائها فترغبوا فیها“

علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے امور دنیا اور امور آخرت کو بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم دنیا کے زوال اور دنیا کے فانی ہونے میں تفکر کرو (سوچو) اور زہد اختیار کرو، یعنی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرو، اور آخرت کے آنے کو سوچو، اور آخرت سے باقی رہنے پر غور فکر کرو اور آخرت کی طرف رغبت کرو۔

”وهذه الآية ترغب فی التصدق“

اور یہ آیت کریمہ صدقہ ادا کرنے کی رغبت دلاتی ہے، کہ جو تمہارے لئے آسان ہو اتنی مقدار میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو۔

(روح البیان)

علامہ رازی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کا مطلب یہ سمجھ آ رہا ہے جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ شراب اور جو دنیا میں بظاہر کچھ نفع کا سبب بھی بنتے ہیں۔ لیکن آخرت میں گناہ اور نقصان کا سبب ہیں۔ جب تم دنیا اور آخرت کے احوال میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں سمجھ آ جائے گا کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا ضروری ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ نیکی کی راہ میں مال خرچ کرنا آخرت میں کامیابی اور ثواب حاصل کرنے کے لئے ہے۔ اور مال کو جمع کر کے رکھنا اور نہ خرچ کرنا دنیا کے لئے ہے، تو تم دنیا اور آخرت کے احوال کو سوچو، خود بخود تمہیں یقین حاصل ہو جائے گا کہ دنیا پر آخرت کو ترجیح حاصل ہے۔

(از کبیر)

☆☆☆☆☆

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ
فَأِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۰)

﴿۱﴾

اور تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر اپنا ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا، بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

﴿۲﴾

اور سوال کرتے ہیں آپ سے یتیموں کے متعلق، فرما دو بھلائی کرنا ان سے بہتر ہے۔ اور اگر تم ملا لو ان کے (خرچ کو اپنے خرچ سے) تو بھائی ہیں تمہارے، اور اللہ جانتا ہے فساد پھیلانے والے کو بھلائی کرنے والے سے، اور اگر چاہتا اللہ تو مشقت میں ڈالتا تمہیں، بے شک اللہ غالب ہے (اور) حکمت والا ہے۔

ما قبل سے رابطہ:

یہاں چند احکام ذکر کئے جا رہے ہیں، ان میں سے یہ پانچواں حکم ہے۔ (کبیر)

شان نزول:

”اخرج ابو داؤد والنسائی وابن جریر وجماعة عن ابن عباس رضي الله عنهما قال لما انزل الله تعالى ”ولا تقربوا مال اليتيم الا بالتي هي احسن“ . ”وان الذين يا كلون

اموال الیتامی ظلما انما یا کلون فی بطونہم نارا و سیصلون سعیرا“ انطلق من کان عبده یتیم فعزل طعامه من طعامه و شرابه من شرابه فجعل یفضل له الشئ من طعامه فیحبس له حتی یاکله او یفسد فیرمی به فاشتد ذلک علیہم فذکروا ذلک لرسول اللہ ﷺ فنزلت“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابو داؤد، نسائی اور جریر نے روایت بیان فرمائی، آپ فرماتے ہیں جب آیہ کریمہ ”ولا تقربوا اموال الیتیم الا بالتی ہی احسن“ (اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال سوائے احسن طریقہ کے) نازل ہوئی۔

اور آیہ کریمہ ”ان الذین یا کلون اموال الیتامی ظلما انما یا کلون فی بطونہم نارا و سیصلون سعیرا“ (بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور وہ جلیں گے بھڑکتی آگ میں) نازل ہوئی، تو صحابہ کرام جن کی پرورش میں یتیم تھے، انہوں نے یتیموں کا مال یعنی کھانے پینے کی چیزیں اپنی کھانے پینے کی چیزوں سے جدا کر دیں۔ اگر یتیم کے کھانے سے کچھ کھانا بچ جاتا تو اسے علیحدہ ہی رکھ لیا جاتا یا وہ کھانا یتیم کھالے۔ یا وہ گل سڑ جاتا اور اسے پھینک دیا جاتا۔ یہ صورت حال صحابہ کرام پر سخت تکلیف دہ ثابت ہو رہی تھی انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس مشکل کا ذکر کیا تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

مختصر مطلب:

جب وہ آیات پہلے نازل ہوئیں جن میں یتیموں کے مال کھانے سے عذاب سے ڈرایا گیا تو صحابہ کرام نے یتیموں کا کھانا پینا علیحدہ کر دیا، لیکن پھر اسے مشکل سمجھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو رب تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ کو نازل کیا، کہا کہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں تو آپ ان کو بتادیں کہ یتیموں کی بھلائی کے لئے جو کام بھی کریں وہی ان کے لئے اور تمہارے لئے بہتر ہے، اور وہ جانتا ہے کہ کون فساد پھیلانے والا ہے اور کون

اصلاح کرنے والا ہے، اور اگر ان کا خرچ اپنے خرچ سے ان کے فائدہ کے لئے ملا تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے جس نے تمہارے لئے آسانی پیدا کر دی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ تم ان کا خرچ علیحدہ ہی رکھو اور اس وجہ سے مشقت میں پڑے رہو تو اللہ تعالیٰ ایسا بھی کر سکتا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔

”یسئلونک عن الیتامی“:

”یسئلونک عن الیتامی او التصرف اموالہم او عن امرہم و کیف یكونون معہم“
آپ سے سوال کرتے ہیں یتیموں کے معاملات قائم کرنے کے متعلق، اور ان کے مالوں میں تصرف کرنے کے متعلق اور ان کے ساتھ معاملات رکھنے کے متعلق کہ وہ کیسے ان کے ساتھ رہیں۔

یتیم کون ہے؟

عام لوگوں کے عرف میں یتیم اسے کہا جاتا ہے جس کا باپ نہ ہو، یا جس کی ماں نہ ہو، لیکن اصطلاح شرع میں.....

”ان الیتام ہم الفاقدون لآبائہم وہم صغار ولا یطلق ذلک علیہم بعد البلوغ
الاعلیٰ وجہ المجاز لقرب عہدہم بالیتیم“
یتیم ان کو کہا جائے گا جن کے باپ فوت ہو جائیں، اور وہ نابالغ ہوں، جب بالغ ہو جائیں تو ان کو یتیم نہیں کہا جائے گا، ہاں البتہ بالغ ہونے کے بعد ان کی یتیمی کے وقت کو قریب دیکھ کر مجازی طور پر یتیم کہہ لیا جاتا ہے۔
(احکام القرآن للخصاص)

سوال حال سے یا قال سے:

صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے یتیموں کے متعلق سوال کیا، اس سوال میں دو احتمال ہیں۔

”ثم ههنا يحتمل انهم سألوا الرسول عن هذه الواقعة“

ایک احتمال یہ ہے کہ صحابہ کرام نے زبان سے سوال کیا ہو۔

”ويحتمل ان السؤال كان في قلبهم وانهم تمنوا ان يبين الله لهم كيفية الحال في

هذا الباب“

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ سوال ان کے دل میں تھا، اور ان کے دل میں تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ ان

کے لئے یتیموں کے متعلق مسائل بیان فرمادے۔

یعنی پہلے احتمال میں سوال زبان قال سے تھا اور دوسرے احتمال میں سوال زبان حال سے تھا۔ (از کبیر)

”فل اصلاح لهم خير“: فرمادو بھلائی کرنا ان سے بہتر ہے۔

یتیموں کی اصلاح کیا ہے؟

ایک معنی تو یہاں خاص ہے، جو آیہ کریمہ کے شان نزول کے مطابق ہے، وہ یہ ہے کہ تم ان کے خرچ کو اپنے خرچ سے ان کی بھلائی کے لئے ملاؤ کہ ان کے خرچ میں بچت ہو اور اس لئے ان کے مال کو اپنے مال سے ملاؤ کہ تجارت وغیرہ سے ان کا مال بڑھتا رہے، اور ان کے مال کو اپنے مال سے اس لئے ملاؤ کہ ان کا مال محفوظ رہے تو یہ بہتر ہے، کیونکہ ان سب صورتوں میں ان کی بھلائی ہے اور ان پر احسان ہے یتیم کی بھلائی میں اپنی بھلائی ہے۔

(روح المعانی)

دوسرا معنی عام ہے جو ہر قسم کی بھلائی کو شامل ہے، یعنی یتیم پر ہر قسم کی بھلائی کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

”هذا الكلام يجمع النظر في صلاح اليتيم بالتقويم والتأديب وغيرهما“

یتیم کی اصلاح اس میں بھی ہے کہ اس کی اچھی طرح پرورش کی جائے تاکہ اس کی جسمانی ساخت

مضبوط ہو سکے، بھوک سے بلا تانہ رہے، خوراک کی کمی سے اسے کمزور اور کوتاہ قد نہ کر دیا

جائے۔ اور یتیم کی اصلاح یہ ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے، اس کی تعلیم کا خصوصی خیال رکھا

جائے، اس کے افعال و اقوال پر نظر رکھی جائے، برے دوستوں اور بری مجالس سے اسے بچایا جائے، نیک لوگوں کی محافل میں اسے بھیجا جائے۔

”لکی ینشأ علی علم و ادب و فضل لان هذا الصنع اعظم تاثيرا فيه من اصلاح ماله بالتجارة“ تاکہ وہ بڑا ہو کر عالم بن جائے، مؤدب ہو اور صاحب فضل ہو جائے، یہ تعلیم و تربیت اس کے مال میں تجارت کر کے اصلاح کرنے سے زیادہ موثر اور نفع مند ہے۔

البتہ اس کے مال کی حفاظت اور اسے پڑھانے کی تدبیر بھی یتیم پر احسان ہے۔ حقیقی طور پر آیہ کریمہ سے مراد وہی ہے۔

”فهذه الكلمة جامعة لجميع مصالح الیتیم والولی“

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”قل اصلاح لهم خیر“ مختصر جملہ ہے لیکن یتیم اور اس کے ولی کے حق میں ہر قسم کی بھلائی کو شامل ہے۔

اعتراض:

”اصلاح“ کے لفظ کے لئے مشہور تو یہ ہے ”لا یتناول الاتدبیر انفسهم دون مالهم“ کہ یہ صرف جانوں کی تدبیر کو شامل ہے، مال کی تدبیر کو شامل نہیں، تو یہاں ”اصلاح“ کے ذکر کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

”قلنا ليس كذلك لأن ما يؤدى الى اصلاح ماله بالتنمية والزيادة يكون اصلاحا له“ یہ قول جو مشہور ہے درست ہی نہیں، کیونکہ مال کی تجارت سے بڑھانا اور مال کی حفاظت کرنا اگرچہ بظاہر ہر مال کی اصلاح ہے، لیکن حقیقت میں مال والے کا ہی اس میں بھلا ہے، اس طرح مال کی اصلاح بھی جان کی ہی اصلاح ہے۔

یہ جملہ ولی کی بھلائی کو شامل ہے:

”اصلاح اموالهم من غیر عوض ولا اجرۃ خیر للولی واعظم اجر الہ“

یتیموں کی ولیوں کا ان کے مال کی اصلاح کرنا اور اس کا معاوضہ نہ لینا ولی کے لئے بہتر ہے اور عظیم اجر کا سبب ہے۔

”فوجب حملہ علی الخیرات العائدۃ الی الولی والی الیتیم فی اصلاح النفس و اصلاح المال“

یہ آیت کریمہ بہ قسم کی بھلائی کو شامل ہے، خواہ وہ بھلائی یتیم سے متعلق ہو یا یتیم کے ولی سے، اسی طرح اس بھلائی کا تعلق مال سے ہو یا جان سے ہو۔ (از کبیر)

یتیم کی اصلاح کے متعلق چند مسائل:

مسئلہ: جب یتیم کے مال کو اپنے مال سے ملانا جائز ہے، بشرطیکہ یتیم کے مال کی اصلاح مقصود ہو، تو اسی سے یہ سمجھ لیا کہ اگر یتیم کے مال کی تجارت (خرید و فروخت) نفع مند ہو تو اس کے مال کی خرید و فروخت جائز ہوگی۔

مسئلہ: یتیم کا ولی اس کا مال کسی شخص کو بطور مضاربہ دے کہ تم اس مال سے تجارت کرو اور نفع میں اتنا حصہ صاحب مال ہوگا، اور اتنا حصہ تمہارا، تو یہ جائز ہے، بلکہ ولی خود بھی مضاربہ پر یتیم کے مال میں تصرف کر سکتا ہے۔

مسئلہ: قاضی و حق حاصل ہے کہ اگر یتیم (نابالغ) کا نکاح اس کے لئے مفید سمجھے، یعنی اب کفول رہی ہے، پھر ہو سکتا ہے نہ ملے۔ اس قسم کا کوئی فائدہ نکاح میں سمجھا جائے تو اس کا نکاح کر دینا اس کے حق میں اصلاح ہے۔

مسئلہ: یتیم کی اشیاء میں سے کسی چیز کو کرایہ پر دینا اور یتیم کے لئے کسی چیز کو کرایہ پر لینا اگر مفید ہو تو ولی کے لئے کرایہ کا لین دین جائز ہوگا۔ (احکام القرآن للجصاص)

”وان تخالطوہم فاخوانکم“:

اور اگر تم ملاؤ ان (کے خرچ کو اپنے خرچ سے) تو بھائی ہیں تمہارے۔

”المخالطة“ کا مطلب یہ ہے کہ چیزوں کو اس طرح ملا جلا دینا کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہو سکیں۔
 ”خلاط“ بمعنی جماع بھی آتا ہے، اور خلاط کا معنی جنون بھی ہے، کہ جب کسی شخص کی عقل زائل ہو جاتی ہے، تو اس پر تمام امور خلط ملط ہو جاتے ہیں۔

ان الفاظ مبارکہ کی تفسیر میں چند وجوہ پائی جاتی ہیں:

(۱) ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے طعام، مشروبات، اور مسکن (نہرنے کا مکان) اور خدام میں اختلاط کر لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ کیونکہ یتیموں کے مال کھانے پر جب عذاب کا ذکر کیا گیا تو صحابہ کرام نے ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے جدا کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مباح کر دیا کہ جس طرح اپنی اولاد کے مال کو اپنے مال سے ملا لیا جاتا ہے، اسی طرح یتیموں کے طعام کو اپنے طعام سے اور ان کے مشروب کو اپنے مشروب سے اور ان کے مسکن کو اپنے مسکن سے ملا لو، اس سے ان پر مہربانی ہوگی، اور حسن معاشرت پائی جائے گی۔

”والمعنى وان تخالطوهم بما لا يتضمن افساد اموالهم فذلك جائز“

مطلب یہ ہوا کہ ان مال کو اپنے مال سے اس طرح ملاؤ کہ ان کا نقصان نہ ہو تو یہ جائز ہے۔

☆ ”واخرج عبد بن حميد وابو خاتم عن ابن عباس المخالطة ان يشرب من لبنك و تشرب من لبنه و يا كل في قصعتك و تا كل من تمر تك و تا كل من تمرته“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”مخالطة“ کی تفسیریوں کی کہ وہ تمہارا دودھ پئے تم اس کا دودھ پیو، وہ تمہارے پیالہ سے کھائے اور تم اس کے پیالہ سے کھاؤ، اور وہ تمہاری کھجوریں کھائے اور تم اس کی کھجوریں کھاؤ۔

(۲) دوسری وجہ اس میں یہ پائی گئی ہے۔

” المراد بهذه المخالطة ان ينتفعوا باموالهم بقدر ما يكون اجرة مثل ذلك العمل “
 کہ مخالطہ کا مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے ولی جو ان کے مال کی دیکھ بھال میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں، وہ اتنی اجرت لے سکتے ہیں جتنی عام انسان کسی دوسرے سے ایسے کام کی اجرت لیتا ہے۔

پھر اس میں دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ ولی خواہ امیر ہو یا غریب ہو، یتیم کے مال سے مناسب اجرت لے سکتا ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ غریب شخص تو مناسب اجرت لے سکتا ہے۔ لیکن غنی شخص اجرت نہیں لے سکتا، کیونکہ یتیموں کی پرورش ان پر واجب ہے اور وہ حاجتمند نہیں اس لئے وہ اجرت نہیں لے سکتے۔

ان حضرات نے اپنے موقف پر دلیل یہ قائم کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
 ” ومن كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف “
 جو شخص غنی ہو وہ درگزر کرے اور جو شخص فقیر ہو وہ معروف طریقہ سے کھالے۔

بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے ان حضرات نے یہ بیان کیا کہ اگر یتیم کے غریب ولی نے اپنی حاجت کے مطابق اس کے مال سے کچھ لے لیا ”ویرده اذا اليسر فان لم يوسر تحلله من اليتيم“ لیکن جب اسے مال لوٹانے کی آسانی ہو تو مال لوٹا دے، ہاں اگر آسانی نہ ہو تو یتیم کا جو مال بقدر حاجت لیا تھا وہ جائز اور حلال ہے۔

فائدة جلیہ:

”وروی عن عمر رضی اللہ عنہ انه قال انزلت نفسی من مال اللہ تعالیٰ بمنزلة ولی الیتیم ان استغنیست استعفت وان افتقرت اكلت قرضا بالمعروف ثم قضیت“
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے جس مال کا محافظ بنا رکھا ہے اس میں اپنے آپ کو ایسے سمجھتا ہوں کہ جیسا کہ یتیم کے مال پر ولایت رکھنے والے کو حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر میں بے پرواہ ہوں، یعنی مجھے مال کی ضرورت نہ ہو تو میں درگزر کرتا ہوں اور اگر مجھے ضرورت

درپیش آئے تو میں معروف طریقہ سے قرض لے لیتا ہوں، پھر مجھے جب وسعت ملتی ہے تو میں وہ قرض ادا کر دیتا ہوں۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے مال بغیر ضرورت کے کبھی نہیں لیا۔ اگر کبھی ضرورت درپیش آجاتی تو آپ بطور قرض مال لیتے، وسعت حاصل ہونے پر وہ مال واپس بیت المال میں دے دیتے۔

”و عن مجاہد اذا كان فقيرا و اكل بالمعروف فلا قضاء عليه“

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یتیم کے مال کا ولی جب فقیر ہو اور مناسب طریقہ سے مال بطور اجرت لے لے تو واپس لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

راقم کے نزدیک تین اقوال میں تعارض نہیں:

اختلاف صرف ظاہری الفاظ تک ہے، ورنہ مطلب سب کا ایک ہے، یعنی یتیم کے مال کا ولی، اس کے مال کی حفاظت کرنے والا، اور اس کے مال میں تجارت وغیرہ کرنے میں اپنا وقت صرف کرنے والا، اپنی جائز حد تک مناسب مقدار میں اجرت لے تو اس کے لئے جائز ہے، خواہ وہ غنی ولی ہو یا غریب۔ اس قول کا تعلق جواز سے ہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ غنی اجرت نہ لے اور غریب اجرت لے لے، اور غریب پر کوئی لازم نہیں کہ وہ اجرت واپس لوٹائے اس قول کا تعلق استحباب سے ہے، جو پہلی صورت سے بہتر ہے۔

لیکن زیادہ باعث تقویٰ یہ صورت ہے کہ غنی یتیم کے مال میں کام کرنے کی اجرت نہ لے، کیونکہ رب تعالیٰ نے اس اپنا مال دے رکھا ہے، جب وہ یتیم کے مال سے اجرت نہیں لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت ڈالے گا۔ اور اگر یتیم کے مال کا ولی فقیر ہے تو وقتی ضرورت کے لئے یتیم کا مال بطور اجرت شرعی جواز کی حد تک لے لے، لیکن جب اسے مالی وسعت مل جائے تو وہ مال واپس کر دے۔

(راقم)

(۳) مخالفت کی تیسری صورت یہ ہے۔

”معنى الآية ان يخلطوا اموال اليتامى باموال انفسهم على سبيل الشراكة بشرط

رعاية جهات المصلحة والغبطة للصبي“

کہ یتیموں کا مال اپنے مال سے شرکت کے لئے ملا لو، یعنی ان کے مال اور اپنے مال کو ملا کر تجارت کرو تا کہ یتیم کو زیادہ نفع حاصل ہو اور اس کے مال میں ہر طرح کی اصلاح (بھلائی) کی کوشش کرو، اس طرح مصلحت کا لحاظ کیا جائے کہ بچے کو اس پر رشک آئے۔

(۴) مخالطت کی چوتھی وجہ ابو مسلم نے بیان کی جو ان کے نزدیک مختار وجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

ان المراد بالخلط المصاهرة“ کہ اس مخالطت سے مراد نکاح کی وجہ سے اجتماع اور میل جول حاصل کرنا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی نویر پرورش یتیم مالدار لڑکی سے خود نکاح کر لیتے، مقصد ان کا صرف مال حاصل کرنا ہوتا، وہ نکاح کرنے کے بعد ان کی طرف رغبت نہ کرتے، اور ان سے محبت نہ کرنے کی وجہ سے انصاف نہیں کرتے تھے۔

رب تعالیٰ نے بے انصافی سے یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی ممانعت فرمادی ارشاد فرمایا۔

”وان خفتن ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم الخ“

راقم کے نزدیک یہ تمام صورتیں جو ذکر کی ہیں وہ چار صورتیں مجموعی طور پر آیت کریمہ کا مفہوم ہیں۔ تاہم چوتھی صورت کے مختار ہونے پر دلائل بھی قائم کئے گئے ہیں۔

”احدہا ان هذا القول خلط للیتیم نفسه والشرکة خلط لماله“

ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ ”خلط“ کا مطلب ہی یہ ہے۔ کہ یتیم کو اپنے ساتھ ملانا، یہ صورت نکاح سے ہی حاصل ہوتی ہے، کیونکہ مال کو مال سے ملانے کو شرکت کہا جاتا، مخالطت نہیں کیا جاتا۔
 ”وثانیہا ان الشرکة داخلہ فی قوله“ قل اصلاح لهم خیر“ والخلط من جهة النکاح“
 دوسری دلیل کہ چوتھی وجہ زیادہ بہتر ہے کہ مال کو مال سے ملانے کو ذکر ”قل اصلاح لهم خیر“ میں آگیا، کیونکہ ”ان کی بھلائی بہتر ہے“ کا یہی مطلب ہے کہ ان کے مال کو اپنے مال سے ملا کر فائدہ مند بناؤ۔

لیکن خلط کا تعلق ہی نکاح کی وجہ سے ہے ان کو اپنے ساتھ ملانا ہے، نکاح کی وجہ سے ان کو اپنے ساتھ ملانے کا ذکر بظاہر ”قل اصلاح لہم خیر“ میں نہیں آیا تھا، اسے ”وان تخالطوہم فاخوانکم“ سے بیان کر دیا۔

”و ثا لثھا ان قولہ تعالیٰ (فاخوانکم) يدل علی ان المراد بالخلط هو هذا النوع من الخلط لان الیتیم لو لم یکن من اولاد المسلمین لو جب ان یتحری صلاح اموالہ کما یتحرأه اذا کان مسلماً فوجب ان تكون الاشارة بقوله (فاخوانکم) الی نوع آخر من المخالطة“

تیسری دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ”وان تخالطوہم“ کے بعد ”فاخوانکم“ ذکر فرمایا، اس سے واضح ہوا کہ مخالطت سے یہی مراد ہے کہ اگر تم ان کو نکاح کی وجہ سے اپنے ساتھ ملاؤ تو وہ تمہارے (دینی بھائی) ہیں، چونکہ نکاح مسلمان سے ہوتا ہے مشرک سے نہیں۔ قانون یہ ہے کہ بچہ ماں باپ کے تابع ہوتا ہے۔ اگر یتیم کافروں کی اولاد سے ہے تو وہ کافر سمجھا جائے گا، اس وقت بھی اس کے مال کو اپنے ساتھ ملا کر اس کے مال کی اصلاح ضروری ہے، حالانکہ وہ مسلمان کا دینی بھائی نہیں۔

خیال رہے قرآن پاک میں اکثر الفاظ مبارکہ مذکر استعمال ہیں، جو مونث کو بھی شامل ہیں۔ یہاں بھی صیغہ مذکر کے ہیں، لیکن مونث کو بھی شامل ہیں۔

”ورابعها انه تعالى قال بعد هذه الآية (ولاتنکوا المشرکات حتی یو من) فکان المعنی ان المخالطة المندوب الیها انما هی الیتامی الذین ہم لکم اخوان با لاسلام فهم الذین ینبغی ان تنا کحوهم لتاکید الألفة فان کان الیتیم من المشرکات فلا تفعلوا ذلک“

چوتھی دلیل اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ذکر فرمایا ”ولاتنکوا المشرکات“

حتیٰ یو من“ (شرکات سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ ایمان لے آئیں) تو اس پتہ چلا کہ جس مخالفت کی طرف دعوت دی گئی ہے، اس سے مراد نکاح کی وجہ سے ان کو اپنے ساتھ ملانا لیکن جب وہ مسلمان ہوں، اگر یتیم بچے اور بچیاں مومن نہیں تو ان کے نکاح مسلمانوں سے نہیں ہو سکتے۔

(ماخوذ از کبیر و مختصر از روح المعانی)

تنبیہ: علامہ رازی رحمہ اللہ کی بحث کو راقم نے عظیم سمجھ کر ذکر کیا ہے، اور کچھ الفاظ روح المعانی کے قوی نہ سمجھتے ہوئے اعراض کر لیا ہے، اور حضرت علامہ مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ کے مندرجہ ذیل اعتراض و جواب کو بھی ضروری نہ سمجھا۔
اعتراض: یہاں یتیموں کو بھائی کہنے سے معلوم ہوا کہ صرف مسلمان یتیموں کے ساتھ ہی سلوک کرنا چاہئے، اگر یہ حکم ہوتا تو انہیں بھائی نہ کہا جاتا۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ چونکہ یہاں سوال مسلمان یتیموں کے لئے ہی تھا، اس لئے انہیں بھائی فرما دیا گیا، دوسری آیت کریمہ میں ہر یتیم کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں خلط سے جانی شرکت یعنی نکاح اور مالی شرکت دونوں ہی مراد ہیں اور کافر یتیموں سے چونکہ نکاح جائز نہیں۔ لہذا انہیں بھائی فرما دیا گیا ہے۔
(نعیمی)

اخوت اسلامی اخوت نسبی سے بہتر ہے:

” (فاخوانکم) ای فہم اخوانکم فی الدین الذی ہوا قوی من العلاقة النسبية ومن حق الأخ ان یخالط الأخ بالاصلاح والنفع“

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”فاخوانکم“ وہ تمہارے بھائی ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ دینی بھائی کا مقام نسبی بھائی سے زیادہ ہے، اس لئے ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے محبت رکھنی چاہئے تاکہ اس سے بھلائی کر سکے اور اسے نفع پہنچا سکے۔ (روح البیان)

یہ حقیقت ہے کہ اگر ایک بھائی مسلمان ہو اور دوسرا بھائی (العیاذ باللہ) کافر ہو تو یہ نسبی بھائی غیر ہے، وہ

مسلمان کا اپنا نہیں، اور اگر اجنبی ہو لیکن مسلمان ہو تو وہ اپنا ہے، غیر نہیں۔

ایک رخ یوں سمجھئے: لپٹا جو دامنِ مصطفیٰ سے وہ یگانہ ہو گیا

جس کے حضور ہو گئے اس کا زمانہ ہو گیا

دوسرا رخ یہ ہے: جو ان سے یار پھرتے ہیں

یوں ہی در بدر خوار پھرتے ہیں

”واللہ یعلم المفسد من المصلح“:

اور اللہ جانتا ہے فساد پھیلانے والے کو بھلائی کرنے والے سے۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون سا شخص یتیم کے مال سے اپنے مال سے فساد کی خاطر ملارہا ہے اور کون سا شخص اصلاح کے لئے ملارہا ہے، اللہ تعالیٰ پر کچھ مخفی نہیں۔

”فیجازیہ علی حسب مداخلتہ فاحذر وہ ولا تحروا غیر الاصلاح“

اس لئے رب تعالیٰ نے ہر شخص کو اس کے فعل کے مطابق جزا دینی ہے اگر اصلاح کی غرض سے کسی نے یتیم کے مال کو اپنے مال سے ملایا تو اللہ تعالیٰ اسے جزاء عطاء فرمائے گا۔ اور اگر کسی نے یتیم کے مال کو اپنے مال سے فساد اور نقصان پہنچانے کی غرض سے ملایا تو اسے رب تعالیٰ عذاب دے گا۔ لہذا تم رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر رہو سوائے بھلائی کرنے کے اور راستہ نہ اختیار کرو۔

”ويعلم ضمائر من اراد الفساد والطمع في مالهم بالنكاح من المصلح“

اگر کوئی شخص یتیم کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے، یا نفع پہنچانے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں پر بھی مطلع ہے، کیونکہ وہ دلوں کی باتوں کو اور سینوں کے رازوں کو جانتا ہے۔ تم ارادے کو ظاہر بعد میں کرو گے، وہ پہلے ہی تمہارے ارادے کو جانتا ہے۔ بلکہ تمہارے دل میں خیال آنے

سے بھی پہلے جانتا ہے۔ کہ اس کے دل میں یہ خیال آئے گا۔ ”وہذا تہدید عظیم“ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف شدید خوف دلایا گیا ہے کہ یتیم کے مال کے معاملہ میں رب تعالیٰ کو خوف رکھو۔

(از روح البیان و کبیر)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

بظاہر اس پر اعتراض یہ ہے کہ ”علم“ کے بعد ”من“ نہیں آتا۔ یہاں ”یعلم“ کے بعد ”من المصلح“ کا استعمال کیسے درست ہے؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔

”ومن لتضمن العلم معنی التمییز ای یعلم من یفسد فی امورهم عند المخالطة ممن یصلح“ کہ یہاں قاعدہ تضمین پایا گیا ہے۔ کیونکہ ”علم“ بمعنی ”تمییز“ استعمال ہے۔ چونکہ ”تمییز“ کے بعد ”من“ کا آنا صحیح ہے۔ اس لئے ”یعلم“ کے بعد ”من“ لایا گیا ہے۔

اب مطلب یہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے یتیموں کے مال کو اپنے مال سے ملا کر ان کے امور میں فساد کون برپا کرنا چاہتا ہے اور کون اصلاح چاہتا ہے۔ لہذا رب تعالیٰ ان کو ان کے کردار کی وجہ سے جدا جدا کرنا چاہتا ہے۔ یہی قرآن پاک کی عظمت ہے کہ ایک لفظ سے عظیم مطالب سمجھا دیئے جاتے ہیں۔ (از روح البیان)

قرآن پاک کا کمال:

”وفی تقدیم المفسد مزید تہدید“

صرف انداز بیان سے ہی قرآن کتنے مسائل حل کر دیتا ہے، یہی قرآن پاک کا کمال ہے، اس مقام پر ”مفسد“ کو ”اصلاح“ سے پہلے ذکر کر کے یہ واضح کر دیا کہ فساد کی غرض سے یتیموں کے مال کو اپنے مال سے ملانے کی وجہ سے تم شدید گرفت میں آؤ گے۔ (از روح البیان)

”ولو شاء الله لأعنتكم“: اور اگر چاہتا اللہ تو مشقت میں ڈالتا تمہیں۔

”الاعانت“ کا معنی ہوتا ہے کسی کو ایسی مشقت میں ڈالنا جس کی وہ طاقت نہ رکھے، اور کبھی کہا جاتا ہے ”تعنتہ تعنتا“ میں نے فلاں شخص پر سوال خلط ملط کر کے پیش کیا، یعنی پیچیدہ سوال کیا۔

مشقت میں ڈالنے کا کیا مطلب؟

اس کے تین مطالب ہیں۔

(۱) ایک مطلب یہ ہے جو عام مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وضاحت یوں بیان فرمائی۔

”لو شاء الله لجعل ما اصبتم من اموال اليتامى موبقا“

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا یعنی یتیموں کے مالوں کی وجہ سے تمہیں ہلاکت میں ڈالتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے یتیموں کے مالوں کے متعلق واضح طور پر بیان فرما کر تمہیں ہلاکت سے بچالیا۔

(۲) ”وقال عطاء ولو شاء الله لا دخل عليكم المشقة كما ادخلتم على انفسكم ولضيّق

الأمر عليكم في مخالطتهم“

عطاء کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا، یعنی جس طرح تم نے یتیموں کا مال علیحدہ کر دیا تھا، ان کا کھانا پینا جدا کر دیا تھا، تم نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دیا تھا، اللہ تعالیٰ تمہیں اسی مشقت میں مبتلا رکھتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں اصلاح کی غرض سے ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملانے کی اجازت فرما کر مشقت سے بچالیا۔

(۳) ”وقال الزجاج ولو شاء الله لكلفكم ما يشد عليكم“

زجاج نے یہ بیان کیا کہ ان الفاظ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم پر مشقت والے احکام نازل کرتا لیکن اس نے تمہاری آسانی کے لئے تم پر مشقت والے احکام نافذ نہیں فرمائے۔

(کبیر)

”ان اللہ عزیز“ بے شک اللہ غالب ہے ”حکیم“ حکمت والا ہے۔

”ان اللہ عزیز“ غالب یقدر علی الاعنات “ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے مشقت میں ڈالنے کی قدرت رکھتا ہے۔

”حکیم“ یحکم ما تقتضیہ الحکمة “ حکمت والا ہے اس لئے وہ اپنی حکمت کے مطابق حکم فرماتا ہے۔
یعنی وہ اپنی حکمت کے مطابق ہی تمہیں مشقت میں نہیں ڈالتا، ورنہ اس کی طاقت اور غلبہ کو دیکھا جائے تو وہ تمہیں مشقت میں ڈالتا۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

لفظ ”لو“ آتا ہے امتناع کے لئے، یعنی دوسرے کا امتناع اول کے امتناع کا سبب بنتا ہے۔ یا بقول ابن حجب اول کا امتناع سبب بنتا ہے ثانی کے امتناع کے لئے۔ مفصل بحث مختصر المعانی میں دیکھئے۔
اس ضابطہ کو مد نظر رکھتے ہوئے آیت کریمہ کی طرف توجہ فرمائیں، تو مطلب واضح ہو جائے گا۔
”ولو شاء اللہ لا عنتکم لکنہ غالباً لکنہ لم یشاء لکنہ حکیماً“
اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈالتا کیونکہ وہ غالب ہے، لیکن وہ نہیں چاہتا کیونکہ وہ حکیم ہے۔
(روح المعانی)

یعنی حکمت کے تقاضا کے مطابق اس کا تمہیں مشقت میں نہ ڈالنے کا ارادہ و مشیت سبب ہے، اس کا تمہیں حقیقت میں مشقت میں نہ ڈالنے کا باوجود اس کے کہ وہ ذات غالب ہے اور وسیع طاقت کا مالک ہے۔
فائدہ:

اس آیت کریمہ سے یہ مسئلہ بھی حاصل ہوا کہ تکلیف مالا یطاق ثابت نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کی

طاقت سے زائد تکلیف دے کر مشقت میں نہیں ڈالتا، یہی وجہ ہے کہ مریض کا بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنا صحیح ہے۔ اور دورانِ سفر یا حالتِ مرض کے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے کہ بعد میں قضا کر لے۔ (ماہودار کبیر)

یتیم پر رحم کرنا:

”و اعلم ان مخالطة الایتام من اخلاق الکرام وفي الترحم علیهم فوائد جمة“
 یتیموں کے مال اور ان کی ذاتوں کو اپنے ساتھ ملانا اخلاقِ کریمانہ کا ایک حصہ ہے اور ان پر رحم کرنے پر عظیم فوائد پائے گئے ہیں۔

☆ ”قال رسول الله ﷺ من وضع یدہ علی رأس یتیم ترحمنا علیہ کانت له بكل شعرة
 تمر علیها یدہ حسنة“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنا ہاتھ رحم کرتے ہوئے یتیم کے سر پر رکھا، اس کے ہاتھ کے نیچے یتیم کے جتنے بال آئیں گے، ہر بال کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے نیکی عطا فرمائے گا۔

☆ وفي الحديث (ثلاثة فی ظل عرش الله يوم القيامة امرات عسراء ورحمات وورک علیها
 ینامی صغارا فخطبت فلم تتزوج وقالت اقيم علی الیتامی حتی یغیهم الله اویسوت) یعنی
 الیتیم (اوہی ورجل له مال صنع طعاما فطاب صنیعہ و احسن نفقته فدا علیہ الیتیم
 والمسکین ، وواصل الرحم یوسع له فی رزقه ویمدله فی اجله ویكون تحت ظل عرشہ)
 حدیث شریف میں آتا ہے کہ تین شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے۔
 (ایک ان میں سے) وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور اس کے پاس چھوٹے یتیم بچے چھوڑ گیا
 ہو، اس عورت کو خطبہ کیا گیا (یعنی پیغام نکاح دیا گیا) تو اس نے نکاح نہ کیا، اور کہا میں یتیموں کی دیکھ
 بھال کروں گی، ان کی پرورش کروں گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے پرواہ کر دے یا (یتیم بچے
 یا بچی کی رضا، الہی سے) وفات ہو جائے۔

(دوسرا ان میں سے) وہ شخص جو مال دار اچھے طریقہ سے طعام تیار کرے، اچھی طرح نفقہ تیار کرے

اور پھر یتیموں اور مسکینوں کو دعوت دے (ان کو کھانا کھلائے)

(تیسرا ان میں سے) وہ شخص جو صلہ رحمی کرے اس کے رزق میں وسعت دی جاتی ہے اور اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور وہ اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔

”یا موسیٰ کن للیتیم کالاب الرحیم و کن للارامل کالزوج الشفیق و کن للغریب

کالاخل الرفیق اکن لک کذلک“

اے موسیٰ تم یتیموں کے لئے رحم کرنے والے باپ کی طرح ہو جاؤ، اور بیوہ عورتوں کے لئے شفیق زوج کی طرح ہو جاؤ، اور غریب کے لئے مہربان بھائی کی طرح ہو جاؤ، تو میں تمہارے لئے اسی طرح (رحیم و شفیق و رفیق) ہو جاؤں گا۔

”وفی الحدیث انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنة“

(نبی کریم ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) میں اور یتیم کا کفیل جنت میں ان دو (انگلیوں) کی طرح ہوں گے۔

یعنی یتیم کے مال اور جان کی حفاظت کرنے والے شخص کو جنت میں میرا قرب حاصل ہوگا اور وہ میرے سامنے ہوگا۔ حدیث پاک میں یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کو وہ درجہ حاصل ہوگا جو نبی کریم ﷺ کو حاصل ہوگا۔ حافظ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

تیمار غریباں سبب ذکر جمیل ست جانا مگر اس قاعدہ در شہر شام نیست

غریبوں کی تیمارداری اچھا ذکر ہے، اے پیارے مگر یہ قانون تمہارے شہر میں نہیں پایا جاتا۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مدہ بوسہ بروئے فرزند خویش

چو بنی تیمی سرا قلندہ پیش

بلرزد ہی چوں بگرید یتیم

الاتا نگرید کہ عرش عظیم

جب تو دیکھے کہ یتیم نے سر آگے جھکایا ہوا ہے۔ تو تو اپنے بیٹے کی رخساروں پر بوسہ نہ دے۔

ہاں کہیں یتیم رونہ پڑے، کیونکہ عرش عظیم۔ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے یتیم کے رونے سے۔

فائدہ: یتیم کو اس طرح ادب سکھائے جس طرح اپنے بچوں کو ادب سکھایا جاتا ہے، کیونکہ قیامت کے دن انسان سے یتیم کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ لہذا وہ اس کی اصلاح کی پوری کوشش کرے۔

”والتأديب على أنواع منها والوعيد ومنها الضرب ومنها جس المنافع والعطية والبر“
ادب سکھانے میں مختلف صورتوں پر عمل کرنے کی ضرورت درپیش آتی ہے، کبھی ڈرانے دھمکانے کی ضرورت ہوتی ہے، اور کبھی ہلکی مار اور سرزنش یعنی ایک یا دو تھپڑ مار دینا، اور اس سے منافع اور عطیات اور مہربانیوں کو روک کر اسے ادب سکھانے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے۔

”فان بين الناس تفاوتاً فنفس تخضع بالغلظة والشدّة ولو استعملت معها الرفق والبر لا فسد ها ونفس بالعكس“

لوگ چونکہ مختلف طبیعتوں کے مالک ہوتے ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں جو سختی اور شدت کی وجہ سے ہی سدھرتے ہیں اگر ان کے ساتھ نرمی کی جائے اور بھلائی کی جائے تو وہ بگڑ جاتے ہیں، اور کئی لوگ نرمی سے سنور جاتے ہیں۔

لہذا ہر انسان کے حال کو دیکھ کر اس کے مطابق تربیت کی جائے، ایسا نہ ہو کہ یتیم اگر سرزنش کے قابل تھا تو اس کی سرزنش نہ کر کے اسے بگاڑ دیا جائے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حدود کو جرائم کے مطابق رکھا، اور تعزیرات کو لوگوں کے مطابق رکھا، ایک قسم کا ہی جرم ہوتا ہے لیکن کسی شخص کو معمولی تعزیر سے تنبیہ حاصل ہو جاتی ہے اور کسی کو سخت تعزیر کی ضرورت درپیش آتی ہے۔

ادب سکھانے پر اجر حاصل ہوتا ہے۔

”فادب الاحرار الى السلطان وادب المالك والاولاد الى السادات والآباء وهو ما جور على التأديب ومسؤل عنه، قال الله تعالى ”قوا أنفسكم وأهليكم نارا“ وفي الحديث ”كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته“

آزاد انسانوں کا (عوام کا) ادب بادشاہ کے ذمہ ہے۔ اور غلاموں کو ادب سکھانا ان کے مالکوں کی ذمہ داری ہے۔ اور اولاد کو ادب سکھانا والدین پر لازم ہے۔ ہر شخص کو ادب سکھانے پر اجر حاصل ہوگا۔ اور ہر ذمہ دار سے ذمہ داری کے نبھانے کے متعلق سوال ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”قُواْ نَفْسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا“ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔ اور حدیث شریف میں ہے ”کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ“ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے (ہر شخص رعیت رکھتا ہے) اور تم سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔

فائدہ: ”وان تخالطوہم“ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے کھانے میں اور لوگوں یعنی مسکین، غریب، فقیہ کو ساتھ شریک کرے، کیونکہ اس میں برکت حاصل ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے۔ ”ان من احب الطعام الى الله ما كثرت عليه الايدى“
 بے شک اللہ کو محبوب طعام وہ ہے جس پر ہاتھ کثیر ہوں (یعنی جس میں زیادہ کھانے والے شریک ہوں)
 و ذکر فی المصابیح ان اصحاب النبی ﷺ، قالوا یا رسول اللہ ان نا کل ولا نشبع، قال
 (لعلکم تفرقون) قالوا نعم قال (فاجتمعوا علی طعامکم واذکروا اسم اللہ تعالیٰ)
 ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے،
 آپ نے فرمایا شاید تم علیحدہ علیحدہ کھانا کھاتے ہو گے۔ انہوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا مل کر
 کھانا کھایا کرو، اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھانا کھاؤ۔

یعنی کھانا کھانے سے بسم اللہ پڑھ لیا کرو اور اپنے کھانے میں غرباء و مساکین کو شریک کیا کرو۔

(روح البیان)

☆☆☆☆☆

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَ وَلَآئِمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِآذَنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۱)

﴿۱﴾

اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو، اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو، وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں۔

﴿۲﴾

اور نہ نکاح کرو تم شرک والی عورتوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور لونڈی ایمان والی بہتر ہے شرک والی عورت سے اگرچہ وہ تمہیں تعجب میں ڈالے، اور نہ دو مشرکوں کے نکاح میں یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور غلام مومن بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں تعجب میں ڈالے، وہ بلاتے ہیں آگ کی طرف، اور اللہ بلاتا ہے طرف جنت اور بخشش کے اپنے حکم سے، اور بیان کرتا ہے اپنی آیتیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

ما قبل سے تعلق:

اس سے پچھلی آیت میں یتیموں کو اپنے ساتھ ملانے کی اجازت فرمائی، جس کے مطالب میں ایک یہ بیان ہوا کہ تم ان کو اصلاح کی غرض سے اپنے نکاح میں لا سکتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں یہ واضح فرمایا کہ مومن مرد شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کریں، اگرچہ ان کا مال دولت اور حسن جمال اور حسب نسب تمہیں تعجب میں ڈالیں، ان سے بہتر ایمان والی لونڈی ہے۔ اگرچہ اس کے پاس مال و دولت نہ ہو جو تمہیں فریفتہ کر سکے۔ اسی طرح اپنی ایمان والی عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں نہ دو، اگرچہ وہ مشرک اپنے مال و دولت وغیرہ سے وہ تمہیں تعجب میں ڈالیں، پھر بھی ان سے نکاح نہ کر کے دو، ان سے تو مومن غلام بہتر ہیں۔ کفار و مشرکین تمہیں دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو واضح طور پر لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑ لیں۔ (از قرطبی)

نشان نزول:

(۱) ”روى السدى عن ابن عباس رضى الله عنهما ان هذه نزلت في عبد الله بن رواحة و كانت له امة سوداء وانه غضب فلطمها ثم انه فزع فأتى النبي ﷺ فاخبره خبرها فقال له النبي ﷺ ما هي يا عبد الله؟ فقال هي يا رسول الله تصوم وتصلى وتحسن الوضوء وتشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله فقال يا عبد الله هي مؤمنة قال عبد الله فوالذي بعثك بالحق نبيا لا عتقها ولا تزوجنها ففعل فطعن عليه ناس من المسلمين فقالوا انكح امة و كانوا يريدون ان ينكحوا الى المشركين وينكحوا هم رغبة في انسابهم فانزل الله تعالى“

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ عبد اللہ بن رواحہ کے حق میں نازل ہوئی، ان کی ایک لونڈی تھی جو سیاہ رنگ کی (جشیہ) تھی۔ ایک مرتبہ اس لونڈی پر انہیں غصہ آ گیا تو اسے

تھپڑ مار دیا، پھر وہ گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئے۔ تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اور لو
نڈی کے متعلق خبر دی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ابو عبد اللہ وہ کیسے ہے (یعنی ایمان والی ہے یا کافر
ہے) عبد اللہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ روزے رکھتی ہے اور نماز ادا کرتی ہے اور اچھی طرح وضو کرتی
ہے اور شہادت دیتی ہے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں، اور شہادت دیتی ہے کہ بیشک آپ اللہ کے
رسول ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا اے عبد اللہ وہ مومنہ ہے۔ عبد اللہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی
جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر مبعوث فرمایا میں اس کو ضرور آزاد کروں گا، اور اس سے ضرور نکاح
کر لوں گا، تو انہوں نے ایسا ہی کیا، مسلمان لوگوں نے طعنہ دیا کہ اس شخص نے اپنی لونڈی سے
نکاح کر لیا ہے، کیونکہ وہ لوگ زمانہ جاہلیت کے قریب ہونے کی وجہ سے مشرکوں سے حسب
ونسب کی وجہ سے نکاح کرنے میں رغبت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما کر
عبد اللہ بن رواحہ کی تائید فرمائی اور باقی لوگوں کا رد کیا۔
(روح المعانی)

(۲) شان نزول کی دوسری وجہ۔

”اخرج ابن ابی حاتم وابن المنذر عن مقاتل بن حبان قال نزلت هذه الآية في ابی
مرثد الغنوی استأذن النبی ﷺ فی عناق ان یتز وجها وکانت ذاحظ من جمال وھی
مشرکة و ابو مرثد یومئذ مسلم فقال یا رسول الله انها تعجبنی فانزل الله ولا تنکحوا
المشرکات الخ“

نبی کریم ﷺ نے بنو ہاشم کے حلیف مرشد بن ابی مرشد غنوی کو مکہ میں بھیجا تا کہ وہ مسلمان قیدیوں کو
وہاں سے نکال کر لے آئے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں آئے تو ان سے ایک عورت عناق (نام ہے)
نے ملاقات کی۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا تعلق عناق سے تھا، اس نے ان سے خلوت چاہی، لیکن
انہوں نے کہا کہ اب میرے اور تمہارے درمیان اسلام حائل ہو گیا ہے، میں حرام کام کا مرتکب
نہیں ہو سکتا۔

اس نے کہا تم میرے ساتھ نکاح ہی کرلو، انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے نکاح کرلوں گا، لیکن پہلے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کروں گا، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی، وہ بہت خوبصورت تھی، لیکن مشرکہ تھی اور مرعہ مسلمان تھے، عرض کیا یا رسول اللہ وہ مجھے بہت تعجب میں ڈالتی یعنی میرے دل کو بھاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ کو نازل فرمایا کہ شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو، اگرچہ وہ تمہیں بھلی لگتی ہوں، لیکن شرک کی وجہ سے وہ نجس (ناپاک) ہیں۔
(از درمنثور وروح المعانی)

دوسری وجہ پر گرفت:

”وتعقب ذلك السيوطي بان هذا ليس سببا لنزول هذه الآية وانما هو سبب في نزول آية النور (الزاني لا ينكح الا زانية او مشركة) (روح المعاني)
علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس دوسری وجہ شان نزول پر گرفت فرمائی کہ یہ واقع اس آیہ کریمہ کا شان نزول نہیں بلکہ سورہ نور کی آیہ ”الزاني لا ينكح الا زانية او مشركة“ کا شان نزول ہے۔

راقم کا محاکمہ:

جب اکثر مفسرین کرام نے شان نزول میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے تو رد کرنے کی بجائے اگریوں کہہ دیا جائے، کہ دونوں واقعات کے درپیش آنے کے بعد اس آیہ کریمہ کا نزول ہوا اور سورہ نور کی آیت کا بھی نزول ہوا، تو اس وجہ تطبیق میں کوئی مشکل نہیں، لہذا یہ قول راقم کے نزدیک بہتر ہے کہ اقوال کو جمع کیا جائے، کسی کو رد نہ کیا جائے۔

اہل کتاب عورتوں سے نکاح کا حکم:

اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے، اس مسئلہ میں اتفاق ہے۔ البتہ اس آیہ کریمہ کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ.....

”حرم الله نکاح المشرکات فی سورة البقرة ثم نسخ من هذه الجملة نساء اهل الكتاب فاحلھن فی سورة المائدة“

..... اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں تمام مشرکات سے نکاح کرنے سے منع فرمایا، اس ممانعت میں اہل کتاب عورتیں بھی شامل تھیں۔ لیکن.....

”والمحصنات من الذین او تو الکتاب من قبلکم“

..... سے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی حرمت کو منسوخ قرار دیا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے۔ ”ولم يتناول العموم قط کتابیات“ کہ اس آیہ کریمہ کا عموم کتابیات کو شامل ہی نہیں۔ اگرچہ ان پر کفر و شرک کا اطلاق ہو سکتا ہے، لیکن عرف عام میں ان پر کفر و شرک کا اطلاق نہیں تھا، بلکہ ان کو اہل کتاب ہی کہا جاتا تھا۔ اس طرح یہ آیہ کریمہ کتابیات سے نکاح کرنے کی حرمت کو شامل ہی نہیں۔ البتہ دوسری آیہ ”والمحصنات الخ“ سے اس کی مزید وضاحت کر دی گئی۔ (ادھر طبی)

کتابیات سے نکاح کرنا صحابہ کرام نے ناپسند فرمایا:

”وروی عن حذیفۃ ایضا انه تزوج یهودیۃ و کتب الیہ عمر ان حل سبیلھا فکتب الیہ حذیفۃ احرام ہی فکتب الیہ عمر لا ولكن اخاف ان تو اقعوا المومسات منھن“ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک یہودیہ سے نکاح کر لیا۔ ان کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ تم اس عورت کا راستہ چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف لکھا کیا وہ حرام ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا وہ حرام تو نہیں لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم فاحشہ، فاجرہ عورت سے جماع کرو گے۔ (احکام القرآن للحصص)

سبحان اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد جگمگا رہا ہے۔ یہودیہ اور نصرانیہ فاحشہ، فاسقہ اور فاجرہ ہیں، خصوصاً ان کے اثرات اولاد پر پڑتے ہیں، اولاد میں یہودیت و نصرانیت کا رنگ نظر آئے گا۔ اولاد بھی ماں کی طرح بے حیاء اور بے شرم نظر آئے گی۔

☆ ”ان طلحة نکح نصرانیة وحذیفة یهودیة فغضب عمر رضی اللہ عنہ علیہما غضبا شدیداً فقال لا نحن نطلق یا امیر المؤمنین فلا تغضب فقال ان حل طلاقهن فقد حل نکاحهن ولكن انتزعهن منکم“

حضرت طلحہ نے ایک نصرانیہ سے نکاح کر لیا اور حذیفہ نے یہودیہ سے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے بہت غصہ کیا، ان دونوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ غصہ نہ فرمائیں، ناراض نہ ہوں ہم طلاق دے دیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا جب ان کو طلاق دینا جائز ہے تو ان سے نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن میں تم سے ان کو جدا کروں گا۔ (از کبیر بتصرف)

مطلب واضح ہے کہ یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح جائز ہونے کے باوجود مسلمان کی زندگی پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ کوئی مسلمان اپنے نکاح میں یہودیہ اور نصرانیہ کو نہ لائے، اگر کسی یہودیہ یا نصرانیہ کو لائے تو اسے جدا کر دے تاکہ وہ شخص اور اس کی اولاد بے دینی اور بے حیائی سے محفوظ رہے۔

☆ ”عن مجاهد عن ابن عباس قال لا تحل نساء اهل الكتاب اذا كانوا احرباً“

(احکام القرآن للجصاص)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جبکہ وہ دار حرب کی ہوں۔

☆ ”وقد روی عن علی انه کره نساء اهل الحرب من اهل الكتاب“

(احکام القرآن للجصاص)

حضرت علی رضی اللہ عنہ دار حرب کی کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔

ان دونوں حضرات (حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم) کے قول کے مطابق صرف دار اسلام میں رہنے

والی کتابیات (یعنی ذمیہ کتابیات) سے نکاح جائز ہے۔ دار حرب کی کتابیات سے جائز نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا سخت موقف:

”عن الیث قال حدثنی نافع عن ابن عمر انه كان اذا سئل عن نکاح اليهودیة والنصرانیة قال ان الله حرم المشرکات علی المسلمین قال فلا اعلم من الشرک شیاً اکبر او قال اعظم من ان تقول ربها عیسی او عبد من عباد الله“

(احکام القرآن للحصاص)

نافع کہتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے شرکات سے نکاح کرنا مسلمانوں کے لئے حرام کر دیا، مجھے معلوم نہیں کہ شرک سے بڑا اور گناہ کیا ہوگا کہ وہ عورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا رب کہہ رہی ہے یا اللہ کے بندوں میں سے کسی بندے کو اپنا رب کہہ رہی ہے۔ یعنی حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ رہی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف یہ تھا کہ رب تعالیٰ نے جب مشرکوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا تو جبکہ یہود و نصاریٰ میں بھی عقائد شرکیہ پائے گئے ہیں، تو ان سے نکاح کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حضرت ابن عمر کتابیات سے نکاح کرنے کو جواز مانتے ہوئے بھی سخت موقف رکھتے تھے کہ جب ان کے عقائد شرکیہ ہیں تو ان سے نکاح ہرگز نہ کیا جائے۔

کفر و شرک میں فرق:

شُرک خاص ہے اور کفر عام ہے۔ شرک کا مطلب یہ ہے کہ مجوسیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے غیر کو واجب الوجود سمجھ کر اس میں الوہیت ثابت کرنا، یا بت پرستوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے غیر کو مستحق عبادت سمجھنا اور اسے معبود کہنا۔

کفر ضروریات دین کا انکار کرنا، جیسا کہ قرآن پاک کا انکار کرنا، انبیاء کرام کا انکار کرنا، آسمانی کتابوں کا

انکار کرنا، فرشتوں کا انکار کرنا، قیامت کا انکار کرنا، فرائض کی فرضیت کا انکار کرنا، محرمات کی حرمت کا انکار کرنا، دینی شعار کا مزاح اڑانا، خیال رہے کہ مستحب چیزوں کا مزاح اڑانا بھی کفر ہے۔

نتیجہ واضح ہوا کہ ہر شرک کفر ہے، لیکن ہر کفر شرک نہیں، البتہ مجازی طور پر کفر پر شرک کا اطلاق بھی ہوتا رہتا ہے۔

آیہ کریمہ میں محققین کا موقف:

زیر بحث آیہ کریمہ میں زیادہ اہل تحقیق کا موقف یہ ہے کہ ”ولاتنکحوا المشرکات“ میں حکم عام ہے، کسی مشرکہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں، اور کسی کافر سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہاں مشرکات کا اطلاق کافرات پر بھی ہے۔

”والا کثرون من العلماء علی لفظ ”المشرک“ یندرج فیہ الکفار من اهل الکتاب وهو المختار“

اکثر علماء کرام کا قول یہ ہے کہ ”مشرک“ کے لفظ میں اہل کتاب کے کفار بھی مندرج ہیں، یہی قول مختار ہے۔ اس قول کے مختار ہونے پر چند وجوہ دلالت کر رہی ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ”وقالت اليهود عزیر ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله“ اور یہود نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

پھر اس آیہ کریمہ کے آخر میں ذکر فرمایا ”سبحانه عما یشرکون“ (پاک ہے وہ ذات اس سے جو شرک ٹھہراتے ہیں)

”وهذه الآية صریحة فی ان اليهودی والنصرانی مشرک“

یہ آیت واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ یہودی اور نصرانی کو بھی مشرک کہا گیا ہے۔

(۲) رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء“

بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں فرمائے گا اور اس کے بغیر جس کی چاہے مغفرت کر دے۔

اگر یہودیوں اور نصرانیوں کو مشرک کہنا صحیح نہ ہو تو اس آیت کریمہ سے یہ سمجھ آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو یہودیوں اور نصرانیوں کی بھی مغفرت فرما دے۔ ”ولما کان ذلک باطلا علمنا ان کفرهما شرک“ حالانکہ یہ نظریہ باطل ہے تو اسی سے واضح ہو گیا کہ یہود و نصاریٰ کا کفر شرک بھی ہے۔

(۳) رب تعالیٰ نے فرمایا ”لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث ثلاثة“

تحقیق وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے کہا اللہ تین میں سے ایک ہے۔

”وقول با ثبات الالهة فکانوا مشرکین“ وہ متعدد خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہوئے۔

(۴) نبی کریم ﷺ نے عام کافروں کو مشرک کہا، ارشاد فرمایا۔

”واذالقیتم عدوا من المشرکین فادعهم الی الاسلام“

جب تم مشرکین دشمنوں کی جماعت سے ملو (یعنی جہاد میں ان سے تمہارا آنا سا منا ہو) تو ان کو پہلے

دعوت اسلام دو۔

اس سے مراد تمام کفار ہیں۔

(۵) ابو بکر اصم رحمہ اللہ نبی کریم ﷺ کے معجزات کے انکار کرنے والے کو بھی مشرک کہتے تھے۔ (ماخوذ از کبیر)

تنبیہ شدید:

”عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه عن رسول الله ﷺ نتزوج نساء اهل الكتاب ولا

یتزوجون نساءنا“

(کبیر)

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہم اہل کتاب کی عورتوں سے

نکاح کر سکتے ہیں لیکن وہ ہماری عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے۔

اس لئے واضح ہوا کہ کوئی عورت کسی یہودی یا نصرانی سے نکاح نہیں کر سکتی، نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہودیوں اور

نصرانیوں کے یاروں نام نہاد مسلمانوں کے منہ پر زور دار طمانچہ ہے، جو مردوں اور عورتوں کی برابری کے قائل ہیں۔

شریعت کے باغی درحقیقت بے حیا ہیں۔

مشرکین کے ایمان لانے پر ان سے نکاح جائز ہے:

شُرک والی عورتیں ایمان لے آئیں تو ان سے نکاح مسلمان مردوں کا جائز ہے۔ اور مشرک مرد ایمان لے آئیں تو ان سے مسلمان عورتوں کا نکاح جائز ہے۔

ایمان جو معتبر ہے ”الاقرار بالشهدادة والتزام احکام الاسلام“ زبان سے کلمہ شہادت پڑھنا اور رب تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرنا اور اسلام کے احکام پر عمل کرنا۔ شریعت ظاہر کو دیکھ کر مسلمان کہے گی، دل کا اعتقاد رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (از کبیر)

لونڈی سے نکاح کرنا:

انسان اپنی ہی مملوکہ لونڈی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر اپنی ہی لونڈی سے جماع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے تمام جسم کا مالک ہے۔ حالانکہ اپنی زوجہ کے فقط فرج کا مالک ہے، جب اپنی زوجہ سے جماع کرنا جائز ہے تو اپنی مملوکہ لونڈی سے جماع کرنا بھی جائز ہے۔

اگر مالک اپنی لونڈی سے جماع کرے، اس کی اولاد پیدا ہو جائے، مالک تسلیم کرے کہ یہ میری ہی اولاد ہے، تو وہ اولاد آزاد ہوگی، اور وہ لونڈی ”ام ولد“ کہلائے گی۔ مالک کی موت پر وہ بھی آزاد ہو جائے گی۔

کسی اور کی لونڈی سے نکاح جائز ہے، جب مالک نے اسے نکاح کرنے کی اجازت دی ہو، لیکن اگر مالک اجازت نہ دے تو لونڈی خود کسی سے نکاح نہیں کر سکتی، لونڈی کی اولاد غلامیت میں ماں کے تابع ہوگی، یعنی لونڈی جس کا نکاح اس کے مالک نے کسی آزاد شخص سے کیا ہو لیکن اس لونڈی کی اولاد بھی لونڈی کے مالک کی غلام ہوگی۔

غلام سے نکاح کرنا:

مالک اپنے ہی غلام سے نہ نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی اس سے جماع کر سکتی ہے۔ البتہ غلام کا مالک غلام کو

(از کتب فقہ)

نکاح کرنے کی اجازت دے تو وہ نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ: اس زمانہ میں انگریز عورتیں جو دہریے ہو کر خدا کی ذات اور انجیل شریف اور عیسیٰ مایہ السلام کے منکر ہو چکے ہیں ان سے نکاح جائز نہیں، کیونکہ یہ عیسائی نہیں بلکہ دہریے ہیں، مسلمان سخت غلطی کرتے ہیں کہ بے تحقیق ولایت سے میمیں بیاہ لاتے ہیں، مجھ سے ایک عیسائی پادری نے جس کا نام پادری ایم سکاٹ تھا بیان کیا کہ عام انگریز قومی عیسائی رہ گئے ہیں، دینی عیسائی نہیں، یہ حضرت مسیح اور انجیل بلکہ رب کے منکر ہو چکے ہیں۔ (نئی)

مسئلہ: جس کی بیوی عیسائی یا یہود یا بودہ اپنے بچوں کی پرورش ماں سے نہ کرائے، بلکہ ان کے ہوش سنبھالتے ہی انہیں ماں سے الگ کر دے، ورنہ بچوں کے ایمان کا اندیشہ ہے۔ (نئی)

جیسا کہ مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ نے بیان فرمایا، یہی موقف خواجہ قمر الاسلام حضرت قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کا تھا کہ آج کل کے اہل کتاب دہریے ہیں ان سے نکاح نہ کیا جائے۔

مسئلہ: میاں بیوی کافر تھے، ان کا نکاح کفر میں ہوا تھا، مسلمان ہونے پر ان کو پہلے ہی نکاح پر قائم رہنے دیا جائے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ: مجوسی (آگ پرست) شخص نے اپنے مذہب کے مطابق اپنی ماں یا بیٹی سے نکاح کیا ہوا تھا، پھر ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا، تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ (ہدایہ)

مسئلہ: اگر خاوند مسلمان ہو اور عورت اہل کتاب سے ہو تو نابالغ اولاد باپ کے تابع ہوگی۔ البتہ بالغ اولاد جس دین کو اختیار کرے گی وہی اس کا دین ہوگا۔ (ارہدایہ)

مسئلہ: میاں بیوی دونوں کافر تھے، عورت نے اسلام قبول کر لیا تو مرد پر اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کی زوجہ اس کے نکاح میں رہے گی، اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے، یہ تفریق طلاق ہوگی۔

اگر خاوند نے پہلے اسلام قبول کر لیا تو زوجہ پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اسلام لے آئے تو ان کا نکاح برقرار رہے گا، اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے یہ تفریق طلاق نہیں ہوگی، بلکہ نکاح فسخ ہوگا۔ (ہدایہ)

مسئلہ ۴: میاں بیوی مسلمان تھے، العیاذ باللہ کوئی ایک ان سے کافر ہو جائے (مرتد ہو جائے) تو ان کا نکاح ختم ہو جائے گا۔
(ہدایہ)

مسئلہ ۵: اگر دونوں ایک ساتھ ہی مرتد ہو گئے، لیکن پھر دونوں ایک ساتھ ہی اسلام کی طرف لوٹ آئے، تو ان کا نکاح برقرار رہے گا۔ اور اگر کوئی ایک پہلے اسلام کی طرف لوٹ آئے تو نکاح فاسد ہوگا۔
(از ہدایہ)

کفار اور مشرکین کا تعجب میں ڈالنے کا کیا مطلب؟

”ولو اعجبتم بحسنها و مالها و حریتها و نسبها“

اگرچہ شرکت اپنے حسب جمال اور مال دولت اور اپنی حریت (آزادی) اور حسب نسب کی وجہ سے تمہیں تعجب میں ہی کیوں نہ ڈالیں، بے شک وہ تمہارے دل میں بھاتی ہوں، لیکن شرکت سے تم نکاح نہ کرو، بلکہ ان سے بہتر مومنہ لونڈی ہے، اس لئے کہ ایمان ہوگا تب ہی دین حاصل ہوگا، اور ایمان و دین کے ہوتے ہی مال و نسب بھی معتبر ہوگا ورنہ اس نسب و مال کا کوئی فائدہ نہیں، جو مشرکین و شرکت کو حاصل ہے۔

”فعند التوافق فی الدین تکمل المحبة فتکمل منافع الدین و الدنیا“

جب دونوں میاں بیوی کا دین ایک ہوگا یعنی دونوں مومن ہوں گے تو ان میں کامل محبت ہوگی، جب کامل محبت ہوگی تو وہ دونوں دین داری میں کامل ہوں گے، ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نیکی کے کام کریں گے۔ جب ان دونوں کے درمیان کامل محبت ہوگی کھچا تانی نہیں ہوگی تو ان کو صحت حاصل ہوگی، ان کا مال محفوظ رہے گا اور ان کی اولاد کی تربیت اچھی ہوگی۔

”وعند الاختلاف فی الدین لا تحصل المحبة“

جب زوجین دین میں مختلف ہوں تو ان میں محبت نہیں ہو سکتی، جب محبت نہیں ہوگی تو محبت پر مرتب ہونے والے منافع بھی حاصل نہیں ہوں گے، اس لئے شرکت سے نکاح حرام کر دیا گیا ہے۔ اور کتابیات سے نکاح جائز ہونے کے باوجود بہتر نہ ہونے کا حکم نافذ کر دیا گیا۔

”ولو اعجبکم“: کا بھی یہی مطلب ہے کہ مشرک اپنے مال و دولت اور حسن و جمال وغیرہ سے اگرچہ

تمہیں تعجب میں ہی کیوں نہ ڈالے، اپنی عورتوں (بیٹیوں، بہنوں وغیرہ) کو ان کے نکاح میں نہ دو۔

سب سے بڑا نقصان:

مسلمان غیر مسلم عورت سے نکاح کرے تو اسے اپنا ایمان محفوظ رکھنا بھی ممکن نہیں، اولاد کے ایمان دار ہونے یا نیک ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

”ولو اعجبکم“ اسی طرح ”ولو اعجبکم“ میں دو ترکیبیں پائی گئی ہیں۔

ایک یہ ہے کہ ”واؤ حالیہ ہو“ اور اس کا عطف مقدر عبارت پر ہو۔ حاصل عبارت یہ ہو۔

”والامة مومنة خیر من مشرکة علی کل حال ولو فی هذه الحالة“

ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے ہر حال میں بہتر ہے، خواہ وہ مشرکہ تمہیں تعجب میں ہی کیوں نہ ڈالے۔

دوسری ترکیب جو تفسیر کو اشی نے بیان کیا ہے، وہ ایک قانون بیان کی ہے (جو راقم کے نزدیک زیادہ بہتر ہے)

لفظ ”لو“ یہاں ”ان“ کے معنی میں ہے، اور واؤ وصل کے لئے ہے، یعنی ”ان وصلیہ“ والا معنی ہوگا۔ جس

کا معنی ہوتا ہے ”اگرچہ“

قانون یہ ہے کہ ”لو“ کے بعد جب ماضی ہو تو وہ ”ان وصلیہ“ کے معنی میں ہوگا، اور جواب اس کا

مقدم ہوگا۔ اب تقدیر عبارت یہ ہے۔

”وان كانت المشرکة تعجبکم وتحبونها فان المومنة خیر لکم“

اگرچہ مشرکہ تمہیں تعجب میں ڈالے، اور تم اسے پسند کرو، بے شک اس سے ایمان والی لونڈی

تمہارے لئے بہتر ہے۔

(روح البیان)

تاہم یہ خیال رہے یہ قاعدہ اکثر یہ ہے کلیہ نہیں۔ کیونکہ ”لو کان فیہما آلہة الا اللہ لفسدنا“ میں ”لو“ کے بعد ماضی ہے لیکن ”لو“ امتناعیہ ہے۔

زمحشری معترلی کی خوبصورت عبارت:

”لا ترضی لمجالستک الا اہل مجانستک“ تم اپنی ہم نشینی کے لئے سوائے اپنی ہم جنس کے کسی اور کو پسند نہ کرو۔ حقیقت یہی ہے۔

جنس باجنس کند پرواز کبوتر با کبوتر باز باباز

جنس جنس کے ساتھ پرواز کرتی ہے۔ کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے ساتھ۔

آجکل یہی جھگڑا اور فساد ہے، یہود و نصاریٰ کے یار لوگ نام نہاد مسلمان چاہتے ہیں علماء بھی ہماری طرح ہو جائیں۔ لیکن علماء کرام بھی نامساعد حالات میں اسلام کے باغیوں کا ہمت و جرات سے مقابلہ کر رہے ہیں کہ اے یہود و نصاریٰ کے یارو! ہم سے یہ توقع چھوڑ دو کہ ہم بھی تمہاری طرح ہو جائیں۔

”اولئک یدعون الی النار“:

اس مقام میں ”اولئک“ کا اشارہ مشرکین اور مشرکات کی طرف ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ مشرکین ایسے اعمال کی طرف بلاتے ہیں جو تمہارے لئے آگ میں جانے کا ذریعہ ہیں۔

”فان صحبتہم و معاشرتہم توجب الانحطاط فی کثیر من ہواہم مع تربیتہم النسل“

اگر تم نے مشرکین سے نکاح کے معاملات طے کئے، ان سے میل جول رکھا، ان سے رہن بہن

رکھا تو وہ تمہیں غلط خواہشات میں مبتلا کر کے پستی کی طرف دھکیل دیں گے۔ اور وہ تمہاری نسل کی

غلط تربیت کر کے تمہاری دنیا اور تمہارا دین برباد کر دیں گے۔

”واللہ یدعو الی الجنة والمغفرة“: ”ای الی عمل اہل الجنة“

اور اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے اعمال کی دعوت دیتا ہے جو تمہاری مغفرت کا ذریعہ ہے اور تمہیں جنت میں لے جانے والے ہیں۔

”باذنہ“: ”ای بامرہ“ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حکم، اپنی توفیق سے جنت و مغفرت کی دعوت دیتا ہے، اور تمہارے لئے نیک اعمال کے ذریعے جنت میں جانا آسان فرماتا ہے۔
(قرطبی)

مقام توجہ:

”واللہ یدعو“ میں حذف مضاف بھی مانا گیا، جس کے مطابق معنی یہ بھی کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ولی یعنی اللہ والے تمہیں مغفرت اور جنت کی طرف اللہ کے حکم اور اس کی توفیق سے بلاتے ہیں۔

اس معنی کے مطابق علامہ رازی رحمہ اللہ کی خوبصورت عبارت دیکھی جائے۔ آپ رقمطراز ہیں۔
”اعداء اللہ یدعون الی النار، واولیاء اللہ یدعون الی الجنة والمغفرة، فلا جرم یجب علی العاقل ان لا یدور حول المشرکات اللواتی هن اعداء اللہ تعالیٰ وان ینکح المؤمنات فانھن یدعون الی الجنة والمغفرة“

اللہ کے دشمن آگ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ کے دوست مغفرت اور جنت کی طرف بلاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ عقل مند شخص مشرکات کے ارد گرد نہ پھرے، وہ اللہ کی دشمن ہیں، وہ آگ کی طرف لے جائیں گی، بلکہ ایمان والی عورتوں سے نکاح کرے، خواہ وہ لونڈیاں ہی کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ وہ جنت و مغفرت کی طرف بلاتی ہیں۔

سب سے بڑی خرابی:

”انھم یدعون الی ترک المحاربة والقتال وفی ترکھما وجوب استحقاق النار والعذاب“
(کبیر)

بیشک مشرکین تمہیں جہاد سے روکیں گے۔

ہندو، مسلم، عیسائی

ہیں۔ سب بھائی بھائی

کا تصور تمہیں دیں گے، جب تم نے اس نعرہ کو قبول کر لیا تو تم اس آگ کے مستحق ہو جاؤ گے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایمان والی آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو، یعنی اس کا مہر اور نفقہ ادا کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو تو وہ ایمان والی لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔

”وَبَيِّنَ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ“:

اور وہ بیان کرتا ہے اپنی آیتیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے جو آیات اعلیٰ احکام پر مشتمل ہیں۔ اور عمدہ حکم ان میں پائے جاتے ہیں، تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں، اور ایسے اعمال کریں جو ان کی کامیابی کا ذریعہ ہوں اور جنت و مغفرت کی طرف وہ اعمال ان کو لے جائیں۔

(تفسیر ابی السعود)

شادی کرنے کے لئے صرف دین دار عورت کا انتخاب کیا جائے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”تَكُح الْمَرْأَةُ لِرَبِّعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسْبِهَا وَلِحِمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَظَفَرُ بَذَاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب النکاح)

یذاک“

عام طور پر عورت سے نکاح چار چیزوں کو دیکھ کر کیا جاتا ہے اس کا مال، اور اس کی خاندانی شہرت،

اور اس کی خوبصورتی اور اس کی دینداری کو دیکھا جاتا ہے لیکن تم صرف دیندار عورت کو اپنے پاس

لانے میں کامیابی حاصل کرو، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

وضاحت حدیث:

حدیث پاک میں جو لفظ ”تربت یداک“ استعمال ہوا ہے، یہ کبھی تو بددعاء کے لئے بھی اہل عرب استعمال کرتے ہیں ”کہ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں، یعنی تم ذلیل ہو جاؤ“

اگر ان الفاظ کا یہاں یہی معنی لیا جائے تو عبارت محذوف ہوگی، اصل عبارت اس طرح بن سکے گی۔

”صرت محروما من الخیر ان لم تفعل ما امرتک“

تم بھلائی سے محروم ہو جاؤ گے اگر تم نے میرے حکم کے مطابق عمل نہ کیا۔

یعنی اگر تم نے دیندار عورت کا انتخاب نہ کیا بلکہ صرف خوبصورت کو تلاش کرتے رہے تو تمہیں دین کی بھلائی حاصل نہیں ہو سکے گی۔

اور کبھی اہل عرب اس لفظ کو ایک محاورہ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں جس طرح ہم بھی اپنے محاورہ میں ”خاک چھاننے“ کا مطلب ”محنت و مشقت کرنا“ لیتے ہیں، ایسے ہی اہل عرب ”تربت یداک“ کا معنی محنت کرنا، مشقت کرنا، تلاش کرنا لیتے ہیں۔ یعنی تم دیندار عورت کو ہی تلاش کرو، اگرچہ تمہیں اس کے لئے کتنی خاک کیوں نہ چھانی پڑے۔

”ذات الدین“ سے مراد وہ عورت ہے جو مسلمان ہو اور نیک پرہیزگار ہو اور دیندار خاندان کی ہو۔

☆ ”قال ابن الہمام اذا لم يتزوج المرأة الا لعزها او مالها او حسبها فهو ممنوع شرعا“

قال ابن تيمية من تزوج امرأة لعزها لم يزد الله الا ذلًا ومن تزوجها لمالها لم يزد الله الا فقرًا

ومن تزوجها لحسبها لم يزد الله الا دناءة ومن تزوج امرأة لم يرد بها الا يغص بصره و

يحصن فرجه او يصل رحمه بآرك الله له فيها وبارك لها فيه“

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت ابن ہمام رحمہ اللہ صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ صرف مال، عزت اور دنیاوی شہرت کو دیکھ

کر نکاح کرنا منع ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے (دنیاوی) عزت کے پیش نظر کسی عورت سے نکاح کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوائے ذلت کے اضافہ کے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اور اگر کسی شخص نے صرف عورت کا مال دیکھ کر نکاح کیا تو اللہ کی طرف سے سوائے غربت کے اضافہ کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اگر کسی شخص نے صرف خاندانی شہرت کی وجہ سے کسی عورت سے نکاح کیا تو اسے سوائے کمینگی اور گتھیا پن کے اضافہ کے اللہ تعالیٰ کچھ عطا نہیں کرے گا، اور جو شخص کسی عورت سے نکاح پاکدامنی اور فرج کی حفاظت اور صلہ رحمی کے لئے کرتا ہے، یعنی اپنی رشتہ دار عورت سے صلہ رحمی کا ثواب بھی ملے گا، تو ایسے نکاح میں اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کو برکت عطا فرمائے گا۔

اصل مقصد دینداری ہو، اگر دیندار عورت کو جمال، مال اور خاندانی شہرت بھی حاصل ہو تو ایک عظیم نعمت ہوگی۔

”وقال لا تتزوجوا النساء لحسنهن فعسى حسنهن ان يرديهن ولا تتزوجوهن لمالهن فعسى اموالهن ان تطغيهن ولكن تزوجوهن على الدين ولامه خرماء سوداء ذات دين افضل“
(رواہ ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا عورتوں سے صرف ان کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو، ہو سکتا ہے حسن ہی ان کی بربادی کا سبب بنے۔ اور صرف ان کے مال کی وجہ سے نکاح نہ کرو، ہو سکتا ہے ان کا مال ان کو سرکش بنادے، لیکن ان کی دینداری دیکھ کر ان سے نکاح کرو۔ اگر کوئی لونڈی سیاہ رنگ والی ہو اور اس کا کان بھی کٹا ہوا ہو لیکن وہ دیندار ہو تو اس سے نکاح کرنا افضل ہے۔

حسب سے مراد کیا ہے؟

حسب (بفتح ح) کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان میں اس کے آباء و اجداد میں اچھی عادات کی شہرت ہو۔

لیکن یہ خیال رہے کہ صرف دنیا داری کے لحاظ سے اچھی عادات اور اچھے خاندان کو دیکھنا شریعت میں کوئی پسندیدہ فعل نہیں، بلکہ دینداری کی اچھی شہرت تقویٰ ہے، جو شریعت میں پسند ہے۔

(وضاحت حدیث ماخوذ از مرقاة جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۱۸۸)

ضروری ہدایت:

اپنی بچیوں کے لئے خوش اخلاق، تندرست، کمانے والے، دیندار خاوند تلاش کرو، صرف مال دیکھ کر لڑکی نہ دے دو، ورنہ بعد میں سخت پریشانی اٹھانا پڑے گی، بچہ کا پہلا اسکول ماں، باپ کی گود ہے، آوارہ، بد اخلاق ماں، باپ کی اولاد بھی آوارہ ہی ہوتی ہے۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا جیسی ماں ہو تو حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما جیسے فرزند ہوتے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے بے حجاب پھرنے والی لڑکیوں کو خطاب کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا۔

اگر پندے ز درویشے پذیری، جہاں میرد تو نمیری

بتولے باش پنہاں شوازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

(۱) اگر تو درویش کی نصیحت قبول کر لے، تو جہاں مرجائے گا لیکن تو نہیں مرے گی۔ یعنی نیکیوں کی وجہ سے تیرا نام زندہ رہے گا تجھے حیات جاودانی حاصل ہوگی۔

(۲) بتول بن کر رہ، اس زمانے سے پوشیدہ ہو جا، تاکہ تو اپنی آغوش میں شبیر یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ جیسا فرزند لائے۔

یعنی تو بے حجاب ہو کر گلی کوچوں میں گشت نہ کر، بازاروں کی رونق نہ بن، اجنبی مردوں کے لئے شمع محفل نہ بن، بلکہ حضرت بتول یعنی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا جیسی شرم و حیا کا پیکر بن جا، پھر تیرے فرزند بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح بہادر، حق و صداقت پر قائم رہنے والے، باطل سے ٹکر لینے والے، ظالموں کے پہاڑوں، چٹانوں جیسے لشکروں سے نیچہ آزمائی کر کے پاش پاش کر دیں گے۔

حضور ﷺ نے اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے مسکین کو منتخب فرمایا، جن کے گھر میں بجائے دولت کے اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی تھا، مگر ان کا سینہ دولت ایمان سے مالا مال تھا۔

نیز حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی صفورا کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو منتخب کیا جن کے پاس اس وقت نہ گھر تھا نہ در۔ پر دیسی مسافر تھے، صرف دین اور قوت ایمانی کو دیکھا تھا۔

گھر میں ایسی بہولائیں جو قرآن، مصلیٰ اور تسبیح لائیں تاکہ ان کے آنے سے گھر اللہ کے ذکر سے بھر جائے۔ صرف ٹیلی ویژن لانے والی نہ ہوں جو گھر کو سینما بنادے، سر سے ننگی پھرنے والی، بازو اور گریبان ننگے کر کے گھومنے والی، بے حیائی کو فروغ دینے والی نہ ہوں۔

(از نعیمی بزیادہ)



وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي
الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ
حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۲۲)

﴿۱﴾

اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے، تو عورتوں سے الگ رہو حیض
کے دنوں میں اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہوں، پھر جب پاک ہو
جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ
پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو۔

۰۲۵

اور سوال کرتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق، فرمادیجئے وہ اذیت (ایذا پہنچانے
والی) ہے، تو جداء ہو جاؤ عورتوں سے حیض میں، اور نہ قریب جاؤ ان کے یہاں
تک کے وہ پاک ہو جائیں، تو جب وہ پاک ہو جائیں تو آؤ ان کے پاس جہاں
سے تمہیں اللہ نے حکم دیا، بیشک اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا
ہے پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو۔

لفظی مختصر مطلب:

”وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ“: ہو مصدر يقال حاضت محيضا كقولك جاء مجيئاً

”محيض“ مصدر ہے، جس طرح مجی، مضی وغیرہ مصدر ہیں، اور وہ سوال کرتے ہیں آپ

سے حیض کے متعلق یعنی آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں۔

”قل ہواذی“: ای المحیض شیء یستقذر ویؤذی من یقر به

ہو ضمیر، محیض کی طرف لوٹ رہی ہے، نبی کریم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ فرمادیجئے کہ وہ حیض ایک ایسی چیز ہے جو گندگی ہے۔ اس حالت میں جو شخص عورت کے قریب آتا ہے وہ حیض کی گندگی اسے ایذا پہنچاتی ہے۔

خیال رہے وہ گندگی نجاست ہے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ”اذی“ کا ترجمہ ”ناپاکی“ کیا ہے۔ اور کئی مترجمین نے ”اذی“ کا معنی گندگی کیا ہے۔ اور راقم نے لغوی اور بطور نتیجہ صادق آنے والا ترجمہ کیا ہے ”ایذا پہنچانے والی چیز“ تمام تراجم کا مقصد ایک ہی کہ حیض ناپاک اور گندگی چیز ہے، جو ایذا پہنچاتی ہے قریب آنے والے کو۔

”فاعتزلوا النساء فی المحیض“: فاجتنبوا ای فاجتنبوا مجامعتھن

عورتوں کو جدا کرو حیض میں، یعنی حیض کے دنوں میں ان کو جماع سے دور کر دو، ان سے جماع کرنے سے اجتناب کرو۔

”ولا تقربوھن“ مجامعین او ولا تقربوا مجامعتھن ”حتی یطھرن“ ای یغتسلن

اور حیض والی عورتوں کے قریب جماع کرنے کے لئے نہ جاؤ، یا یہ مطلب ہے کہ حیض والی عورتوں کو جماع کے لئے اپنے قریب نہ آنے دو، یہاں تک کہ وہ پاکیزہ ہو جائیں یعنی غسل کر لیں۔

”فاذا تطھرن“ اغتسلن ”فاتوھن“ فجامعوھن ”من حیث امرکم

اللہ“ من المأتی الذی امرکم اللہ بہ وحلہ لکم وهو القبل

جب وہ عورتیں پاکیزہ ہو جائیں یعنی غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ یعنی ان سے تم جماع کر سکتے ہو، البتہ جماع کی اجازت تمہیں قبل (عورت کا اگلا مقام فرج) میں ہے، وہی تمہارے لئے حلال ہے۔

”ان الله يحب التوابين“: بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے توبہ کرنے والوں کو۔

یعنی جس کام سے منع کیا گیا ہے، اگر اس کا ارتکاب کسی نے کر لیا، لیکن پھر اس پر نادم ہو کر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا اور اسے پسند فرمائے گا۔

”والتواب الذي كلما اذنب جدد توبة وقيل الذي لا يعود الى الذنب“
توبہ کرنے والے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرے کہ پھر اس گناہ کی طرف نہ لوٹے، اگر غلطی سے پھر گناہ ہو جائے پھر توبہ کرے، اللہ تعالیٰ پھر معاف فرمائے گا۔

”ويحب المتطهرين“: پسند کرتا ہے پاکیزگی کی اختیار کرنے والوں کو۔

”يعني من الاحداث وسائر النجاسات بالماء“
پاکیزگی سے مراد یہ ہے کہ وہ بے وضو ہونے کی صورت میں یا بے غسل ہونے کی صورت میں پانی سے وضو کرتا ہے اور غسل کرتا ہے اور اگر جسم یا کپڑوں وغیرہ پر نجاست (پلیدی) ہو تو اسے پانی سے دھوتا ہے۔

”وقيل المتطهرين من الشرك“ اور پاکیزگی کی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شرک سے اپنے آپ کو پاک کرتے ہیں۔

”اوالمستزھین من ادبار النساء“ اور پاکیزگی کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتوں کے پچھلی جانب (دبر کی جانب) آنے سے پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔

”او من الجماع في الحيض“ اور پاکیزگی کا مطلب یہ ہے کہ وہ حیض کے دنوں میں عورتوں سے جماع کرنے سے دور رہ کر اپنے آپ کو پاکیزہ رکھتے ہیں۔

”او من الفواحش“ اور پاکیزگی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو گناہوں کی آلودگی سے پاک رکھتے ہیں۔
”وقيل هم الذين لم يصيبوا الذنوب“ اعلیٰ قسم کی پاکیزگی یہ ہے کہ ان کو گناہ پہنچے ہی نہیں۔

(از مدارک و حارر)

شان نزول:

”عن انس بن مالک قال ان اليهود كانوا اذا حاضت المرأة فيهم لم يواكلوها ولم يجامعوهم في البيوت فسأل اصحاب النبي ﷺ فانزل الله تعالى ويستلونك عن المحيض الخ فقال رسول الله ﷺ اصنعوا كل شي الا النكاح فبلغ ذلك اليهود فقالوا ما يريد هذا الرجل ان يدع من امرنا شيئا الا خالفنا فيه فجاء اسيد بن خضير وعباد بن بشر فقالا يا رسول الله ان اليهود تقول كذا وكذا افلا نجامعنهم فتغير وجه رسول الله ﷺ حتى ظننا ان قد وحد عليهما فخر جافا استقبالتهما هدية من لبن الى النبي ﷺ فارسل في آثارهما فسقما هما فعرفا انه لم يجد عليهما“

(رواه مسلم، مشکوة باب الحيض)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہود کی عورتوں کو جب حیض آتا تو وہ ان کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور نہ ہی ان کو اپنے ساتھ گھروں میں جمع رکھتے، تو نبی کریم ﷺ سے آپ کے صحابہ کرام نے حیض کے احکام کے متعلق سوال کیا، تو یہ آیت کریمہ ”يستلونك عن المحيض الخ“ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز تم کر سکتے ہو سوائے جماع کے، یہود کو جب یہ خبر ملی تو وہ کہنے لگے یہ کیسا شخص ہے کہ یہ کسی معاملہ کو نہیں چھوڑتا سوائے ہماری مخالفت کے (یعنی یہ کیسا شخص ہے کہ ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرتا ہے) تو اسید بن خضر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما آئے تو ان دونوں نے نبی یا رسول اللہ! یہود اس طرح کہتے ہیں کیا ہم حیض کی حالت میں اپنی ازواج سے جماع بھی نہ کر لیا کریں، تو رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کو ان پر بہت غصہ آگیا (آپ ان سے راضی نہیں ہو گئے) وہ دونوں حضور ﷺ کی محفل سے نکلے تو انہوں نے کسی شخص کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دودھ بطور ہدیہ لاتے ہوئے پایا، نبی کریم ﷺ نے ان کے پیچھے کسی شخص کو بھیجا کہ وہ ان دونوں کو بلا کر لائے۔ (جب یہ دونوں واپس لوٹے) تو

آپ نے دودھ ان کو پلا دیا۔ تو انہوں نے سمجھا کہ آپ کو ان پر بہت زیادہ غصہ نہیں۔
 ”فعر فانه لم یحد ای لم یغضب او ما استمر الغضب بل زال او ذهب وهذا من
 مکارم اخلاقہ ﷺ“

نبی کریم ﷺ کو غصہ اس لئے تھا کہ جماع کی خواہش اگرچہ یہود کی مخالفت کی وجہ سے تھی، لیکن رب
 تعالیٰ کے حکم کی عدولی پر مشتمل تھی۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ میں یہ بات شامل تھی کہ
 آپ غصہ پر قائم نہیں رہتے تھے، بلکہ کسی کو متنبہ کرنے کے لئے غصہ کیا، پھر راضی ہو گئے۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

اسید بن خضیر اور عباد بن بشیر کے قول میں ”افلانجامعہن“ بعض نسخوں میں بغیر ہمزہ استفہام کے استعمال
 ہے، مرقاۃ میں بغیر ہمزہ کے ہے، لیکن معنی اس صورت میں بھی استفہامیہ ہے۔

اس کا مطلب مسلم شریف کے حاشیہ میں بہتر لکھا گیا ہے، کیونکہ وہ سیاق و سباق کے مطابق ہے۔
 ”افلانجامعہن ای افلا نباشرہن بالوطی کما جاء فی سنن ابی داؤد“ افلا ننکحہن
 یعنی ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم جماع نہ کر لیا کریں، یہ معنی اس لئے درست ہے کہ اسے ابو داؤد کی
 روایت میں ”افلاننکحہن“ سے تائید حاصل ہے۔

اس لئے اس مقام پر ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تشریح محل نظر ہے۔ ان کی تشریح مرقاۃ ج ۲، ص ۹۷ میں یہ ہے (جو
 درست نہیں)

” (فلا) ای افلا کما فی نسخة (نجامعہن) ای نساکنہن والتقدير الانعتزلہن فلا
 نجتمع معہن فی الاکل والشرب والبیوت“
 (راقم)

فائدہ:

”قال علماءنا كانت اليهود والمجوس تجتنب الحائض و كانت النصارى یجامعون
 الحیض (بضم الیاء وتشدید الیاء جمع الحائض) فامر الله بالقصدین ہذین“ (قرطبی)

یہود اور نجس حیض والی عورتوں سے مکمل دور رہتے تھے، ان کو اپنے پاس کمرے میں بھی نہیں رکھتے تھے، ان کے ساتھ کھانے اور پینے سے بھی دور رہتے تھے، اور نصرانی اپنی عورتوں سے حیض کی حالت میں جماع کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کی شریعت میں درمیانی صورت میں عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔ یعنی صرف جماع سے منع کیا اور باقی ان سے میل جول کی اجازت دی گئی۔

عورت کو آنے والے خون تین قسم کے ہیں:

(۱) حیض (۲) نفاس (۳) استحاضہ

حیض کیا ہے؟

حیض وہ خون ہے جو بانج عورت کی رحم (بچہ دانی) سے آتا ہے کسی بیماری وغیرہ کا وہ خون نہ ہو۔ حیض کم از کم تین دن آتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ دس دن۔

”عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحيض ثلاثة ايام و اكثره عشرة ايام“

واثلہ بن اسقع نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حیض کی مدت کم از کم تین دن ہے اور زیادہ

(تبيين الحقائق للزيلعي)

سے زیادہ دس دن ہے۔

حیض کے خون کے رنگ:

سب سے پہلے آنے والا خون ٹیالا (مٹی کے رنگ والا) ہوتا ہے، حیض کے دنوں میں آنے والا خون سرخ

رنگ کا ہو یا زرد رنگ کا ہو، یا سبز رنگ کا ہو، یا میا لے رنگ کا ہو، سب حیض ہی کہلائیں گے، سوائے خالص سفید رنگ

سے پانی سے، جب خالص سفید رنگ کا پانی آنا شروع ہو جائے تو سمجھا جائے کہ حیض ختم ہو چکا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس عورتیں اپنے کمرسے (فرج میں رکھنے والے کپڑے) بھیجتیں کہ ان کو دیکھ کر

بتائیں حیض ختم ہو چکا ہے یا نہیں، تو آپ دیکھتیں اگر ان میں زرد رنگ ہوتا تو فرماتیں ”لا تعجلن حتی ترین القصة البيضاء“ جلدی نہ کرو یہاں تک کہ خالص سفید رنگ دب دیکھو تو پھر حیض ختم ہوگا۔

حیض کتنے دنوں کے بعد آتا ہے؟

عورت کے پاکیزہ رہنے کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے، اگر عورت پندرہ دن پاکیزہ رہے، پھر اسے تین دنوں سے لیٹر دس دنوں تک خون آجائے تو وہ حیض کہلائے گا۔ اگر پندرہ دنوں سے کم پاک رہنے کے بعد خون آنا شروع ہو گیا تو وہ حیض کا خون نہیں ہوگا بلکہ بیماری کا خون ہوگا۔ لیکن عورت کے پاک رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت مقرر نہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کو بہت لمبی مدت حیض نہ آئے۔

نفاس:

وہ خون جو عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد آئے اسے نفاس کہا جاتا ہے، بچہ مکمل پیدا ہو، یا نامکمل پیدا ہو، البتہ نامکمل کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے کچھ اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں، انگلی، ناخن وغیرہ بن چکے ہوں۔ نفاس کی مدت کم از کم کوئی مقرر نہیں۔ جب خون آنا ختم ہو گیا تو نفاس ختم ہو گیا۔ البتہ زیادہ سے زیادہ مدت نفاس کی چالیس دن ہے۔ اس پر احادیث مبارکہ شاہد ہیں۔

☆ ”عن ام سلمة انها سألت النبي ﷺ كم تجلس المرأة اذا ولدت قال اربعين يوما الا

ان ترى الطهر قبل ذلك“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ عورت ولادت کے بعد کتنے دن بیٹھ رہے (یعنی نماز وغیرہ نہ ادا کرے) تو آپ نے فرمایا چالیس دن، سوائے اس کے کہ وہ پہلے ہی پاک ہو جائے۔

☆ ”وعن ام سلمة كانت النساء يجلس على عهد رسول الله ﷺ اربعين يوما“

(رواهما احمد وابو داود وابن ماجة والترمذی، تیس الحقائق للربيعی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں عورتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چالیس روز بیٹھ رہتی تھیں۔

”وقال الترمذی اجمع اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ ومن بعدهم علی ان النفساء تدع الصلوة اربعین یوما الا ان ترى الطهر قبل ذلك“
ترمذی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور آپ کے بعد اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورتیں چالیس دنوں تک نماز ادا نہ کریں، ہاں البتہ اگر وہ پہلے ہی پاک ہو جائیں یعنی خون آنا بند ہو جائے تو اسی وقت نماز شروع کر دیں۔ (تبیین الحقائق للزیلعی)

استحاضہ:

عورت کو جو خون تین دنوں سے کم آئے،، یا دس دنوں سے بڑھ جائے، وہ استحاضہ ہے، اور پیدائش کے بعد آنے والا خون جب چالیس دنوں سے بڑھ جائے، تو چالیس دنوں سے زائد خون استحاضہ ہے۔

حاملہ عورت کو آنے والا خون استحاضہ ہے، کیونکہ دوران حمل رحم (بچہ دانی) کا منہ بند ہو جاتا ہے، اس لئے وہ خون کسی رگ کا ہو سکتا ہے، رحم کا نہیں کہ اسے حیض کہا جائے، اور نفاس بھی نہیں کیونکہ نفاس نے آنا ہی پیدائش کے بعد ہے۔
”عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال الحيض ثلاثة ايام واربعة و خمسة وستة وسبعة وثمانية وتسعة فاذا جاوزت العشرة فهو استحاضة“

(تبیین الحقائق للزیلعی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیض تین دن، اور چار دن اور پانچ دن اور چھ دن، اور سات دن، اور آٹھ دن اور نو دن ہوگا، جب دس دن سے تجاوز کر جائے تو وہ استحاضہ ہوگا۔

سبحان اللہ! کیسا فصیح و بلیغ کلام ہے، دس دن کا ذکر بظاہر نہیں، لیکن جب دس دنوں سے تجاوز کرنے کا ذکر فرما دیا، تو خود بخود پتہ چل گیا کہ دس دن آنے والا خون بھی حیض ہی ہے۔

حیض کے احکام:

☆ حیض کے دنوں میں زوجہ سے جماع کرنا حرام ہے، زیر بحث آیت کریمہ کے شان نزول سے واضح ہو چکا ہے کہ ”قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض“ کا یہی مطلب ہے کہ عورتوں کو حیض کے دنوں میں جماع سے دور کر دو، یعنی ان سے جماع نہ کرو۔

☆ حیض کے دنوں میں عورت کو نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا منع ہے، البتہ روزہ کی قضاء لازم ہے، اور نماز کی قضاء لازم نہیں ہوگی، کیونکہ روزے سال میں ایک ماہ میں لازم ہیں، اگر ایک عورت کو مکمل دس دن رمضان میں حیض آئے، تو پھر بھی سال میں دس دن قضاء کوئی مشکل نہیں، لیکن نمازیں ہر دن، رات میں پانچ مرتبہ فرض ہیں، اگر ایک عورت کو پندرہ دن پاکیزہ رہنے کے بعد ہمیشہ دس دن خون آتا ہے تو اسے کثیر نمازیں قضاء کرنا لازم آئیں گی، اس لئے شریعت نے اس مشکل اور حرج کو عورت سے اٹھا کر عورت پر آسانی کر دی۔

سبحان اللہ! اسلام کا عورت پر کتنا احسان عظیم ہے کہ عورت کی مشکل کو حل کرنے کے لئے نماز جیسا اہم فریضہ معاف فرما دیا۔

”عن معاذۃ العدویۃ قالت سألت عائشۃ رضی اللہ عنہا فقلت ما بال الحائض تقصی الصوم ولا تقضی الصلوۃ فقالت احروریۃ انت قلت لست بحروریۃ ولكنی اسأل قالت کان یصینا ذلک فنو مر بقضاء الصوم ولا نؤ مر بقضاء الصلوۃ“

(بخاری و مسلم، بیین الحقائق للریعلی)

معاذہ عدویہ کہتی ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حیض والی عورتوں کا کیا حال ہے کہ روزہ قضاء کرتی ہیں اور نماز قضا نہیں کرتیں، آپ نے فرمایا تم حروریہ ہو (یعنی خارجی فرقہ سے تعلق رکھتی ہو) میں نے کہا میں حروریہ تو نہیں، لیکن میں آپ سے (یہ مسئلہ) پوچھ رہی ہوں، آپ نے فرمایا ہمیں جب حیض آتا تھا تو ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم روزے قضا کریں اور ہمیں نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

مسجد میں داخل ہونا اور طواف کرنا منع ہے:

یعنی حیض والی عورت کا مسجد میں داخل ہونا اور بیت اللہ شریف کا طواف کرنا حرام ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”انی لا احل المسجد لحائض ولا جنب“ (رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ باب مخالطة الجنب)

بیشک میں نہیں حلال کرتا مسجد حیض والی عورت اور جنبی کے لئے۔

طواف کرنا منع ہے۔ اس کی ایک وجہ تو بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ بیت اللہ شریف مسجد حرام میں ہے، جب مسجد میں داخل ہونا منع ہے تو طواف کرنا بھی منع ہے، لیکن علامہ چلبی رحمہ اللہ نے بھی اس علت کو ضعیف قرار دیا ہے، ”ارصاحب عنایہ نے بھی یہ بیان کیا کہ خود بیت اللہ شریف کو یہ شرف حاصل ہے کہ حیض کی حالت میں طواف کرنا منع ہے، اگر بالفرض بیت اللہ شریف مسجد کے باہر ہوتا تو پھر بھی یہی حکم تھا، بلکہ طواف کرنے میں نقص ہو، یعنی بغیر وضو اور بغیر غسل کے طواف کرنے میں صدقہ و دم سے جبیرہ ادا کرنا پڑتا ہے، جبکہ مسجد میں داخل ہونے کا یہ حکم نہیں۔

(تبیین الحقائق للزیلعی، وجلبی)

قرآن پڑھنا منع ہے:

حیض والی عورتوں کو قرآن پڑھنا منع ہے۔

”عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیاً من القرآن“ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ باب مخالطة الجنب)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیض والی عورت اور جنبی شخص قرآن پاک نہ پڑھیں۔

حیض والی عورت کا قرآن پاک کو ہاتھ لگانا منع ہے:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”لا یمسه الا المطہرون“ اس کو (قرآن پاک کو) نہ چھوئیں سوائے پاکیزہ لوگوں کے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے عامل عمرو بن حزم کی طرف خط لکھا، اس میں یہ لکھا۔

(رواہ مالک و الدار قطنی)

”ان لا یمس القرآن الا طاهر“

(مسکوفہ باب محالطة الحب)

قرآن پاک کو سوائے پاک آدمی کے کوئی نہ چھوئے۔

فائدہ: قرآن پاک کو کسی کپڑے سے پکڑے تو جائز ہے۔ لیکن قرآن پاک کی جلد اور جلد کے اوپر چسپاں پتھر یا کپڑے کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

تنبیہ: جنبی شخص بھی قرآن پاک کو نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی ہاتھ لگا سکتا ہے۔ اور بے وضو شخص قرآن پاک کو ہاتھ تو نہیں لگا سکتا، البتہ زبانی پڑھے تو پڑھ سکتا ہے۔

مقام توجہ:

قرآن پاک پڑھنے کی ممانعت اس وقت ہے جب تلاوت کی غرض سے پڑھا جائے، اگر قرآن پاک کی کوئی آیات بطور دعا، پڑھے تو جائز ہے۔

”هذا اذا قرأه على قصد التلاوة واما اذا قرأه على قصد الذكر والثناء نحو بسم الله الرحمن

الرحيم او الحمد لله رب العلمين او علم القرآن حرفا فلا بأس به بالاتفاق“

(تبين الحقائق للزيلعي)

حيض والی عورت کو قرآن پڑھنا منع ہے جبکہ وہ تلاوت کے ارادہ سے پڑھے، اگر وہ ذکر اور ثناء

کے ارادے سے ”بسم الله الرحمن الرحيم“ یا ”الحمد لله رب العلمين“ پڑھے تو یہ

جائز ہے۔ اسی طرح قرآن پاک پڑھانے کی غرض سے ایک ایک حرف کر کے پڑھائے، آگے

پڑھنے والے روان خود کریں تو یہ جائز ہے۔

”لو قرأ الجنب الفاتحة على سبيل الدعاء لا بأس به وكذا شيامن الآيات التي فيها

معنى الدعاء“

اگر جنبی نے دعا کے طور پر سورہ فاتحہ کو پڑھا، یا اور وہ آیات پڑھیں جن میں دعا کا معنی نکلتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جنبی اور حیض والی عورتوں کا حکم ایک ہے۔

نتیجہ واضح ہوا کہ سوائے قرآن پاک کی تلاوت کے عورت حیض کی حالت میں ہر قسم کا ذکر اور دعاء اور وظائف پڑھ سکتی ہے۔

دینی طلبا کرام کی توجہ کے لئے:

زیر بحث آیہ کریمہ میں ”حتی یطہرن“ میں دو قراءتیں ہیں۔ ایک تخفیف سے اور دوسری تشدید سے، تخفیف والی قراءت کے مطابق ترجمہ ہوگا ”یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں“۔

اس سے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر عورت کو دس دن مکمل حیض آئے تو اس سے وطی حیض کے ختم ہونے پر بغیر غسل کرنے کے چارز ہے۔

اور تشدید والی قراءت سے اس طرف اشارہ پایا گیا ہے ”یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو پاکیزہ کر لیں“ کہ اگر عورت کو حیض دس دنوں سے کم آ کر ختم ہو گیا ہے تو اس سے وطی اس وقت تک نہیں کی جاسکتی جب تک وہ غسل نہ کرے۔ یا اس پر نماز کا وقت گزر جائے، جس کو غسل کے قائم مقام سمجھا گیا ہے۔

خیال رہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے حتی ”یطہرن“ کا ترجمہ کیا ہے (ان سے نزدیکی نہ کرو) جب تک وہ پاک نہ ہوں۔

اور ”فاذا تطہرن فاتوہن“ پھر جب پاک ہو جائیں ان کے پاس جاؤ۔

راقم کا ترجمہ بھی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کی نقل ہے کیونکہ عورت کا پاک ہونا عام ہے کہ مدت حیض مکمل خون آ کر وہ پاک ہوگئی۔ یا مدت حیض اگرچہ خون مکمل نہیں آیا، لیکن اس عورت نے حیض کے ختم ہونے پر غسل کر لیا تو وہ پاک ہوگئی۔ یہ ترجمہ بہت خوب ہے۔

اگرچہ بعض مترجمین نے ”وہ اپنے آپ کو خوب ستھرا کر لیں“ بھی ترجمہ کیا ہے، لیکن اس ترجمہ کی ضرورت نہیں۔

حیض کی حالت میں جو کام جائز ہیں:

عورت اپنی شرم گاہ پر کپڑا باندھ لے، پھر اس سے جماع کے بغیر باقی منافع حاصل کئے جاسکیں گے۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”وکان یا مرنی فأتوز فیہا شرنی وانا حائض“

رسول اللہ ﷺ مجھے فرماتے تھے تو میں چادر باندھ لیتی تھی (سلوار پہننے کا بھی یہی علم ہے) تو حیض کی حالت میں آپ مجھ سے منافع حاصل کر لیتے تھے۔

خیال رہے کہ حدیث شریف میں استعمال لفظ ”فیہا شرنی“ کا معنی جماع کرنا نہیں۔ بلکہ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

”فیہا شرنی ای یضا جعنی فیلا مسنی وتمس بشرته فوق الازار“

کہ آپ میرے ساتھ لیٹ جاتے اور آپ مجھے ہاتھ لگاتے اور چادر سے اوپر آپ کا جسم میرے جسم سے مس کرتا۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”وکان ینخرج رأسه الی وهو معتکف فاغسله وانا حائض“

نبی کریم ﷺ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے، مسجد میں رہتے ہوئے آپ متصل میرے حجرے میں کھڑکی سے سر اندر کرتے تو میں آپ کا سر دھو دیتی، حالانکہ میں حالت حیض میں ہوتی۔

☆ ”وعن عائشة قالت کنت اشرب وانا حائض ثم اناوله النبی ﷺ فیضع فاه موضع فی

فیشررب واتعرق العرق وانا حائض ثم اناوله النبی ﷺ فیضع فاه علی موضع فی“

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الحيض)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں حیض کی حالت میں (پانی وغیرہ) پیتی تو حضور ﷺ میرے منہ

کے رکھنے کی جگہ منہ رکھ کر پی لیتے۔ اور میں حیض کی حالت میں اپنے دانتوں سے گوشت کو کاٹی

(ہونی کو دانتوں سے توڑتی) تو نبی کریم ﷺ میرے منہ رکھنے کی جگہ پر منہ رکھ کر گوشت کھا لیتے۔

☆ ”وعن عائشة قالت کان النبی ﷺ یتکئ فی حجری وانا حائض ثم یقرأ القرآن“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب الحيض)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم ﷺ کبھی میرے ساتھ سہارا لگا لیتے، یعنی اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ لیتے تھے اور آپ قرآن پاک پڑھ رہے ہوتے جبکہ میں حیض کی حالت میں ہوتی۔

وفیه دلالة علی ان الحائض طاهرة حسنا نجسة حکما

اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ حیض والی عورت کسی طور پر یعنی ظاہر جسم کے لحاظ سے پاک ہے اور حکمی طور پر ناپاک ہے (مرقاۃ ج ۲، ص ۹۸)

عن میمونہ قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی وانا خذاء وانا حائض وربما اصابنی ثوبہ اذا سجد

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں حیض کی حالت میں ہوتی تو رسول اللہ ﷺ نماز ادا فرما لیتے جبکہ میں آپ کے آگے لیٹی ہوتی، نماز ادا فرماتے ہوئے آپ کا کپڑا بھی میرے کپڑوں کے ساتھ لگ جاتا تھا۔ (بخاری، مرقاۃ ج ۲، ص ۹۹)

عن عائشۃ قالت قال لی النبی ﷺ ناولینی الخمرۃ من المسجد فقلت انی حائض فقال ان حیضتک لیست فی یدک

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد سے مجھے مصلیٰ (جائے نماز) کپڑا دو، میں نے کہا میں تو حیض میں ہوں، آپ نے فرمایا کہ بے شک تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الحيض)

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ عورت حالت حیض میں کسی کپڑے کو ہاتھ لگائے یا مصلیٰ کو ہاتھ لگ جائے تو جائز ہے، حیض کی حالت میں اس نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں، وہ کسی اور وجہ سے اگر ناپاک نہیں تو صرف اس وجہ سے ناپاک نہیں ہوں گے یہ حیض والی عورت نے پہن رکھے ہیں۔

خیال رہے کہ عورت حیض کی حالت میں مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی، نبی کریم ﷺ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ارشاد کہ مسجد سے مجھے مصلیٰ کپڑا دو، کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے حجرہ میں کھڑی رہو، دروازہ سے ہاتھ لمبا کر کے دیوار کے ساتھ ہی پڑا ہوا مصلیٰ مجھے دے دو۔

اعتراض:

”عن عائشة قالت كنت اذا حضت نزلت عن المثل على الجصير فلم يقرب رسول

الله ﷺ ولم تدن منه حتى تطهر“ (رواه ابو داود، مشکوٰۃ باب الحيض)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں جب حیض میں ہوتی تو بستر سے چٹائی پر آ جاتی، تو رسول اللہ ﷺ (میرے) قریب نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی میں آپ کے قریب ہوتی۔

اس حدیث سے تو پتہ چلا کہ عورت جب حیض میں ہو تو اس کا خاوند اس سے دور ہو جائے اور وہ خاوند سے دور ہو جائے تو کس طرح کہنا یہ درست ہے کہ سوائے جماع کے باقی منافع حاصل کئے جاسکتے ہیں؟

جواب:

”ولعله منسوخ الا ان يحمل الدنو والقربان على الغشيان“

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث دوسری احادیث کی وجہ سے منسوخ ہے۔ جن سے یہ ثابت ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے سے جماع کے بغیر باقی منافع حاصل کر سکتے ہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قریب نہ ہونے سے مراد جماع کے قریب نہ ہونا، مراد ہے۔ (مرفاۃ ج ۲، ص ۱۰۲)

تنبیہ:

اگرچہ مائضہ عورت سے جماع کے بغیر اس کے ننگے جسم سے مس کرنا اور ذکر (آلہ تناسل) کو اس کے پینٹ یا ران سے لگانا جائز ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو یہ گمان ہو کہ وہ اجتناب نہیں کر سکے گا، تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے دور رہے۔

مسئلہ: حیض والی عورت حج عمرہ میں سوائے طواف کے اور تمام مناسک پر عمل کر سکتی ہے، البتہ طواف اس کا مؤخر ہو جائے گا۔

عورتوں کا ناقصات العقل والدین ہونا:

اگرچہ عورت کو حیض کی حالت میں نماز ادا کرنا منع ہے۔ اور ان دنوں میں رہ جانے والی نمازوں کی قضاء بھی نہیں، لیکن جو نمازیں رہ جائیں گی، ان کا ثواب نہیں ملے گا، صرف نہ ادا کرنے کی وجہ سے گناہ نہیں ہوتا۔ اسی علت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو ناقصات الدین کہا۔

☆

”عن ابی سعید الخدری قال خرج رسول اللہ ﷺ فی اضحی اوفطر الی المصلی فمر علی النساء فقال یا معشر النساء تصدقن فانی اری تکن اکثر اهل النار فقلن وبم یا رسول اللہ قال تکثرن اللعن وتکفرن العیشر مارایت من ناقصات عقل و دین اذهب للرب الرجل الحازم من احد کن قلن وما نقصان دیننا وعقلنا یا رسول اللہ قال الیس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلی قال فذالك من نقصان عقلها قال الیس اذا حاضت لم تصم قلن بلی، قال فذلك من نقصان دینها“ (بخاری مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ عید الاضحی یا عید الفطر کو عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے آپ کا عورتوں سے گزر ہوا آپ نے فرمایا، اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کیا کرو، تم میں سے اکثر مجھے جہنمی دکھائی گئیں، عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا تم لعنت زیادہ کرتی ہو۔ اور اپنے زوج (خاوند) کی نعمتوں کا کفران کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی ایک کو نہیں دیکھا جو خود تو ناقص العقل اور ناقص الدین ہو لیکن بڑے بڑے ماہر عقلمندوں کی عقل کو ضائع کر دے۔ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے دین اور عقل میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورتوں کی شہادت مردوں کی شہادت کے نصف برابر نہیں، عورتوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ایسا ہی ہے، آپ نے فرمایا یہ ان کی عقل کی کمی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ عورت کو جب حیض آئے تو وہ نماز ادا نہیں کرتی اور روزہ نہیں رکھتی؟ عورتوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کی کمی ہے۔

نفاس کے احکام:

نفاس کے احکام وہی ہیں جو حیض کے ہیں۔ یعنی نفاس کی حالت میں بھی حیض کی طرح جماع کرنا منع ہے۔ عورت کو اس حال میں نماز پڑھنا منع ہے اور روزہ رکھنا منع ہے۔ نماز کی قضا نہیں اور روزہ کی قضا ہے۔ قرآن پاک پڑھنا اور قرآن پاک کو ہاتھ لگانا اس کے لئے جائز نہیں، مسجد میں داخل ہونا اور طواف کرنا منع ہے۔

استحاضہ کے احکام:

جس عورت کو استحاضہ کا خون آتا ہے یعنی تین دنوں سے کم یا حیض کے دنوں میں دس دنوں سے بڑھ گیا یا نفاس میں چالیس دنوں سے بڑھ گیا تو وہ خون استحاضہ ہے۔

استحاضہ کی حالت میں جماع کرنا، نماز ادا کرنا، روزہ رکھنا، مسجد میں داخل ہونا، طواف کرنا، قرآن پاک پڑھنا اور قرآن پاک کو وضو کر کے ہاتھ لگانا جائز ہے۔

مسئلہ:

استحاضہ والی عورت کو اگر لگا تار خون آرہا ہو، اتنا وقت بھی نہ مل سکے کہ وہ ایک وقت کے فرض ادا کر سکے تو ہر وقت کے لئے وضو کر لے، بعد میں بے شک خون جاری رہے۔ جب تک اور کوئی چیز وضو توڑنے والی اسے لاحق نہ ہو تو اسی ایک وضو سے نماز کے وقت کی بات ہے۔ لے کر انتہا تک وضو پڑھے نفل پڑھے۔ نماز قضا کرے۔ قرآن پاک پڑھے اور قرآن پاک کو ہاتھ لگائے، مسجد میں داخل ہو یہ سب کام جائز ہیں۔ جو نبی وقت نکلے گا وضو، خود بخود ٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ:

اگر ایک عورت بالغ ہوتے ہی استحاضہ کے خون میں مبتلا ہوگئی تو وہ: مہینہ کے پہلے دس دن حیض سمجھے اور بعد

والے دن استحاضہ۔ حیض والے دنوں میں نماز نہ ادا کرے اور استحاضہ والے دنوں میں نماز ادا کرے۔ یہی حکم نفاس کا ہے کہ اگر پہلے بچہ سے ہی استحاضہ شروع گیا تو چالیس دن نفاس ہوگا باقی استحاضہ۔

مسئلہ:

اگر ایک عورت کی پہلے عادت مقرر ہے کہ اسے معین تاریخوں میں خون آتا ہے اور اس کے دن مقرر ہیں۔ مثال کے طور پر پانچ دن یا سات دن وغیرہ اسے خون آتا تھا، لیکن اب اسے استحاضہ کا خون شروع ہو گیا، اسی طرح نفاس کی عادت مقرر تھی اب استحاضہ شروع ہو گیا، تو عادت کے دنوں میں اس پر حیض اور نفاس کا حکم الحق ہوگا، باقی دنوں میں استحاضہ ہوگا۔

عورت کے لئے ایک مشکل مسئلہ:

اگر ایک عورت کی عادت مقرر نہیں تھی، بلکہ اسے کبھی اور تاریخوں میں حیض کا خون آتا اور کبھی اور تاریخوں میں آتا اور کبھی دن آتا ہے اور کبھی زیادہ، اب اسے استحاضہ کی بیماری لاحق ہو گئی تو اس کے لئے حیض کے دن مقرر کرنے میں مشکل ہے کہ حیض مہینے کی فلاں تاریخ کو ہوگا۔ اس مشکل کا صرف یہی حل ہے کہ وہ ہر مہینے کی پہلی تاریخوں میں دس دن حیض سمجھ کر نماز ادا نہ کرے، باقی دنوں میں نماز ادا کرے، لیکن ہر نماز کے وقت غسل کرنا پڑے گا، ہو سکتا ہے یہ حیض کے دن ہوں۔

استحاضہ میں نماز ادا کرے پر ارشادِ عظیم:

”عن عائشة رضي الله عنها قالت جاءت فاطمة بنت ابی حبيش الى النبي ﷺ فقالت يا رسول الله اني امرأة استحاض فلا اطهر افادع الصلوة قال لا انما ذلك عرق وليس بحيض فاذا اقبلت حيضتك فدعي الصلوة واذا ادبرت فاغسلي عنك الدم ثم صلي“

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب المستحاضہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں فاطمہ بنت ابی حبیش آئی، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں استحاضہ والی عورت ہوں، میں پاک نہیں ہوتی (یعنی میرا خون بند نہیں ہوتا) کیا میں نماز کو چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، یہ تو رک کا خون ہے، حیض نہیں، جب حیض کے دن ہوں تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو خون دھولو اور نماز ادا کرو۔

خون دھونے سے مراد غسل کر کے خون کے اثرات کو زائل کرنا ہے، یعنی غسل کر لو، پھر استحاضہ کے دنوں میں نماز ادا کرتی رہو۔

طہر متخلل:

اگر ایک عورت کو خون آئے، پھر پندرہ دنوں سے کم پاک رہے، پھر خون آئے تو اسے لگاتار خون سمجھ کر دس دن حیض کا حکم ہوگا اور باقی استحاضہ، جیسا کہ ایک دن خون آئے چودہ دن پاکیزہ رہے اور ایک دن پھر خون آئے، تو پہلے دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہوگا۔ اور اگر ایک دن خون آئے، آٹھ دن پاکیزہ رہے اور پھر ایک دن خون آئے تو تمام دس دن حیض ہوگا۔

طلبا کرام تفصیلی اقوال کتب فقہ میں تلاش کریں۔

☆☆☆☆☆

نِسَاءُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ فَأْتُوا حُرَّتْكُمْ أَنِّي شِئْتُمْ وَقَدِمُوا إِلَانْفُسِكُمْ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۳)

﴿۱﴾

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو اور اپنے
بھلے کا کام پہلے کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے
اور اے محبوب بشارت دو ایمان والوں کو۔

﴿۲﴾

بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں تمہارے لئے، تو آؤ کھیتی اپنی میں جیسے چاہو تم، اور پہلے کرو
اپنے نفسوں کے لئے (بھلائی کے کام) اور ڈرو اللہ سے، اور جان رکھو بے شک تم
نے ملنا ہے اس سے، اور (اے محبوب) بشارت دو ایمان والوں کو۔

شان نزول:

اگرچہ تفسیر کبیر میں شان نزول کی تین وجوہ ذکر کی گئی ہیں، البتہ مقصد تینوں کا ایک ہی ہے۔

﴿۱﴾ ایک وجہ نزول کی یہ ہے کہ یہود کہتے تھے جو شخص اپنی عورت کی فرج (اگلے حصہ) میں جماع کرے۔ لیکن التالٹا
کر پچھلی جانب سے اپنے ذکر (آلہ تاسل) کو عورت کے (اگلے حصہ) میں داخل کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا، تو
رب تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ کو نازل فرما کر ان کی تکذیب کی کہ وہ جھوٹے ہیں تم جس طرح چاہو جماع کرو۔

﴿۲﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور عرض کرنے لگے ”یا رسول اللہ ہلکت“ یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا، کیونکہ میں نے اپنی عورت

سے جماع اگلے حصہ میں کیا ہے، لیکن پچھلی جانب سے کیا ہے، ان کے کہنے کے بعد آیہ کریمہ کا نزول ہوا کہ تم اپنی بیبیوں سے جس طرح چاہو جماع کرو۔

﴿۳﴾ انصار صحابہ کرام اپنی بیبیوں سے پچھلی جانب سے اگلے حصہ میں جماع کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ انہوں نے یہود سے سن رکھا تھا کہ اس طرح بچہ بھینکا پیدا ہوتا ہے۔ اور قریش (مہاجرین صحابہ کرام) اس صورت کو جائز سمجھتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے قریش کی تائید میں اس آیہ کریمہ کو نازل فرمایا۔

تمام وجوہ کا اجتماع:

یعنی یہ تمام وجوہ پہلے درپیش آئیں تو آیہ کریمہ کا نزول بعد میں ہوا۔ اس لئے یہ آیہ کریمہ کے شان نزول کی یہ تمام وجوہ پائیں گئی ہیں۔

مختصر مطلب:

تمہاری بیبیاں تمہارے لئے کھیتی ہیں۔ یعنی جس طرح کھیتی سے پیداوار ہوتی ہے، اسی طرح ان سے بھی اولاد پیدا ہوتی ہے، تم اپنی بیبیوں کے پاس آؤ جس طرح چاہو، یعنی ان سے جماع تو اگلے حصہ میں کرو، لیکن جماع کرنے کی کیفیت معین نہیں، بلکہ بیٹھ کر یا لیٹ کر، اگلی جانب سے یا پچھلی جانب سے، جس طرح چاہو اسی طرح جماع کرنے کی تمہیں اجازت ہے، اور جماع سے پہلے اپنے لئے بھلائی کے کام کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یہ بھی جان رکھو کہ تم نے ایک دن اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے، چونکہ وہ دن جزاء (ثواب و عذاب) کا دن ہوگا۔ اس میں کامیابی مومنوں کو ہی حاصل ہونی ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ اے محبوب آپ ایمان والوں کو جنت کی اور کامیابی کی اور رب تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کی بشارت دے دو۔

”نساء کم حرث لکم“: تمہاری بیبیاں تمہارے لئے کھیتی ہیں۔

عورتوں (زوجات) کو زمین سے تشبیہ دی گئی، جس طرح زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے، اسی طرح عورت کی رحم (بچہ دانی) میں نطفہ جو بیج کی طرح ہے ڈالا جاتا ہے، اور اولاد کو زمین کی پیداوار سے تشبیہ دی گئی۔

طلباء کرام توجہ فرمائیں:

یہ آیہ پہلے آیہ کریمہ میں مذکور الفاظ گرامی ”فأتوهن من حیث امرکم اللہ“ (تو آؤ ان کے پاس جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے) کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاں سے آنے کا حکم دیا ہے وہ عورت کی قبل (اگا حصہ) ہے۔ کیونکہ وہی کھیتی کا ذریعہ ہے، اس لئے کہ پیدائش اگلے حصہ سے ہوتی ہے نہ کہ پچھلے حصہ سے۔

قرآن پاک کی عظمت:

چھوٹا سا جملہ ”نساء کم حرث لکم“ کتنے عظیم معانی اور مسائل پر مشتمل ہے۔

ایک مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ عورتوں سے لواطت حرام ہے، کیونکہ دبر (پچھا) مقام (نیچ) والے کا مقام نہیں۔

اور یہ سمجھ آیا کہ نکاح کرنے میں اصل مقصد وہی ہو جو نکاح کی حکمت ہے، نکاح کی حکمت ہی یہ ہے کہ اولاد پیدا ہو، اور نسل برقرار رہے۔ یہ خیال رہے کہ شہوت کو اولاد کی پیدائش کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

”وجعلت شهوة النساء اعظم لأن مشقة النسل عليهن اعظم من الرجال فتتسلى

النساء عن المشقة بعظم الشهوة“

اور عورتوں میں زیادہ شہوت رکھی گئی ہے جبکہ عورتوں پر بچے کی پیدائش اور پرورش باعث مشقت

ہے جو مشقت مردوں کو حاصل نہیں، لیکن عورتوں کو عظیم شہوت عطاء کر کے، تکمیل خواہشات کے

پیش نظر ان پر اس مشقت کو برداشت کرنا آسان کر دیا گیا ہے۔ (حصہ ۱)

بعض روایات سے بعض حضرات غلطی کا شکار ہو گئے:

چونکہ بعض روایات میں ”ادبار“ کا لفظ استعمال ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ تم اگلے حصہ میں پچھلی جانب سے

جماع کر سکتے ہو۔ لیکن کچھ حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ پچھلے حصہ میں جماع کرنا جائز ہے، کیونکہ ”ادبار“ کا

ایک معنی یہ بھی ہے۔

اس پر ایک حدیث پاک کا مشاہدہ کریں، مسئلہ واضح ہو جائے گا۔

”عن ابی النضر انه اخبره انه قال لنافع مولى ابن عمر انه قد اكثر عليك القول انك تقول عن ابن عمر انه افتى ان تؤتى النساء فى ادبارهن قال كذبوا على ولک سأحدثک کیف کان الأمر، ان ابن عمر عرض المصحف يوما وانا عنده حتى بلغ (نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انى شئتم) فقال يا نافع هل تعلم من امر هذه الآية؟ قلت لا، قال انا کنّا معشر قریش نحبی النساء، فلما دخلنا المدينة ونکحنا نساء الانصار اردنا منهن مثل ما کنّا نرید فاذا هن فکرهن ذلک واعظمه و كانت نساء الانصار قد اخذن بحال اليهود انما یؤتین على جنوبهن، فانزل الله تعالى (نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انى شئتم)“ (رواد النسائی)

ابونضر کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت نافع سے پوچھا کہ لوگ تمہاری طرف یہ بات کثرت سے منسوب کرتے ہیں کہ تم کہتے ہو حضرت ابن عمر عورتوں سے بچپلی جانب سے فتویٰ دینے کو جائز سمجھتے تھے، تو انہوں نے کہا لوگ میری طرف بھوت منسوب کرتے ہیں، ہاں البتہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اصل میں حضرت ابن عمر کی حدیث کیا ہے۔

وہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابن عمر کے پاس قرآن پاک تھا (آپ پڑھ رہے تھے) جب آپ اس آیت (نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انى شئتم) پر پہنچے، تو آپ نے فرمایا، اے نافع! کیا تم اس آیت کے متعلق کچھ جانتے ہو؟ تو میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا ہم قریش کے لوگ عورتوں سے جماع پچھلی جانب سے (اگلے حصہ میں) کرتے تھے، جب ہم مدینہ طیبہ میں آئے اور ہم نے انصار کی عورتوں سے نکاح کئے، ہم نے ان سے اسی طرح جماع کرنا چاہا جس طرح ہم قریش کی عورتوں سے جماع کرتے تھے، تو انہوں نے اسے اپنے لئے باعث افیت سمجھا۔

اور ناپسند کیا اور اسے عظیم (جرم) سمجھا۔ چونکہ انصار کی عورتوں نے یہود کی عورتوں سے یہ (مسئلہ) حاصل کیا تھا کہ جماع ایک کروٹ کی جانب سے کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، جس میں انصار کے قول کو رد کیا گیا اور عورتوں کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی اور اپنی کھیتی میں ہر طرح آنے کی اجازت فرمائی گئی۔
(صابونی)

حضرت ابن عمر کے اس قول سے واضح ہو گیا کہ آپ نے ”نحبی“ کا لفظ جو استعمال فرمایا، جو ”حبو“ سے مشتق ہے، جس کا مطلب پچھلی جانب سے جماع کرنا لیا گیا ہے، لیکن اسی لفظ کا معنی پچھلے حصہ میں جماع کرنا بھی لیا گیا ہے، تو بعض لوگ اسی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے، خیال رہے کہ بعض روایت میں یہ لفظ جیم سے بھی استعمال ہے جو مجبأة سے لیا ہوا ہے، معنی ایک ہی ہے۔

”وعن خزيمة بن ثابت ان رسول الله ﷺ نهى ان يأتى الرجل امرأته في دبرها“

(مسند احمد)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنی عورت سے پچھلے حصے میں جماع کرے۔
(از صابونی)

”قال رسول الله ﷺ استحيوا ان الله لا يستحي من الحق لا يخل ان تاتوا النساء في حشوشهن“

اور ایک روایت میں ”فی حشوشهن“ کی جگہ ”فی اعجازهن“ کے الفاظ کا ذکر ہے۔ مطلب دونوں لفظوں کا ایک ہی ہے، یعنی آپ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے۔

حیاء کرو، بیشک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنا نہیں چھوڑتا، تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم اپنی عورتوں کے پچھلے حصے میں جماع کرو۔

”وقال رسول الله ﷺ لا ينظر الله الى رجل اتى رجلا وامراة في الدبر“

(رواه الترمذی والنسائی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رمت) نہیں فرماتا جو کسی مرد یا کسی عورت کے پچھلے حصے میں جماع کرتا ہے۔

”وعن عكرمة قال جاء رجل الى ابن عباس وقال كنت اتى اهلى فى دبرها، وسمعت قول الله (نساء كم حرث لكم فاتوا حرثكم انى شئتم) فقال يالكع انما قوله (فاتوا حرثكم انى شئتم) قائمة وقاعدة ومقبلة ومدبرة فى اقبالهن لا تعدوا ذلك الى غير ذلك“

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا تو کہنے لگا میں اپنی عورت سے پچھلے حصہ میں جماع کرتا ہوں، کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد (نساء کم حرث لكم فاتوا حرثكم انى شئتم) سنا ہے، جس سے میں نے جائز سمجھا ہے۔ آپ نے فرمایا اے بیوقوف اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی (فاتوا حرثكم انى شئتم) کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی عورتوں سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اور اگلی جانب سے اگلے حصہ میں یا پچھلی جانب سے اگلے حصہ میں جماع کرو، اس حکم کے بغیر اور کہیں تجاوز نہ کرو، یعنی پچھلے حصہ میں جماع کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز ہے۔

نکاح کرنے میں اصل مقصد اولاد کی پیدائش ہو:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے میں نے ایک عورت کو پایا ہے، جو اچھے نسب اور قد و منزلت والی ہے، لیکن اس کی اولاد نہیں ہوتی، کیا میں اس سے شادی کر لوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا، وہ دوبارہ حاضر ہوئے اور اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوئے (پھر اجازت طلب کی) آپ ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

”تزوجوا الولود الودود فانی مکاتربکم“

زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی سے نکاح کرو بیشک تمہاری کثرت کی وجہ سے ہی مجھے شکر ہوگا۔

یعنی جس خاندان کی عورتوں کی زیادہ اولاد ہوتی ہے اس خاندان سے شادی کی جائے، اور جس خاندان کی عورتیں اپنے خاوندوں سے محبت کرتی ہوں اس سے شادی کی جائے، ممکن ہے کہ یہ مطالب بھی ہوں بارہ عورت

سے شادی کی جائے وہ زیادہ محبت کرتی ہے۔

اور آپ کا فرمان کہ مجھے تمہاری کثرت پر ناز ہوگا، یعنی میری امت باقی انبیاء کرام پر کثیر ہوگی، جو میرے لئے خوشی کا مقام ہوگا۔

عزل کے متعلق احادیث:

عزل کا مطلب یہ ہے کہ جماع کرتے وقت جب انزال کے قریب ہو تو اپنا ذکر (آلت ناسل) عورت کی فرج سے باہر نکال لے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو۔

”اخرج وکیع وابن ابی شیبہ عن ابی ذراع قال سألت ابن عمر عن قول الله ”فاتوا حرثکم انی شنتم“ قال ان شاء عزل وان شاء غیر العزل“

ابو ذراع کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد گرامی ”فاتوا حرثکم انی شنتم“ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا (اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے) کہ تم اپنی کھیتی میں آؤ جس طرح چاہو، اسے سیراب کرو یا نہ کرو، یعنی چاہو تو عزل کرلو اور چاہو تو عزل نہ کرو۔

”واخرج عبد الرزاق وابن ابی شیبہ والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ والبیہقی عن جابر قال کنا نعزل والقرآن ينزل فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فلم ينهانا عنه“

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم عزل کرتے تھے جب کہ قرآن پاک نازل ہو رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع نہیں فرمایا۔

”واخرج عبد الرزاق والبیہقی عن ابن عباس انه سئل عن العزل فقال ما كان ابن آدم ليقتل نفسا قضی الله خلقها هو حرثک ان شنت عطشته وان شنت سقیته“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جسے رب تعالیٰ نے پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اسے کوئی انسان ختم تو نہیں کر سکتا، تاہم تمہاری زوجہ تمہاری کھیتی سے، چاہو تو اسے سیراب نہ کرو اور چاہو تو اسے سیراب کرلو۔

☆ ”واخرج البزار والبيهقي عن ابي هريرة قال سئل رسول الله ﷺ عن العزل قال ان اليهود تزعم ان العزل هي المؤدة الصغرى قال كذب يهود“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا یہ سوال کرنے والے نے یہ کہا یہود گمان کرتے ہیں کہ عزل مودۃ صغریٰ (زند و دفن کرنے کی ایک چھوٹی قسم) ہے۔ آپ نے فرمایا یہود جھوٹ کہتے ہیں۔

☆ ”واخرج عبدالرزاق وابن ابی شیبۃ ومسلم وابو داؤد والبيهقي عن جابر ان رجلا اتى النبی ﷺ فقال ان لی جاریۃ وانا اطوف علیہا وانا کره ان تحمل فقال اعزل عہا ان شئت فانہا سیاتیہا ما قدرلہا، فذهب الرجل فلم یلبث الا سیرا ثم جاء فقال با رسول اللہ ان الجاریۃ قد حملت فقال قد اخبر تک انہ سیاتیہا ما قدرلہا“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، آپ کی خدمت میں عرض کیا، میری ایک لونڈی ہے، میں اس سے وطی کرتا ہوں، لیکن میں اس کے حاملہ ہونے کو پسند نہیں کرتا، (کیا میں اس سے عزل کر لیا کروں) تو آپ نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو اس سے عزل کر لیا کرو، لیکن جو اس کی تقدیر میں اولاد ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی، تو وہ شخص چلا گیا، تھوڑا ہی عرصہ گزرا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، یا رسول اللہ! میری لونڈی حاملہ ہو گئی، تو آپ نے فرمایا میں نے تو تمہیں خبر دے دی تھی کہ اس کے مقدر میں جو اولاد ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔

☆ ”واخرج مالک وعبدالرزاق وابن ابی شیبۃ والبخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی وابن ماجۃ والبيهقي عن ابی سعید قال سئل النبی ﷺ عن العزل فقال او تفعلون لا علیکم ان تفعلوا فانما هو القدر ما من نسمة کائنۃ الی یوم القیامۃ الا وہی کائنۃ“

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کیا تم کرتے ہو؟ تم پر حرج نہیں کہ تم نہ کرو، تقدیر میں جس روح نے قیامت تک آنا ہے وہ آ کر ہی رہے گی۔

”واخرج ابن ماجة والبيهقي عن ابن عمر قال نهى رسول الله ﷺ ان يعزل عن الحرة الابادنها“

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا۔

”واخرج البيهقي عن ابن عمر قال تعزل عن الامة وتستأمر الحرة“

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے کہ لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کر سکتے ہو اور آزاد عورت کی اجازت سے عزل کیا جاسکتا ہے۔

نتیجہ واضح ہے کہ بچوں کی پیدائش پر پابندی عائد نہ کرنا بہتر ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کی کثرت کو پسند فرمایا ہے۔ تاہم اگر عقیدہ یہ ہو کہ جس بچے نے پیدا ہونا ہے اس کو رزق اللہ تعالیٰ نے ہی دینا ہے اور جس بچے نے پیدا ہونا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گا، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مقابلہ نہیں۔

اس عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے اگر بچوں کی پیدائش میں عزل وغیرہ سے احتیاط سے کام لے لے کہ بچوں کی تعداد کم ہوگی تو عورت پر مشقت کم ہوگی، اور اس کی صحت بہتر رہے گی، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ماخوذ از درمنثور)

حرث اور زرع میں فرق:

حرث کا معنی ہے زمین تیار کرنا اور بیج ڈالنا، اور زرع کا مطلب ہے بیج کی حفاظت کرنا اور اس سے نباتات کو اگانا۔ یہ فرق رب تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہو رہا ہے۔

”افرأيت ما تحرثون اء نتم تزرعونہ ام نحن الزارعون“

تو جھل بٹاؤ جو بوتے ہو، کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔

اس مقام پر حرث کی نسبت بندوں کی طرف کی، لیکن زرع کی نسبت ان کی طرف نہیں کی، بلکہ اپنی طرف کی۔

(روح البیان)

”فأتوا حرثکم انی شئتم“: تو آؤ اپنی کھیتی میں جیسے چاہو تم۔

یہاں تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے راقم نے تسکین البنان فی محاسن کنز الایمان میں تحریر کیا۔

’فأتوا حرثکم انی شئتم‘ جاؤ اپنی کھیتی میں جس طرح سے چاہو۔ (محمود الحسن صاحب)

سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو۔ (شاہ عبدالقدور صاحب)

تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح سے چاہو۔ (مولانا احمد رضا خان بریلوی)

اس مقام پر ایک فرق تو یہ ہے کہ ”فأتوا“ ایتان سے بنا ہے، جس کا معنی ہے آنا نہ کہ جانا۔

البتہ اس کے دوسرے معانی میں سے ایک معنی ہے کسی سے گزرنا۔ اس تو جیہ سے جانا معنی کیا جائے تو کچھ

بات بنتی ہے۔ تاہم یہ وجہ کوئی اتنی نہیں۔

زیادہ جو باعث گرفت بات ہے وہ یہ ہے کہ ”انی شئتم“ کا معنی ”جہاں سے چاہو“ یہ سراسر غلط ہے اور تمام

تفاسیر اور اصول فقہ کی جمیع کتب کے مخالف ہے، اس لئے کہ کوئی شخص اردو پر مکمل دسترس رکھنے والا کبھی تائید نہیں کر

سکے گا کہ لفظ ”جہاں“ کیفیت کا معنی دیتا ہے۔

اگر کسی آدمی کو یہ کہنا ہو کہ تولا ہو، کراچی، پشاور اور اسلام آباد میں سے جس شہر میں جانا چاہتا ہے،

اسے یہ تو کہا جائے گا ”تو جہاں چاہے جاسکتا ہے“ لیکن اس کے برخلاف اگر یہ کہنا مقصود ہو کہ تو سبق یاد کر، چاہے بیٹھ

کر یا کھڑے ہو کر یا لیٹ کر۔ یعنی جس حال میں تو چاہے سبق یاد کر سکتا ہے۔

اب اس جملے کو اس طرح بیان کیا جائے ”تو سبق یاد کر جس طرح چاہتا ہے“ تو یہ ٹھیک ہے، لیکن اگر یوں

بیان کیا جائے، جہاں چاہے سبق یاد کر تو یہ غلط ہے۔

اردو زبان کی مشہور لغت کی کتاب ”فیروز اللغات“ نے بھی لفظ ”جہاں“ کا استعمال اس طرح کیا ہے۔

جہاں، جس جگہ، جس وقت، جس گھڑی۔

اب اس مسئلہ کو سمجھنے کے بعد اصل آیت کے مقصود کی طرف آئیں، آیت کریمہ میں اپنی عورتوں سے جماع کا ذکر ہے، عورتوں کو بھیجتی سے تشبیہ دی۔

عربی زبان میں لفظ ”انی“ بمعنی ”این“ (جگہ) کے بھی آتا ہے، اور ”کیف“ (حالت، کیفیت) کے معنی میں بھی آتا ہے۔

صرف لفظ ”انی“ کو دیکھنے سے تو دونوں معنی صحیح ہیں۔ لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ اس آیت کریمہ میں ”این“ کے معنی لینے میں خرابی ہے، تو یقیناً یہ ایسی غلطی ہے جس کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

اب اصل مسئلہ دیکھیں ”نور الانوار“ میں بیان کیا گیا ہے۔

”(مثال المشکل) قوله تعالى ”فأتوا حرثکم انی شتم“ فان کلمة انی مشکل تجنی تارة بمعنی من این کما فی قوله تعالى ”انی لک هذا“ ای من این لک هذا الرزق الاتی کل یوم، وتارة بمعنی کیف کما فی قوله تعالى ”انی یکون لی غلام“ ای کیف یکون لی غلام، فاشبه ههنا انه بای معنی هو فان کان بمعنی این یکون المعنی من ای مکان شتم قبلا او دبیرا فتحل اللوطة من امراته وان کان بمعنی کیف فیکون المعنی بایة کیفیة شتم قائما او قاعدا او مضطجعا فیدل علی تعمیم الاحوال دون المحال فاذا تأملنا فی لفظ الحرث علمنا انه بمعنی کیف لان الدبر لیس بموضع الحرث بل موضع الفرث“

اصول فقہ میں اسی آیت مبارکہ کے ان الفاظ کو مشکل کی مثال بنایا گیا ہے، رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”فأتوا حرثکم انی شتم“ میں کلمہ ”انی“ مشکل ہے، کیونکہ یہ کبھی ”این“ کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ہی استعمال ہے ”انی لک هذا“ حضرت زکریا نے حضرت مریم سے یہ سوال کیا کہ ہر دن آنے والا رزق تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے؟

اور کبھی یہی لفظ ”انی“ کیف کے معنی میں آتا ہے، جس طرح قرآن پاک میں آیا ہے ”انی

یكون لی غلام“ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب بیٹے کی بشارت دی گئی تو آپ نے کہا، ”میرا بیٹا کیسے ہوگا۔“

اب مثال مذکور (انی شنتم) میں جب غور کیا کہ کس معنی میں لیا جائے، کیونکہ یہ اشتباہ ہوا۔ دیکھا کہ اگر ”این“ کے معنی میں لیا جائے تو معنی یہ ہوگا، ”جس مکان سے چاہو وہی کر سکتے ہو“ اس طرح قبل اور درودوں مکانوں کا ثبوت ہوگا، جس سے لواطت ثابت ہوگی، حالانکہ لواطت حرام ہے۔ اگر بمعنی ”کیف“ کے لیں تو معنی یہ ہوگا، ”جس طرح چاہو، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر“ یہ معنی عموم احوال پر دال ہوگا، لیکن عموم محلیت پر دال نہیں ہوگا۔

اب غور و فکر کیا کہ لفظ حرث کا استعمال بمعنی کھیتی کے ہے تو خود واضح ہوا کہ ”کیف“ (جس طرح) کے معنی میں لینا ہی درست ہے، اس لئے مقام پیداوار ہی قبل ہے نہ کہ دبر بلکہ دبر تو فقط ایک گندگی کا مقام ہے۔

اسی طرح تفسیر مدارک التنزیل میں ہے۔

”فأتوا حرثکم انی شنتم“ جامعوہن متی شنتم او کیف شنتم بارکۃ او مستلقیۃ او مضطجعة“
ان سے جب چاہو جس طرح چاہو جماع کرو، خواہ وہ حالت بروک ہو یا حالت استلقا، یا اضطجاع ہو۔ یعنی گھٹنوں کے بل یا سیدھا لیٹ کر یا کروٹ کے بل لیٹ کر ہو۔
جلالین میں ہے۔

”فأتوا حرثکم) ای محلة وهو القبل (انی) کیف (شنتم) من قیام وقعود واضطجاع واقبال وادبار نزل رد القول الیہود من اتی امرأته فی قبلها من جهة دبرها جاء الولد احوال“
جماع فرج میں ہی ہو جس طرح چاہو حالت قیام ہو یا قعود واضطجاع ہو، خواہ آگے کی جانب سے یا پیچھے کی جانب سے ہو، یہود کا رد کیا گیا ہے کہ ان کا گمان تھا کہ اگر پچھلی جانب سے جماع ہو تو بچہ بھیگا ہوگا۔

اب یہاں سے بھی واضح ہوا کہ صحیح معنی ”کیف“ کا (جس طرح) ہے۔ اگر معنی ”ایسن“ کا (جہاں) کیا جائے تو ساری توجیہات باطل ہوں گی۔ حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو ضرور ماننا پڑے گا کہ یہ معنی ”جہاں“ والا کرنا غلط ہے۔
(نسکین الجنان، ص ۶۶ تا ۶۸)

”وقدموا لانفسکم“: اور پہلے کرو اپنے نفسوں کے لئے (بھلائی کے کام)

”ما یحب تقدیمہ من الاعمال الصالحة“ یعنی اپنے نفسوں کے لئے نیک عمل آگے بھیجو۔
یا مطلب یہ ہے، کہ نیک کام پہلے کرو۔

نیک اعمال آگے کرنے سے کیا مراد ہے؟

(۱) نیک اعمال سے مراد جماع سے پہلے ”بسم اللہ“ پڑھنا۔

”عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ لو ان احدکم اذا اراد ان یاتی اہلہ قال بسم اللہ اللہم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان مارزقتنا فانہ ان یقدر بینہما ولد فی ذلک لم یضرہ الشیطان ابدا“
(بخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی شخص اپنی زوجہ کے پاس (جماع کے لئے) آنے کا ارادہ کرے تو بسم اللہ شریف پڑھے، (پھر یہ دعا کرے) اللہم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان مارزقتنا ”تو اللہ تعالیٰ ان کو جو بچہ عطا فرمائے گا شیطان اسے کبھی تکلیف نہیں پہنچا سکے گا۔“
(ازخازن)

(۲) نیک عمل اپنے لئے آگے بھیجنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ اپنی عورتوں سے جماع کر کے اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ۔

”لان الامور المباحة باقتران النية الصحيحة الصالحة تصیر عبادة“

اس لئے کہ مباح کاموں کے ساتھ جب نیک اور صحیح نیت مل جائے تو وہ مباح کام عبادت بن جاتے ہیں۔

☆ "عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ فی بضع احد کم صدقة قالوا یا رسول اللہ ایاتی احدنا شهوته ویكون له فیها اجر قال ارايتم لو وضعها فی حرام اکان علیہ فیہ وزر فکذلک اذا وضعها فی حلال کان له اجر" (رواہ مسلم)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے ہر ایک کی (زوجہ کی) فرج میں صدقہ ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی ایک اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے زوجہ کے پاس آتا ہے تو اسے اس کا بھی اجر حاصل ہوگا؟ آپ نے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو حرام جگہ پورا کرے تو اسے گناہ حاصل ہوگا؟ اسی طرح جب حلال طریقہ سے اپنی شہوت کو پورا کرے گا تو اسے ثواب حاصل ہوگا۔ (مظہری)

(۳) نیکی کے کام پہلے کرنے سے مراد نیک اولاد کی طلب ہے۔

☆ "عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلثة صدقة جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ" (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل حم ہو جاتے ہیں سوائے تین کے، یعنی صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا گیا ہو، یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

(۴) بھلائی کے کام آگے بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نابالغ بچے فوت ہو جائیں جو آگے جا کر اس کے لئے منتظم بنیں اور شفاعت کریں۔

"عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا یموت لاحد من المسلمین ثلثة من الولد فتمسہ النار الا تحلۃ القسم" (باب ما جاء فی من قدم ولدا یرمدی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سے کسی ایک کے تین بچے فوت ہو جائیں تو اسے آگ نہیں چھوئے گی سوائے قسم کے پورا کرنے کے۔

قسم کے پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وَمَأْنَكُمْ الْاَوَارِدْهَا“ تم میں سے کوئی ایک نہیں مگر اسے آگ سے گزرنا ہوگا، یعنی پل صراط سے ہر ایک کو گزرنا ہوگا، جو جہنم پر ہوگا۔

☆ "عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ من قدم ثلاثة لم يبلغوا الحنث كانوا له حصنا حصينا قال ابو ذر قدمت اثنين قال واثنين فقال ابى بن كعب سيد القراء قدمت واحدا قال واحد ولكن انما ذلك عند الصدمة الاولى"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نابالغ تین بچے آگے بھیجے (یعنی جس کے نابالغ تین بچے فوت ہو گئے) تو وہ اس کے لئے مضبوط قلعہ بنیں گے۔ (یعنی اس کی شفاعت کریں گے) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دو بچے فوت ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا دو ہی (شفاعت کریں گے) سید القراء حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا ایک بچہ فوت ہوا ہے، آپ نے فرمایا ایک ہی شفاعت کرے گا۔ لیکن انسان کو اولاد کی وفات پر یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوگا جبکہ اس نے صدمہ پہنچتے ہی صبر سے کام لیا۔ (حوالہ مذکور)

☆ "عن ابن عباس يحدث انه سمع رسول الله ﷺ يقول من كان له فرطان من امتي ادخله الله بهما الجنة فقالت له عائشه فمن له فرط من امتك قال ومن كان له فرط يامو فقة قالت فمن لم يكن له فرط من امتك قال فانا فرط لن يصا بوا بمثلي"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ میری امت میں سے جس شخص کے دو چھوٹے بچے فوت ہو گئے جو اس کے لئے منتظم بنیں تو اللہ تعالیٰ اسے ان دو کے ذریعے جنت میں داخل فرمائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ کی امت سے اگر کسی کا ایک بچہ فوت ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ایک کے ذریعے ہی جنت میں داخل ہوگا، وہی اس کا منتظم ہوگا۔ اے نیکیوں کی توفیق دی گئی۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ کی امت میں سے کسی کا ایک بچہ بھی نہ فوت ہوا تو؟ آپ نے فرمایا اس کا میں منتظم ہوں گا، میرے جیسی کسی اور کو مصیبتیں حاصل نہیں ہوں گی۔ (حوالہ مذکور)

”الفرط هنا الولد الذي مات قبله فانه يتقدم ويهيئ لوالديه منزلا في الجنة“

حدیث شریف میں جو لفظ فرط استعمال ہوا ہے اس کا معنی یہاں ”بچہ جو آگے گیا ہے اور والدین کے لئے جنت میں والدین کے لئے مقام تیار کرنے میں مشغول ہو۔“

”یا موفقة ای بالخیرات والاسولة الواقعة موقعها شفقة علی الامة“ (مرقاۃ)

اے بھلائی کی توفیق دی گئی، اور موقعہ محل کے مطابق سوال کرنے کی توفیق دی گئی، تمہارے یہ سوال امت کی بھلائی کے لئے ہیں اور ان پر شفقت ہے۔

”فانا فرط لن یصابوا مثلی ای بمثل مصیبتی لهم فان مصیبتی اشد علیهم من سائر

المصائب واکون انا فرطهم“ (مرقاۃ)

جس کا کوئی بچہ فوت نہ ہوا اس کے آگے میں منتظم ہوں گا، کیونکہ میری جیسی مصیبتیں کسی اور نے نہیں جھیلیں۔ میری مصیبتوں کو سن کر صبر کرنے والوں کا میں آگے جا کر منتظم بنوں گا۔

آسان مفہوم راقم کو یوں سمجھ آتا ہے کہ آپ نے فرمایا جس کا کوئی نہیں ہوگا اس کا میں ہوں گا، میرے جیسا

شفاعت کرنے والا اور میرے جیسا آگے جا کر انتظام کرنے والا اور کون ہوگا۔

(۵) ہر قسم کی نیکیاں مراد ہیں، کہ تم اپنے لئے آگے نیکیاں بھیج دو، کیونکہ آگے آنے والے الفاظ ”واتقوا اللہ“

سے یہ مفہوم سمجھنا آسان ہے۔ (ماخوذ از خازن و مظہری)

”واتقوا اللہ“: اور اللہ سے ڈرو۔

ان الفاظ مبارکہ میں تحذیر پائی گئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے، اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں

جس چیز کا حکم دیا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ (روح المعانی و قرطبی)

اللہ تعالیٰ کے اوامر (احکام) میں سے یہ بھی ہے کہ عورتوں سے قبل (اگلے حصہ) میں جماع کرو، اور جماع سے

پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم نبی کریم ﷺ نے دیا، آپ کے ارشادات بھی درحقیقت رب تعالیٰ کے ارشادات ہی ہیں،

کیونکہ آپ کے ارشادات رب تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہوتے ہیں۔

اور رب تعالیٰ نے نواہی (جن کاموں سے منع کیا گیا ہے) کے معاملہ میں رب تعالیٰ سے ڈرو، ان نواہی میں سے دبر (پچھلے حصہ) میں وطی کرنا ہے، جو کہ حرام ہے۔ (از صاوی)

”وَتَقُوا اللَّهَ (ان تَضیعوا بذره بوضعه فیمالا یحل“

اور اللہ سے ڈرو اس معاملہ میں کہ اپنا بیج حرام جگہ پر رکھ کر ضائع کرنے سے۔

یعنی تمہاری ازواج تمہاری کھیتیاں ہیں، اپنا نطفہ مقام پیدائش میں رکھو، جو بیج کی حیثیت رکھتا ہے۔ دبر میں نطفہ ڈال کر اپنا بیج ضائع نہ کرو۔ (تبصیر الرضی)

”وَعَلِّمُوا انکم ملاقوه“: اور جان رکھو بے شک تم نے ملنا ہے اس سے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ نے ”واعلموا“ کا ترجمہ کیا ہے ”اور جان رکھو“

راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے، کیونکہ خطاب مومنین کو ہے جو پہلے سے جانتے اور ایمان رکھتے ہیں کہ انہوں نے رب تعالیٰ سے ملنا ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہے کہ جو تم جانتے ہو اس پر قائم بھی رہو۔

ان الفاظ مبارکہ سے ڈرانے میں اور مبالغہ کیا گیا ہے کہ تم نے رب تعالیٰ سے ملنا ہے، اس نے تمہیں نیکیوں کا ثواب اور گناہوں کو عذاب دینا ہے۔ لہذا تم اس سے اچھی ملاقات کی تیاری کر لو کہ نیکی کے کام کر لو، برائیاں کر کے اپنے آپ کو رسوا نہ کرو۔

☆ ”عن ابن عباس قال سمعت رسول الله ﷺ وهو يخطب يقول انکم ملاقوا الله حفاة

عراة مشاة غرلا“ ثم تلا رسول الله ﷺ واتقوا الله واعلموا انکم ملاقوه“

(آخر جہ مسلم بمعناہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے دوران خطبہ سنا کہ آپ فرما رہے تھے، بے شک تم نے اللہ تعالیٰ سے ایسے حال میں ملنا ہے کہ تمہارے پاؤں میں جوتا نہیں ہو گا، تمہارے جسم پر لباس نہیں ہو گا، تم پیدل چل رہے ہو گے، تم غیر ختنہ شدہ ہو گے۔

(از روح المعانی و قرطبی)

”وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ“: اور (اے محبوب) بشارت دو مومنوں کو۔

یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے مطابق عمل کیا اور نواہی سے اجتناب کیا، ان کو بشارت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی عطاء سے ان کے ایمان نے انہیں گناہوں سے دور رکھا اور نیکیوں میں مشغول رکھا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور ایمان سے خالی ہوتے ہیں وہ گناہوں سے اجتناب نہیں کر سکتے اور نہ ہی نیکیوں میں مشغول رہ سکتے ہیں۔

(از روح البیان)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

ابھی تک چھ مرتبہ ”یسئلونک“ ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے تین مرتبہ کے ساتھ واؤ نہیں اور بعد میں تین مرتبہ واؤ بھی مذکور ہے یعنی ”ویسئلونک“ مذکور ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تین سوال مختلف مواقع پر کئے گئے، اس لئے ان کے ساتھ واؤ ذکر نہیں، کیونکہ واؤ جمعیت پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن بعد والے سوال ایک ہی موقع پر کئے گئے ہیں اس لئے ان کے درمیان واؤ کو ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ ان سوالات کی جمعیت کا پتہ چلتا رہے۔

(از مدارک التنزیل)

☆☆☆☆☆

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ

النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۳)

❦

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنا لو کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرنے کی قسم کر لو اور اللہ سنتا جانتا۔

❦

اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو نشانہ اپنی قسموں کے لئے کہ نیکی نہیں کرو گے اور پرہیزگاری نہیں کرو گے اور صلح نہیں کرو گے لوگوں کے درمیان۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

شان نزول:

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں مختلف اقوال ہیں۔ یعنی کئی وجوہ درپیش آنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، جبکہ مسطح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بہتان میں کلام کیا، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی کفالت نہ کرنے سے اس پر خرچ نہ کرنے کی قسم اٹھائی۔

(۲) عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کے خاوند بشیر بن نعمان سے کلام نہ کرنے کی جب قسم اٹھائی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(قرطبی، حازن)

آیت کریمہ کے معنی میں دو احتمال:

”الاول وهو الذى ذكره ابو مسلم الاصفهاني وهو الاحسن“

پہلا احتمال وہ ہے جو ابو مسلم اصفہانی نے پیش کیا ہے، اور وہ احسن احتمال ہے۔ وہ احتمال یہ ہے۔

”ولا تجعلوا اللہ عرضة لایمانکم) نہی عن الجراة علی اللہ بکثرة الحلف“

کہ زیادہ قسمیں اٹھا کر اللہ تعالیٰ پر جرات کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ قسمیں اٹھا کر اللہ تعالیٰ — نام کو نشانہ نہ بناؤ۔

”لان من اکثر ذکوشی فی معنی من المعانی فقد جعله عرضة له“

اس لئے کہ جب کسی چیز کے معنی اور صفت کو زیادہ ذکر کیا جائے تو اسے نشانہ بنانا لازم آتا ہے۔

جیسا کہ کوئی شخص کسی کو کہے ”قد جعلتی عرضة للومک“ تحقیق تو نے مجھے اپنی ملامت کا نشانہ بنایا۔

اسی طرح کسی شاعر نے کہا ”ولا تجعلی عرضة للوائم“ اپنی ملامتوں کا مجھے نشانہ بناؤ۔

اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسمیں اٹھانے کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”ولا تطع کل حلاف مہیں

“اور نہ اطاعت کرو ہر زیادہ قسمیں اٹھانے والے ذلیل کی۔

اور رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”واحفظوا ایمانکم“ اور حفاظت کرو اپنی قسموں کی۔

یعنی کم قسمیں اٹھاؤ، اگر کہیں قسم اٹھانے کی ضرورت درپیش آجائے تو اس پر قائم رہ کر اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

عرب حضرات کم قسمیں اٹھانے والے کی تعریف کرتے ہیں، کم قسمیں اٹھانے کی بہتری میں حکمت یہ ہے

کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام کی قلیل و کثیر قسمیں اٹھانے کی عادات بنا لیتا ہے۔

”ولا یبقی للیمین فی قلبہ وقع فلا یؤمن اقدامہ علی الیمین الکاذبة فیحتل ما هو

الغرض الاصلی فی الیمین“

تو اس کے دل میں قسم کی کوئی قدر و منزلت نہیں رہتی، اور وہ جھوٹی قسمیں اٹھانے سے بھی باز نہیں

رہتا، اس طرح تو اس کے دل میں قسم کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے یا اس میں خلل واقع ہوتا ہے۔

کیونکہ اصل میں قسم اٹھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قدر کرتے ہوئے اپنی قسم پر قائم رہے۔

”وایضا کما کان الانسان اکثر تعظیما لله تعالیٰ کان اکمل العبودیة“

اور یہ ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعظیم کرے گا، اسے عبادت میں کمال حاصل ہوگا۔

”ومن کمال التعظیم ان یکون ذکر الله تعالیٰ اجل واعلیٰ عنده من ان یتشهد به

فی غرض من الاغراض الدنیویة“

رب تعالیٰ کی کامل تعظیم یہ ہے کہ انسان اس کے ذکر کو اعلیٰ اور معظم سمجھے، اس کے نام دنیاوی

غرضوں میں بطور قسم اور بطور دلیل نہ پیش کرے۔

اس تمہید کے بعد اصل مقصد کی طرف آئیں وہ یہ ہے۔

”واما قوله تعالیٰ بعد ذلک (ان تبروا) فهو علة لهذا المعنی“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”ان تبروا“ قسم اٹھانے کی ممانعت کی علت ہے۔

اب مطلب یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے یہ کہا گیا کہ میں نے تمہیں زیادہ قسمیں اٹھانے سے اس لئے

منع کیا ہے تاکہ تم سے نیکی، تقویٰ اور اصلاح فوت نہ ہو جائے۔ اب ان الفاظ گرامی.....

”ولا تجعلوا الله عرضة لایمانکم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس“ کا معنی یہ ہوگا۔

”فتکونون یا معشر المؤمنین بررة اتقیاء مصلحین فی الارض غیر مفسدین“

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ تاکہ تم نیک اور متقی لوگوں میں صلح کرانے والے بن جاؤ۔

سوال : قسم نہ اٹھانا عبادت کیسے ہے؟

جواب : جب انسان یہ خیال کرتے ہوئے قسم نہیں اٹھائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا نام بہت ہی معظم و مکرم ہے، میں اسے

دنیاوی گھٹیا مقاصد حاصل کرنے میں کیوں استعمال کروں ”فلا شک ان هذا من اعظم ابواب البر“ تو یقیناً یہ

بہت بڑی نیکی کا کام ہوگا۔

قسم کا چھوڑنا تقویٰ کیسے؟ یہ تو واضح ہے، کیونکہ تقویٰ کا معنی ہے بچنا، جب انسان قسم اٹھانے سے اس لئے

بچے گا کہ دنیاوی گھٹیا مقاصد کے لئے اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت میں خلل نہ آئے، تو یہی تقویٰ ہے۔

قسم کو چھوڑنے سے اصلاح بین الناس کیسے حاصل ہوگی؟ وہ اس طرح کہ جب لوگ اس کے تقویٰ اور نیکی پر اعتبار کریں گے تو وہ اس کے متعلق یہ اعتقاد بھی رکھیں گے کہ یہ فساد سے دور ہے اور کسی قسم کی غلط فہم فساد پرستی نہیں کرتا تو وہ اس سے اپنے جھگڑوں کے فیصلے کرائیں گے، یہ ان کے درمیان اصلاح کرائے گا۔

اس بحث کے بعد:

ابھی تک جو احتمال بیان کیا گیا اس کے مطابق حضرت علامہ مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ کا ترجمہ دیکھیں۔
 ”اور نہ بناؤ تم اللہ کو نشانہ واسطے قسموں اپنی کے یہ کہ بھلائی کرو اور پرہیزگاری کرو اور درستی کرو
 درمیان لوگوں کے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے“
 (مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ)

دوسرا احتمال:

”العرضة عبارة عن المانع“ یعنی اس آیت کریمہ کی دوسری تفسیر یہ ہے ”عرضة“ کا معنی ”مانع“ رہا تو ”یہ“ معنی بھی حضرات لیتے ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے ”اردت افعل کذا فعرض لی امر کذا“ میں نے فلاں کام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اس میں اس طرح رکاوٹ درپیش آگئی۔

اسی طرح کہا جاتا ہے ”اعترض علی“ فلاں شخص نے اعتراض کر کے مجھے کام سے روک دیا۔
 اسی طرح راستہ میں کوئی چیز رکھ کر اگر راستہ کو روک دیا جائے تو اسے بھی ”عرضة“ کہتے ہیں۔
 اب اس معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوا۔

”ولا تجعلوا ذکر اللہ مانعا بسبب ایمانکم من ان تبروا الوفی ان تبروا“
 اور تم اللہ کے ذکر کو رکاوٹ نہ بناؤ، بسبب اپنی قسموں کے نیکی کے کام کرنے سے اور تقویٰ کرنے سے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے سے۔

اس کی وجہ اصل میں یہ تھی کہ لوگ نیکی کے کام چھوڑنے کی قسم کی اٹھا لیتے تھے کہ صلہ رحمی نہیں کروں گا، یا لوگوں میں صلح نہ کرانے کی قسم اٹھا لیتے تھے، اس طرح کسی پر احسان نہ کرنے کی قسم اٹھا لیتے تھے، پھر کہتے تھے کہ میں یہ کام کر لیتا لیکن میں نے قسم اٹھا رکھی ہے، اس لئے قسم سے حانث ہو جانے کی وجہ سے یہ کام نہیں کرتا۔

اب اس احتمال کے مطابق معنی یہ ہوگا۔

”ولا تجعلوا ذکر اللہ ما نعا بسبب هذه الايمان عن فعل البر والتقوى“

قسموں میں اللہ تعالیٰ کے نام کو رکاوٹ نہ بناؤ نیکی کے کام کرنے سے اور تقویٰ کرنے سے اور لوگوں میں اصلاح کرنے سے۔

اسی احتمال کو آسان کرنے کے لئے جلالین میں تفسیر یوں کی گئی۔

”(ولا تجعلوا اللہ) ای الحلف به (عرضة) علة مانعة (لايمانكم) (ان) لا (تبروا) وتتقوا (وتصلحوا بين الناس)“

اور اللہ تعالیٰ کے نام کو رکاوٹ نہ بناؤ کہ قسمیں اٹھاؤ کہ تم نیکی کے کام نہیں کرو گے اور تقویٰ نہیں کرو گے اور لوگوں کے درمیان اصلاح نہیں کرو گے۔ (ماخوذ از کبیر)

حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ کا ترجمہ ضیاء القرآن میں جلالین کی تفسیر کے مطابق ہے۔ آپ فرتے ہیں۔ ”اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ اس کی قسم کھا کر نیکی نہ کرو گے اور پرہیز گاری نہ کرو گے اور صلح نہ کراؤ گے لوگوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے“ (ضیاء القرآن) ابو بکر جصاص رحمہ اللہ نے یہ دونوں معنی ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔

”واذا كانت الآية محتملة للمعنيين وليس امتضادين فالواجب حملها عليها جميعا“
آیہ کریمہ میں جب دو معنوں کا احتمال ہے اور دونوں معنی میں کوئی تضاد (مخالفت) بھی نہیں تو ضروری ہے کہ دونوں معانی جمع کر لئے جائیں۔ (احکام القرآن للجصاص)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ دونوں احتمالوں کا جامع ہے:

پہلے آپ کا ترجمہ پھر سے دیکھئے۔

”اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنا لو کہ احسان اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرنے کی قسم کر لو،

(کبر الاسماء)

اور اللہ سنتا جانتا ہے۔“

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اور مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ کا ترجمہ بظاہر ایک ہی طرح نظر آتا ہے، جبکہ اعلیٰ حضرت رحمہ

اللہ کے ترجمہ میں ”کہ“ بیان کے لئے بنایا جائے۔

لیکن اگر راقم کی اس توجیہ کے مطابق دیکھیں تو دونوں احتمالات کا جامع نظر آئے گا۔

یعنی آپ نے فرمایا کہ اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ، زیادہ قسمیں نہ اٹھاؤ کہ ان قسموں کی آڑ میں نیکی کے

کام بھی چھوڑ دو، ہاں اگر تمہیں نیکی کا کام کرنے کے لئے قسم اٹھانی پڑے، اور تقویٰ کے لئے قسم اٹھانے کی ضرورت

درپیش آئے اور لوگوں میں صلح کرانے کی ضرورت کے لئے قسم اٹھانا چاہو تو قسم اٹھا لو۔

بھاص کی عبارت دیکھو اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی توضیح راقم کی دیکھو تو امید غالب ہے کہ آپ کو بہت

خوب نظر آئے گا۔

ہاں یہ بھی خیال کیا جائے کہ راقم نے ”عرضۃ“ کا معنی نشانہ کر کے، اور بعد میں ”لا“ مقدّر مان کر جو ترجمہ

پیش کیا ہے، اس میں بھی بھاص کے قول کے مطابق دونوں احتمالوں کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

”واللہ سمیع علیم“: اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال اور تمہاری قسموں کو سننے والا ہے، اور تمہاری نیتوں کو اور تمہارے احوال کو

جاننے والا ہے، لہذا تمہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرو، اور عمل پر

حفاظت کرو۔

قسم کے متعلق چند احادیث:

”عن ابن ہریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ من خلف علی یمین فرأی خیرا منها فلیکفر عن یمینہ ولیفعل“ وفی رواۃ فلیات الذی ہو خیر ولیکفر عن یمینہ“ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کام کی قسم اٹھالے اور اس کا غیر کام بہتر دیکھے تو وہ بہتر کام کرے (جو بہتر نہیں اسے چھوڑ دے) اور قسم کا کفارہ ادا کر دے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”من حلف علی فعل شیئ او ترکہ وکان الحنث خیرا من التماذی علی الیمین استحباب لہ الحنث وتلزمہ الکفارة وهذا متفق علیہ واجمعوا علی ان لا تجب علیہ الکفارة قبل الحنث وعلی انہ یجوز تاخیرھا عن الحنث“

جو شخص قسم اٹھائے کہ میں یہ کام کروں گا، حالانکہ اسے چھوڑنا بہتر ہے تو وہ کام نہ کرے، یعنی قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے، اسی طرح اگر قسم اٹھائی تھی کہ میں یہ کام نہیں کروں گا لیکن وہ کام کرنا بہتر ہے تو وہ کام کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے، یعنی ان صورتوں میں قسم کا توڑنا بہتر ہے اور قسم کے توڑنے کی وجہ سے کفارہ ادا کرے۔

اگر کوئی شخص فرض کام کے چھوڑنے یا حرام کام کرنے کی قسم اٹھا دے تو اس قسم کو توڑنا فرض ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا قسم کو توڑنا:

”عن ابی قلابۃ قال کنا عند ابی موسیٰ فدعا بماند تہ وعلیہا لحم دجاج فد خل رجل من بنی تیمم اللہ احمہ شبیہ بالموالی فقال لہ ہلم فتلکما فقال ہلم فانی قدرأیت رسول اللہ ﷺ یا کل منہ فقال الرجل انی رأیتہ یا کل شیئا فقد رتہ فحلفت ان لا اطعمہ فقال ہلم احد ثک عن ذلک انی اتیت رسول اللہ ﷺ فی رھط من الاشعریین نستحملہ

فقال والله لا احملکم وما عندی احملکم علیہ فلبثنا ما شاء الله فاتی رسول الله بنهب ابل فدعانا فامر لنا بخمس ذود غر الذری قال فلما انطلقنا قال بعضنا لبعض اغفلنا رسول الله یمینه لا یبارک لنا فرجعنا الیه فقلنا یا رسول الله انا اتیناک نستحملک وانک حلفت ان لا تحملنا ثم حملتنا افسیت یا رسول الله قال انی والله ان شاء الله لا احلف علی یمین فاری غیرها خیر امنها الا اتیت الذی هو خیر وتحللتها فانطلقوا فاما حملکم الله عز وجل

(مسلم کتاب الایمان)

ابو قلابہ کہتے ہیں ہم ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے آپ نے دسترخوان منگوا یا اس پر مرغ کا گوشت تھا، ایک شخص بنی تیم اللہ سے وہاں آئے، ان کا رنگ سرخ تھا، غلاموں کے مشابہ تھے، حضرت ابو موسیٰ نے انہیں کہا آؤ (یعنی کھانا کھاؤ) انہوں نے کچھ تاخیر کی، حضرت ابو موسیٰ نے کہا آؤ، بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا، وہ شخص کہنے لگے میں نے ایک مرتبہ مرغ کو کوئی چیز کھاتے ہوئے دیکھا تو قسم اٹھا دی کہ اسے نہیں کھاؤں گا۔ انہوں نے کہا آؤ میں تمہیں اس (قسم اٹھانے) کے متعلق حدیث بیان کروں، بیشک میں اشعری قبیلہ کے چند آدمیوں سے مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے بوجھ اٹھانے والے جانور طلب کرنے لگے، آپ نے فرمایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تمہیں کوئی بوجھ اٹھانے والا جانور نہیں عطا کروں گا اور نہ ہی میرے پاس اس قسم کے جانور ہیں۔ ہم وہاں ٹھہرے جتنی دیر رب تعالیٰ کو منظور تھا، تو بیشک رسول اللہ ﷺ کے پاس غنیمت کے اونٹ آگئے، آپ نے ہمیں بلایا اور ہمیں حکم دیا کہ ان کو پانچ اونٹ سفید بلند کوبانوں والے دے دو، ابو موسیٰ کہتے ہیں جب ہم اونٹ لے کر چلے تو ہم میں سے بعض نے بعض کو کہا، ہم نے رسول اللہ ﷺ کو قسم سے غافل رکھا (کہ آپ کو یاد نہ رہا اور ہم نے یاد نہ دایا) اللہ تعالیٰ ہمیں برکت عطا نہیں کرے گا، تو ہم آپ کے پاس اونٹ لے کر آئے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس آئے اور ہم نے آپ سے بوجھ اٹھانے والے جانور

طلب کئے، تو آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ میں تمہیں نہیں عطا کروں گا، پھر آپ نے ہمیں عطا کر دیئے۔ کیا آپ بھول گئے یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا بے شک قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو میں کسی کام کی قسم نہیں اٹھاتا مگر میں جب اس سے بہتر کام کو دیکھتا ہوں تو وہ بہتر کام کر لیتا ہوں اور قسم کو توڑ دیتا ہوں، تم چلو اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ عطا کئے ہیں۔

فوائد:

- (۱) حدیث پاک سے اصل مسئلہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے جو قسم اٹھائی تھی کہ ان لوگوں کو سواریاں نہیں عطا کی جائیں گی، پھر جب آپ نے دیکھا کہ ان کو سواریاں دینا بہتر ہے تو آپ نے قسم توڑ دی اور ان لوگوں کو سواریاں عطا کر دیں۔
- (۲) اگرچہ نبی کریم ﷺ نے تلوذ والے کھانے زیادہ طور پر استعمال نہیں فرمائے، لیکن کبھی کبھی استعمال کر لئے جیسا کہ مرغ کا گوشت بھی بعض اوقات کھالیا۔
- (۳) ان لوگوں کو سواریاں نہ عطا کرنے کے متعلق قسم اٹھانے کی اصل وجہ آپ کا کسی وجہ سے غم و غصہ تھا جس کا ذکر دوسری حدیث شریف میں موجود ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قسم توڑنا:

”عن عبد الرحمن بن ابی بکر قال نزل علينا اضياف لنا وكان ابی يتحدث الى رسول الله ﷺ من الليل قال فانطلق وقال يا عبد الرحمن افرغ من اضيافك قال فلما امسيت جئنا بقراهم قال فابوا فقالوا حتى يجي ابو منزلنا فيطعم معنا قال لهم انه رجل حديد وانكم ان لم تفعلوا خفت ان يصيبني منه اذى قال فابوا فلما جاء لم يبدأ بشئ اول منهم فقال افرغتم من اضيافكم قال قالوا لا والله ما فرغنا، قال الم امر عبد الرحمن قال وتنحيت عنه فقال يا عبد الرحمن قال فتنحيت عنه قال فقال

یا غنثر اقسمت علیک ان كنت تسمع صوتی الا جنت قال فجنت قال فقلت والله مالی ذنب هؤلاء اضیاء فک فسلهم قد اتیتهم بقراهم فابوا ان یطعموا حتی تجی قال فقال مالکم ان لا تقبلوا عنا قراکم قال فقال ابوبکر فوالله لا اطعمه اللیلة قال فقالوا فوالله لا نطعمه حتی تطعمه قال فقال مارأیت کالشرا کاللیلة قط ویلکم مالکم الا تقبلوا عنا قراکم قال ثم قال اما الاولی فمن الشیطان هلموا قراکم قال فجی بالطعام فسمی فاکلوا قال فلما اصبح غدا علی النبی ﷺ فقال یا رسول الله بروا وحشت قال فاخبره قال بل انت ابرهم واخیرهم قال ولم تبلغنی کفارة

(مسلم، ج ۲، ص ۱۹۳، باب اکرام الضیف الخ)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر فرماتے ہیں ہمارے پاس کچھ مہمان آئے، چونکہ میرے باپ رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باتیں کرتے رہتے تھے، اسی معمول کے مطابق چلے گئے۔ اور کہہ گئے اے عبدالرحمن مہمانوں سے (کھانا کھلا کر) فارغ ہو جانا، عبدالرحمن کہتے ہیں جب شام ہوئی تو ہم نے ان کے پاس مہمان نوازی کے لئے کھانا پیش کیا، تو انہوں نے انکار کر دیا، اور کہنے لگے گھر کے صاحب جب آجائیں گے اور ہمارے ساتھ مل کر کھائیں گے تو ہم بھی کھالیں گے میں نے ان کو کہا وہ بہت سخت آدمی ہیں اگر تم نے کھانا نہ کھایا تو مجھے ڈر ہے کہ مصیبت مجھے ہی پہنچے گی آپ کہتے ہیں، انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا، حضرت ابوبکر جب واپس آئے تو آتے ہی سب سے پہلے سوال یہی کیا، کیا تم مہمانوں کو (کھانا کھلانے) سے فارغ ہو چکے ہو۔ گھر کے حضرات نے بتایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم فارغ تو نہیں ہوئے، تو آپ فرمانے لگے کیا میں نے عبدالرحمن کو حکم نہیں دیا تھا؟ عبدالرحمن کہتے ہیں میں وہاں سے ہٹ گیا، آپ نے فرمایا اے عبدالرحمن، وہ کہتے ہیں میں ہٹ کر ہی رہا۔ (یعنی آپ سے ڈرنے کی وجہ خاموش رہا) پھر آپ نے فرمایا اے ست وجاہل! میں تمہیں قسم دلا کر کہتا ہوں اگر تم میری آواز سن رہے ہو تو سامنے آ جاؤ۔ عبدالرحمن کہتے ہیں میں سامنے ہو گیا، میں نے عرض کیا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میرا اس میں کوئی گناہ نہیں، یہ ہیں

آپ کے مہمان، آپ ان سے پوچھ لیں، میں ان کے پاس کھانا لایا، انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا کہ آپ آجائیں پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کو کہا تمہیں کیا ہوا تھا کہ تم نے ہماری مہمان نوازی کو قبول نہیں کیا۔ (بس یہ کہتے ہی غصہ میں) آپ نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں اس رات کو کھانا نہیں کھاؤں گا، مہمانوں نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گے جب تک آپ نہیں کھائیں گے۔ آپ نے کہا میں نے اس رات کے شرکی طرح کوئی شر نہیں دیکھا۔ تم پر افسوس تم نے ہماری مہمان نوازی کو کیوں نہیں قبول کیا تھا، پھر آپ نے کہا میرا قسم اٹھانا شیطان کی طرف سے وسوسہ تھا، آؤ اب میں تمہیں کھانا کھلاؤں۔ آپ نے طعام طلب کیا، پہلے خود بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا، پھر مہمانوں نے بھی کھایا۔ صبح نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! وہ لوگ تو اپنی قسموں پر پورے اترے، لیکن میں نے قسم کو توڑ دیا۔ حضور ﷺ کو جب واقع کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ قسم کو تو تم ان سے زیادہ پورے کرنے والے ہوئے اور تم ان سے زیادہ بہتر ہو۔ حضرت ابو بکر کہتے ہیں قسم توڑنے سے پہلے مجھے کفارہ نے نہیں پایا، یعنی میں نے قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا نہیں کیا۔

وضاحت حدیث:

حدیث پاک سے مقصود تو آخری حصہ بیان کرنا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غصہ سے جب قسم اٹھادی کہ میں اس رات کھانا نہیں کھاؤں گا تو مہمانوں نے بھی قسم اٹھادی کہ ہم بھی اس وقت کھانا نہیں کھائیں گے۔ اب اس صورت حال کے پیش نظر اگر آپ اپنی قسم پر قائم رہتے تو مہمان بھوکے رہتے، جب اس کی غیر صورت زیادہ بہتر تھی کہ آپ قسم کو توڑ کر کھانا کھالیں تاکہ آپ کے مہمان بھی کھانا کھالیں، اسی وجہ سے آپ نے قسم کو توڑ دیا اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی تعریف فرمائی، جس کا مقصد یہ تھا کہ تمہارا قسم کو توڑنا نسبت ان کے قسم پر قائم رہنے سے بہتر تھا، تو گویا کہ ان سے زیادہ قسم کو پورا کرنے والے تم ہی ہو، اور تمہیں ہی زیادہ ثواب حاصل ہوا۔ لہذا تم ان سے بہتر ہو۔

وہ مہمان کون تھے؟

دوسری روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ وہ اصحاب صفہ تھے جو فقیر لوگ تھے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کے گھر دو آدمیوں کا طعام ہے وہ تیسرا شخص ان سے لے جائے، اس کھانے میں تین آدمی مکمل ہو جائیں گے۔ جس کے پاس چار آدمی کا طعام ہے وہ پانچویں اور چھٹے کو لے جائے۔

”وان ابابکر جاء بثلاثه وانطلق نبی اللہ ﷺ بعشرة“

بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین مہمانوں کو لے کر گئے، اور خود نبی کریم ﷺ دس آدمیوں کو ساتھ لے کر گئے۔

اس واقعہ میں عجیب کرامت کا ظہور:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب قسم توڑ کر طعام سے لقمہ کھایا، تو حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں۔

”وايم الله ما كنا نأخذ من لقمة الا ربنا من اسفلها اكثر منها قال حتى شبعنا وصارت اكثر مما كانت قبل ذلك فنظر اليها ابو بكر فاذا هي كما هي او اكثر قال لامراته يا اخت بني فراس ما هذا قالت لا وقرة عيني لهي الآن اكثر منها قبل ذلك بثلاث مرار قال فاكل منها ابو بكر وقال انما كان ذلك من الشيطان يعني يمينه ثم اكل منها لقمة ثم حملها الى رسول الله ﷺ فاصبحت عنده قال و كان بيننا وبين قوم عقد فمضى الاجل ففرقنا اثنا عشر رجلا مع كل رجل منهم اناس الله اعلم كم مع كل رجل قال الا انه بعث معهم فاكلوا منها اجمعون او كما قال “ (مسلم حوالہ مدکور)

قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم کوئی لقمہ نہیں اٹھاتے تھے مگر یہ کہ نیچے سے وہ بڑھ جاتا اور پہلے سے زیادہ ہو جاتا یہاں تک کہ ہم سیر ہو گئے، وہ کھانا پہلے سے زیادہ ہو گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب کھانے کو دیکھا تو وہ پہلے کی طرح تھا، بلکہ بڑھ چکا تھا، آپ نے اپنی زوجہ کو کہا اے بنی فراس قبیلہ

کی یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک میں تو یہی کہتی ہوں کہ یہ پہلے سے زیادہ ہو چکا ہے۔ تین مرتبہ انہوں نے یہ الفاظ دہرائے، یہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قسم کو شیطان کی طرف منسوب کرنے اور قسم کو توڑ کر خود کھانا کھانے کے بعد درپیش آیا۔ صبح وہ کھانا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، اور ہمارا معاہدہ ایک قوم سے چل رہا تھا ان کے بارہ سرداروں کی طرف ہم نے وہ کھانا بھیجا اور ان کے تحت کتنے ہی اور لوگ تھے وہ کھانا سب لوگوں نے کھایا۔

نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ سختی تھے:

آپ نے باقی لوگوں کو حکم دیا کہ جس گھر میں دو شخصوں کا کھانا ہو وہ ایک مہمان لے جائے اور اسے کھانا کھلائے، اور اگر چار آدمیوں کا کھانا ہے تو ایک یا دو مہمان لے جاے، یعنی نسبت دو ایک کی ہی تھی۔ لیکن آپ خود ایک فرد کے کھانے پر ایک مہمان کو لے گئے، کیونکہ آپ کے گھر دس افراد تھے، نواز واج مطہرات اور آپ خود۔ اس لئے آپ دس افراد کو ساتھ لے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے کامل متبع تھے:

اس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی گھر کے تین افراد تھے، آپ خود اور آپ کی زوجہ اور آپ کا بیٹا عبدالرحمن۔ آپ بھی گھر کے ایک فرد کے مقابل ایک شخص کو لے کر گئے، یعنی تین مہمان آپ لے کر گئے تھے۔

قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات سے اٹھائی جائے:

”عن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من حلف بغير الله فقد اشرك“

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، باب الايمان والنذور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم اٹھائی، تحقیق اس نے اس کے ساتھ غیر کو شریک کر دیا۔

”فقد اشرك اى اشرك غير الله به فى التعظيم البليغ فكانه مشرك اشراكا جليا
فيكون زجرا بمبالغة“ (مرقاة)

نبی کریم ﷺ کے ارشاد ”فقد اشرك“ کا مطلب یہ ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے غیر کو رب تعالیٰ کے ساتھ کامل تعظیم میں شریک کر دیا، کیونکہ قسم تو اس کی اٹھائی جاتی ہے جو بہت ہی زیادہ تعظیم کے لائق ہو۔ گویا کہ آپ کے اس کلام سے واضح ہوا کہ وہ شخص شرک جلی (واضح شرک) کا مرتکب ہوا، اور اس میں بہت زیادہ زجر و توبیخ پائی گئی۔

”قال ابن الهمام من حلف بغير الله كالنبي والكعبة لم يكن حالفا“ (مرقاة، فتح القدیر)
جس شخص نے اللہ کے غیر کی قسم اٹھائی جیسا کہ کہا ”نبی کی قسم“ یا یہ کہا ”کعبہ کی قسم“ تو اس کی قسم درست نہ ہوئی اور نہ ہی اس پر قسم کے احکام مرتب ہوں گے۔

تنبیہ: قدوری میں ذکر ہے۔

”ومن حلف بغير الله عز وجل لم يكن حالفا كالنبي عليه السلام والقرآن والكعبة“
جس شخص نے اللہ کے غیر کی قسم اٹھائی تو وہ قسم اٹھانے والا نہیں ہوا، جیسا نبی مایہ السلام کی قسم اٹھائی۔
یا قرآن کی قسم اٹھائی یا کعبہ کی قسم اٹھائی۔

”والقرآن“ پر راقم نے اپنے عربی حاشیہ ”المظهر النوری“ میں یوں وضاحت کی۔
”قوله والقرآن“ قال فى الفتح ثم لا يخفى ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون
يميننا كما هو قول الائمة الثلاثة ونقل فى الهنذية عن المضممرات وقد قيل هذا فى
زمانهم اما فى زماننا فيمين وبه ناخذ ونامر ونعتقد وقال محمد بن المقاتل الرازى
انه يمين وبه اخذ جمهور مشائخنا فهذا مؤيد لكونه صفة تعورف الحلف بها كعزة
الله وجلاله“ (شافى فتح القدیر عالسگري)

فتح القدیر اور شامی اور عالسگری میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ پہلے زمانہ میں قرآن بول کر
اس سے مراد قرآن پاک کا نسخہ یعنی کتاب لیتے تھے، اب ہمارے زمانہ میں قرآن بول کر مراد اللہ

کا کلام لیتے ہیں، اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے، اس لئے اب ہمارے زمانہ میں قرآن پاک کی قسم اٹھانا متعارف ہے، اس لئے ہمارے جمہور مشائخ نے اسی پر عمل کیا ہے، لہذا ہم اس پر عمل کرتے ہیں، اسی کا حکم دیتے ہیں اور اسی کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ قسم ایسی ہی متعارف ہو گئی جیسے اللہ کی عزت کی قسم اور اللہ کے جلال کی قسم متعارف ہے۔ اور قرآن کی قسم واضح ہونے پر امام مالک امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔
(المظہر النوری شرح القدوری)

”والیمین با اللہ تعالیٰ او با سم من اسمائہ كالرحمن والرحیم او بصفة من صفات ذاته كعزة اللہ و جلالہ و کبریائہ الا قوله و علم اللہ فانہ لا یكون یمینا وان حلف بصفة من صفات الفعل كغضب اللہ و سخط اللہ لم یکن حالفا“
(قدوری)

قسم اٹھائے اللہ کی یا اللہ تعالیٰ کے ناموں سے کسی نام کی جیسے کہے رحمن کی قسم یا کہے رحیم کی قسم یا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات ذات کی قسم اٹھائے، جیسے کہے اللہ کی عزت کی قسم، اللہ کے جلال کی قسم، اللہ کی کبریائی کی قسم، تو یہ قسم ہوگی، اس پر تمام احکام قسم والے ہی جاری ہوں گے۔ البتہ اللہ کے علم کی قسم اٹھائے تو یہ قسم نہیں ہوگی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی صفات فعل میں سے کسی صفت کی قسم اٹھائے تو قسم نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اللہ کے غضب اور اللہ کی ناراضگی کی قسم اٹھائے۔

”و علم اللہ“ پر رقم نے ”المظہر النوری“ میں یوں وضاحت کی۔

”قوله و علم اللہ“ ان المعتبر العرف وعدمہ فی الیمین فالتعلیل لیسن الابن فی المتعارف و امالو فرع علی القول المفصل بین صفة الذات و غیرها و جب ان یكون یمینا لان العلم من صفات الذات“
(فتح القدیر)

قسموں میں اعتبار عرف کا ہے، اللہ کے علم کی قسم نہ ہونے کا دار و مدار عرف پر ہے۔ چونکہ اس وقت اللہ کے علم کی قسم اٹھانا متعارف نہیں تھا تو یہ کہہ دیا کہ یہ قسم نہیں۔ مطلب صرف یہ تھا کہ یہ قسم متعارف نہیں، یہ مطلب نہیں کہ ان الفاظ سے قسم بنتی ہی نہیں۔ کیونکہ علم صفات ذات سے ہے اور صفات ذات کی قسم اٹھائی جائے تو قسم لازم آتی ہے۔
(المظہر النوری)

صفات ذات اور صفات افعال میں فرق:

وہ صفات جن کی اضداد (ضدیں) اللہ تعالیٰ کی صفات نہ بن سکیں، وہ صفات ذات ہیں۔ جیسا کہ عزت رب تعالیٰ کی صفت ذات ہے، کیونکہ عزت کی ضد ذلت ہے، اللہ تعالیٰ ذلت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علم رب تعالیٰ کی صفت ذات ہے، کیونکہ علم کی ضد جہالت ہے رب تعالیٰ جہالت سے پاک ہے۔

لیکن وہ صفات جن کی ضدوں سے بھی رب تعالیٰ متصف ہے وہ صفات فعل ہیں۔ رضا، رب تعالیٰ کی صفت فعل ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے۔

”ان الله يرضى بعباده الايمان ولا يرضى بالكفر“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ایمان کو پسند فرماتا ہے اور کفر کو پسند نہیں فرماتا۔

تو واضح ہوا کہ وہ رضا اور عدم رضا دونوں سے متصف ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کفار پر غضب فرماتا ہے اور کفار پر ناراض ہوتا ہے لیکن مومنوں پر رحم فرماتا ہے اور ناراض نہیں ہوتا۔ لہذا غضب اور سخط (ناراضگی) صفات فعل ہیں۔

واضح رہے:

کہ یہ ضابطہ بھی اکثر یہ ہے کہ صفات ذات سے قسم لازم آتی ہے اور صفات فعل سے نہیں، کیونکہ قسم کا دارومدار عرف پر ہے۔ اگر عرف میں صفات فعل سے قسم اٹھائی جاتی ہو تو وہ بھی قسم ہی ہوگی۔

(ماحوذاً مظہری النوری)

مسئلہ:

اگر کوئی شخص کہے اگر میں یہ کام کروں، یا یہ کام نہ کروں تو میں یہودی ہو جاؤں یا نصرانی ہو جاؤں یا کافر ہو جاؤں تو یہ بھی قسم ہے۔ قسم والے تمام احکام جاری ہوں گے۔

☆ "عن ابن عمر قال اكثر ما كان النبي ﷺ يحلف لا ومقلب القلوب"

(رواه البخاری ، مشکوٰۃ باب الایمان والندور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اکثر طور پر نبی کریم ﷺ قسم اٹھاتے وقت فرماتے مقلب القلوب (دلوں کو پھیرنے والے) کی قسم۔

☆ "عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال ان الله ينهاكم ان تحلفوا بابائكم من كان حالفا

فليحلف بالله او ليصمت" (رواه البخاری ومسلم ، مشکوٰۃ باب الایمان والندور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں منع فرماتا ہے کہ تم اپنے آباء کی قسم اٹھاؤ، جو شخص قسم اٹھانا چاہتا ہے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا خاموش ہو جائے۔

وضاحت:

حدیث شریف میں آباء کی قسم اٹھانے سے ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ غیر خدا کی قسم نہ اٹھائے، آباء کا ذکر اس لئے کر دیا گیا ہے کہ وہ اکثر طور پر آباء کی قسم اٹھاتے تھے۔

اعتراض:

رب تعالیٰ نے دن، رات، سورج، چاند وغیرہ کی قسمیں اٹھائی ہیں، تو کس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم اٹھانا صحیح نہیں؟

جواب:

یہ قانون بندوں کے لئے ہے۔

"واما الله سبحانه فله ان يحلف بما شاء من مخلوقاته تنبيها على شرفه"

کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس کی چاہے قسم اٹھائے، رب تعالیٰ کا مخلوق کی قسم اٹھانے کا یہ

مطلب ہوتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی شرافت پر متنبہ کرتا ہے۔ (از مرقاة)

سوال:

نبی کریم ﷺ نے ”افلح وابیہ“ ارشاد فرمایا جس میں آپ کی قسم کا ذکر ہے۔

جواب:

”ان هذه الكلمة تجرى على اللسان لا يقصد بها اليمين“

(ازمرفاقہ)

بیشک یہ کلمہ زبان پر جاری ہو جاتا تھا جس میں قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا تھا۔

”عن بريدة قال قال رسول الله ﷺ من قال اني بريء من الاسلام فان كان كاذبا فهو

☆

كما قال وان كان صادقا فلن يرجع الى الاسلام سالما“

(رواه ابو داود والنسائي وابن ماجه ، مشکوٰۃ باب الايمان والبدور)

حضرت بریدہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کہا، بے شک میں اسلام سے بری

ہوں (یعنی اگر میں نے یہ کام نہ کیا، یا یہ کام کیا تو اسلام سے بری ہوں) اگر وہ جھوٹا ہوا تو ایسا ہی ہوگا

جیسا اس نے کہا، یعنی وہ اسلام سے بری ہوگا۔ اگر سچا ہوا۔ یعنی اس نے قسم پر عمل کر دیا تو پھر بھی

اسلام کی طرف کامل نہیں لوٹے گا (کیونکہ اس نے اسلام سے بری ہونے کے الفاظ ذکر کرنے میں

جسارت سے کام لیا)

☆☆☆☆☆

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا
كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ☆
(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۵)

☆ ۱ ☆

اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے، ہاں اس پر
گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کئے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

☆ ۲ ☆

نہیں پکڑتا تمہیں اللہ تمہاری لغو قسموں سے، اور لیکن پکڑتا ہے تمہیں ان قسموں سے
جو کسب کیا تمہارے دلوں نے، اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

”لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ“: نہیں پکڑتا تمہیں اللہ۔

”یؤاخذ“ لیا ہوا ہے ”اخذ“ سے، جس کا معنی پکڑنا۔ طلباء کرام یہ خیال رکھیں کہ یہ باب مفاعله ہے، اگرچہ
اس میں شرکت جانبین ہوتی ہے، یعنی ”مؤاخذہ“ کا معنی ایک دوسرے کو پکڑنا۔ لیکن یہاں ہر جانب سے فاعلیت اور
مفعولیّت کا معنی مراد لینا ممکن نہیں، فاعلیت کا معنی صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، اور مفعولیّت کا معنی صرف
مخاطبین کی طرف منسوب ہے۔

”بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ“: تمہاری لغو قسموں سے۔

یعنی تمہاری قسموں میں سے جو لغو قسمیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان قسموں کی وجہ سے تمہاری پکڑ نہیں فرماتا۔
”اللغو“ الساقط الذی لا یعتد بہ سواء کان کلاما أو غیرہ“

لغو کا مطلب ہے بے فائدہ چیز، جس کا کوئی اعتبار نہ ہو اور کسی شمار میں نہ ہو خواہ کلام ہو یا غیر کلام ہو۔
”لغو“ کا لفظ قول باطل اور فعل باطل دونوں پر بولا جاتا ہے۔

لغو بمعنی فعل باطل:

”واذا مروا باللغو مروا کراما“ جب وہ گزرتے ہیں بیہودہ اور باطل فعل سے تو گزر جاتے ہیں شریفانہ

انداز سے۔

لغو بمعنی قول باطل:

باطل قول کے لئے لغو کا استعمال قرآن پاک اور حدیث پاک سے ثابت ہے۔ پھر مختلف مقامات میں مختلف حالات کی وجہ سے مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

لغو بمعنی کلمہ فاحشہ:

”لا یسمعون فیہا لغوا ولا تأثیما“ اس مقام میں لغو کا معنی فحش کلمات ہے۔ اسی طرح ”لا تسمع فیہا لا غیہ“ میں بھی یہی معنی معتبر ہے۔ ”لا غیہ“ بھی لغو سے ماخوذ ہے۔

لغو بمعنی باطل کلام:

حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔
”من قال یوم الجمعة مصاحبه صه والامام یخطب فقد لغا“
جس شخص نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کی حالت میں (دوسرے ساتھ والے) اپنے صاحب کو کہا خاموش ہو جا (اس کا یہ کہنا) لغو اور باطل ہے۔

لغو بمعنی کفر و کلام قبیح:

جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ”واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه“

جب وہ کفر یہ کلام اور قبیح کلام سنتے ہیں تو اس سے اعراض کر لیتے۔

اس آیت میں لغو بمعنی کفر اور کلام قبیح کے استعمال ہوا ہے۔

لغو بمعنی آواز بلا مقصد:

جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ”لغا الطائر یلغو لغوا اذا صوت“

پرندہ جب آواز نکالتا ہے تو عام انسان اس کی آواز کو بلا مقصد سمجھتے ہوئے کہتا ہے ”لغا الطائر“

پرندے نے اپنی بولی بولی جس کا بظاہر کوئی مقصد نہیں۔ (ماخوذ از احکام القرآن للجصاص و کبیر)

یمین کو یمین کہنے کی وجہ:

یمین کا معنی اگرچہ یہاں قسم ہے، تاہم قسم کو یمین کہنے کی دو وجہ ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ یمین کا معنی دائیاں ہاتھ ہے، چونکہ عرب حضرات قسم اٹھاتے وقت ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر وعدہ کرتے ہیں یعنی مصافحہ کرتے اور زیادہ طور پر وہ صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتے، اس لئے قسم کو یمین کہہ دیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یمین کا معنی ہے قوت، جس طرح رب تعالیٰ نے فرمایا ”لاخذنا منه بالیمین“ ہم اسے مضبوطی (قوت) سے پکڑیں گے۔ چونکہ قسم اٹھانے والا بھی اپنی بات کو قسم کے ذریعے مضبوط کرتا ہے، اس لئے قسم کو یمین کہہ دیا جاتا ہے۔

(روح البیان)

یمین کی تین صورتیں:

یعنی قسم کی تین اقسام ہیں۔ (۱) منعقدہ (۲) غموس (۳) لغو

یمین منعقدہ:

مستقبل کے متعلق قسم اٹھائی تھی کہ میں یہ کام کروں گا، یا یہ کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، تو وہ اپنی قسم کے خلاف کام کر دے تو وہ حانث ہو جائے گا، یعنی اپنی قسم کو توڑنے والا بن گیا، اس پر کفار لازم آئے گا۔

یمین منعقدہ کو توڑنے سے گناہ لازم آئے گا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر معصیت کی قسم اٹھائی تھی یعنی فرض یا واجب کو چھوڑنے یا گناہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی، جو معصیت کی قسم تھی تو اسے توڑنے پر ثواب حاصل ہوگا۔ اگر معصیت نہ کرنے کی قسم اٹھائی تو قسم کے توڑنے پر گناہ ہوگا، قسم کا توڑنا علیحدہ گناہ اور معصیت کا کام کرنا علیحدہ گناہ۔ اگر مباح کام کے کرنے یا چھوڑنے کی قسم اٹھائی تھی تو اس کا توڑنا بھی گناہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی اس نے تعظیم نہیں کی۔

یمین غموس:

ماضی کے متعلق جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی کہ میں نے یہ کام نہیں کیا تھا، حالانکہ واقع میں اس نے کام کیا تھا، یا قسم اٹھائی کہ میں نے یہ کام کیا تھا، حالانکہ واقع میں اس نے کام نہیں کیا تھا، اس قسم پر گناہ کبیر لازم آتا ہے۔

”ولا كفارة عند ابی حنیفة فی الكبائر وعند الشافعی تجب الكفارة فيه“

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یمین غموس میں کفارہ لازم نہیں، کیونکہ کبار پر کفارہ لازم نہیں بلکہ تو بہ ضروری ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یمین غموس میں کفارہ لازم ہے۔

(ارروح البیان بریادہ)

یمین لغو اور اہل علم کو دعوتِ فکر:

عام طور پر بیان یہ کیا جاتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ماضی کی قسم اپنے ثمان کے مطابق اپنی اٹھائی واقع میں جھوٹی تھی، یعنی قسم اٹھائی میں نے یہ کام نہیں کیا تھا، وہ اپنے آپ کو سچا سمجھ رہا ہے۔ حالانکہ اس نے کام

کیا تھا، لیکن وہ بھولا ہوا ہے، یہ لغو قسم ہے، اس میں وہ شخص گنہگار نہیں، کیونکہ بھولنے پر کوئی مواخذہ (پز) نہیں، اور اس پر کفارہ بھی لازم نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ اس قسم کو یمین غموس کہتے ہیں، اور وہ فرماتے ہیں اس پر کفارہ لازم ہے۔

یہاں تک تو راقم کو کوئی کلام نہیں۔ البتہ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ بآرادہ قسم اٹھائے کہے ”لا واللہ“ ایسا نہیں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، اور کہے ”بلی واللہ“ کیوں نہیں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی، اس قسم کے الفاظ عام طور پر زبان جاری ہوتے ہیں، یہ لغو قسمیں ہیں، ان پر نہ کفارہ ہے اور نہ ہی گناہ ہے۔

اس بحث سے جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس قسم کو امام اعظم رحمہ اللہ یمین لغو نہیں کہتے، راقم کے نزدیک یہ غلط ہے، کسی فقیہ اور کسی مفسر نے یہ واضح بیان نہیں کیا۔

راقم کا موقف:

اس میں یہ ہے کہ پہلی جو صورت بیان کی، اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یمین لغو کہتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ اسے یمین غموس کہتے ہیں۔ یہ اختلاف تو صراحتہ ثابت ہے۔

لیکن یمین لغو کی تعریف جو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی اختلاف نہیں، بلکہ عام طور پر بغیر ارادہ کے زبان پر جاری ہونے والے الفاظ بالاتفاق یمین لغو ہیں۔

نہ ہی اس کی تعریف میں کوئی اختلاف ہے اور نہ ہی حکم میں کوئی اختلاف ہے، بلکہ لغو کی اس قسم میں نہ گناہ ہے اور نہ ہی کفارہ لازم ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ذرا کتب کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کا ذہن قبول کرے گا کہ اس صورت کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یمین لغو نہ مانتیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ پہلے احادیث میں تعارض کو مٹانے کے لئے ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ کا قول پیش کیا جا چکا ہے کہ ”قد افلح وابیہ“ حدیث شریف میں باپ کی قسم بغیر ارادہ کے اٹھائی گئی اس میں کوئی مواخذہ نہیں۔ اس سے واضح

ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی اسے یحییٰ لغوی قرار دیتے ہیں۔ واضح احادیث کا انکار امام صاحب سے ممکن نہیں۔

☆ "عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من حلف فقال فی حلفہ باللات والعزی فلیقل

لا الہ الا اللہ"

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قسم اٹھائے اور اپنی قسم میں یہ کہے "لات کی قسم اور عزی کی قسم" تو اسے چاہئے کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کہے۔

(بخاری و مسلم)

نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد جس موقع و محل کے مطابق ہے اس کو سمجھئے۔

"فہذا قالہ لقوم حدیثی عہد بجاہلیۃ قد اسلموا والسنتہم قد الفت ما کانت علیہ

من الحلف باللات من غیر قصد فامروا ان یلفظوا بکلمۃ الاخلاص کما تلفظوا

(ابن کثیر، صابو می)

بتلک الکلمۃ من غیر قصد لتکون ہذہ بہذہ"

نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد اس قوم کو فرمایا جن کا زمانہ اسلام زمانہ جاہلیت کے قریب تھا۔ یعنی نو مسلم

حضرات تھے، چونکہ وہ زمانہ جاہلیت میں لات اور عزی کی قسمیں اٹھاتے تھے، اسلام میں آکر

بغیر ارادہ کے لات اور عزی کی قسم اٹھادی، تو نبی کریم ﷺ نے ان پر کوئی کفارہ مقرر نہیں کیا اور نہ ہی

ان کو گنہگار کہا، بلکہ حکم یہ دیا کہ اخلاص سے "لا الہ الا اللہ" کہو، تاکہ خلوص سے کہے ہوئے یہ

الفاظ ان کا بدل بن جائیں جو بغیر ارادہ کے کہے گئے۔ یعنی اگرچہ ان میں کوئی مؤاخذہ تو نہیں،

البتہ خلوص سے کلمہ توحید زبان پر جاری کر دیا جائے تاکہ ثواب حاصل ہو جائے۔

☆ "عن عروۃ عن عائشۃ فی قولہ "لا یؤخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم" قالت ہم القوم

یتدراؤن فی الامر فیقول هذا لاواللہ، وبلی واللہ کلا واللہ"

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رب تعالیٰ کے ارشاد اِمرامی "لا یؤخذکم

اللہ باللغو فی ایمانکم" کی وضاحت میں ارشاد فرمایا کہ لغو قسموں سے مراد وہ قسمیں ہیں جو بغیر

ارادہ لوگ اٹھاتے ہیں، اور "لاواللہ، بلی واللہ، کلا واللہ" کہہ دیتے ہیں۔

”یتدارون فی الامر لا تعقد علیہ قلوبہم“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد میں ”یتدارون فی

الامر“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر ارادہ اور بغیر عقیدہ کے یوں قسمیں زبان پر لے آتے ہیں۔ (صابونی)

☆ ”عن عروۃ قال کانت عائشۃ تقول انما اللغو فی المزاحۃ والہزل وهو قول الرجل لا

واللہ وبلی واللہ، فذاک لا کفارۃ علیہ، انما الکفارۃ فیما عقد علیہ قلبہ ان یفعلہ ثم لا یفعلہ“

(صابونی)

حضرت عروۃ کہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو قسم مزاح اور ہنسی کھیل سے بلا ارادہ

اٹھائی جائے وہ بھی لغو ہے، اس پر کفارہ نہیں۔ کفارہ اس قسم پر ہے جو ارادہ سے اٹھائے کہ یہ کام

میں کروں گا پھر وہ کام نہ کرے۔ (صابونی)

راقم کہتا ہے کہ اس ہنسی و مزاح والی قسم میں گناہ لازم آئے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا لحاظ اس میں

نہیں پایا گیا۔

☆ ”عن عروۃ عن عائشہ انہا کانت تتأول هذه الآیۃ یعنی قوله تعالیٰ ”لا یؤاخذکم اللہ

باللغو فی ایمانکم“ وتقول هو الشئ یحلف علیہ احدکم لا یرید منه الا الصدق فیکون

علی غیر ما حلف علیہ“

حضرت عروۃ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیہ کریمہ ”لا یؤاخذکم اللہ

باللغو فی ایمانکم“ کے متعلق بیان فرماتی تھیں کہ ایک شخص اپنے خیال میں جی قسم اٹھائے،

لیکن واقعہ میں وہ جی نہ ہو تو یہ لغو قسم ہے۔ یعنی اس پر گناہ اور کفارہ نہیں۔ (صابونی)

☆ ”وعن عطاء عن عائشۃ قالت هو قوله لا واللہ وبلی واللہ وهو یری انہ صادق ولا

یکون کذلک“

حضرت عطاء کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک شخص اپنے آپ کو سچا سمجھ کر قسم اٹھاتا

ہے واقعہ میں ایسا نہیں تو یہ لغو قسم ہے اس پر گناہ کفارہ نہیں۔ (صابونی)

واضح ہوا کہ لغو کی یہ دونوں صورتیں احادیث سے ثابت ہیں، ایک میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے اور ایک میں اختلاف نہیں۔

تفسیر روح المعانی اور تفسیر روح البیان کو گہری نظر سے مطالعہ کرنے سے انشاء اللہ راقم کا موقف طلباء کرام آسانی سے سمجھ لیں گے اور قوی امید کہ انشاء اللہ تائید کریں گے۔

تنبیہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ابو داؤد نے مرفوع ذکر کی ہے، بخاری نے موقوف۔

”عن عائشہ قالت قال رسول اللہ ﷺ هو قول الرجل فی یمینہ کلا واللہ وبلی واللہ“
(ابو داؤد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لغو قسم ہے جبکہ ایک شخص بغیر ارادہ کے قسم اٹھائے۔
(خازن)

اعتراض: کبیر اور خازن میں تو یہ ذکر ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ”لا واللہ، بلی واللہ“ میں کفارہ لازم کرتے ہیں، یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ یہ لغو قسم ہے اور اس میں کفارہ نہیں۔

جواب: اس قسم کی قسموں پر اسی وقت کفارہ لازم آئے گا جب وہ ارادہ سے قسم اٹھائے۔ ہاں البتہ قاضی طاہر الفاظ کو دیکھ کر مستقبل کے متعلق اٹھائی ہوئی قسم پر کفارہ لازم ہونے کا فیصلہ کرے گا۔ البتہ مفتی کہے گا اگر یہ سچا ہے تو عند اللہ کفارہ لازم نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب
(راقم)

تین چیزیں ہنسی مزاح سے بھی ثابت ہو جائیں گی:

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاث جدھن وهزلھن جد النکاح والطلاق والرجعة“
(اخرجه احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الحاکم و الدار قطنی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں تین چیزوں میں حقیقت بھی حقیقت ہے اور مزاح بھی حقیقت ہے، وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ نکاح اور طلاق اور رجوع کرنا۔
(مظہری)

اور ایک روایت میں غلام آزاد کرنے کا بھی یہی حکم بیان کیا گیا، اس لئے گویا کہ چار چیزوں میں مزاح بھی

حقیقت ہے، ہنسی و مزاح سے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی، پھر یہ نہ کہے کہ میرا ارادہ نہیں تھا۔

”ولكن يؤاخذكم بما كسبت قلوبكم“:

اور لیکن پکڑتا ہے تمہیں ان قسموں سے جو کسب کیا تمہارے دلوں نے۔

شیخ احمد المدعو بملا جیون رحمہ اللہ کی علمی تحقیق:

اللہ تعالیٰ نے قسم کا ذکر دو مقامات پر کیا، ایک اسی آیت کریمہ میں جو سورۃ بقرہ کی زیر بحث ہے، اور دوسرا مقام سورۃ مائدہ میں ہے۔ دونوں جگہ ذکر کیا۔

”لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم“ تمہیں نہیں پکڑتا اللہ تمہاری لغو قسموں میں۔

لیکن یہاں لغو کے مقابل ذکر کیا ”ولكن يؤاخذكم الله بما كسبت قلوبكم“

لیکن مواخذہ کرتا ہے تمہارا جو تمہارے دلوں نے کسب کیا۔

اس کے بعد اور کوئی حکم ذکر نہیں کیا، بلکہ اس کے بعد مغفرت کا ذکر کیا ”والله غفور حلیم“ اور اللہ بخشنے والا

بردار ہے۔

اور سورۃ مائدہ میں لغو قسم کے بعد ذکر فرمایا ”ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان“ کا معنی ہے ”بما

قصدت به قلوبكم و كسبته“ (جس کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا اور کسب کیا) یہ حکم عام ہے یمن غموس اور منعقدہ کو،

کیونکہ دونوں میں ارادہ پایا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ غموس ماضی کے متعلق قسم ہے اور مستقبل کے متعلق قسم کو منعقدہ

کہا جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں ”بما كسبت قلوبكم“ میں مواخذہ کا ذکر ہے اور مائدہ میں بھی ”بما عقدتم الايمان“

میں مواخذہ کا ذکر ہے جو کہ کفارہ سے مقید ہے، اس لئے سورۃ بقرہ میں مواخذہ اگرچہ مطلق ذکر ہے، لیکن مطلق کو مقید

پر محمول کریں گے۔ لہذا (بما كسبت قلوبكم) سے بھی کفارہ ثابت جو یمن غموس اور منعقدہ دونوں میں لازم ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے تبعین کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”بما کسبت قلوبکم“ سے مراد یہ ہے کہ وہ یمین جس کا تمہارے دلوں نے کسب کیا ہے اس پر تمہارا مؤاخذہ ہوگا، کیونکہ یہ دونوں قسمیں لغو کے مقابل ہیں، لغو میں مؤاخذہ نہیں اور ان دونوں میں مؤاخذہ ہے۔

لیکن مؤاخذہ مطلق ذکر ہے، مطلق سے مراد فردِ کامل ہے۔ وہ کامل مؤاخذہ اخروی ہے، یعنی گناہ ہوگا۔ اور اس کی اخروی گرفت ہوگی۔ اور رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”واللہ غفور حلیم“ (اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار ہے) اس پر دلالت کر رہا ہے، کیونکہ مغفرت آخر میں ہی ہوتی ہے۔

لہذا واضح ہوا کہ ”بما کسبت قلوبکم“ میں غموس اور منعقدہ دونوں آجاتی ہیں، جن پر مؤاخذہ اخروی ہوگا، لیکن کفارہ کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔

لیکن سورۃ مائدہ میں ”بما عقدتم الایمان“ مذکور ہے، جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جب تم قسم کو پورے کرنے کا ارادہ کرلو، پھر حانث ہو جاؤ، یعنی قسم توڑ دو، تو اس پر تمہیں مؤاخذہ ہوگا وہ مؤاخذہ یہ ہے کہ تم قسم کا کفارہ ادا کر دو۔ منعقدہ کا حقیقی معنی یہ ہے کہ قسم کو پورا کرنے کا عقد باندھ لے۔ اور مجازی معنی ہے ارادہ کرنا۔ قانون یہ ہے کہ جب حقیقی معنی مراد لیا جاسکے تو مجازی معنی مراد نہیں لیا جائے گا۔

جب سورۃ مائدہ میں مؤاخذہ کا مطلب کفارہ ہے، اور مؤاخذہ نہ ہونے کا مطلب کفارہ لازم نہ آتا ہے، اس لئے سورۃ مائدہ میں یمین غموس ”لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم“ میں داخل ہے۔

مطلب یہ ہو گیا کہ منعقدہ میں کفارہ لازم ہے اور لغو اور غموس میں کفارہ لازم نہیں۔ اور غیر لغو میں گناہ ہوگا۔ اس سے یہ واضح ہوگا کہ غموس میں اور منعقدہ کو بلا وجہ توڑنے میں گناہ لازم آئے گا۔

(تفسیرات احمدیہ)

قسم کا کفارہ:

دس مسکینوں کو دو وقت کا طعام کھلانا (یا اس طعام کی قیمت مسکین کو دینا) یا دس مسکینوں کو پٹروں کا جوڑا جوڑا دینا

یا غلام آزاد کرنا۔ اگر ان چیزوں کے ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو تین روز لگا تا روزہ رکھنا کہ ان میں کوئی ناغہ نہ ہو۔
(زیادہ تفصیل سورۃ مائدہ میں ان شاء اللہ آئے گی)

”واللہ غفور حلیم“: اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

”غفور“ گناہوں کو ڈھانپنے، معاف کرنے اور ان پر عذاب کو ساقط کرنے میں مبالغہ پایا گیا ہے، یعنی بہت ہی زیادہ معاف کرنے والا ”الغفور مبالغۃ فی ستر الذنوب وفي اسقاط عقوبتها“ (کبیر)
”حلیم“ کلام عرب میں ”حلم“ کا معنی سکون و آرام، جب اللہ تعالیٰ کی صفت ”حلیم“ ہو تو اس کا معنی یہ ہے۔

”الذی لا یعجل بالعقوبة بل يؤخر عقوبة الکفار والفجار“ (کبیر)
کہ وہ سزا جلدی نہیں دیتا، بلکہ کافروں اور فاجروں کو سزا دینے میں دیر کرتا ہے۔ یعنی مہلت دیتا ہے تاکہ یہ لوگ توبہ کر لیں۔

☆☆☆☆☆

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَاءِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۶)

اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ☆

﴿۱﴾

اور وہ جو قسمیں کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی چار مہینے کی مہلت ہے، پس اگر اس مدت میں پھر آئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿۲﴾

ان لوگوں کے لئے جو ایلاء کر لیں اپنی عورتوں سے انتظار ہے چار مہینوں کی۔ تو اگر رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ☆ (سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۷)

﴿۱﴾

اور اگر چھوڑ دینے کا ارادہ پکا کر لیں تو اللہ سنتا جانتا ہے۔

﴿۲﴾

اور اگر وہ پختہ ارادہ کر لیں طلاق کا تو بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

مختصر مطلب:

ان دونوں آیتوں میں مسئلہ ایلاء بیان کیا گیا ہے۔ ایلاء کا معنی ہے قسم اٹھانا۔ جب کوئی شخص قسم اٹھائے اور اپنی زوجہ کو کہے ”قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا، یعنی تمہارے ساتھ جماع نہیں کروں گا“ یا یہ کہے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں چار مہینے تم سے جماع نہیں کروں گا، تمہارے قریب نہیں آؤں گا، اسے ایلاء کہتے ہیں۔ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر چار مہینے کے اندر زوجہ کے قریب چلا گیا تو قسم ٹوٹ گئی، قسم کا کفارہ ادا کرے، نکاح

اس کا برقرار رہے گا۔ اور اگر چار مہینے زوجہ کے قریب نہ گیا، مجامعت نہ کی، تو اس کی عورت کو طلاق بائن ہو جائے گی۔
اب دونوں آیتوں کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی عورتوں سے ایلاء کر لے تو چار مہینے کی انتظار ہے،
اگر اپنی عورتوں کی طرف رجوع کر لیا تو قسم ٹوٹ گئی، اللہ تعالیٰ بخشے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر چار مہینے کے اندر
عورت کی طرف رجوع نہ کیا، بلکہ طلاق کا پکا ارادہ کر لیا، تو طلاق واقع ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ سننے، جاننے والا ہے۔
تنبیہ: اگر مطلقاً قسم اٹھائی کہ میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا، تو ہر چار مہینے کے اندر اندر جماع کرنا ہوگا۔ اور قسم کا
کفارہ ادا کرنا ہوگا، اگر چار مہینے کسی وقت بھی بغیر جماع کے گزر گئے تو طلاق بائن ہو جائے گی۔

شان نزول:

زمانہ جاہلیت میں لوگ زوجہ کی طرف جب میلان نہیں کرتے تھے، اور انہیں اپنی ازواج کی طرف شوق نہیں
رہتا تھا اور وہ یہ بھی غیرت کرتے تھے کہ ہماری ازواج کسی اور شخص کے نکاح میں نہ جائیں تو وہ اپنی ازواج کو معلق
رکھتے تھے کہ نہ وہ آزاد ہوں کہ اور ازواج سے نکاح کر لیں اور نہ ہی یہ خود اس کی طرف رغبت کرتے تھے۔ تو رب تعالیٰ
نے طلاق اور عدت کے مسائل کو قرآن پاک میں اتنی تفصیل سے بیان کیا، جتنی تفصیل سے کسی اور مسئلہ کو نہیں بیان کیا۔
زیادہ مسائل یہاں ہی سورۃ بقرہ میں ہیں اور کچھ مسائل سورۃ طلاق میں ہیں۔ (تفسیرات احمدیہ)

”الَّذِينَ يُولُونَ مِنْ نِسَاءِهِمْ تَرْبِصُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ“:

ان لوگوں کے لئے جو اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں چار مہینے انتظار کرنا ہے۔

”یؤلون“ ایلاء سے لیا ہوا ہے۔ ”آلی یولی ایلاء، تالی یتالی، تالی، یا تلی، اتلی، یا تلی، اتلی،“ قسم اٹھانا۔
اگرچہ لغوی معنی کے لحاظ سے مطلقاً قسم اٹھانا ہے۔ تاہم اس کا استعمال ایسی قسموں کے لئے زیادہ ہے کہ جن چیزوں
کے متعلق قسم اٹھائی گئی ان میں نقص پایا جائے۔

مفردات راغب میں قرآن پاک کی دوسری آیت سے اسی استعمال کو واضح کیا گیا ہے۔

”لا یا لونکم خیالا، ای باطل“ اوہ تمہارے سامنے باطل قسمیں نہ اٹھائیں۔

”ولا یا تل اولوا الفضل منکم والسعة ان یؤتوا اولی القربی والمساکین والمہاجرین

فی سبیل اللہ“

تم میں سے فضل اور وسعت والے لوگ قسمیں نہ اٹھائیں کہ وہ قریبی رشتہ داروں اور مسکینوں اور

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مال نہیں دیں گے۔

یہاں بھی ”یؤلون“ عورتوں سے جماع نہ کرنے کے معنی میں قسم اٹھانے کے لئے استعمال ہوا ہے جو عورتوں

پر ظلم کی وجہ سے اس میں قباحت اور نقص پایا گیا ہے۔ (ماخوذ از کبیر و روح المعانی)

دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے:

یہاں بظاہر یہ وہم پایا گیا ہے کہ ”ایلاء“ تو ”علی“ سے متعدی ہوتا ہے یہاں ”من“ آیا ہوا ہے۔ اس کا

استعمال کیسے صحیح ہے؟

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں قاعدہ تضمین جاری ہوا ہے کہ یہ ”بعد“ کے معنی کو متضمن ہے، جس

کے بعد ”علی“ آتا ہے، جس کا معنی یہ ہے ”للدین یعدون من نساء ہم مولین“ ان لوگوں کے لئے جو اپنی

عورتوں کو قسم اٹھا کر دور ہوتے ہیں چار مہینے انتظار کرنا ہے۔

البتہ ایک اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابوالبقاء نے یہ بیان کیا ہے کہ ”ایلاء، علی“ اور ”من“ دونوں سے ہی

(از روح المعانی)

متعدی ہوتا رہتا ہے۔

”من نساء ہم“ (اپنی عورتوں سے) یعنی ایلاء اپنی ازواج سے ہوتا ہے۔ جب زوجیت کا تعلق ختم ہو جائے

تو ایلاء نہیں ہوگا۔ یعنی اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق بائن دے دی، پھر اسے کہا ”قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں چار مہینے

تمہارے قریب نہیں آؤں گا“ پھر اس دوبارہ نکاح کر لیا تو وطی کرنے سے کفارہ تو لازم آئے گا، کیونکہ قسم ٹوٹ گئی، لیکن

چار مہینے اگر وطی نہ کی تو پھر طلاق بائن لازم نہیں آئے گی، اس لئے کہ وہ زوجہ جس کو طلاق بائن دے کر زوجیت کا تعلق

(تفسیرات احمدیہ)

اس سے ختم کر لیا، اس سے ایلاء نہیں ہوتا۔

اگر اپنی عورت کو رجعی طلاق دے دی، پھر قسم اٹھائی کہ قسم اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا تو یہ ایلاء ہوگا، کیونکہ اس کی زوجیت قائم ہے۔ اگر چار مہینے کے اندر وطی کر لی تو رجوع ہو گیا اور قسم کا کفارہ ادا کر دے، اور اگر چار مہینے تک وطی نہ کی تو طلاق بائن ہو جائے گی، جو پہلی صریح طلاق سے ملحق ہو جائے گی۔ (تفسیرات احمدیہ)

جس عورت سے ظہار کر لیا کہ اسے اپنی محرمات میں سے کسی سے تشبیہ دے دی، پھر اس سے ایلاء کر لیا تو ایلاء ہو جائے گا، چار مہینے تک وطی نہ کی تو طلاق بائن ہو جائے گی۔ طلاق سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ظہار کا کفارہ ادا کرے، پھر وطی کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔ (تفسیرات احمدیہ)

اگر اجنبیہ عورت کو کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا، پھر اسی سے نکاح کر لیا، تو یہ ایلاء نہیں ہوگا کیونکہ وہ محل طلاق نہیں۔ لہذا نکاح کے بعد چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ تک وطی نہ کرے، تو اسے طلاق بائن نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ وطی کرنے پر قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا، کیونکہ اس نے اپنی قسم کو توڑ دیا۔ (تفسیرات احمدیہ)

اگر اجنبیہ عورت کو کہا تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ ہے، تو یہ ظہار نہیں ہوگا باوجود اس کے کہ اس سے نکاح بھی کر لے، کیونکہ یہ الفاظ بولتے وقت وہ منکوحہ نہیں تھی۔ (تفسیرات احمدیہ)

”تربص اربعة اشهر“: چار مہینوں تک انتظار کرنا ہے۔

تربص کا معنی ہے انتظار کرنا، تربص کی اضافت ظرف یعنی ”اربعة اشهر“ کی طرف کر کے واضح کر دیا کہ اس میں وسعت پائی گئی ہے کہ چار مہینے تک وطی نہ کرنے کی مہلت دی گئی ہے، لیکن اگر قسم اٹھا کر چار مہینے یوں ہی گزار دیئے تو عورت کو طلاق بائن ہوگی۔ (تفسیرات احمدیہ)

ایلاء کے الفاظ:

”واللہ لا اقربک“ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔

”واللہ لا اقربک اربعة اشهر“ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے قریب چار مہینے نہیں آؤں گا۔

”وان اقربک فعلی حج او صدقة او صوم او فانت طالق او عبده حر“

اگر میں تمہارے قریب آؤں تو مجھ پر حج لازم ہو جائے اگر میں تمہارے قریب آؤں تو میرے اوپر صدقہ لازم ہو جائے۔ اگر میں تمہارے قریب آؤں تو مجھ پر اتنے روزے رکھنے لازم ہو جائیں، ان سب صورتوں میں ایلاء لازم ہو جائے گا۔

اور اگر یہ کہے میں تمہارے قریب آؤں تو تمہیں طلاق ہو، یہ بھی ایلاء ہے۔ لیکن اس میں عجیب صورت لازم آئے گی، اگر چار مہینے کے اندر جماع کر لیا تو طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور اگر چار مہینے تک وطی نہ کی، تو طلاق بائن ہو جائے گی۔ (تفسیرات احمدیہ)

تذیہ: ایلاء کے لئے صریح لفظ قریب ذکر کیا جائے، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔ یا میرے تمہارے ساتھ جماع نہیں کروں گا، وطی نہیں کروں گا۔

اگر اس نے قسم اٹھا دی، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں فلاں شہر میں نہیں جاؤں گا، اس شہر میں اس کی زوجہ بھی ہے تو یہ ایلاء نہیں، کیونکہ اس کی زوجہ وہاں سے نکل کر دوسرے شہر میں بھی منتقل ہو سکتی ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)

لفظ حرام کا حکم:

”وکذا اقله انت علی حرام ان نوى به الطلاق فبائنة وان نوى به الظهار او الثلاث او

الکذب فمانوى وان نوى به التحريم اولم ينوشيا فایلاء“ (تفسیرات احمدیہ)

اگر اپنی زوجہ سے کہے تو مجھ پر حرام ہے تو ان الفاظ سے اگر اس نے نیت طلاق کی تو طلاق بائن واقع ہوگی، اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا۔ اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی، اگر نیت جھوٹ کی ہو یعنی ویسے ہی ڈرانے کے لئے یہ لفظ استعمال کئے تو کوئی طلاق وغیرہ واقع نہیں ہوگی۔ اور اگر ان الفاظ سے نیت بھی حرام ہونے کی یا کوئی نیت نہیں تو یہ ایلاء ہوگا۔

(تفسیرات احمدیہ)

مسئلہ: جس شخص کی طلاق واقع ہو جاتی ہو، اس کا ایلاء بھی ثابت ہو جائے گا۔ لہذا حر ہو یا عبد ہو (آزاد ہو یا غلام) یا نشے میں ان کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، ان سے ایلاء بھی واقع ہو جائے گا۔ (قرطبی)

نوٹ: تمام فقہاء کرام نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ سکران (نشے والے) کی طلاق نشے کے حال میں دی ہوئی واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: غصہ کی حالت میں طلاق دے یا خوشی کی حالت میں، ہر حال میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ لہذا ہر حال میں ایلاء بھی لازم آجائے گا۔ (ماخوذ از قرطبی)

”فان فاء وافان اللہ غفور رحیم“:

تو اگر وہ رجوع کر لیں تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

یعنی اگر وہ اپنی قسم سے پھر جائیں، عورت سے واپس کر لیں تو ان کی عورت کو طلاق نہیں ہوگی، قسم اٹھا کر جو عورت کو پریشان کیا تھا اور قسم توڑ کر اللہ تعالیٰ کے نام کی عزت کا پاس نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

”وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم“:

اور اگر تم نے پختہ ارادہ طلاق کا کر لیا تو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

یعنی اگر قسم اٹھانے والے شخص نے پختہ ارادہ کر لیا کہ قسم پر قائم رہنا ہے، مجامعت نہیں کرنی تو اللہ تعالیٰ اس کے اس قول کو سننے والا ہے ”صار منهم طلاقاً باننا بمضى المدة“ مدت گزرنے پر یعنی چار مہینے گزرنے پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، یعنی ان کے ایلاء کی جو غرض بھی ہوگی، رب تعالیٰ اسے جانتا ہے، اس کی جزاء ان کو نیت کے مطابق ہوگی۔ (از روح المعانی)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

ایلاء سے رجوع پر مغفرت اور رحمت کو معلق کیا اور عزم طلاق پر سمع اور علم کوتا کہ اہل علم کا امتحان لیا جاسکے کہ وہ کتنا سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مفسرین کرام کو خیر کثیر عطا فرمائے کہ انہوں نے وضاحت فرمائی ہے، خصوصاً احناف نے کہ ایلاء کرنے والے جب دوران مدت وطی کر لیں اور قسم کے توڑنے کا کفارہ ادا کر دیں (کیونکہ کفارہ کا تعلق تو قسم توڑنے اور اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم میں فرق آنے سے ہے) تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمانے والا مہربان ہے کہ اس نیکی پر ان کو ثواب عطا فرمائے گا۔

اور اگر انہوں نے قسم کو نہ توڑنے اور رجوع نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا جو حقیقت میں طلاق کا ہی عزم ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو سننے والا ہے، جو وہ اپنے آپ سے بات کر رہے ہیں یا اپنے اقرباء وغیرہ سے کہ میں رجوع نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ ان کی نیت کو جاننے والا ہے کہ وہ کیا ارادہ رکھتے ہیں، ضمناً ان کو دھمکی بھی دے دی گئی کہ اگر وہ رجوع نہیں کرتے اور عورت پر ظلم کا ارادہ ہی کرتے ہیں تو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں کو بھی جانتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی حاصل کر رہے ہیں۔

(تفسیرات احمدیہ)

اگر وطی کرنا ممکن نہ ہو تو پھر کیا کرے؟

اگر ایک شخص نے قسم اٹھادی کہ وہ اپنی زوجہ کے قریب نہیں جائے گا، اس سے جماع نہیں کرے گا، اب وہ رجوع کرنا چاہتا ہے لیکن کسی مجبوری سے وہ ابھی وطی نہیں کر سکتا کہ وہ خود ایسا مریض ہے کہ وطی پر قادر نہیں، اس کی زوجہ اس حال میں ہے کہ اس سے وطی نہیں کی جاسکتی، تو وہ رجوع کرنے کے لئے صرف زبان سے کہہ دے کہ میں اپنی قسم کو توڑ کر رجوع کر رہا ہوں، تو اب طلاق بائن واقع نہیں ہوگی۔ البتہ جب وطی پر قادر ہوگا تو وطی کرنا لازم ہوگا۔

(ماخوذ از تفسیرات احمدیہ)

ایلاء سے متعلق چند احادیث:

”اخرج عبد الرزاق في مصنفه والبيهقي في سننه من طرق عن ابن عباس قال الفنى

(درمنثور)

جماع“

مصنف عبد الرزاق اور بیہقی میں متعدد طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایلاء

سے رجوع جماع ہے، یعنی چار مہینے کے اندر جماع کرے۔

☆ ”واخرج عبدالرزاق فی المصنف وعبد بن حمید عن الحسن قال الفنی الجماع

فان كان له عذر من مرض او سجن اجزأه ان یفنی بلسانه “ (درمنشور)

حضرت حسن بھری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایلاء سے رجوع جماع سے ہوگا، ہاں البتہ اگر اسے کوئی عذر لاحق ہو یعنی مرض یا قید میں ہونے کی وجہ سے جماع نہ کیا جاسکے تو زبان سے رجوع کر لینا کافی ہے۔

☆ ”واخرج ابن ابی حاتم عن ابن مسعود قال اذا حال بینہ و بینہا مرض او سفر

او حبس او شئ یعذر بہ فاشہادہ فنی “ (درمنشور)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب مرد یا عورت سے کوئی مریض ہو جائے، یا مرد اور عورت کے درمیان کوئی سفر حائل ہو، یا کوئی ایک قید میں ہو، کسی قسم کا کوئی عذر ہو جو وطی سے مانع ہو تو زبان سے رجوع کر لے، لیکن رجوع پر گواہ بنالے تاکہ کسی قسم کا نزاع نہ ہو۔

چار ماہ میں زوجہ سے ایک مرتبہ وطی کرنا:

☆ ”اخرج مالک عن عبد الله بن دينار قال خرج عمر بن الخطاب من الليل يسمع

امراة تقول

وارقني ان لا خليل الابعه

تطاول هذا الليل واسود جانبه

لحرك من هذا السرير جوانبه

فو الله لولا الله اني اراقبه

فسأل عمر ابنته حفصة كم اكثر ما تصير المرأة عن زوجها فقالت ستة اشهر او اربعة

اشهر فقال عمر لا احبس احدا من الجيوش اكثر من ذلك “ (درمنشور)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات کو گشت کر رہے تھے، ایک عورت کی آواز سنی، جو یہ

اشعار پڑھ رہی تھی۔

یہ رات لمبی ہو گئی اور اس کی طرفیں تاریک ہو گئیں، میرے دوست (زوج) کا نہ ہونا مجھے بیدار کئے

ہوئے ہے کہ میں اس سے خواہشات کو پورا کرتی، اس سے کھیلتی۔

قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میری چار پائی اپنی اطراف سے حرکت کر رہی

ہوتی۔ (یعنی میں کسی شخص کو اپنے آپ پر قادر کر لیتی جس کے جماع سے چار پائی حرکت کر رہی ہوتی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی (ام المؤمنین) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ ایک

عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ صبر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا چار ماہ یا چھ ماہ۔ آپ نے فرمایا

کہ میں آئندہ کسی شخص کو چار ماہ سے زائد کسی لشکر میں روکنے کا حکم نہیں دوں گا۔

اسی واقعہ کی تفصیل میں سائب بن جبیر کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس

عورت سے پتہ کرایا کہ اس کی بے قراری کی وجہ کیا تھی؟

”وقالت لہانی عمر بن الخطاب وحشتی فی بیتی وغیبة زوجہ علی وقلہ نفقتی“

تو اس عورت نے بتایا کہ میری بے قراری کی وجہ یہ ہے کہ مجھے گھر میں اکیلے رہتے ہوئے وحشت

ہو رہی ہے، میرا خاوند مجھ سے غائب ہے، یعنی ایک لشکر میں ہے جو بہت دیر سے واپس نہیں آیا،

اور میرے پاس خرچ بھی کم ہے۔

”فلما اصبح بعث الیہا بنقۃ وکسوة وکتب الی عاملہ یسرح الیہا زوجہا“

صبح ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کے پاس خرچ کے لئے مال اور کپڑے بھیج دیئے

اور اپنے عامل کی طرف خط لکھا کہ اس عورت کے خاوند فلاں شخص کو واپس بھیج دے۔ (درمنثور)

زبیر بن بکار نے محمد بن معن سے روایت کی کہ ایک عورت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر عرض کرنے لگی،

”یا امیر المؤمنین ان زوجی یصوم النہار ویقوم اللیل وانا اکرہ ان اشکوہ الیک وھو

یقوم بطاعة اللہ“

اے امیر المؤمنین بیشک میرا خاوند دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتا ہے، یعنی نوافل پڑھتا ہے، اور

میں ناپسند سمجھتی ہوں کہ اس کی شکایت آپ تک پہنچاؤں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔

”فقال لها جزاك الله خيرا من مثية على زوجها“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے خاوند کی تعریف کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس عورت نے اپنے خاوند کے متعلق کہے ہوئے الفاظ کئی مرتبہ کہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی جواب کئی مرتبہ دیا۔ (ممکن ہے کہ آپ نے توجہ نہ کی ہو کہ عورت کیا کہنا چاہتی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ یہ چاہتے ہوں کہ یہ صراحتہ نہ کہے متعلق کچھ ذکر کرے تو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے، کنایہ کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔ ممکن ہے آپ دیکھنا چاہتے ہوں کہ حاضرین میں سے بھی کوئی اس کی بات کو سنتا ہے یا نہیں)

وہاں حضرت کعب بن سوار اسدی بھی موجود تھے، آپ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین اس عورت اور اس کے خاوند کے معاملہ میں کوئی فیصلہ فرمادیں۔ آپ نے فرمایا یہ عورت جو بیان کر رہی ہے کیا اس میں کسی فیصلہ کی بھی ضرورت ہے؟

”فقال انها تشكو مباحة زوجها عن فراشها وتطلب حقها“

انہوں نے کہا یہ اپنے خاوند کے جماع نہ کرنے اس کے بستر سے دور رہنے کی شکایت کر رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کہا جب تم نے اس عورت کے کلام کا مطلب سمجھ ہی لیا تو تم ہی ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دو، کعب نے اس عورت کے خاوند کو طلب کیا اور کہا کہ تمہاری زوجہ تمہاری شکایت کر رہی ہے، اس شخص نے کیا میں اسے خرچ کم دیتا ہوں؟ کعب نے کہا نہیں۔ اس عورت نے کہا۔

الهي خليل عن فراشي مسجده

يا ايها القاضي الحكيم يرشده

فلست في حكم النساء احمده

نهاره و ليله ما يرقده

فاقص القضاء يا كعب لا ترده

زهده في مضجعي تعبده

اے دانا قاضی اس کی راہنمائی کرنے والے۔ میرے خاوند کے بچہ میرے بستر سے اسے دور

رکھتے ہیں۔

دن رات اس کا علیحدہ ہو کر سونا کام ہے۔ میں بحیثیت زوجہ کے اس کی تعریف نہیں کر سکتی۔
اس کا عبادت کرنا میرے بستر سے اسے دور رکھتا ہے۔ اے کعب فیصلہ فرمادیں کوئی تردد نہ کریں۔
اس کے خاوند نے کہا۔

زهدنی فی فرشها وفي الحجل انی امرؤ ازهد فیما قد نزل
فی سورة النحل وفي السبع الطوال وفي کتاب الله تخويف جلل
میں اس کے بستر اور اس کے پاس لیٹنے والی پانگی سے دور رہتا ہوں۔ کیونکہ میں نیک انسان ہوں اور
رب کا حکم نازل ہے سورۃ نحل میں اور سبع طوال میں۔ اور اللہ کی کتاب میں اللہ کا خوف دلایا گیا ہے۔
حضرت کعب نے کہا۔

ان خير القاضين من عدل وقضى بالحق جهرا وفضل
ان لها حق عليك يا رجل تصيها في اربع لمن عقل
قضية من ربها عز وجل فاعطها ذاك ودع عنك العلل
قاضیوں میں بہتر قاضی کا انصاف کا فیصلہ یہ ہے۔ جو فیصلہ حق ہے اور ظاہر اور تفصیلی طور پر کر دیا گیا ہے۔
کہ بے شک اس زوجہ کا تم پر حق ہے اے مرد۔ تم چار مہینے میں اس کے پاس پہنچو (جماع کرو) اگر تمہیں عقل ہے۔
یہ فیصلہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اس عورت کا حق پورا کرو اس میں کوئی حجت بازی نہ کرو۔ (درمنشور)

☆☆☆☆☆

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ
يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۸)

﴿۱﴾

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک، اور انہیں حلال نہیں کہ
چھپائیں وہ جو اللہ نے ان کے پیٹ میں پیدا کیا اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی
ہیں، اور ان کے شوہروں کو اس مدت کے اندر ان کے پھیر لینے کا حق پہنچتا ہے اگر
ملاپ چاہیں۔ اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق، اور
مردوں کو ان پر فضیلت ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

﴿۲﴾

اور جن کو طلاق دی گئی وہ روک کر رکھیں اپنے آپ کو تین حیض (تک) اور نہیں
حلال ان کے لئے کہ وہ چھپائیں جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کی بچہ دانیوں میں اگر
وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور دن آخرت پر، اور خاوندان کے زیادہ حق رکھتے ہیں ان
کے لوٹانے کا اس میں اگر وہ ارادہ رکھیں اصلاح کا، اور ان (عورتوں) کا حق ہے مثل
اس کے جو ان پر حق ہے شرع کے موافق، اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے اور اللہ
غالب (اور) حکمت والا ہے۔

ما قبل سے تعلق:

جب اس سے پہلے ایلاء کا ذکر کیا گیا اور ایلاء چار مہینے کے اندر و طی نہ کرنے کی وجہ سے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے تو اب اس آیت کریمہ میں طلاق کے بعد کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی عدت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ (فرطی)

مختصر مطلب:

جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روک کر رکھیں، یعنی ان کی عدت تین حیض ہے، اور اگر ان کا اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو تو وہ اپنی رحموں (بچہ دانیوں) میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نہ چھپائیں۔ یعنی اگر وہ حاملہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اور آخرت کا خوف کرتے ہوئے بتادیں کہ وہ حاملہ ہیں، کیونکہ حمل کی صورت میں ان کی عدت بچے کی پیدائش ہے، ایسا نہ ہو کہ عدت ختم ہونے سے پہلے ہی اور کسی سے نکاح کر لیں، وہ نکاح نہیں ہوگا۔ اور اگر ان کو رجعی طلاق دی گئی ہو تو ان کے خاوندان سے رجوع کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں، ہاں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو۔ یعنی اچھی طرح شرع کے مطابق ان کو بسانا چاہیں، ان کی عدت لمبی کرنے کا ارادہ نہ ہو ان پر پھر سے مظالم ڈھانے کا ارادہ نہ ہو تو وہ رجوع کرنے کو زیادہ حق رکھتے ہیں۔

عورتوں کے حقوق مردوں پر شریعت کے موافق ایسے ہی ہیں جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں۔ اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور اللہ غالب ہے اور اللہ حکمت والا ہے۔

قدرے تفصیل:

”والمطلقات“ جمع ہے ”المطلقة“ کی۔ مطلقہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جسے طلاق دی گئی، طلاق کے لئے ملک یا نسبت ملک ضروری ہے۔ اگر اجنبیہ عورت کو یہ کہے تجھے طلاق ہے تو یہ الفاظ اس کے ضائع چلے جائیں گے، کیونکہ وہ اس کی منکوحہ بھی نہیں اور ملک کی طرف طلاق کی نسبت بھی نہیں۔

اگر اجنبیہ کو طلاق دیتے وقت یہ کہے کہ جب میں تمہارے ساتھ نکاح کروں تو تجھے طلاق، اس صورت میں جب نکاح کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

اگر منکوحہ کو طلاق دے تو پھر دیکھا جائے کہ اس سے نکاح کے بعد وطی کی تھی یا خلوت صحیحہ پائی گئی یا نہیں، اگر وہ عورت غیر مدخول بہا (یعنی اس سے وطی نہیں کی گئی) ہے اور اس سے خلوت صحیحہ بھی نہیں پائی گئی تو اس کی کوئی عدت نہیں، طلاق کے بعد بغیر عدت کے اس کا نکاح کیا جاسکتا ہے۔ اس مسئلہ کو رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا۔

”یا ایہا الذین امنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم

علیہن من عدۃ تعتدونہا“

(سورۃ الاحزاب)

اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کر لو پھر ان کو مس کرنے (وطی، خلوت صحیحہ)

سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر تمہارے لئے عدت گزارنا لازم نہیں۔

اگر منکوحہ سے وطی کر لی تھی، یا خلوت صحیحہ پائی گئی تھی، تو اب دیکھا جائے گا وہ حاملہ ہے یا نہیں۔ اگر حاملہ ہو تو

اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے، اس مسئلہ کو اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔

”واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن“ اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ (الطلاق)

اگر حاملہ نہیں تو پھر دیکھا جائے کہ ان کو حیض آتا ہے یا نہیں۔ اگر حیض نہیں آتا بچپن کی وجہ سے یا بڑھاپے

کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے حیض مکمل بند ہو گیا، تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اس مسئلہ کو اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

”واللانی ینسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثہ اشھر“ (الطلاق)

اور تمہاری عورتیں جو حیض سے ناامید ہو جائیں اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔

اگر ان کو حیض آنا ممکن ہو تو پھر دیکھا جائے وہ لونڈی ہے یا حرہ (آزاد عورت) ہے۔ اگر لونڈی ہو تو اس کی

عدت دو حیض ہے، جو اجماع امت سے ثابت ہے، اور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہے۔

”طلاق الامة تطلقیان وعدتها حیضتان“ لونڈی کی (مغلظہ) طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔

جس عورت کو حیض آتا ہے اور وہ منکوحہ ہے اس سے وطی یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہے، اس کی عدت کا ذکر اس زیر

بحث آیہ کریمہ میں موجود ہے کہ اس کی عدت طلاق کے بعد تین حیض ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

دینی طلباء کرام کے لئے:

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، جس کا ذکر ان شاء اللہ قریب ہی آ رہا ہے۔

سوال: لفظ ”مطلقات“ جمع ہے جو عموم پر دلالت کر رہا ہے۔ قانون یہ ہے کہ عام سے کم چیزوں کی تخصیص کی جاتی ہے، یہاں تو ”مطلقات“ میں ایک قسم داخل ہے، اور مطلقات کی پانچ قسموں کو اس لفظ عام سے خارج کر دیا گیا ہے، یہ کیسے صحیح ہے؟

جواب: احبیبہ تو لفظ ”مطلقات“ میں داخل ہی نہیں کیونکہ اسے ”مطلقة“ نہیں کہا جاتا، لہذا نہ لفظ ”مطلقات“ اسے شامل ہے، اور نہ ہی اسے عام سے نکالا گیا ہے۔

غیر مدخول بہا (جس سے وطی اور خلوت صحیحہ نہیں پائی گئی) قرینہ سے خارج ہے، کیونکہ عدت کا اصل مقصد رحم کا بری ہونے کا پتہ چلانا ہے، اس کے لئے شریعت نے حدود عدت مقرر کر دی ہیں۔ رحم کی برأت کی ضرورت اس وقت درپیش آتی ہے جب پہلے مجامعت پائی جائے یا خلوت صحیحہ پائی جائے جو مجامعت کے شرعاً قائم مقام ہے، جب یہ صورت نہیں تو وہ خود بخود اس حکم سے خارج ہے۔

حاملہ عورت اور حیض سے ناامید لفظ ”قروء“ سے خارج ہیں، کیونکہ حیض سے عدت وہاں ہوتی جہاں حیض ہو اور جہاں حیض ہی نہ ہو وہاں حیض سے عدت گزارنا متصور ہی نہیں۔

لونڈی سے چونکہ بہت کم ہی نکاح کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ مالک کی خدمت گزاری میں رہتی ہے، اس لئے نوادرات و شواذ ویسے ہی خارج ہوتے ہیں۔

”فثبت ان الاعم الاغلب باق تحت هذا العموم“

تو ثابت ہوا کہ لفظ ”مطلقات“ کا عموم غالب طور پر باقی ہے۔ (کبیر)

راقم کہتا ہے ”والمطلقات“ الف لام عہد خارجی ہے، جو معہود یعنی حیض والی مطلقات کے غیر کو شامل ہی نہیں۔ البتہ لفظ جمع کی وجہ سے جن پر اطلاق ہے ان کے تمام افراد کو شامل ہے۔

تنبیہ:

اعلیٰ حضرت نے ”یتربصن“ کا ترجمہ کیا ہے ”روک کر رکھیں“ راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے، یہ ترجمہ تو امر کا ہے، مضارع کا ترجمہ امر والا کرنا کیسے صحیح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔

”قوله“ یتربصن“ لا شک انه خبر والمراد منه الامر“

کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں اگرچہ ”یتربصن“ مضارع کا صیغہ ہے جو خبر پر دلالت کرتا ہے، لیکن معنی امر کا ہے جو انشاء ہے۔ (از کبیر)

سوال: جب معنی امر کا ہے تو امر کے معنی کو خبر سے تعبیر کرنے کا کیا مطلب ہے؟

پہلا جواب: امر میں کسی کام کو اپنے اختیار اور قصد سے کیا جاتا ہے۔ لیکن خبر میں قصد و اختیار کی ضرورت نہیں۔ اس لئے یہاں امر والا معنی لینے کے لئے مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ ایک مسئلہ واضح کر دیا جائے وہ یہ کہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے یا اس نے طلاق دے دی، عورت کو پتہ نہیں چل سکا، پتہ اس وقت چلا جب عدت گزر چکی ہے تو وہ دوسری جگہ اس وقت نکاح کر سکتی ہے، اسے قصد و اختیار سے عدت گزارنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا جواب: زمخشری نے کشاف میں یہ جواب ذکر کیا ہے کہ امر کو خبر کے صیغہ سے ذکر کرنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ظاہر کرنا یہ مقصود ہوتا ہے کہ اس امر پر جلدی سے عمل کر دیا گیا۔ یہاں بھی یہ بتانا مقصود ہے۔

”فكانهن امثلن الأمر بالتربص فهو يخبر عنه موجودا“

گویا کہ ان عورتوں نے رب تعالیٰ کے حکم کو جلدی سے قبول کر لیا ہے اور ان کا انتظار کرنا موجود ہو چکا ہے۔

اس کی اور مثال دعائیہ کلمات میں دیکھی جائے جیسا کہ کہا جاتا ہے ”رحمنا اللہ“ معنی اس کا یہ ہے ”اے اللہ ہم پر رحم کر“ لیکن صیغہ ماضی کا ذکر کیا گیا، کیونکہ دعا کی قبولیت پر کامل وثوق کیا گیا ہے۔

”کانھا وجدت الرحمة فهو يخبر عنها“ گویا کہ رحمت پائی گئی ہے اور اس کی خبر دی جا رہی ہے۔ (کبیر)

سوال: ”یتربصن“ کے بعد ”بانفسهن“ کے ذکر کا کیا فائدہ ہے، صرف ”یتربصن“ پر اکتفاء کیوں نہیں کیا۔

جواب: عورتوں کو عدت گزارنے پر برا بیچتے کیا گیا ہے کہ وہ یہ تصور کرتے ہوئے کہ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے ہمیں یہ حکم براہ راست دیا گیا ہے، ہم پر کسی اور کو یہ حکم چلانے کے لئے مسلط نہیں کیا گیا تو اس طرح وہ خوشی سے حکم تسلیم کریں گی۔

دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے:

سوال: لفظ انفس جمع قلت ہے حالانکہ نفوس کثیر ہیں، یہاں جمع کثرت کا صیغہ ہونا چاہیے تھا۔ اور ”قروء“ جمع کثرت ہے، حالانکہ حیض تین مراد ہیں، یہاں جمع قلت کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے تھا، عقل کے خلاف دونوں صیغوں کا استعمال کس حکمت کی وجہ سے ہے؟

جواب: نحوی ضابطہ یہ بھی ہے کہ جمع قلت اور کثرت ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتی رہتی ہیں۔

سوال: قروء کا معنی جب حیض ہے تو حیض مؤنث سماعی ہے، اس کے لئے تو ”ثلاث“ استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے ”ثلاث حیض“ تو ”ثلاثہ قروء“ کیوں کہا گیا۔

جواب: ”لانه اتبع تذكير اللفظ ولفظ القروء مذکر“ یہ اس لئے کہ لفظ ”قروء“ مذکر ہے اگرچہ اس کا معنی حیض ہے جو مؤنث سماعی ہے لیکن یہاں لفظ کا اعتبار کیا گیا ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

ثلاثہ قروء: تین حیض۔

”قروء“ لغوی معنی کے لحاظ پر مشترک ہے۔ حیض پر بولا جاتا ہے اور طہر (پائیزگی) پر بھی۔

لیکن شرع میں غالب طور پر استعمال اس کا حیض پر ہی ہے، یہاں بھی مراد حیض ہے، یعنی عدت تین حیض ہے، ”قروء“ کا معنی حیض لیا جائے، کیونکہ اس پر چند وجوہ سے دلائل پائے جاتے ہیں۔

(۱) ”روی عن النبی ﷺ انه قال ”دعی الصلوۃ ایام اقراء ک“

نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کے مسئلہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا تم نماز چھوڑ دو اپنے حیض کے دنوں میں۔

اتنا مسئلہ واضح ہے کہ نماز حیض کے دنوں میں چھوڑی جاتی ہے، پاکیزگی کے دنوں میں نہیں، جب حدیث شریف میں ”اقراء“ (جو جمع ہے قراء کی) کا معنی حیض ہے۔ تو اس آیت کریمہ میں بھی ”قروء“ کا معنی حیض ہی لیا جائے گا۔

(۲) ”ثلاثة“ لفظ خاص ہے۔ جس کا معنی ہے ”تین“ قرآن پاک میں استعمال ہونے والا لفظ خاص خبر واحد یا

قیاس سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ ثلاثہ کی تخصیص اسی وقت تک برقرار رہے گی جب معنی حیض لیا جائے، کیونکہ طلاق طہر میں دینی چاہئے، اس کے بعد عدت تین حیض مکمل ہو جائے گی۔ اگر عدت تین طہر ہو تو تین مکمل نہیں ہوتے، بلکہ یا تو بڑھ جائیں گے یا کم رہیں گے، کیونکہ جس طہر میں طلاق دی گئی اگر وہ بھی شمار کیا جائے تو تین طہر مکمل نہیں ہو سکتے، اگر اس کے بغیر تین اور مراد لئے جائیں تو تین سے بڑھ جائیں گے۔

(۳) تین مہینے ان عورتوں کی مدت ہے جن کو حیض نہیں آتا، جب حیض نہ آنے کی صورت میں اس کا بدل تین مہینے مقرر کیا گیا، تو یقیناً اصل عدت حیض ہی ہوں گے۔

(۴) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”طلاق الامۃ تطلیقان وعدتھا حیضتان“ لونڈی کی طلاق دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔ جب لونڈی کی عدت دو حیض ہے تو یقیناً حرہ کی عدت تین حیض ہیں۔

(۵) عدت میں اصلی غرض رحم کی براءت (بچہ دانی کا حمل سے پاک ہونا) معلوم کرنا ہے، وہ حیض سے ہی معلوم ہو سکتی ہے، طہر سے نہیں۔ (ماخوذ از کبیر)

”ولا یحل لهن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامهن“:

اور نہیں حلال ان کے لئے کہ چھپائیں جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کی بچہ دانیوں میں۔

عدت کا ختم ہونا تین حیض کے ختم ہونے پر موقوف ہے، اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل سے مکمل ہوتی ہے، اس پر مرد کا مطلع ہونا آسان نہیں، اس لئے عورت کو اس پر ایمنہ بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے حمل کو نہ چھپائے، ایسا نہ ہو کہ عدت ختم ہونے کا دعویٰ کرے اور واقع میں اس کی عدت ختم نہ ہوئی ہو تو حرام کی مرتکب ہو۔

”ان کن یؤمن بالله والیوم الآخر“:

اگر وہ ایمان رکھتی ہوں اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔

حمل کو چھپانے سے نہی ایمان پر موقوف نہیں۔ بلکہ جس طرح کسی کو کہا جائے ”ان کنت من منافلا تظلم“ اگر تو مومن ہے تو ظلم نہ کر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تو ایمان والا ہے تو ایمان تجھے ظلم سے روکے۔ اسی طرح اس آیت کریمہ میں عورتوں کے لئے وعید شدید ہے کہ اے عورتو! جب تم ایمان والی ہو تو تمہارا ایمان تمہیں اس سے روکے کہ تم اپنی رحموں (بچہ دانیوں) میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو چھپاؤ۔

”وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا“:

اور خاوندان کے زیادہ حق رکھتے ہیں ان کی طرف رجوع کرنے کا اس میں اگر وہ ارادہ کریں اصلاح کا۔

طلاق کا پہلا حکم بیان کیا عدت گزارنے کا، یہ دوسرا حکم بیان کیا جا رہا ہے رجوع کرنے کا۔

”وبعولتھن“: ”بعولة“ میں دو قول ہیں۔

ایک یہ ہے کہ یہ لفظ جمع ہے ”بعل“ کی، جیسے فحولة، ذکورة، جدودة، عمومة وغیرہ جمع ہیں۔ اور تا، جو و قبی حالت میں ہاء بن جاتی ہے، یہ زائد ہے اور جمع کی تاکید کے لئے ہے۔ یہ تا، ہر جمع میں نہیں لانی جاسکتی، بلکہ وہاں ہی آئے گی جہاں عرب حضرات نے اسے استعمال کیا ہوگا۔ اسی لئے ”کعب“ کی جمع ”کعوبة“ اور ”کلب“ کی ”کلابة“ نہیں آئے گی۔

”بعل“ کا لفظ مشترک ہے جس طرح ”زوج“ کا لفظ مشترک ہے۔ مذکر اور مؤنث دونوں پر یہ دونوں لفظ

بولے جاتے ہیں۔ ”بعل“ کا معنی سردار اور مالک بھی آتا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ”من بعل هذه الناقة“ اونٹنی کا مالک کون ہے۔ اور ”بعل“ کا اطلاق بتوں پر بھی کیا گیا، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد گرامی ہے؟ ”اتدعون بعلا“ کیا تم بت کی پوجا کرتے ہو۔

دوسرا قول ”بعولة“ مصدر ہے، کہا جاتا ہے ”بعل الرجل بعولة“ جس کا معنی ہے جماع کرنا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ایام تشریق (گیارہ بارہ، تیرہ ذی الحج) کے متعلق یہ ہے۔ ”انہا ایام اکل وشرب وبعال“ بے شک یہ دن کھانے اور پینے اور جماع کرنے کے ہیں (یعنی ان دنوں میں روزہ نہ رکھا جائے)

”وامرأة حسنة البعل اذا كانت تحسن عشرة زوجها“ جب عورت اپنے خاوند سے اچھی معاشرت رکھتے تو اس سے جماع کرنا بھی اچھا لگتا ہے، یعنی وہ اپنے آپ کو اچھی طرح جماع کے لئے پیش کرتی ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے ”اذا احسنن یعل ازواجکن“ (اے عورتو) جب تم اپنے آپ کو حسین بنا کر رکھو گی تو تمہارے خاوند تم سے جماع کریں گے۔

اس قول کے مطابق آیہ کریمہ کا ترجمہ ہوگا۔ ”واہل بعلوتھن احق بر دھن“ ان سے جماع کرنے والے (ان کے خاوند) ان کی طرف رجوع کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

”فی ذلک“: میں ”ذلک“ کا اشارہ ”تربص“ کی طرف ہے۔ اب معنی یہ ہو گیا۔ ”احق بر رجعتھن فی مدۃ ذلک التربص“ ان کے خاوند ان سے رجوع کرنے کا حق رکھتے ہیں، اس مدت انتظار میں، یعنی عدت کے دنوں میں۔

”رد یرد، ردا“ کا معنی پھیرنا، لوٹانا، رجوع کرنا، جیسا کہ کہا جاتا ہے ”رد دتھا ای رجعتھا“ میں نے اس کی طرف رجوع کیا۔

”ان حق الرد انما یثبت فی الوقت الذی ہو وقت التربص فاذا انقضی ذلک الوقت فقد بطل حق الرد والرجعة“

رجوع کرنے کا حق اسی وقت تک رہے گا جب عدت قائم رہے گی، جب عدت ختم ہو جائے گی تو خود بخود رجوع کا حق بھی ختم ہو جائے گا۔

”ان ارادوا اصلاحاً“: اگر وہ ارادہ رکھتے ہوں اصلاح کا۔

یعنی ان عورتوں کے خاوند رجعی طلاق کے بعد رجوع کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں، اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں، ان کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ رکھیں۔ جس طرح عنقریب ”ولا تمسکوهن ضراراً تعتدوا“ میں واضح طور پر ذکر آجائے گا۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ طلاق کے بعد رجوع کر لیتے تھے، پھر طلاق دے دیتے تھے، اس طرح عورتوں عدت لمبی ہو جاتی تھی، اس ظالمانہ طریقہ سے منع کیا گیا اور کہا گیا کہ اصلاح کی غرض سے رجوع کرنا چاہیں تو کریں۔
اعتراض: ”ان ارادوا“ میں ”ان“ حرف شرط ہے۔ قانون یہ ہے کہ شرط کے نہ پائے جانے سے حکم نہیں پایا جاتا، اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ اصلاح کا ارادہ نہ ہو تو رجوع ہی ثابت نہ ہو، حالانکہ رجوع تو ہر حالت میں ثابت ہو جاتا ہے۔

جواب: ارادہ دل کا فعل ہے، دوسرا کوئی اس پر مطلع نہیں ہو سکتا، اس لئے رجوع کی دادر و مدار ظاہری الفاظ یا فعل پر ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے نقصان پہنچانے کے لئے رجوع کیا تو وہ گنہگار ہوگا۔ (ماخوذ از کبیر)

”ولهن مثل الذی علیهن“: اور ان عورتوں کے لئے مثل اسی کے ہے جو ان پر ہے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

اس مقام میں ”صنعة احتباك“ پائی گئی ہے، وہ یہ کہ اول کو حذف کر دیں، دوسرے کے قرینہ سے یا دوسرے کو حذف کر دیں اول کے قرینہ سے۔

”ولا يخفى لطفه فيما بين الزوج والزوجة“ زوج اور زوجہ کے درمیان حقوق کو بیان کرنے میں

”صنعت احتباک“ کا طریقہ استعمال عجیب لطف پر مشتمل ہے۔ گویا کہ معنوی طور پر عبارت یوں ہے۔

”ولهن علیہم مثل الذی لہم علیہن“ عورتوں کے لئے مردوں پر ایسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں پر ان کے حقوق ہیں۔

”والمراء بالمماثلة، المماثلة فی الوجوب لافى جنس الفعل“

مماثلت سے مراد وجوب میں مماثلت ہے یعنی عورتوں پر بھی مردوں کے حقوق واجب ہیں اور مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق واجب ہیں۔

یہ مطلب نہیں کہ جو کام عورت کرے وہی مرد بھی کرے کہ عورت کپڑے دھوئے اور روٹی پکائے تو مرد بھی یہی فعل کرے۔ البتہ مردان کے مقابل اس قسم کے راحت پہنچانے والے کام کرے۔ (روح المعانی)

”بالمعروف“: شرع کے موافق

”بالمعروف (بالوجہ الذی لا ینکر فی الشرع وعادات الناس فلا یکلف احد الزوجین صاحبه ما لیس له“ (مدارک التنزیل)

یعنی عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہی ہیں جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، معروف طریقہ سے، معروف طریقہ سے مراد یہ ہے کہ وہ شرع کے موافق ہوں۔ وہ حقوق نہیں جن کا شریعت انکار کرے، حقوق تو ہیں ہی وہ جن کا شریعت انکار نہ کرے اور مسلمان لوگوں کی عادات کے خلاف نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جن کاموں پر زوج قدرت نہیں رکھتا ان پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا، اور جن کاموں پر زوجہ طاقت نہیں رکھتی، ان پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (مدارک)

”وذلك ان حق الزوجية لا يتم الا اذا كان كل واحد منهما يراعى حق الآخر فيماله وعليه“

یعنی اس وقت تک زوجیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک ہر ایک زوجین میں سے ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ نہ کریں۔ اگر خاوند چاہتا ہے کہ زوجہ میرے حقوق ادا کرے تو خاوند کو بھی چاہئے

کہ وہ زوجہ کے حقوق ادا کرے، اور اگر زوجہ چاہتی ہے کہ زوج میرے حقوق ادا کرے تو وہ خود بھی زوج کے حقوق ادا کرے۔
(حارث)

خاوند اور بیوی کے حقوق:

حقوق کی دو قسمیں ہیں بعض شرعی اور بعض اخلاقی۔

حقوق شرعیہ وہ ہیں جن کے ادا نہ کرنے پر عدالت سے رجوع کیا جاسکتا ہے، حاکم جبراً وہ حقوق دلائے گا یا بعض حقوق کے ادا نہ کرنے پر نکاح فسخ کر دے گا۔

اور حقوق اخلاقیہ وہ ہیں جن کے ادا کرنے سے رجوع نہیں کیا جاسکے گا، البتہ خاوند حقوق اخلاقیہ میں کمی کرے گا تو زوجہ کو بھی حق حاصل ہوگا کہ وہ بھی حقوق اخلاقیہ میں کمی کر دے تاکہ خاوند کو بھی احساس ہو جائے۔

عورت کے حقوق خاوند پر:

خاوند پر عورت کے حقوق شرعیہ واجبہ چار قسم کے ہیں۔

(۱) کھانا جیسے خود کھائے ایسے زوجہ کو بھی کھلائے۔

(۲) اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق لباس مہیا کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اسے آرام پہنچانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ”لینفق ذو سعة من سعة“ ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے۔

یعنی مال دار اپنی وسعت کے مطابق خرچ دے اور غریب شخص اپنی وسعت کے مطابق۔ اور ارشاد فرمایا۔

”وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف“ بچے کے باپ پر ان کی ماؤں کا رزق اور کپڑے۔

لازم ہیں اچھے طریقے سے۔

یعنی اپنی طاقت کے مطابق دے، غنی پر اس کی طاقت کے مطابق رزق اور کپڑے دینے لازم ہیں، اور

غریب پر اس کی طاقت کے مطابق لازم ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

”ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف“ تم پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کو اپنی طاقت کے مطابق کپڑے اور رزق دو۔

خیال رہے کہ اگر عورت کو طلاق بھی دے دی جائے تو پھر بھی خرچہ عدت کے دوران خاوند پر ہی لازم ہے۔ عدت گزرنے کے بعد خاوند کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

تنبیہ: خاوند اگر خرچ بہت کم دے جو زوجہ اور بچوں کے جائز حقوق کو کافی نہیں ہو سکتا تو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اس کا مال اتنی مقدار میں لے سکتی ہے جس سے اس کی جائز ضروریات پوری ہو سکیں، حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! میرے خاوند ابوسفیان کنجوس شخص ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کو کفایت کر سکے، کیا میں ان کے علم کے بغیر ان کا مال لے لیا کروں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”خذی من ماله بالمعروف ما یکفیک ویکفی بنیک“ ہاں اتنا مال تم لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو اچھے طریقے سے کافی ہو جائے۔

(۳) عورت کو رہنے کے لئے مکان دینا خاوند پر لازم ہے۔

”وعلى الزوج ان يسكنها فی دار مفردة لیس فیها احد من اهلہ الا ان تختار ذلک“ خاوند پر لازم ہے کہ زوجہ کو علیحدہ کمرہ دے جس میں اس کے گھر کا اور کوئی فرد نہ ہو، ہاں اگر زوجہ دوسرے حضرات (ساس، سر، نند) کو اپنے کمرہ میں رہنے کی اجازت دے تو جائز ہے، کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اسکنو هن من حیث سکنتم من وجدکم“ عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو وسعت کے مطابق۔

”والسکنی بالملک او الاجارة او العاریة واجبة اجماعاً“ ٹھہرنے کے لئے مکان دینا خاوند پر واجب ہے بالاتفاق، البتہ مکان عام ہے کرایہ پر لیا جائے، کسی سے مانگ کر لیا جائے یا ملکیت ہو۔

(۴) مرد پر لازم ہے کہ ایک مرتبہ کم از کم مجامعت کرے، اگر ایک مرتبہ بھی مجامعت نہ کر سکے تو قاضی نکاح کو فسخ کر دے۔

”واذا كان الزوج عينا اجله الحاکم سنة فان وصل اليها فبها والا فرق بينهما اذا طلب المرأة ذلك“

جب خاوند نامرد ہو یعنی وطی نہ کر سکے تو حاکم ایک سال کے لئے اسے مہلت دے، اگر وہ جماع کرنے کے قابل ہو گیا اور عورت سے مجامعت کر لی تو بہتر ورنہ قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے لیکن شرط یہ ہے کہ اگر عورت تفریق کا مطالبہ کرے تو تفریق کی جائے گی۔ اور اگر تفریق کا مطالبہ نہ کرے بلکہ اسی حالت میں خاوند کے پاس رہنا چاہے تو قاضی تفریق نہیں کر سکتا کیونکہ یہ عورت کا حق ہے۔

مسئلہ: مرد کو چاہئے کہ کم از کم چار ماہ میں ایک بار اپنی بیوی سے ضرور صحبت کرے، بلا وجہ عورت کو چھوڑ کر بہت دن سفر میں نہ رہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل ایلاء کی بحث میں گزر چکی ہے۔

(از ابتداء حقوق تا انتہاء، بخاری، مسلم ہدایہ، فتح القدیر، شامی، درمنثور، نعیمی)

خاوند پر زوجہ کے اخلاقی حقوق:

عورت کے خاوند پر اخلاقی حقوق کثیر ہیں، ہر وہ حق جو حسن اخلاق میں آتا ہو وہ خاوند پر اخلاقاً لازم ہے، اور ہر وہ قول و فعل جو بد مزاجی میں آتا ہے اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اگر انسان زوجہ کو اپنے گھر کا ایک فرد سمجھے تو یقیناً تمام گھریلو جھگڑے، فساد ختم ہو جائیں گے، لیکن بشرطیکہ وہ زوجہ بھی اپنے آپ کو یہی سمجھے کہ میں یہاں اجنبی نہیں بلکہ اس گھر کا ایک فرد ہوں۔ شریعت نے اسی وجہ سے زوجہ کے ماں باپ کو خاوند کے ماں باپ ہونے کا درجہ دیا ہے اور خاوند کے ماں باپ کو زوجہ کے ماں باپ ہونے کا درجہ دیا ہے۔

جب یہ بات دونوں کو سمجھ آ جائے تو ساس اور بہو کے جھگڑے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، بہو کو ساس کی اتنی بات برداشت کرنی چاہئے جتنی ماں کی برداشت کرتی ہے۔ اور ساس کو بہو کی اتنی بات برداشت کرنی چاہئے جتنی وہ اپنی بیٹی کی برداشت کرتی ہے۔

مقام تعجب اور مقام افسوس یہی ہے کہ ہمارے معاشرے میں ساس کو ماں نہیں سمجھا جاتا اور بہو کو بیٹی نہیں سمجھا جاتا، بات بات پر دنگ و فساد برپا کر دیا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر ساس اور بہو کی لڑائی سے ہی گھر برباد ہوتے نظر آتے ہیں، کاش آج کی ساس کو اتنا ہوش آئے کہ کل میں بھی کسی کی بہو تھی، اور آج کی بہو کو یہ سمجھ آئے کہ کل میں نے بھی کسی کی ساس بننا ہے۔

شریعت مطہرہ نے تو ساس کو ماں بنا کر شفقت کرنے کا حکم دیا ہے اور بہو کو بیٹی بنا کر عزت و احترام کرنے کا حکم دیا ہے، آج دونوں شریعت کے احکام سے دور ہو کر پریشانیوں کا شکار ہیں۔

خاوند پر اخلاقاً لازم ہے کہ وہ اپنی زوجہ کی ہر قسم کی تکلیف کو دور کرنے کی اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا رہے، بیمار ہونے پر جتنا ہو سکے علاج کرائے۔ اس کے والدین کو اس کی ملاقات سے نہ روکے، کیونکہ اس میں قطع رحمی ہے، جو گناہ ہے، اس کے محرم آدمیوں یعنی چچا، ماموں، بھائی، بھانجوں، بھتیجیوں کو اس کے پاس آنے سے نہ روکے۔ البتہ اس کے ماں باپ ہر ہفتے میں ایک دن آسکتے ہیں، دوسرے رشتہ دار سال میں ایک مرتبہ آئیں تو بہتر لیکن اخلاقی طور پر وقت کا تعین نہیں۔ عام عادت کے مطابق اور ضرورت کے مطابق جب بھی یہ لوگ ملاقات کرنا چاہیں اسی وقت ملیں۔ خاوند کو چاہئے کہ وہ انہیں کشادہ روئی یعنی ہنس مکھ چہرے سے ملے۔

”وینبغی ان یا ذن لہافی زیارتہما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف“ (فتح القدیر)

خاوند کو چاہئے کہ وہ اپنی زوجہ کو اتنی دیر بعد اجازت دے کہ وہ اپنے والدین کو ملے، جتنی دیر میں عام طور پر ملاقات کرنے کا رواج ہو یا عورت کی تمنا ہو۔

یقیناً شروع شروع میں عورت جلدی جلدی ملاقات کی تمنا کرتی ہے، عیال میں مشغول ہونے کے بعد خود ہی اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

زوجہ پر خاوند کے حقوق:

زوجہ پر بھی وہ قسم کے حقوق ہیں، ایک شرعیہ اور دوسرے اخلاقاً لازم ہیں۔ جن کے نفاذ کرنے میں عدالت کی طرف رجوع نہیں ہو سکے گا۔

عورت پر حقوق واجبہ تین ہیں۔

(۱) عورت پر واجب ہے کہ مرد کو اپنے آپ پر قدرت دے، یعنی اسے جماع سے نہ روکے، جب تک کوئی شرعی عذر نہ ہو، یعنی حیض و نفاس سے پاک ہو۔ اور ایسی کوئی بیماری بھی نہ ہو جس سے تکلیف ہو یا مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو اسے روکنے کا حق حاصل ہے، بلا عذر روکنا منع ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”اذا دعا الرجل امراته الى فراشه فابت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح“

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب عشرة النساء)

جب مرد عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور عورت (بغیر عذر کے) انکار کرے اور خاوند رات کو ناراضگی میں گزارے، تو اس زوجہ پر فرشتے صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

☆ دوسری روایت میں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کوئی مرد ایسا نہیں کہ وہ اپنی زوجہ کو اپنے بستر پر بلائے تو وہ انکار کر دے، مگر یہ کہ اس عورت پر اللہ تعالیٰ اس وقت تک ناراض رہتا ہے، جب تک وہ اپنے خاوند کو راضی نہ کرے۔

☆ حضرت طلق بن علی سے مروی ہے، آپ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”اذا الرجل دعا زوجته فلتأتاه وان كانت على التنور“ (ترمذی، مشکوٰۃ باب عشرة النساء)

جب خاوند اپنی زوجہ کو اپنی حاجت کے لئے بلائے فوراً اس کے پاس آجائے خواہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو۔

یعنی اگر وہ روٹیاں پکا رہی ہے اور روٹیوں کے جل جانے کا بھی خطرہ ہو تو کوئی حرج نہیں، روٹیوں کو جلنے دے اس لئے کہ مال بھی خاوند کا ہی ہے اور وہی اپنی حاجت کے لئے بلا رہا ہے گویا کہ وہ اپنے مال کے ضائع ہونے پر رضامند ہے۔

(مرقاۃ)

☆ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کوئی عورت اپنے خاوند کو دنیا میں تکلیف نہیں پہنچاتی مگر یہ کہ جنتی حوریں کہتی ہیں۔

”لا تؤذیه، قاتلک اللہ فانما هو عندک دخیل یو شک ان یفارقک الینا“

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب عشرة النساء)

اللہ تمہیں برباد کرے تم اسے نہ ستاؤ، یہ تمہارے پاس مہمان کی حیثیت سے ہے، عنقریب ہی تمہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آنے والا ہے۔

وضاحت حدیث: ”قاتلک اللہ“ کا معنی ہے ”اللہ تم پر لعنت کرے، اللہ تمہیں جنت سے دور رکھے“ جو معنی راقم نے تحریر کیا ہے ”اللہ تمہیں برباد کرے“ یہ معنی دونوں کو شامل ہے۔

جتنی حوروں کا یہ کہنا کہ یہ تمہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آ کر ہمارا مہمان بنے والا ہے، اسی طرح پہلی حدیث فرشتوں کے لعنت کرنے کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آسمانی مخلوق دنیا والوں کے اعمال پر مطلع ہوتی ہے۔ (مرفاۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”المرأة اذا صلت خمسها وصامت شهرها واحصت فرجها و اطاعت بعلها فلتدخل

من ای ابواب الجنة شاءت“ (ابو نعیم، مشکوٰۃ باب عشرة النساء)

عورت جب پانچ نمازیں ادا کرے اور ایک ماہ (رمضان شریف) کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے، اسے اجازت ہوگی جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہوا کہ مذکورہ بالا صفات رکھنے والی عورت کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی، اور جنت میں پہنچنا اور جنت حاصل کرنا اس کے لئے آسان ہوگا۔ (مرفاۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔

”لو كنت أمر احدا ان يسجد لاحد لا مرت المرأة ان تسجد لزوجها“

(ترمذی، مشکوٰۃ باب عشرة النساء)

اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی ایک کو (اللہ تعالیٰ کے بغیر) وہ سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

سجدہ بہت زیادہ عاجز ہونے اور مطیع ہونے پر دلالت کرتا ہے، اسی لئے سجدہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کو جائز نہیں۔ حدیث پاک سے یہ واضح ہوا کہ عورت پر خاوند کے بہت حقوق ہیں، جن کا شکر یہ ادا کرنے سے وہ قاصر ہے۔ اور یہ واضح ہوا کہ عورت کو خاوند کی بہت زیادہ فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے۔

فائدہ: اگر غیر خدا کو معبود سمجھ کر سجدہ کیا گیا تو یہ شرک اور کفر ہے۔ اور اگر معبود سمجھ کر سجدہ نہیں کیا گیا بلکہ تعظیم کے لئے سجدہ کیا گیا تو یہ حرام ہوگا لیکن کفر نہیں ہوگا۔ ایسا سجدہ کرنے والے کو فاسق تو کہا جاسکے گا لیکن مشرک نہیں کہا جاسکے گا۔

”قال قاضیخان ان سجد السطان ان كان قصده التعظیم والتحية دون العبادۃ لا

(قاضیخان، مرقاۃ)

یکون ذلک کفرا“

قاضی خان رحمہ اللہ نے بیان فرمایا اگر کوئی شخص بادشاہ کو تعظیم کے ارادے سے سجدہ کرے، وہ سجدہ

عبادت کے ارادہ سے نہ ہو تو یہ کفر نہیں، اگرچہ حرام ہوگا، بہت بڑا گناہ ہوگا، ایسا سجدہ کرنے والا

فاسق و فاجر ہوگا، البتہ مشرک نہیں ہوگا۔

تذبیہ: عورت کا مہر اگر خاوند نے ادا نہیں کیا تو اس وجہ سے عورت نے خاوند کو اپنے قریب آنے (جماعت کرنے سے) منع کر دیا تو یہ اس کا حق ہے وہ منع کر سکتی ہے۔

”وللمراءۃ ان تمنع نفسها حتی تاخذ المهر وتمنع ان یخرجها“ (ہدایۃ)

عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نفس پر خاوند کو قادر ہونے سے منع کر دے یہاں تک کہ وہ اپنا

مہر لے لے اور عورت کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ خاوند کے ساتھ کہیں سفر میں جانے سے انکار کر

دے کہ پہلے میرا مہر ادا کرو پھر میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔

ہاں اگر مہر ادا کرنے کے لئے ایک خاص وقت تک مہلت طلب کر رکھی ہے، تو اس وقت سے پہلے عورت

مطالبہ نہیں کر سکتی۔

(۲) زوجہ پر خاوند کا دوسرا حق یہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کہیں باہر نہ جائے۔ ہاں اگر زوجہ

نے خاوند کی اجازت سے دایہ بننے کے لئے کسی سے معاہدہ کر لیا، یا کسی کے کپڑے وغیرہ دھونے کے لئے

معاہدہ کر لیا، تو اب وہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر وہ کام بجالا سکتی ہے، کیونکہ خاوند پہلے اجازت دے چکا ہے۔ اگر عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت کے بغیر کسی محرم کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے۔ اجنبی لوگوں کی بیمار پرسی کے لئے یا ان کی زیارت کے لئے، ایسے ولیمہ میں جہاں مرد، عورت ایک جگہ جمع ہوں۔ پردے کا کوئی انتظام نہ ہو، ایسی جگہ عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر جانا بھی ناجائز ہے، اور خاوند کا اجازت دینا بھی ناجائز ہے۔

”ولو اذن وخرجت کانا عاصیین“ اگر خاوند نے اجازت دے دی اور عورت اجنبی لوگوں کی محفل میں چلی گئی تو خاوند اور بیوی دونوں گنہگار ہوں گے۔ خاوند غیر شرعی چیز کی اجازت دے کر گنہگار ہوا اور عورت غیر شرعی محفل میں شریک ہو کر اجنبی لوگوں سے گپ شپ لگا کر، ہاتھ ملا کر گناہوں کا پتلا بن گئی۔

(۳) تیسرا حق زوجہ پر خاوند کا یہ ہے کہ کسی اجنبی کو گھر نہ آنے دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”لا یخلون رجل بامرأة الا کان ثالثها شیطان“ (ترمذی، مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ)

کوئی مرد کسی اجنبی عورت سے ہرگز علیحدہ ہو کر نہیں بیٹھے گا مگر وہاں تیسرا شیطان ہوگا۔

یعنی شیطان ان دونوں کے ساتھ ہوگا اور خواہشات پر دونوں کو ابھارے گا، جس کی وجہ سے وہ دونوں بدکاری جیسے عظیم جرم میں مبتلا ہوں گے۔

آج کے دور میں دل کے صاف ہونے کے دعویدار دفاتر میں اجنبی مرد اور عورت بند کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر براجمان ہیں، ذرا دل کی گہرائیوں سے سچ تو بتائیں کہ ان کا کیا حال ہوتا ہے، کیا فرمانِ مصطفیٰ ﷺ جھوٹا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یقیناً دفاتر جہاں مردوں، عورتوں کا اختلاط ہے اور ہسپتال، شیطان کی آماجگاہ ہیں، جہاں ہمہ وقت شیطان کا بسیرا ہو، وہاں خیر کی توقع کیا ہو سکتی ہے۔

عورت پر خاوند کے اخلاقی حقوق:

عورت پر اخلاقی حقوق بھی خاوند کے اخلاقی حقوق کی طرح ہیں، ہر وہ کام جو عورت کی خوش مزاجی اور خاوند کی تابعداری اور سلیقہ شعار ہونے پر دلالت کرے وہ اخلاقاً اس کے ذمہ لازم ہے۔

کھانا پکانا، کپڑے دھونا، گھر کی صفائی وغیرہ، یہ ایسے کام ہیں جن سے عورت کے سلیقہ شعار ہونے یا ست اور گندہ ہونے کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکے گا جب عورت خاوند کے گھر کو اپنا گھر سمجھے، زندگی بھر وہاں رہنے کا پکا ارادہ رکھے۔

☆ "وقال ابن عباس انی لا حب ان اتزین للمرأة کما احب ان تتزین لی المرأة لان الله

يقول (ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف)"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں عورت کے لئے اپنے آپ کو مزین کرنا پسند کرتا ہوں، جس طرح عورت میرے لئے زینت کرتی ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ "ولهن مثل

الذی علیهن بالمعروف" (ابن ابی حاتم و ابن جریر، صابونی)

☆ "عن جابر بن عبد الله قال خطب النبي ﷺ بعرفات فقال اتقوا الله في النساء فانكم

اخذتموهن بامانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله وان لكم عليهن ان لا يوطئن

فرشكم احد اتركه هو نه فان فعلن فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن

و كسوتهن بالمعروف" (مسلم، صابونی)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مقام عرفات میں خطبہ دیا تو ارشاد

فرمایا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، بیشک تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے بدلے حاصل کیا،

اور ان کی فرجوں کو تم نے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے بدلے اپنے لئے حلال کیا، اور وہ تمہارے فراش پر آنے

کی کسی ایک کو اجازت نہ دیں جن کو تم ناپسند سمجھتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو غیر واضح مار (ہلکی

مار)، ان کے لئے تم پر لازم ہے کہ تم ان کو خرچ دو اور ان کو کپڑے دو شرع کے مطابق۔

”عن ابن عمر قال جاءت امرأة الى النبي . فقالت يا رسول الله ما حق الزوج على الزوجة فذكر فيها اشياء لا تصدق بشئ من بيته الا باذنه فان فعلت كان له الاجر وعليها الوزر فقالت يا رسول الله ما حق الزوج على زوجته فقال لا تخرج من بيته الا باذنه ولا تقوم يوما الا باذنه“ (احکام القرآن للجصاص)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کیا یا رسول اللہ! خاوند کا حق زوجہ پر کیا ہے؟ تو آپ نے چند چیزوں کا ذکر کیا، (ان میں یہ بھی کہا) عورت اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ نہ کرے، اگر اس نے صدقہ کر دیا تو وہ گنہگار ہوگی، البتہ خاوند کو ثواب حاصل ہوگا۔

(لیکن خیال رہے کہ عام عادت کے مطابق معمولی صدقہ کرنا جائز ہے، زیادہ مقدار میں صدقہ کرنے کے لئے اجازت طلب کرنی پڑے گی)

عورت نے پھر کہا یا رسول اللہ ﷺ خاوند کا زوجہ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نہ نکلے اور دن کو (نفل) روزے خاوند کی اجازت کے بغیر نہ رکھے۔

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر النساء امرأة اذا نظرت الیہا سرتک واذا امرتہا اطاعتک واذا غبت عنہا حفظتک فی مالک ونفسہا ثم قرأ (الرجال قوامون علی النساء) الآیۃ“ (احکام القرآن للجصاص)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سے بہتر عورت وہ ہے جسے تم دیکھو تو وہ تمہیں خوش کرے اور جب تم اسے حکم دو تو وہ تمہاری فرمانبرداری کرے، اور جب تم غائب ہو تو وہ تمہارے مال کی حفاظت کرے، اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ”الرجال قوامون علی النساء“ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

”وللرجال علیہن درجة“: اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے۔

یعنی یہ نظام قدرت ہے اور رب تعالیٰ کا جب فیصلہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے تو عورتوں یا ان کے ہمنوا اسلام ہے اور مردوں کے شوروغل کا کیا مطلب کہ مرد اور عورتیں برابر ہیں۔

”رجال“ جمع ہے ”رجل“ کی، جو ماخوذ ہے ”رجلة“ سے جس کا معنی قوت و بہادری، جیسا کہ کہا جاتا ہے ”رجل بین الرجلین“ فلاں شخص کی قوت واضح ہے۔ ”وہو ارجل الرجلین“ وہ دو شخصوں سے بہادر ہے، ”فرس رجل“ گھوڑا چلنے میں تیز ہے یعنی طاقتور ہے۔ ”الرجل“ (مکسر الراء) پاؤں کو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ چلنے میں طاقت دیتا ہے۔ ”ارتجل الکلام“ فی البدیہ کلام کہنا یعنی وہ شخص اس پر قوت رکھتا ہے کہ بغیر سوچنے اور سمجھنے کے کلام کرنے پر قادر ہے کہ وہ فصیح کلام کرتا ہے یا شعر کہہ لیتا ہے۔ ”ترجل النهار“ دن میں روشنی زیادہ ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ ”رجل“ کا معنی مرد کر کے پھر مرد کی بہادری کا اعتراف نہ کرنا عربی زبان سے جاہل ہونے کی علامت ہے۔

”درجة“: مرتبہ، اصل میں کسی چیز کو پینٹنا اس کا معنی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ”ادرجتہ“ میں نے اسے پینٹا۔ ”درج القوم قرنا بعد قرن“ قوم نے آہستہ آہستہ اپنی عمر کو طے کر لیا لیپٹ لیا، یعنی وہ فنا ہو گئے۔ ”المدرجة“ راستہ پر چلنا، کیونکہ راستہ بھی منزل کو آہستہ آہستہ طے کر لیتا ہے ”الدرجة“ راستہ کی منزلوں میں سے ایک منزل کو بھی کہا جاتا ہے۔ ”ومنہ الدرجة التي یو تقی فیہا“ اسی سے ہے کسی منزل پر چڑھنا۔ (کبیر)

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

”الدرجة نحو المنزل لکن تقال اذا اعتبرت بالصعود دون الامتداد علی البسیط“
درجة کا اگرچہ لغوی معنی منزل ہے لیکن اس کا استعمال خاص ہے یعنی یہ چڑھنے کے معنی میں استعمال ہے اترنے یا پھیلانے کے معنی میں استعمال نہیں۔

”ويعبر بها عن المنزلة الرفیعة“ بلند مرتبہ درجہ کہا جاتا ہے۔

دونوں لفظوں کے معانی سے ہی واضح ہو گیا کہ مردوں کو عورتوں پر قوت و بہادری اور بلندی مرتبہ حاصل ہے۔

(ارروح المعانی)

مرد کو عورت پر فضیلت:

مرد کو عورت پر فضیلت کا حاصل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ البتہ اسے بیان کرنے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس میں دو احتمال پائیں گے ہیں۔

پہلا احتمال: یہ ہے کہ مرد کو عورت پر چند وجہ سے فضیلت رکھنے میں واضح امور حاصل ہیں۔

(۱) عقل میں مرد کو فضیلت حاصل ہے جو عقل مرد کو حاصل ہے وہ عورت کو نہیں۔

(۲) دیت مرد کی عورت سے دو گنا ہے۔

(۳) عورت کا وراثت میں حصہ کم ہے مرد سے، یعنی بیٹی کا حصہ کم ہے بیٹے سے، بہن کا کم ہے بھائی سے، ماں کا کم

ہے باپ سے، وراثت کے مسائل میں ان شاء اللہ تفصیل آئے گی۔

(۴) منصب امامت، قضاء اور شہادت میں بھی مرد کو فضیلت حاصل ہے۔

(۵) مرد ایک عورت کے بعد دوسری سے شادی کر سکتا ہے جبکہ عورت ایک خاوند کے بعد اس کی زوجیت میں

ہوتے ہوئے دوسرے شخص سے شادی نہیں کر سکتی۔

(۶) زوج کا حصہ وراثت میں زوجہ سے زیادہ ہے۔

(۷) زوج طلاق دینے پر قادر ہے اور طلاق رجعی کے بعد رجوع کرنے پر قادر ہے، عورت چاہے یا نہ چاہے۔

جبکہ عورت طلاق دینے پر قادر نہیں اور رجوع کرنے پر قادر نہیں۔ اور نہ ہی عورت کو یہ قدرت حاصل ہے کہ

مرد کو رجوع کرنے سے روک دے۔

(۸) مرد کا حصہ مال غنیمت میں عورت سے زیادہ ہے۔

واذا ثبت فضل الرجل علی المرأة فی هذه الامور ظہر ان المرأة کالاسیر العاجز

فی ید الرجل

جب ان تمام امور میں مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے تو واضح ہوا کہ عورت عاجز قیدی کی طرح

مرد کے ہاتھ میں ہے۔

حقیقت میں وہی عورت کامیاب ہے جو مرد کو اپنا سربراہ سمجھے، اگر عورت اپنے آپ کو مرد سے برتر سمجھنا شروع کر دے، تو جلدی ہی ذلت سے خاوند کے گھر سے نکل کر کسی اور کی تلاش میں سرگرداں ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے۔

”اتقوا الله في الضعيفين اليتيم والمرأة“

دو ضعیف صنفوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، یعنی یتیم اور عورت (کے معاملہ میں)۔

مطلب یہ ہے کہ ان پر رحم کرو، ان کے حقوق کا لحاظ کرو۔ تاہم ان کو ضعیف کہہ کر مرد کی برتری واضح کر دی۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”استوصوا بالنساء خیر افانھن عندکم عوان“ عورتوں کو بھلائی

پہنچانے کی نصیحت قبول کرو بے شک وہ تمہارے پاس قید کی حیثیت میں ہیں۔

تنبیہ:

آیہ کریمہ میں گویا کہ اس مضمون کو واضح کیا گیا جب اللہ تعالیٰ نے مردوں کو فضیلت دی ہے اور عورتوں پر ان کو اقتدار دیا ہے تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق پورے کریں، ان میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ اور ضمناً اس آیہ کریمہ میں عورتوں کو ضرر پہنچانے اور ستانے اور تکلیف دینے پر تہدید کی گئی، یعنی ڈرایا اور دھمکایا گیا

”وذلك لان كل من كانت نعم الله عليه اكثر كان صدور الذنب اقبح واستحقاقه

للزجر اشد“

یہ اس لئے کہ ہر وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کثیر ہوں اس سے گناہ سرزد ہونا زیادہ برا ہے اور

زیادہ زجر و تنبیخ کا سبب ہے۔

دوسرا احتمال:

نکاح کرنے کی وجہ سے منافع کا حاصل کرنا، لذت حاصل کرنا مشترک ہے، کیونکہ یہ مقاصد زوجہ کو بھی حاکم

صل ہیں اور خاوند کو بھی، شادی کرنے کے مقاصد یہ ہیں کہ دل کو تسکین حاصل ہو، اور الفت و محبت حاصل ہو اور نسب میں اشتراک ہو، اور زیادہ احباب و مددگار حاصل ہو جائیں۔ اور لذت حاصل ہو، یہ تمام مقاصد دونوں کو حاصل ہیں، بلکہ ممکن ہے یہ کہا جائے ”ان نصیب المرأة فيها وفر“ بے شک عورت کا حصہ ان میں زیادہ پایا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ عورت کو زیادہ شہوت حاصل ہے۔

پھر خاوند پر لازم کیا گیا کہ وہ مہر ادا کرے اور خرچ ادا کرے اور عورت سے آنے والی مشکلات کی مدافعت کرے اور اس کی بھلائی کو قائم کرے۔

یہ تمام وجوہ مرد کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں، خصوصاً عورتوں کو مردوں کی تابعداری کا سختی سے حکم بھی مرد کی برتری پر دلالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لو امرت احد ابالسجود لغير الله لامرت المرأة بالسجود لزوجها“ اگر میں کسی کو اللہ کے غیر کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

(ماخوذ از کبیر)

”والله عزيز حكيم“: اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

یعنی غالب ہے، کیونکہ اسے کسی کام سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا اور حکمت والا ہے، کیونکہ اس کا ہر کام درست ہوتا ہے اور اس کا ہر حکم درست ہوتا ہے، اس کا کوئی کام اور کوئی حکم بے مقصد اور بے فائدہ نہیں اور غلط یا باطل نہیں۔

(کبیر)

☆☆☆☆☆

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیْحٍ بِاِحْسَانٍ و
لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا تَتِمُوْهُنَّ شَیْئًا اِلَّا اَنْ یَّخَافَا اِلَّا
یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَاجِنَا حَ عَلَیْهِمَا
فَیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا و مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ
اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۹)

۵۱۵

یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا یا نگوئی کے ساتھ چھوڑ دینا اور
تمہیں رہا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو
اندیشہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہ کریں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں
ٹھیک انہی حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت
چھٹی لے، یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے
بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

۵۲۵

یہ طلاق دو بار تک ہے پھر روکنا ہے بھلائی کے طریقہ سے یا چھوڑ دینا ہے مستحسن
(اچھے) طریقہ سے۔ اور نہیں جائز تمہارے لئے کہ تم لو اس سے جو دیا ہے تم نے
ان کو مگر یہ کہ خوف کریں دونوں کہ وہ قائم نہیں کر سکیں گے اللہ کی حدیں۔ پھر اگر تم
خوف رکھو کہ وہ دونوں نہیں قائم کریں گے اللہ کی حدیں تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں
پر اس میں جو بدلہ دے عورت اس کا، یہ اللہ کی حدیں ہیں تو نہ تجاوز کرو ان میں، اور
جو شخص تجاوز کرے گا اللہ کی حدوں میں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

مختصر مطلب:

طلاق کے بعد رجوع کا حق دو بار تک ہے یعنی ایک طلاق صریح یا دو طلاقیں صریح کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ یہ حد ہے رجوع کرنے کی، اس کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔

صریح طلاق کا مطلب یہ ہے کہ لفظ طلاق ہی استعمال کرے کوئی اور لفظ بائن وغیرہ استعمال نہ کرے، ان کا حکم علیحدہ ہے، ایک طلاق یا دو طلاقیں کے بعد اگر بھلائی کے طریقہ سے رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر لے۔ یعنی طلاق کے بعد نادم ہو گیا، رجوع کر کے پھر سے تعلقات ازدواجی قائم کرنا چاہے اور شرع کے مطابق اس کے حقوق کو پورا کرنا چاہے تو رجوع کرنے کا خاوند کا حق ہے۔

لیکن یہ حق عدت ختم ہونے سے پہلے تک ہے اور اگر وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو اچھے طریقے سے عورت کو آزاد کر دے، یعنی رجوع نہ کرے، عدت گزرنے پر وہی عورت بائن ہو جائے گی، جہاں چاہے نکاح کر لے، اگر پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو اس سے بھی نکاح کر سکے گی۔

مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ عورت سے مہر کے طور پر دیا ہوا مال واپس لے لے۔ ہاں اگر وہ دونوں سمجھتے ہیں کہ ہم شرعی حقوق قائم نہیں کر سکتے اور حکام بھی یہ سمجھتے ہوں کہ یہ دونوں آپس میں حقوق کو پورا نہیں کر سکتے تو اس صورت میں عورت مہر کے طور پر لیا ہوا مال خاوند کو دے کر خلع کر لے، یہ جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے احکام واضح طور پر بیان فرمادیئے، وہی اس کی حدیں ہیں، ان احکام کو نہ مان کر اللہ تعالیٰ کی حد سے تجاوز نہ کرو، جو لوگ اللہ کی حد سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔

ما قبل سے تعلق:

اس سے پہلی آیت میں بیان فرمایا ”وبعولتھن احق بردھن“ اور ان کے خاوندان کی طرف رجوع کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ تو اس آیت میں رجوع کرنے کی حد کو بیان کیا کہ وہ دوبارہ طلاق دینے تک ہے، اس کے بعد طلاق دینے پر رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

شان نزول:

”واخرج الترمذی وابن مردويه والحاكم وصححه والبيهقي في سننه من طريق هشام بن عروة عن ابيه ان عائشة قالت كان الناس والرجل يطلق امرأته ما شاء الله ان يطلقها وهي امرأته اذا ارتجعها وهي في العدة وان طلقها مائة مرة او اكثر حتى قال رجل لا مرأته والله لا اطلقك فتبينى ولا آويك ابدا قالت وكيف ذلك قال اطلقك فكلما همت عدتک ان تنقضی راجعتک فذهبت المرأة حتى دخلت على عائشة فاخبرتها فسكتت عائشة حتى جاء النبي ﷺ فاخبرته فسكت النبي

نزل القرآن (الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص ما شاء اللہ اپنی عورت کو جتنی طلاقیں دینا چاہتا اتنی ہی طلاقیں دے دیتا، وہ اس کی عورت ہی رہتی جبکہ عدت کے اندر رجوع کر لیتا۔ خواہ وہ ایک سو یا اس سے زیادہ بھی طلاقیں دے دیتا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تمہیں طلاق دے کر اپنے آپ سے جدا نہیں کروں گا اور تمہیں اپنے پاس بھی کبھی نہیں رکھوں گا، عورت نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا جب تمہاری عدت ختم ہونے کے قریب ہوگی تو میں رجوع کروں گا، (یعنی طلاقیں دیتا رہوں گا اور رجوع کرتا رہوں گا) وہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئی اور ان کو واقعہ کی خبر دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اس عورت کے ساتھ پیش آنے والے معاملہ کی خبر دی، آپ خاموش رہے یہاں تک کہ قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ”الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان“ طلاق (میں رجوع کا حق) دو بار تک ہے، پھر بھلائی کے طریقہ سے ان کو روک کر رکھو یا اچھے طریقہ سے

(درمنثور)

آزاد کردو۔

”فامساک بمعروف او تسریح با حسان“:

پھر روک لو بھلائی کے طریقہ سے یا چھوڑ دو اچھے طریقہ سے۔

”امساک“ اطلاق کا خلاف ہے، یعنی ”اطلاق“ کا معنی ہے ”چھوڑنا“ اور ”امساک“ کا معنی ہے ”روکنا“۔ ”مساک“ اور ”مسکة“ دو اسم ہیں۔ ”ذومسکة“ اور ”ذومساک“ اسے کہا جاتا ہے جو بخیل ہو، یعنی مال کو روک کر رکھنے والا۔ اور کہا جاتا ہے ”مساکة من جبر“ قوت و طاقت سے روک دینا۔

”تسریح“ کا معنی ہے چھوڑنا، کہا جاتا ہے ”تسریح الشعر“ بالوں کو کھلا چھوڑنا، لٹکانا، اور کہا جاتا ہے ”سرح الماشية“ مویشی چرانے والوں نے اپنے مویشیوں کو چرنے کے لئے چھوڑا۔

یعنی دو طلاقوں یا ایک طلاق کے بعد حق یہ ہے کہ اچھی طرح روک لے یعنی رجوع کرے، رجوع کرنے میں غرض اصلاح اور نفع پہنچانا ہے نہ کہ نقصان پہنچانے کا ارادہ ہو، یعنی عدت کو لمبا کرنے کی غرض سے رجوع کرنا گناہ ہے، اسی طرح اس لئے رجوع کرنا کہ میں رجوع کے بعد عورت کو ستاؤں گا، اس پر مظالم ڈھاؤں گا، اس غرض سے بھی رجوع کرنا گناہ ہوگا۔

یا اچھی طرح آزاد کر دے، خیال رہے ”تسریح با حسان“ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے۔

”ان معناه ان يترك المراجعة حتى تبين بانقضاء العدة“

کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوران عدت رجوع کرنا چھوڑ دو، رجوع کرنے کے بغیر ہی عدت کو ختم ہونے دو، جب عدت ختم ہو جائے گی تو وہ خود بخود بائن ہو جائے گی۔

اور بائن طلاق کے بعد عورت خود مختار ہو جائے گی، چاہے تو اسی خاوند سے پھر نکاح کر لے یا کسی اور سے نکاح کر لے۔ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ سے یہ معنی روایت کیا گیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے کر رجوع کا راستہ بند کر لے اور اچھے طریقہ سے چھوڑ دے، اس معنی پر بھی روایت موجود ہے۔

☆ ”واخرج ابن مردويه والبيهقي عن انس قال جاء رجل الى النبي ﷺ فقال يا رسول الله انى اسمع الله يقول ”الطلاق مرتان“ فاین الثالثة؟ قال (امساك بمعروف او تسريح باحسان) هي الثالثة (درمنثور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! دو طلاقوں کا ذکر تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”الطلاق مرتان“ میں ہے، تیسری طلاق کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ ”امساك بمعروف او تسريح باحسان“ میں ہے یعنی (تسريح باحسان) تیسری طلاق ہے۔

☆ ”واخرج البيهقي من طريق السدي عن ابي مالك و ابي صالح عن ابن عباس وعن مرة عن ابن مسعود و ناس من الصحابة في قوله (الطلاق مرتان) قال هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة فاذا طلق واحدة او اثنتين فاما يمسك ويراجع بمعروف واما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها احق بنفسها“ (درمنثور)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور کئی صحابہ کرام نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے (الطلاق مرتان) میں رجوع کی حد بیان کر دی کہ جب ایک طلاق دے یا دو طلاقیں دے تو اسے اچھی طرح روک کر رکھنا اور رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر خاموش رہے یعنی رجوع نہ کرے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے تو وہ اپنے نفس پر خود مختار ہو گئی، یعنی عدت کے بعد رجوع کا حق ختم ہو گیا۔

واضح ہوا کہ دونوں روایتوں میں تعارض نہیں بلکہ ”تسريح باحسان“ کی دو صورتیں ہیں، جس پر

(ماخوذ از کبیر)

چاہے عمل کرے۔

صراحۃ تیسری طلاق کا ذکر آنے والی آیت کریمہ ”فان طلقها“ میں آئے گا۔

خلع کے مسائل:

(۱) اگر مرد عورت کے حقوق پورے نہ کر رہا ہو ” فلا یحل له الاخذ “ تو اسے مال لینا حلال نہیں، ہاں اگر خلع

کر لے اور مال لے لے تو باوجود اس کے کہ اس نے مال حرام طور پر لیا ہے، لیکن خلع واقع ہو جائے گا۔

اگرچہ صاحب ہدایہ نے تو مرد کی طرف سے زیادتی اور حقوق کی پاسداری پر مال لینے کو مکروہ (تحریمی) کہا ہے،

لیکن ”والحق انه یحرم لماتلوننا“ حق یہ ہے کہ مال لینا اس کے لئے حرام ہے، اس لئے کہ رب تعالیٰ

نے واضح طور پر بیان کر دیا ”ولا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموہن شیاً“ تمہارے لئے حلال نہیں کہ

لو تم اس سے جو تم نے دیا ہے ان کو مال (مہر)۔

(۲) ہاں البتہ رب تعالیٰ نے اس نہی سے یہ حکم مستثنیٰ فرمایا ہے ”الا ان یخافا الا یقما حدود اللہ“ مگر جب وہ

دونوں خوف کریں کہ اللہ کی حدیں قائم نہیں کر سکیں گے۔

ساتھ ہی حکام کو بھی واضح طور پر بتا دیا۔

”فان خفتہما الا یقما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ“

پھر (اے حاکم!) اگر تم خوف کرو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں کر سکیں گے تو ان دونوں پر گناہ

نہیں اس چیز میں جو عورت فدیہ دے اس کے بدلے۔

یعنی جب زوجہ اور خاوند دونوں ہی ایک دوسرے کے حقوق پائمال کر رہے ہوں تو عورت بدلہ (فدیہ) دے

کر خاوند سے اپنی جان چھڑا لے وہ خلع کر لے تو یہ دونوں کے لئے جائز ہے۔

ساتھ ہی حکام کو بھی بتا دیا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کریں کیونکہ رب تعالیٰ کی طرف سے جب

اجازت ہے تو عورت کو بدلہ دے کر خلع کا مطالبہ کرنا اور مرد کا خلع کر کے مال لینا جائز ہے، ان پر کوئی گناہ

نہیں خلع کرنے میں۔ یعنی.....

”تخاف المرأة ان تعص الله فی امرزو جهاو یخاف الزوج اضاعة حقوقها“

عورت یہ خوف رکھے کہ خاوند کے حقوق کو میں پائمال کر کے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ بن

جاؤں اور خاوند کو یہ خوف ہو کہ میں عورت کے حقوق ادا نہیں کر سکتا تو یہ خلع کر لیں۔

(۳) ”وان لم یکن النشوز من جانب ولا یخافان ان لا یقیم احدهما حد الله فلا یحل اخذ المال للزوج ولا طلب الطلاق وبذل المال للزوجة لكن یقع الخلع ویجب المال للزوج علی الزوجة“

اگر خاوند اور زوجہ کسی ایک کو بھی حقوق پائمال کرنے کا کوئی خوف نہ ہو تو خاوند کو مال لینا حلال نہیں، اور زوجہ کے لئے طلاق طلب کرنا اور مال خرچ کرنا حلال نہیں۔ ہاں اگر خلع کر لیا جائے تو عورت کو مال دینا لازم آجائے گا، اور خلع ہو جائے گا، اس پر خلع کے احکام مرتب ہوں گے۔

(۴) ”وان كان النشوز من جانبها یحرم علیها وعصت هی لا هو، ولكن یقع الخلع ویجب المال للزوج علی الزوجة“

اگر صرف عورت حقوق کو پائمال کر رہی ہے مرد حقوق کی پاسداری کر رہا ہے پھر عورت خلع کا مطالبہ کرے تو اس صورت میں عورت گنہگار ہوگی، اس کا خلع کا مطالبہ کرنا حرام ہوگا، مرد کو مال لینا حرام نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی خلع کرنا اس کے لئے ناجائز ہوگا۔ یعنی اس صورت میں بھی خلع ہو جائے گا، عورت کو مال دینا لازم ہوگا۔

(ماخوذ از مظہری)

شان نزول:

زیر بحث آیہ کریمہ کے دوسرے حصہ (جس میں خلع کا ذکر ہے) کا شان نزول یہ ہے۔

☆ ”روی البخاری فی صحیحہ عن ابن عباس ان امرأة ثابت بن قیس اتت رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله ثابت بن قیس ما اعیب علیہ فی خلق ولادین ولكنی اکره الکفر فی الاسلام قال رسول الله ﷺ تردین حدیفته قالت نعم قال رسول الله ﷺ اقبل الحدیقة وطلقها تطلیقة“

بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی ہے کہ بے شک ثابت بن

قیس رضی اللہ عنہ کی عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی، اور اس نے کہا یا رسول اللہ! (میرا خاوند) ثابت بن قیس کے اخلاق میں اور دین داری میں کسی قسم کا میں کوئی عیب نہیں لگاتی، البتہ میں کفر کو اسلام میں ناپسند کرتی ہوں (یعنی ہو سکتا ہے کہ مجھ سے زوج کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نافرمانی ہو جائے جو مجھے کفر کی طرف لے جائے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس کا باغ (جو تم نے مہر کے عوض لیا ہے) واپس کر دو گی؟ اس نے کہا ہاں (واپس کر دوں گی) رسول اللہ ﷺ نے (ثابت بن قیس کو) فرمایا تم باغ قبول کر لو اور اسے طلاق دے دو۔

”واخرج ابن جریر عن ابن عباس قال اول خلع كان في الاسلام امرأة ثابت بن قيس اتت النبي ﷺ فقالت يا رسول الله لا يجتمع رأسي ورأس ثابت اني رفعت الخباء فرأيتہ اقبل في عدة فاذا هو اشد هم سواہ او اقصر هم قامۃ واقبحهم وجہا فقال اتردين حد يقتہ قالت نعم وان شاء زدته ففرق بينهما“

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروایت ذکر کی کہ اسلام میں سب سے پہلا خلع ثابت بن قیس کی عورت سے ہوا، وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی یا رسول اللہ! میرا سر اور ثابت کا سر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، کیونکہ میں نے خیمہ کو اٹھایا تو اسے چند آدمیوں میں متوجہ ہوتے ہوئے دیکھا، وہ سب سے زیادہ سیاہ تھا اور سب سے زیادہ چھوٹا اور سب سے زیادہ بد صورت تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو اس کا باغ واپس لوٹا دے گی؟ تو اس عورت نے کہا ہاں، وہ اگر چاہے تو زیادہ مال بھی دے دوں گی۔ تو نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کے درمیان جدائی کر دی۔

(از مظہری)

مسئلہ: خلع طلاق بائن ہے، اس لئے کہ عورت کی طرف سے مطالبہ کے بغیر اور مال کی پیش کش کے بغیر ہی اگر خاوند نے زوجہ کو کہا ”خلعتک او خالعتک ونوی الطلاق بقع به الطلاق“ میں نے تمہارے ساتھ خلع کیا اور اس پر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ یہ الفاظ کنایات طلاق سے ہیں، اس لئے کہ خلع کا معنی ہے

اتارنا، ہٹانا، جدا کرنا، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ”خلع ثوبہ ونعلہ“ اس نے کپڑے اور جوتے اتارے، جب جدا کرنے والا معنی اس میں موجود ہے تو طلاق کی نیت سے بائن طلاق ہوگی، اس لئے کہ کنایات سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔
(از کفایۃ وفتح القدیر)

تنبیہ: لیکن یہ بھی خیال رہے کہ جب عورت کی طرف سے مال پر خلع کا مطالبہ ہو یا مرد ہی عورت کو کہے تم مجھے مال دو تو میں تمہارے ساتھ خلع کرتا ہوں، اس صورت میں خلع کرنے سے بغیر کسی نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ مال کا ذکر کسی نئی نیت سے بے پروا کر دیتا ہے، یہی مسئلہ ہدایہ کی اس عبارت میں دیکھئے۔

”فاذا فعل ذلك وقع بالخلع تطليقة بائنة ولز مهال قوله ۞ الخلع تطليقة بائنة، ولانه

يحتمل الطلاق حتى صار من الكنايات والواقع بالكناية بائن الان ذكر المال اغنى

عن النية هنا“

مقام توجہ: اگر کسی شخص نے پہلے اپنی زوجہ کو ایک طلاق دی، پھر خلع کر لیا، تو اب اسے دو طلاقیں ہو گئیں۔ لیکن خلع طلاق بائن ہونے کی وجہ سے نکاح نیا کرنا پڑے گا۔

اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں اور بعد میں خلع بھی کر لیا تو اب تین طلاقیں ہو گئیں، اور تین طلاقیں کے بعد نہ رجوع ہو سکتا ہے اور نہ ہی تجدید نکاح کافی ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ آنے والی آیہ کریمہ میں آئے گی۔

اصل میں قانون یہ ہے کہ رجعی طلاق رجعی سے اور بائن رجعی سے ملحق ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: ایک طلاق کے بعد رجوع کر لیا تھا، پھر کسی وقت ایک طلاق اور دے دی تو اب دو طلاقیں ہو گئیں، پھر رجوع کر لیا، پھر کسی وقت اور طلاق دے دی، تو اب تین طلاقیں ہو گئیں، کیونکہ پہلی طلاق موقوف تھی، ختم نہیں ہوئی تھی۔

مسئلہ: اگر ایک یا دو طلاقیں کے بعد رجوع نہیں کیا تھا، عدت گزر گئی، اب وہ عورت بائن ہو گئی، اس سے تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے خاوند نے نیا نکاح کر لیا، پھر طلاق دے دی، تو یہ طلاق پہلے ایک سے مل کر دو ہو جائیں گی اور دو سے مل کر تین ہو جائیں گی، یعنی تجدید نکاح سے بھی پہلی طلاقیں ختم نہیں ہوئیں، بلکہ موقوف رہتی ہیں۔

مسئلہ: خلع کے بعد پھر خاوند نے زوجہ سے نیا نکاح کر لیا، پھر دو طلاقیں دے دیں، تو اب تین طلاقیں ہو جائیں گی، کیونکہ خلع بھی طلاق بائن ہے۔

مسئلہ: کسی قسم کی بائن طلاق کے بعد تجدید نکاح کر لیا، پھر دو طلاقیں دے دیں تو تین ہو جائیں گی۔

فائدہ: اگر رجعی طلاق کے بعد رجوع نہیں کیا تھا اور عدت گزر گئی وہ بائن طلاق ہوگی، یا بائن طلاق دی یا خلع کیا اس عورت نے عدت گزرنے پر کسی اور شخص سے نکاح کر لیا، دوسرا خاوند مجامعت کرنے کے بعد فوت ہو گیا یا طلاق دے دی پھر عدت گزار کر عورت نے پہلے خاوند سے نکاح کر لیا تو اب پہلے خاوند کو تین طلاقوں کا حق از سر نو مل گیا، کیونکہ دوسرا خاوند جب تین طلاقوں کو ختم کر کے نیا تین طلاقوں کا حق زوج اول کو دلا دیتا ہے تو یقیناً تین طلاقوں سے کم کو بھی ختم کر کے نیا تین طلاقوں کا حق شرع سے دلا دے گا۔

(نور الانوار)

رجوع کیسے ہوتا ہے:

عورت کو یہ کہے کہ میں نے تمہاری طرف رجوع کر لیا۔ یا یہ کہے میں نے اپنی زوجہ کی طرف رجوع کر لیا۔ یا عورت سے جماع کر لیا، یا شہوت سے چھو لیا یا شہوت سے بوسہ لیا، تو رجوع ہو گیا۔

رجوع کے لئے عورت کا رضا مند ہونا ضروری نہیں۔ اسلام نے کیسا خوب نظام عدل قائم کیا کہ دوران عدت مرد کو رجوع کا حق دیا، عورت کو اختیار نہیں دیا۔ اور عدت کے ختم ہونے پر عورت کو خود مختار بنایا، چاہے تو پہلے خاوند سے نکاح کرے چاہے تو انکار کر کے اسے چلتا بنا دے۔

فائدہ: مستحب یہ ہے کہ رجوع پر دو گواہ بنالے تاکہ جھگڑے کی صورت میں قاضی سے فیصلہ کرانا آسان ہو جائے۔ اگر گواہ نہ بنائے رجوع پھر بھی ثابت ہو جائے گا، مرد نے جب بتا دیا کہ میں نے رجوع کر لیا ہے تو عورت کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کسی اور سے نکاح نہیں کرنا چاہئے خواہ گواہ موجود نہ ہوں۔

اعتراض: تم نے خلع کو طلاق کہا ہے، اس طرح تو طلاقیں چار ہو جائیں گی، کیونکہ خلع کے بغیر ہی تین طلاقوں کا ذکر موجود ہے۔

جواب: طلاق کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں، ایک قسم طلاق مال کے بدلے اور دوسری قسم بغیر مال کے طلاق۔ پھر بغیر مال کے دو طلاقوں تک رجوع کرنے کا حق دیا گیا ہے اور تیسری پر رجوع کا حق نہیں دیا گیا مال کے بدلے طلاق بائن ہوگی، یہ علیحدہ قسم ہے، چوتھی طلاق نہیں۔ (تفسیرات احمدیہ و نور الانوار)

مسئلہ: خلع میں صرف وہی مال لینا چاہئے جو مہر کے عوض دیا تھا، زیادہ مال لینا بہتر نہیں۔ لیکن اگر زیادہ مال لے لیا تو خلع ہو جائے گا اور مرد اس مال کا مالک بن جائے گا۔

خلع اور طلاق بالمال میں فرق:

خلع میں وہی الفاظ استعمال ہوں گے جن میں خلع کا ذکر ہوگا، جیسے مرد کہے ”خالعتک بالمال، خلعتک بالمال“ میں نے اتنے مال کے بدلے تمہارے ساتھ خلع کر لیا ہے۔

خلع میں ائمہ کا اختلاف بھی پایا جاتا ہے کہ خلع طلاق ہے یا فسخ ہے۔

طلاق بالمال میں لفظ طلاق استعمال ہوگا کہ میں نے تمہیں اتنے مال کے بدلے طلاق دے دی، طلاق بالمال میں ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں، بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ مال کے بدلے دی ہوئی طلاق بائن ہوتی ہے۔

یہ علمی نکتہ ہے ورنہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلع اور مال کے بدلے دی ہوئی طلاق کا حکم ایک ہی ہے کہ دونوں صورتوں میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

تنبیہ: خلع میں عورت کی جانب سے مرد کو مال دینے کی پیش کش ہوتی ہے اور مرد سے مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ خلع کر لے، قبول کرنا یا نہ کرنا مرد کا اختیار ہے، مرد خوشی سے خلع کر لے یا جبراً، اس کی زبان سے خلع کے الفاظ کہلوائے جائیں تو یہ خلع ہے۔ اگر وہ خوشی سے لکھ دے یا کسی سے لکھوادے تو یہ بھی خلع ہے، جبراً اس سے لکھوایا جائے یا جبراً دستخط کرائے جائیں تو یہ خلع نہیں۔

جج خود ہی خلع کا فیصلہ سنا دے، خاوند کی زبان سے خلع کے الفاظ نہیں کہلوائے گے اور نہ ہی خاوند نے خوشی

سے خلع کے الفاظ لکھ کر یا لکھوا کر دیئے تو یہ خلع کس شریعت کا قانون ہے؟ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ غلط فیصلے کر کے لوگوں کو حرام کاری پر لگانا کون سا انصاف ہے۔

جب صلح کسی طرح ممکن نہ ہو تو جدائی کر لی جائے:

خاوند اور بیوی میں اختلافات پیدا ہو جائیں تو خاوند اپنی زوجہ کو نصیحت کر کے خوش اخلاقی اور خوش طبعی سے راضی کر لے اور اگر اس طرح راضی نہ ہو تو اسے اپنے گھر میں ہی رکھ کر اپنے بستر سے جدا کر دے، ممکن ہے وہ اس طرح راضی ہو جائے، اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو معمولی سرزش کر کے راضی کر لے اور اگر معاملہ اس حد سے بھی آگے بڑھ جائے، تو دونوں جانب سے اجنبی نیک پرہیزگار صلح کرانے والے حضرات کو منصف بنا لیا جائے یعنی جرگہ سے کام لیا جائے، وہ صلح کرانے والے اپنے نیک ارادہ سے پوری کوشش کریں تاکہ ان کے درمیان صلح ہو جائے، صلح کرانے کا یہ آخری حربہ تھا، اگر اس میں بھی کامیابی نہ ہو تو پھر اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں کہ عورت کو طلاق دے کر اپنے آپ سے جدا کر دے۔

طلاق دینے پر شیطان خوش ہوتا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک شیطان اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے، کہ وہ لوگوں کو فتنہ میں ڈالیں (یعنی گناہوں کی طرف راغب کریں) ان میں شیطان کے قریب وہ ہوتے ہیں جو لوگوں کو بڑے فتنے میں مبتلا کریں، ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے میں نے یہ کام کیا ہے، شیطان اسے کہتا ہے تو نے کیا کیا ہے؟ کچھ نہیں کیا، آپ نے فرمایا پھر ایک اور آتا ہے اور کہتا ہے۔

”ما ترکته حتی فرقت بینہ و بین امرأته قال فیدنیہ منه ویقول نعم انت“

(مسلم، مشکوٰۃ باب الوسوسة)

میں نے اس شخص کو اس وقت تک نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اس کے اور اس کی عورت کے درمیان جدائی کرادی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، شیطان اسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے بہت اچھا کام کیا ہے۔

راوی حضرت اعمش کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے ابوسفیان طلحہ بن نافع مکی نے یہ بھی کہا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روایت میں یہ بھی کہا ہے ”فليلتزمه“ وہ اسے گلے لگا لیتا ہے۔

شیطان زوجین کی تفریق پر اس لئے خوش ہوتا ہے کہ یہ کئی اور فتنوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، بدکاری کثیر ہوگی، اولاد حرام کی ہوگی، اولاد کو تربیت دینے والا کوئی نہیں ہوگا، جس کی وجہ سے وہ زمین میں فساد پھیلائیں گے، رذیل کلام کریں گے، اچھے کام وہ کم ہی کریں گے، ایسے نیکیوں سے دور، برائیوں کا ارتکاب کرنے والے، چوری، ڈاکہ، فحش حرکات کا ارتکاب کرنے والے حرامی بچوں کے لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لا يدخل الجنة ولد زانية“ زانیہ کی اولاد جنت میں داخل نہ ہوگی۔

طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

”ابغض الحلال الى الله الطلاق“ (ابو داؤد، مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق)

حلال چیزوں سے اللہ تعالیٰ کو طلاق بہت ناپسند ہے۔

بعض چیزیں رب کو ناپسند ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہیں، ان میں سے ہی طلاق بھی ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، لیکن اگر کسی نے طلاق دی تو وہ واقع ہو جائے گی، ایسے ہی بغیر عذر کے گھر میں نماز بغیر جماعت کے ادا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، لیکن نماز ادا ہو جائے گی، مغصوبہ (زبردستی چھینی ہوئی، ناحق قبضہ کیا ہوا) زمین میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے، لیکن نماز ادا ہو جائے گی۔ جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے لیکن بیع ہو جائے گی۔

خیال رہے کہ عذر کی وجہ سے گھر میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اسی طرح کبھی طلاق بھی دینا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آ رہا ہے۔

عورت کا بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرنا عظیم جرم ہے:

حضرت ثوبان کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا۔

”ایما امرأة سألت زوجها طلاقا غير مابأس فيخترام عليها راحة الجنة“

(مسند احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ، باب الخلع والطلاق)

جو عورت بھی اپنے خاوند سے بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی بوجھرام ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

☆

”ایما امرأة اختلعت من زوجها بغير نشوز فعليها لعنة الله والملائكة والناس اجمعين“

(مرفاۃ)

جو عورت اپنے خاوند سے خلع کا مطالبہ کرے بغیر کسی اختلاف کے، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور سب لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔

”قال رسول الله ﷺ المختلعات هن المنافقات“

☆

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلع کا (بلا وجہ) مطالبہ کرنے والی عورتیں منافقات ہیں، (یعنی ان میں

(رواہ الترمذی، مظہری)

منافقوں والی علامت ہیں)

طلاق بحیثیت ثواب و عذاب چار قسم ہے:

طلاق کی چار قسمیں ہیں حرام، مکروہ، واجب، مستحب۔

(۱) **حرام**: حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے اگرچہ طلاق واقع ہو جائے گی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی

اللہ عنہما نے اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے

فرمایا ”مرہ فلیراجعہا ثم لیطلقہا طاهر او حاملا“ اس کو حکم دو کہ وہ رجوع کر لے پھر پاکیزگی یا حالت حمل میں

طلاق دے۔

☆ جس طہر میں جماع ہو چکا ہے اس میں طلاق دینا بھی ناجائز ہے، ہاں اگر حمل ظاہر ہو جائے تو پھر طلاق دینا جائز ہے۔

☆ اگر ایک شخص کی کئی زوجہ ہیں، ان میں سے ایک کو تقسیم کے حساب سے اس کی باری پر اسے اس کے حصہ سے محروم کر کے طلاق دینا ناجائز ہے۔

تنبیہ: ناجائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان صورتوں میں طلاق دینا منع ہے، اگر طلاق دے گا تو گناہ ہوگا، لیکن طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ ان صورتوں میں طلاق واقع ہی نہیں ہوگی۔

(۲) **مکروہ:** جب زوجین (میاں بیوی) کے درمیان کوئی شدید اختلاف نہ ہوں تو بلاوجہ طلاق دینا مکروہ ہے۔ اسی صورت کے متعلق پہلے حدیث پاک ذکر ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ بومباح چیزوں میں طلاق ناپسند ہے۔

(۳) **واجب:** جب مرد اور عورت کے درمیان شدید اختلافات ہوں۔ رضامندی کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو ایسی صورت میں قاضی خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کرے، کیونکہ اب طلاق دینا واجب ہو چکا ہے۔ ایسی حالت میں طلاق کا حق استعمال کرنا عورت کے لئے بھلائی کا کام ہے تاکہ وہ آزاد ہو کر کہیں اور نکاح کر کے اپنی زندگی آرام سکون سے بسر کر سکے، اگر اسے طلاق بھی نہ دی جائے اور بسایا بھی نہ جائے تو یہ عورت پر ظلم اور اس کے لئے نقصان اور ضرر کا سبب ہے۔

(۴) **مستحب:** جب عورت نیک اور پاک دامن نہ ہو تو طلاق دینا مستحب ہے۔ اسی طرح خاوند اور بیوی دونوں یا ان میں سے ایک خوف رکھتے ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے حقوق پورے نہیں کر سکیں گے اور شرعی حقوق کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہم گنہگار ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”تلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون“

یہ اللہ کی حدیں ہیں (اس کے نافذ کردہ احکام اس کی حدود ہیں) جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کریں گے وہی ظالم ہوں گے۔

جب یہ خوف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہم دونوں سے نہیں ہو سکے گی تو ایسی صورت میں طلاق دینا

مستحب ہے۔

نبی کریم ﷺ کا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا اسی قسم کا تھا اور پھر ان کے عرض کرنے پر آپ نے رجوع

(ماخوذ از نووی و مدارج النبوة)

فرمایا لیا تھا، کیونکہ ایک طلاق دی تھی جو رجعی تھی

تنبیہ:

”واما ما روى عن الحسن و كان قيل له في كثرة تزوجه و طلاقه فقال احب اغنى قال

(مرقاۃ)

اللہ تعالیٰ (وان يتفرقا يغن الله كلاما من سعته)

یعنی حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما بہت شادیاں کرتے تھے اور طلاق دیتے رہتے تھے، جب

آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میں غنی ہونا پسند کرتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود

فرمایا کہ (اگر وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے انہیں غنی کر دے گا)

آپ کی یہ دلیل ظاہری اجتہاد پر تھی اس پر فتویٰ نہیں۔ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”فہو رأی منہ ان کان علی ظاہرہ“ آپ کی یہ رائے ظاہر پر مبنی ہے جو قابل قبول نہیں۔

یعنی قرآن پاک میں غنی کر دینے سے مراد ”ایک دوسرے سے بے پروا کر دینا ہے“

بعض علماء کرام سے یہ بھی سنا ہے کہ آپ کی زوجیت میں آنے کو عورتیں باعث شرف و برکت سمجھتی تھیں۔

عورتوں کو یہ معلوم بھی ہوتا تھا کہ آپ طلاق دے دیتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ تمنا رکھتی تھیں کہ ہمیں آپ کی زوجیت میں

آنے کا شرف حاصل ہو جائے۔ آپ عورتوں کی تمنا اور خواہش پر نکاح کرتے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لیکن اتنی بات واضح ہوئی کہ طلاق کے ارادہ سے نکاح کرنا منع ہے۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ آپ کے قول کو

اجتہادی خطاء ہی کہا جائے۔

☆☆☆☆☆

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ
حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ☆
(سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۰)

﴿۱﴾

پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے
خاوند کے پاس نہ رہے۔ پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں
کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حد نباہیں گے اور یہ اللہ کی حدیں
ہیں جنہیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لئے۔

﴿۲﴾

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو وہ عورت حلال نہیں اس مرد کے لئے اس (تیسری
طلاق) کے بعد یہاں تک کہ وہ عورت رہے کسی دوسرے خاوند کے پاس، پھر اگر وہ
(دوسرا) اسے طلاق دے دے تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر کہ ایک دوسرے کی
طرف رجوع کریں اگر سمجھتے ہوں کہ قائم کر سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ اللہ کی
حدیں ہیں وہ بیان کرتا ہے انہیں اس قوم کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

مختصر مطلب:

تقریباً ترجمہ سے کافی حد تک واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو تیسری طلاق بھی دے دے تو اب وہ
عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ عورت کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ اس سے مجامعت بھی
کرے، اس کے بعد دوسرا خاوند اس عورت کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہیے تو

جائز ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھا جائے کہ پہلے خاوند کی طلاق کے بعد عدت گزار کر دوسرے سے نکاح ہو سکے گا، اور دوسرے کی طلاق کے بعد طلاق کی عدت (اور فوت ہونے کے بعد وفات کی عدت) گزار کر پہلے خاوند سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ عدت میں نکاح حرام ہوگا۔

طلاق کی تین اقسام:

(۱) احسن (۲) حسن (۳) بدعی

طلاق احسن:

طلاق حسن یہ ہے کہ طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے اور اس میں جماع بھی نہیں کیا گیا تھا اور اسے اسی طرح چھوڑ دے تاکہ اس کے عدت گزار جائے جہاں چاہے نکاح کرے۔

☆ "لما اسند ابن ابی شیبہ عن ابراہیم النخعی ان الصحابة رضی اللہ عنہم کانوا

یستحبون ان یطلقھا واحدة ثم یترکھا حتی تحيض ثلاث حیض

مصنف ابن ابی شیبہ میں اسناد صحیح سے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی گئی ہے کہ

صحابہ کرام مستحب یہ سمجھتے تھے کہ عورت کو صرف ایک ہی طلاق دی جائے، پھر اسے اسی طرح چھوڑ

دیا جائے یہاں تک کہ وہ تین حیض گزار لے۔

☆ "وقال محمد بلغنا عن ابراہیم النخعی ان اصحاب رسول اللہ ﷺ کانوا یستحبون ان

لا یریدوا فی الطلاق علی واحدة حتی تنقضی العدة

حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مستحب یہی سمجھتے

تھے کہ عورت کو ایک طلاق سے زیادہ طلاقیں نہ دی جائیں، یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔

ایک طلاق دینے کا فائدہ:

”ولانه ابعده عن الندامة حيث ابقي لنفسه مكنة للتدارك“

ایک طلاق دینے کا یہ فائدہ ہے کہ ندامت سے دور رہے گا کیونکہ غلطی کا تدارک ممکن ہوگا۔

عدت کے اندر رجوع کر سکے گا اور عدت گزرنے پر نکاح کر سکے گا جبکہ دوسرے خاوندات نکاح کرنا نہ سکیں

نہیں ہوگا۔

عورت کو ضرر کم ہوگا، کیونکہ حلت نعمت ہے۔ دوران عدت حلت برقرار رہے گی، اسے امید ہوگی کہ ہوسکتا ہے

خاوند رجوع کر لے، اس طرح اسے دہشت حاصل نہیں ہوگی، آہستہ آہستہ عدت گزرنے پر برداشت کی طاقت حاصل

ہوگی۔

(ار فتح القدیر)

حیض کی حالت میں طلاق ناپسندیدہ لیکن واقع ہو جاتی ہے:

”عن عبد الله ابن عمر انه طلق امرأة له وهي حائض فذكر عمر لرسول الله - فتعبط

فيه رسول الله ﷺ ثم قال يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر ثم تحيض فتطهر فان بداله

ان يطلقها فليطلقها طاهرا او حاملا“ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے اس واقعہ کی نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، پھر کہا اسے کہو وہ

رجوع کر لے، پھر اپنی زوجہ کو اپنے پاس روک رکھے، یہاں تک کہ طہر گزر جائے، پھر حیض گزر جا

ئے، پھر اگر طلاق دینا چاہے تو پاکیزگی کی حالت میں یا حمل کی حالت میں طلاق دے دے۔

حدیث پاک سے بہت واضح ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے پر نبی کریم ﷺ نے ناراضگی کا اظہار

فرمایا، لہذا حیض کی حالت میں طلاق دینا شریعت میں ناپسندیدہ عمل ہے۔

اور واضح ہوا کہ حیض کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو طلاق حیض میں دی جائے وہ واقع ہی نہیں ہوتی۔

طہر (پاکیزگی) میں طلاق دی جائے، وہ بھی اگر ضرورت درپیش آئے، لیکن بلا ضرورت طلاق دینا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

حدیث پاک سے اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ حاملہ عورت کو طلاق دی جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ ضرورت پڑنے پر حمل کی حالت میں طلاق دینے کی اجازت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔

طلاق حسن:

طلاق حسن یہ ہے کہ جس عورت سے مجامعت کر چکا ہو یا خلوت صحیحہ پائی گئی، اسے تین طہروں (پاکیزگیوں) میں تین طلاقیں دے، یعنی ہر طہر میں ایک طلاق دے اور اس کے بعد رجوع نہ کرے۔

مجامعت یا خلوت صحیحہ کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر کسی اور عورت سے نکاح ہوا ہے، ابھی رخصتی نہیں ہوئی، اس مدت میں جماع نہیں کیا گیا اور علیحدگی میں ان کی کوئی ملاقات ایسے وقت اور ایسے حال میں نہیں ہوئی، جو وطی سے مانع تھے، تو اسے ایک طلاق دینے سے وہ بائن ہو جائے گی۔

اس پر بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہی شاہد ہے، کیونکہ بعض روایات میں یہ الفاظ گرامی پائے گئے ہیں۔

”ماہکذا امرک اللہ قد اخطأت السنة، السنة ان تستقبل الطهر فتطلق لكل قرء“

اے ابن عمر حیض میں طلاق دینے کا حکم تمہیں اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ تم نے سنت کی خلاف ورزی

کی، سنت یہ ہے کہ طہر کی انتظار کرو، اور پھر طہر میں طلاق دو۔ (فتح القدیر)

تذریعاً طلاق دینے کا حکم رب تعالیٰ کی رحمت ہے:

اس آیت کریمہ سے پہلی آیت میں ایک اور دو طلاقیں کے بعد رجوع کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس سے بھی یہ سمجھ آیا کہ طلاقیں ایک ایک کر کے دینا بہتر ہے۔

انسان جب تک اپنی زوجہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ جدائی بہت مشقت آمیز کام ہے۔
 ”فاذا فارقہ فعند ذلک یظہر“ جب زوجہ کو جدا کر دیتا ہے تو پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ ہاں جدائی کتنی
 مشقت آمیز ہے۔ اسی وجہ سے ایک طلاق دینے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک طلاق کے بعد رجوع کا حق دیا گیا، اگر رجوع
 کا حق نہ دیا جاتا۔ ”لعظمت المشقة علی الانسان بتقدیر ان تظہر المحبة بعد المفارقة“
 تو انسان کو بہت مشقت میں مبتلا ہونا پڑتا، کیونکہ زوجہ کو جدا کرنے کے بعد محبت واپس لوٹ آتی ہے۔
 لیکن ایک مرتبہ کامل تجربہ کامل نہیں ہوتا، انسان پھر طلاق دینے کا بھی ارادہ کر لیتا ہے، پھر بھی ایک طلاق
 دینے پر رجوع کا حق دیا گیا ہے، کیونکہ انسان کو دو مرتبہ جدائی سے کافی حد تک تجربہ حاصل ہو جاتا ہے۔
 ”وعرف حال قلبہ فی ذلک الباب“ وہ اپنے دل کے حال کو پہچان لیتا ہے، اگر رجوع کرنا بہتر سمجھے تو
 رجوع کر لے، اگر اس کا دل نفرت کرتا ہو تو رجوع نہ کرے، یا تیسری طلاق دے کر اسے مکمل طور پر آزاد کر دے
 ”وهذا التدریج والترتیب یدل علی کمال رحمته ورافته بعبدہ“

یہ تدریج اور ترتیب اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر کامل رحمت اور مہربانی پر دلالت کرتی ہے۔ (ارکبیر بتصرف)

طلاق بدعی:

تین طلاقیں ایک ہی کلمہ سے دے یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے، اسے ”طلاق البدعة“ کہا جاتا ہے۔
 ”فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وکان عاصیا“

جب کوئی شخص طلاق بدعی دے تو طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، البتہ طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔ (ہدایہ)

ایک مرتبہ تین طلاقیں دینے پر احناف کا مذہب:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے کہ ایک مرتبہ تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں،
 اگرچہ ایک مرتبہ تین طلاقیں دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل:

ایک مرتبہ تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں، اس کا ثبوت حدیث پاک سے بھی ہے اور اجماع امت سے بھی۔

احادیث مبارکہ سے ثبوت:

”عن ابن عمر انه طلق امرأته وهي حائض ثم اراد ان يتبعها بطلقتين اخرين عند القرأين فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال يا ابن عمر ما هكذا امرك الله قد اخطأت السنة، السنة ان تستقبل الطهر فتطلق لكل قرء فامرني فراجعته فقال اذهي طهرت فطلق عند ذلك او امسك فقلت يا رسول الله ارأيت لو طلقته ثلاثا كان يحل لي ان راجعها قال لا كانت تبين منك وكانت معصية“ (رواه الدارقطني)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی، پھر ارادہ کیا کہ اس کے پیچھے دو طلاقیں اور دو طہروں میں دے دوں گا، یہ خبر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا، اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے اس طرح تو حکم نہیں فرمایا، تحقیق تم نے سنت سے خطا کر دی، یعنی سنت کے خلاف کام کیا۔ سنت یہ ہے کہ تم طہر کی انتظار کرو، پھر ہر طہر میں ایک طلاق دو، ابن عمر فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ میں رجوع کر لوں، پھر آپ نے فرمایا جب وہ (حیض سے) پاک ہو جائے پھر طلاق دو یا روک کر رکھو۔

میں نے عرض کیا آپ کی اس میں کیا رائے ہے کہ اگر میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا وہ میرے لئے حلال رہتی، آپ نے فرمایا نہیں وہ تم سے جدا ہو جاتی ہے تمہیں اس سے معصیت لازم آئی۔

”ورواه ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن الحسن قال حدثنا ابن عمر قد صرح بسماعہ عنہ“

یہی مذکور بالا حدیث ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں حضرت حسن کی روایت حضرت ابن عمر سے نقل فرمائی ہے۔ جس میں صراحۃً ذکر ہے کہ حضرت حسن نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خود یہ حدیث سنی۔

اعتراض:

”واعله البیهقی بعطاء الخراسانی قال انی بزیا دات لم یتابع علیہا وهو ضعیف لا یقبل ما تفرد بہ“

بیہقی نے اس حدیث کا ضعیف ہونا ثابت کیا ہے کہ اس کے راویوں میں عطاء خراسانی ہے، جو ضعیف ہے کیونکہ وہ زیادہ چیزوں کو پیش کر دیتا ہے جس میں اس کے متابع (موافق) کوئی اور روایت نہیں پائی جاتی، لہذا اس روایت میں عطاء خراسانی متفرد (اکیلا) ہے۔ لہذا یہ روایت قابل قبول نہیں۔

جواب:

”قال ابن الہمام تعلیل البیهقی مردود حیث تابعہ شعیب بن رزق سنداً و متناً“

(رواہ الطبرانی)

حضرت ابن ہمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بیہقی کا اس حدیث کو ضعیف کہنا ہی مردود ہے اور غلط ہے کیونکہ بیہقی نے اس کی علت علت (وجہ ضعف) یہ بیان کی ہے کہ اس کا راوی عطاء خراسانی متفرد ہے اس روایت کے موافق اور کوئی روایت نہیں، بیہقی کا یہ کہنا غلط ہے، کیونکہ اسی سند اور اسی متن سے طبرانی نے شعیب بن رزق سے روایت بیان کی ہے، لہذا اس حدیث کی متابع حدیث پائی گئی ہے، اس حدیث کو ضعیف کہنا قول ہی ضعیف ہے۔

(از مطہری)

عطاء الخراسانی کے متعلق اصحاب الجرح والتعديل کی آراء:

(۱) "عطاء ابن ابی مسلم الخراسانی ارسل عن معاذ وطائفة من الصحابة وروى عن عكرمة

و يحيى بن يعمر والطبقة وعنه ابنه عثمان والا وزاعى ومالك وشعبة قال ابن جابر كنا

نغزومه فيحى الليل صلوة الانومه السحرمات سنة ۵۱۳۸ (از الكاشف للذهبي) قال ابن سعد

كان ثقة روى عنه مالك وكان ابن حبان كان ردى الحفظ (الحاشية على الكاشف للذهبي)

عطاء ابن ابی مسلم خراسانی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ کرام سے مرسل روایات بیان کرتے

ہیں، عکرمہ اور یحییٰ بن یعمر اور کچھ حضرات سے بھی روایات بیان کرتے ہیں، عطاء سے روایت

کرنے والوں میں آپ کا بیٹا عثمان، اوزاعی، حضرت امام مالک اور شعبہ ہیں۔ ابن جابر کہتے ہیں

ہم ایک غزوہ میں آپ کے ساتھ تھے، آپ تمام رات نوافل ادا کرتے تھے، تھوڑی دیر پچھلی رات

آرام کرتے، آپ کی وفات ۱۳۸ ھ میں ہوئی۔ (الکاشف للذهبي)

اس کتاب کے حاشیہ میں ہے کہ ابن سعد نے کہا عطاء خراسانی ثقہ راوی تھے کیونکہ امام مالک آپ

سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان نے کہا آپ کا حافظہ درست نہیں تھا۔

یہاں سے واضح ہوا کہ ابن سعد کے نزدیک عطاء ثقہ راوی تھے، یہ ضروری نہیں کہ ابن حبان پر ہی اعتماد کیا

جائے۔

(۲) عطاء ابن ابی مسلم الخراسانی روى عن ابی الدرداء ومعاذ وابن عباس مرسلًا وروى

عن يحيى ابن يعمر و نافع و عكرمة وعنه ابن جريج والا وزاعى ومالك وشعبة وحماد

بن سلمة قال عبد الرحمن بن يزيد كان يحيى الليل وثقه ابن معين و ابو حاتم

(از خلاصہ تذهیب التہذیب الکمال، ج ۳، ص ۲۳۱)

عطاء بن ابی مسلم خراسانی حضرت ابوالدرداء حضرت معاذ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے

مرسل روایات بیان کرتے ہیں اور یحییٰ ابن یحمر اور نافع اور عکرمہ سے بھی روایات بیان کرتے

ہیں اور عطاء سے ابن حریج، اوزاعی، امام مالک، شعبہ اور حماد بن مسلمہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں وہ رات کو بیدار رہنے (جاگنے) والے شخص تھے، ابن معین اور حاتم نے آپ کو ثقہ راوی کہا ہے۔

(۳) ”وقال احمد یحییٰ والعجلی وغیرہم ثقة وقال یعقوب بن شیبہ ثقة معروف بالفتویٰ والجهاد قال ابو حاتم ثقة محتج به (میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۷۴)

احمد اور یحییٰ اور عجل و غیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور یعقوب بن شیبہ نے کہا یہ ثقہ راوی ہیں۔ فتویٰ اور جہاد میں مشہور ہیں، ابو حاتم نے کہا ثقہ راوی ہیں، ان کی روایت سے ذیل پکڑی جائے۔

واضح ہوا کہ عطاء خراسانی کو زیادہ حضرات نے ثقہ راوی کہا ہے، ایسی کوئی قوی وجہ نظر نہیں آتی کہ عطاء بن ابی مسلم خراسانی کے متعلق صرف ابن حبان کے قول کو ترجیح دی جائے اور ابن سعد، اور ابن معین، ابو حاتم، احمد، عجل اور یعقوب بن شیبہ کے ثقہ کہنے کا اعتبار نہ کیا جائے۔

مسئلہ نکھر کر واضح ہو گیا کہ دارقطنی کی روایت کو بیہقی کا ضعیف کہنا ”عطاء خراسانی کہ وجہ سے جن کو صرف ابن حبان نے ضعیف کہا باقی اہل علم نے قوی کہا“ درست نہیں، پھر ان کی روایات متفرد نہیں، بلکہ اس کے متابع موجود ہے۔ (راقم)

☆ ”واخرج عبدالرزاق والبیہقی عن زید بن وہب ان بطالا كان بالمدينة فطلق امرأته الفافر فع ذلك الى عمر بن الخطاب فقال انما كنت العب فعلاه عمر بالدرة وقال ان كان ليكفيك ثلاث“ (درمنثور)

حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں ایک مسخرہ شخص مدینہ طیبہ میں تھا، اس نے اپنی عورت کو ہزار طلاقیں دے دیں، پھر وہ اپنا معاملہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، تو اس نے کہا میں تو ہنسی کھیل کر رہا تھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا درہ اس پر بلند کرتے ہوئے فرمایا، تجھے تین طلاقیں ہی کافی تھیں۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

جب طلاق کا لفظ استعمال کیا جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ وہ طلاق مزاح کے طور پر ہی دے رہا ہو۔
لہذا طلاق دے کر پھر یہ کہنا کہ میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، اس حیلے اور بہانے سے شریعت اس کی طلاق واقع ہونے سے اسے بچنے نہیں دیتی۔

اور ایک دفعہ ہی تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ہی ہزار طلاق دینے پر تین کو نافذ کر دیا۔

☆ ”واخرج عبدالرزاق والبیہقی عن علقمة بن قیس قال اتی رجل ابن مسعود فقال

ان رجلا طلق امراته البارحة مائة قال قلتها مرة واحدة قال نعم قال اتريد ان تبين

منك امرأتك قال نعم فقال هو كما قلت“ (درمنثور)

حضرت علقمة بن قیس کہتے ہیں ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے وہ کہنے لگے

بے شک ایک شخص نے (یعنی میں نے) گزشتہ رات اپنی زوجہ کو ایک سو طلاقیں دے دیں، آپ

نے فرمایا میں ایک مرتبہ ہی دے دیں؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تم نے اسی لئے تو یہ

طلاقیں دی ہیں کہ وہ تم سے جدا ہو جائے، اس نے کہا ہاں یہی مطلب تھا، تو آپ نے فرمایا، بس

وہی ہو گیا جو تمہارا مطلب تھا۔

یعنی تین طلاقیں تو واقع ہو گئیں اور باقی لغو چلی گئیں۔ واضح ہوا کہ ایک دفعہ ہی تین طلاقیں دینے سے تین ہی

واقع ہوتی ہیں۔

☆ ”واخرج البيهقي عن قيس بن حزم قال سأل رجل المغيرة شعبة وأنا شاهد عن رجله

طلق امراته مائة قال ثلاث تحرم وسبع وتسعون فضل“ (درمنثور)

حضرت قیس بن حزم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میری موجودگی میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

سے سوال کیا کہ ایک شخص اپنی زوجہ کو ایک سو طلاقیں دے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ تین سے حرام ہو جائے گی اور ستانوے زائد ہوں گی (یعنی ضائع چلی جائیں گی)

☆ واخرج ابن عدی والبیہقی عن الامش قال بان بالکوفہ شیخ یقول سمعت علی ابن ابی طالب یقول اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فانه یرد الی واحدة والناس عنقاد احدا اذاک یا تونه ویسمعون منه قال فاتیتہ فقرعت علیہ الباب فخرج الی شیخ فقلت له کیف سمعت علی بن ابی طالب یقول فیمن طلق امرأته ثلاثا فی مجلس واحد قال سمعت علی بن ابی طالب یقول اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فانه یرد الی واحدة قال فقلت له انی سمعت هذا من علی قال اخرج الیک کتابا فخرج فاذا فیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قال سمعت علی بن ابی طالب یقول اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا فی مجلس واحد فقد بانت منه ولا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ قلت ویحک هذا غیر الذی تقول قال الصحیح هو هذا ولكن هؤلاء ارادونی علی ذلک

(درمثور)

امش کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھا شخص ظاہر ہوا جو یہ کہتا تھا کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک ہی طلاق ہوگی، لوگ اس کے پاس آرہے ہیں گردن اٹھا کر دیکھ رہے ہیں اور اس کی بات کو سن رہے ہیں، امش کہتے ہیں میں اس کے پاس آیا، اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ شیخ میری طرف نکلا، تو میں نے اسے کہا تم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیسے سنا، اس شخص کے متعلق جو اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے ایک ہی مجلس میں؟ اس نے کہا حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرما رہے تھے جب کوئی شخص اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک طلاق شمار ہوگی۔ امش کہتے ہیں میں نے اسے کہا یہ تم نے کہاں ان سے سنا ہے؟ اس نے کہا میں تمہیں ایک خط (دستاویز جس پر حدیث لکھی ہوئی ہے) نکال کر دیتا ہوں، تو جب اس نے وہ

خط نکال کر دیا تو اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد یہ لکھا ہوا تھا میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دے تو وہ اس سے بائن (جدا) ہو جائے گی اور وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند کے پاس رہے۔ میں نے کہا تمہارے لئے بربادی اس میں تو تمہارے کہنے کے خلاف لکھا ہوا ہے۔ اس نے کہا صحیح حدیث یہی ہے، لیکن لوگوں نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ میں یوں بیان کروں تو میں نے بھی ان کے کہنے کے مطابق بیان کر دیا۔

واضح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ منسوب کرنا ہی باطل ہے کہ وہ ایک مجلس میں تین طلاقیں کو ایک شمار کرتے تھے، بلکہ آپ فرماتے تھے ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں، وہ عورت بائن ہو جاتی ہے۔

☆ "واخرج البيهقي عن مسلمة بن جعفر الاحمسي قال قلت لجعفر بن محمد يزعمون ان من طلق ثلاثا بجها لة رد الى السنة يجعلونه واحدة يردونها عنكم قال معاذ الله ما هذا من قولنا من طلق ثلاثا فهو كما قال" (در منثور)

مسلمہ بن جعفر الاحمسی کہتے ہیں میں نے جعفر بن محمد کو کہا کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ کوئی شخص جہالت سے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو ان کو سنت کی طرف لوٹا کر ایک شمار کیا جائے۔ اس روایت کو لوگ تمہاری طرف منسوب کرتے ہیں کہ یہ تم نے بیان کیا ہے انہوں نے کہا معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) ہمارا یہ قول نہیں۔ بلکہ جو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے گا وہ تین ہی واقع ہوں گی۔

☆ "واخرج ابن ماجه عن الشعبي قال قلت لفاطمة بنت قيس حدثيني عن طلاقك قالت طلقني زوجي ثلاثا وهو خارج الى اليمن فاجاز ذلك رسول الله ﷺ" (در منثور)

شعبي کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیس کو کہا کہ مجھے تم اپنی طلاق کے متعلق بتاؤ، وہ کہنے لگیں مجھے میرے خاوند نے تین طلاقیں دے دیں جب وہ یمن کی طرف جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے جائز رکھا۔

یعنی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے رد نہیں فرمایا۔

مسئلہ : جس عورت کو وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے تین طلاقیں ایک مرتبہ دے دی جائیں، اسے تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی، اس سے اس وقت تک دوبارہ نکاح نہیں ہو سکے گا جب تک وہ کسی اور خاوند کے پاس نہ رہے۔ اور اگر عورت کو وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے ایک طلاق دے تو وہ ایک ہی طلاق سے بائن ہو جائے گی، اس سے رجوع جائز نہیں ہوگا، بلکہ دوبارہ نکاح کی ضرورت ہوگی اگر ایک طلاق کے بعد اسے ہی دوسری اور تیسری طلاق دی گئی تو وہ واقع نہیں ہوگی، کیونکہ محل ختم ہو چکا ہے۔

مسئلہ مذکورہ پر احادیث:

”واخرج البيهقي عن ابن مسعود قال المطلقة ثلاثا قبل ان يدخل بها بمنزلة التي قد دخل بها“ (درمنثور)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس عورت سے وطی نہ کی گئی ہو (اور خلوت صحیحہ بھی نہ پائی گئی ہو) اسے تین طلاقیں دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اسے تین طلاقیں دی جائیں جس میں وطی کر لی گئی ہو۔

اس حدیث پاک سے بھی یہ ثابت ہوا کہ تین طلاقیں ایک مرتبہ دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

☆ ”واخرج مالك والشافعي وابوداؤد والبيهقي عن محمد بن اياس بن البكير قال طلق رجل امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها ثم بداله ان ينكحها فجاء يستفتي فذهبت معه اسأل له فسأل ابا هريرة وعبد الله بن عباس عن ذلك فقالا لا نرى ان تنكحها حتى تنكح زوجا غيره قال انما كان طلاقى اياها واحدة قال ابن عباس انك ارسلت من يدك ما كان لك من فضل“ (درمنثور)

محمد بن ایاس بن بکیر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو وطی (اور خلوت صحیحہ) سے پہلے تین طلاقیں دے دیں، پھر ارادہ ہوا کہ میں اس سے نکاح کر لوں، وہ شخص مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا

میں اس کے ساتھ چلاتا کہ اس کے متعلق پوچھوں، تو اس نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے اس کے متعلق سوال کیا تو ان دونوں نے کہا ہم تو جائز نہیں سمجھتے کہ تم اس سے نکاح کرلو، یہاں تک کہ وہ عورت تمہارے بغیر کسی اور خاوند کے پاس رہے۔ اس شخص نے کہا میری طلاق اس کے لئے ایک ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم نے اپنے ہاتھ سے باقی کو بھی چھوڑ دیا۔ یعنی تم نے تینوں طلاقوں کا استعمال جب ایک مرتبہ کر لیا تو اب تین طلاقیں واقع ہو گئیں، جو تمہارا خیال ہے کہ ایک ہی طلاق سے وہ بائن ہو گئی اور باقی نہیں واقع ہوئیں یہ اس وقت ہوتا جب تم ایک ایک کر کے دیتے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ تین طلاقیں ایک مرتبہ دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

”واخرج مالک والشافعی عن عطاء بن يسار قال جاء رجل يسأل عبدالله بن عمر و بن العاص عن رجل طلق امرأته ثلاثا قبل ان يمسه فقلت انما طلاق البكر واحدة فقال لي عبدالله بن عمرو انما انت قاضى الواحدة بينها والثلاث تحررها حتى تنكح زواجا غيره“ (درمنثور)

عطاء بن یسار کہتے ہیں ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس سوال کرنے کے لئے آیا کہ ایک شخص اپنی زوجہ کو پھونے سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو اس کا حکم کیا ہے۔ عطاء کہتے ہیں میں نے کہا بآکرہ (جسے چھو نہ جائے) اسے ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا قاضی تم ہی ہو؟ (ایسا نہیں جیسا تم نے کہا) ایک طلاق سے وہ بائن ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں ایک دفعہ ہی دی جائیں تو وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں رہتی، یہاں تک کہ وہ دوسرے خاوند کے پاس رہے۔

یہاں تک بیان کی گئی احادیث سے مسئلہ روز و روشن کی طرح نکھر کر سامنے آ گیا کہ تین طلاقیں ایک مرتبہ دینے سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں۔

شیعہ اور غیر مقلدین کا مسلک:

یہ دونوں فرقے یعنی شیعہ اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک مرتبہ دے دی جائیں تو ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

یہ دونوں فرقے دراصل کم تعداد میں ہیں کہ کسی طرح ہمارا کوئی نہ کوئی ہمنوا بن جائے۔ کئی لوگ تین طلاقیں دے کر غیر مقلدین سے فتویٰ لکھا کر لے آتے ہیں کہ ایک ہی طلاق واقع ہوئی، وہ ہمیشہ کے لئے حرام کے مرتکب ہو جاتے ہیں، لیکن حرام کا مرتکب بنا کر وہ غیر مقلد بنا لیتے ہیں۔

حضرت علامہ الشاہ تراب الحق صاحب مدظلہ العالی نے ایک مرتبہ خطاب میں ارشاد فرمایا کہ تین طلاقیں کے بعد حرام کو حلال سمجھنے والوں نے اور حرام کی اولاد نے گستاخ رسول ہی بننا ہے اور ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات:

اس مسئلہ کو راقم حضرت علامہ محمود احمد رضوی شارح بخاری کے ایک مضمون سے بمع اضافات اور وضاحت سے ذکر کر رہا ہے۔

اس مسئلہ پر صاحب فیوض الباری فرماتے ہیں، ابن تیمیہ اور ان کے اصحاب (غیر مقلدین) کا جمہور صحابہ و تابعین اور وائمہ دین کے موقف کے خلاف رائے رکھنا تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، ہر دور میں دو چار افراد ایسے ہوتے ہیں جو جمہور مسلمین کے خلاف رائے رکھتے ہیں، ابن تیمیہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ (جو غیر مقلدین کا امام ہے اسی کے نظریات غیر مقلدین کے نظریات ہیں)

ابن تیمیہ (اور اس کے قابعین غیر مقلدین بلکہ مقلدین ابن تیمیہ) کا موقف یہ ہے کہ بیک وقت دی گئیں تین طلاقیں تین نہیں ایک قرار پاتی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ جمہور ائمہ دین کے موقف کو غلط قرار دینا اور ابن تیمیہ کے قول کو حق قرار دینے کا کسی کو کوئی حق

نہیں۔ اس لئے کہ ابن تیمیہ کے پاس یکدم دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کے لئے صرف تین روایتیں ہیں۔
 اول صحیح مسلم کی روایت جو طاؤس کا وہم اور شاذ روایت ہے۔ دوم مسند احمد کی روایت جو مضطرب، منکر اور ضعیف
 روایت ہے۔ اور سوم ابوداؤد کی روایت جو مجہول، منکر اور متروک روایت ہے۔

یہ ہے ابن تیمیہ کے پاس دلائل کا قابل ذکر سرمایہ، جس کی بنیاد پر وہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔ اس
 اجمال کی نہایت مختصر توضیح یہ ہے۔

روایت ابوداؤد:

”حدثنا احمد بن صالح اخبرنا عبد الرزاق اخبرنا ابن جريج اخبرني بعض بني ابي رافع
 مولى النبي ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال قال طلق عبد يزيد
 ابوركانة (الى) قال (النبي ﷺ) راجع امرأتك ام ركانة واخوته فقال اني طلقها ثلاثا
 يا رسول الله قال قد علمت راجعها وتلا (يا ايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن)
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، یزید کے غلام ابوركانہ نے اپنی زوجہ ام ركانہ کو طلاق
 دے دی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا تم رجوع کرلو۔ تو وہ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! میں نے
 اسے تین طلاقیں دے دی ہیں، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے، تم اس کی طرف رجوع کرلو۔ اور
 آپ نے یہ آیہ (بطور دلیل) تلاوت کی یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن

(ابوداؤد باب نسخ المراجعة بعد تطليقات الثلاث)

اس حدیث سے ابن تیمیہ اور اس کے قسبیین نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق
 واقع ہوتی ہے اور اس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔

دلیل کا رد:

یہ دلیل مختلف وجوہ سے بہت ہی ناقص اور کمزور ہے، جس سے حرام کو حلال ثابت کرنا درحقیقت اپنی عاقبت
 ہی خراب کرنا ہے۔

رد کی پہلی وجہ:

حدیث کی سند تمام راقم نے ذکر کر دی ہے جس میں راوی ”بعض بن ابی رافع“ ہے، یعنی ابو رافع کے کسی بیٹے نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ یہ راوی مجہول ہے۔ راوی کا جب تک نام نہ ذکر کیا جائے وہ مجہول ہوتا ہے، اس کی حدیث بطور دلیل نہیں پیش کی جاسکتی۔

مجہول راوی کا حکم:

”واما جهالة الراوى فانه ايضا سبب للطعن فى الحديث لانه لما لم يعرف اسمه وذاته لم يعرف حاله وانه ثقة او غير ثقة كما يقول حدثنى رجل او اخبرنى شيخ ويسمى هذامبهماو حديث المبهم غير مقبول الا ان يكون صحابيا لانهم عدول وان جاء المبهم بلفظ التعديل كما يقول اخبرنى عدل او حدثنى ثقة ففيه اختلاف والاصح انه لا يقبل“
(مقدمہ مشکوٰۃ)

راوی کا مجہول ہونا حدیث میں طعن کا سبب ہے، کیونکہ جب تک راوی کا نام اور ذات اور حال نہ پتہ چلے کہ وہ راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ، جیسے کوئی کہے کہ ایک شخص نے مجھے حدیث بیان کی، یا یہ کہے کہ مجھے شیخ نے حدیث بیان کی، وہ حدیث مبہم کہلاتی ہے۔ مبہم حدیث مقبول نہیں۔ سوائے اس کے صحابی کا نام وغیرہ ذکر نہ ہو صرف اتنا مذکور ہو کہ ایک صحابی نے مجھے حدیث بیان کی ہے، تو وہ مقبول ہوگی کیونکہ تمام صحابہ کرام عادل اور ثقہ ہیں۔ صحابی کے بغیر کسی اور کے متعلق یہ بھی کہہ دیا جائے مجھے عادل شخص نے حدیث بتائی ہے یا یہ کہے مجھے ثقہ راوی نے حدیث بیان کی ہے تو صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث بھی مقبول نہیں۔

رد کی دوسری وجہ:

اس حدیث پر خود محدث ابو داؤد نے اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ اس کے خلاف دوسری روایت کو ترجیح دی ہے جس میں ابو رکانہ کی طلاق کا ہی ذکر ہے۔

”قال ابو داؤد و حدیث نافع بن عجبیر و عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ عن ابیہ عن جدہ ان رکانہ طلق امرأته البتة فردھا الیہ النبی ﷺ اصح لا نھم ولد الرجل و اھلہ اعلم به ان رکانہ انما طلق امرأته البتة فجعلھا النبی ﷺ واحدة“

(ابو داؤد حوالہ مذکور)

ابو داؤد کہتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے زیادہ صحیح روایت نافع بن عجبیر اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی اپنے باپ داؤد سے ہے کہ بے شک رکانہ نے اپنی زوجہ کو طلاق البتہ دی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی زوجہ کو ان پر لوٹا دیا تھا۔ یہ حدیث اس لئے زیادہ صحیح ہے کہ ایک شخص کی اولاد اور اس کے گھر والے حضرات زیادہ اس کے واقعہ کو جانتے ہیں، وہ یہی ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو طلاق البتہ دی، تو نبی کریم ﷺ نے اسے ایک شمار کیا۔

طلاق البتہ یہ ہے کہ زوجہ کو کہا جائے۔ ”انت بتة“ اس میں نیت طلاق کی ہو تو طلاق واقع ہوتی ہے اور نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اگر نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے، جس میں تجدید نکاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ عمرو بن شعیب نافع بن عجبیر کی روایت میں یہ الفاظ بھی واضح طور پر موجود ہیں۔

”ان النبی ﷺ ردھا علیہ بنکاح جدید“ بے شک نبی کریم ﷺ نے ان پر ان کی زوجہ کو نکاح جدید سے لوٹا دیا۔

رد کی تیسری وجہ:

ابو داؤد نے عنوان ہی یہ قائم کیا ”باب نسخ المراجعة بعد تطليقات الثلاث“ (تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کے منسوخ ہونے کے بیان میں)

اس عنوان کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ضعف بیان کیا جائے جیسا کہ روکی دوسری صورت میں واضح کر دیا گیا ہے۔

مقام افسوس یہ ہے کہ ابوداؤد حدیث کو ضعیف کہیں اور اس کو رد کریں، اور عنوان ہی قائم کریں کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنا منسوخ ہے، لیکن غیر مقلدین اسی حدیث کو اپنی دلیل بنائیں کہ ابوداؤد میں یہ حدیث ہے۔ ابوداؤد کی بات مانیں یا کہ غیر مقلدین کی؟

”ان ركانة طلق زوجته البتة فجعله رسول الله ﷺ انه ما اراد الا واحدة فردھا اليه فطلقھا الثانية في زمن عمرو والثالثة في زمن عثمان“

(درمنثور، مظہری، مشکوٰۃ باب المطلقة ثلاثا)

بے شک رکانہ نے اپنی زوجہ کو طلاق البتہ دی، اس نے ایک کا ہی ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر ایک کا ہی حکم نافذ کیا اور اس پر اس کی زوجہ کو لوٹا دیا۔ پھر دوسری طلاق اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور تیسری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دی۔

واضح ہوا کہ تین کے بعد لوٹانے والی حدیث ضعیف، مبہم، منکر اور شاذ ہے، اس درجہ کی حدیث سے احکام ثابت نہیں۔ حرام کو حلال کرنا کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟

حدیث مسند احمد:

ابن تیمیہ اور ان کے پیروں نے حدیث مسند احمد سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

”وقال الامام احمد حدثنا سعيد بن ابراهيم قال ابنا ابی عن محمد بن اسحق قال حدثني داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال طلق ركانة بن عبد يزيد زوجة ثلاثا في مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديدا فسأله النبي ﷺ كيف طلقته قال طلقته ثلاثه في مجلس واحد قال انما تلک طلقة واحدة فارتجعها“

مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ (ابو) رکانہ نے اپنی زوجہ کو ایک ہی

مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو اس پر بہت زیادہ غمزدہ ہوئے (تو نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا) نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کیسے طلاق دی؟ تو انہوں نے کہا میں نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہیں، آپ نے فرمایا یہ ایک ہی طلاق ہے تم اس کی طرف رجوع کرلو۔

اس دلیل کا رد:

مسند احمد میں صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا، اس میں ضعیف، حسن اور صحیح ہر قسم کی احادیث موجود ہیں اس لئے مسند احمد کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔

یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ ضعیف حدیث سے حرام کو حلال نہیں کہا جاسکتا، یہ حدیث ضعیف کیوں ہے؟ اس لئے اس کے راویوں میں ایک راوی ابن اسحاق ہے جو مجروح ہے اور دوسرا راوی داؤد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے، جیسا کہ ابن جوزی نے اس بات کی تصریح کی ہے۔ (العلل المتناہیہ ج ۲، ص ۱۵۱)

امام بھصاص نے اس حدیث کا منکر ہونا بیان کیا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص)

نیز کتب اسماء الرجال میں محمد بن اسحاق کو کذاب قرار دیا گیا ہے۔

حدیث مسلم:

”اسحاق بن ابراہیم و محمد بن رافع واللفظ لابن رافع قال اسحق انا و قال ابن رافع ناعبد الرزاق قال انا معمر عن ابن طاؤس عن ابیہ عن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ ﷺ و ابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث و احدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لہم فیہ اناة فلو امضیناہ علیہم فامضاہ علیہم“ (مسلم باب طلاق الثلاث)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دو سال تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بیشک لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی شروع کر دی جس کی ان کو مہلت تھی، اگر ہم اسے جاری کر دیں تو بہتر رہے گا، پھر آپ نے اسے جاری کر دیا۔

☆ ”حد ثنا اسحق بن ابراہیم قال اناروح بن عبادة قال انا ابن جریج ح قال وحد ثنا ابن رافع فاللفظ له ناعبد الرزاق قال انا ابن جریج قال اخبرني ابن طاؤس عن ابيه ان ابا الصهباء قال لابن عباس اتعلم انما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبي ﷺ وابی بکر وثلاثا من اماره عمر فقال ابن عباس نعم“

ابو الصهباء نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تین کو تین ہی سمجھا گیا؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہلیاں ایسا ہی ہے۔

☆ ”وحد ثنا اسحاق بن ابراہیم قال انا سلمان بن حرب عن حماد ابن زید عن ايوب السخيتاني عن ابراہیم بن ميسرة عن طاؤس ان ابا الصهباء قال لابن عباس هات من هنالك الم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وابی بکر واحدة فقال قد كان ذلك فلما كان في عهد عمر تنازع الناس في الطلاق فاجاز عليهم“

ابو الصهباء نے حضرت ابن عباس کو کہا تم اپنی عجیب خبر پیش کرو، کیا رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک نہیں ہوتی تھیں؟ تو انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ البتہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانہ آیا تو لوگوں نے جلد بازی کر دی تو آپ نے تین کو تین کی ہی اجازت فرمادی۔

یہ تینوں روایات مسلم جلد اول باب طلاق الثلاث سے نقل کی گئی ہیں، ان پر ہی غیر مقلدین زور دے رہے

ہیں اور ضعیف حدیثوں سے حرام کو حلال بنا رہے ہیں، جو سراسر غلط ہے، اور تعجب یہ ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں معتبر ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ کے فضائل میں ضعیف بلکہ متعدد طرق سے بیان کردہ ضعیف حدیث جو حسن لغیرہ بن جاتی ہے اسے قبول نہیں کرتے۔

نبی کریم ﷺ کے فضائل کو نہ ماننے کا نتیجہ یہی ہے کہ حرام کو حلال بنا کر ضال اور مضل ہونے کا شرف حاصل کر لیں۔

اس دلیل کا رد:

ابن تیمیہ اور ان کے موافقین نے مسلم کی اس حدیث (جو تین سندوں سے ثابت ہے) سے جو استدلال کیا ہے اس سے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے کہ آپ نے واضح طور پر حضور اقدس ﷺ کی شریعت کی مخالفت کی اور تمام صحابہ نے بھی رسول ﷺ کی مخالفت کو قبول کر لیا، معاذ اللہ، اگر یہ بات مان لی جائے تو حضرت ابو بکر کے دور میں وفات پانے والے صحابہ کے علاوہ کوئی صحابی اس قابل نہیں رہے گا کہ اس کے دین اور اس کی روایت کو قبول کیا جائے، ہمارے دور کے غیر مقلد و ہابی مولوی بھی تین طلاقوں کو شرعاً ایک طلاق ثابت کرنے کے لئے بڑے فخر سے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ ان کے اس استدلال باطل سے تو صحابہ کرام کی دیانت و امانت و عدالت سب ختم ہو جاتی ہے، کیا کوئی مسلمان یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دور اور حضرت ابو بکر اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا اور حضرت عمر نے حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خود اپنے دور خلافت کے دو سالہ دور کی شریعت کو بدل دیا۔ یہ ممکن نہیں۔

اگرچہ اس کا ایک جواب علامہ نووی رحمہ اللہ نے یہ ذکر فرمایا کہ تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا حکم منسوخ ہونے کا وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا جسے تمام صحابہ کرام نے قبول کر لیا۔

اگر علامہ نووی رحمہ اللہ کا یہ جواب تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی غیر مقلدین اس حدیث کو اپنی دلیل نہیں بنا سکتے

کیونکہ منسوخ سے دلیل حاصل کرنا سوائے جہالت کے اور کچھ بھی نہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤلفہ قلوب کا زکوٰۃ کا مصرف نہ رہنے کا وقت بیان کیا جسے تمام صحابہ کرام نے قبول کر لیا۔

شاذ اور معلل حدیث قابل عمل نہیں:

یہ حدیث قرآن پاک کی اس آیت کے خلاف ہے، جس کی وضاحت جاری ہے، کیونکہ اس میں صراحۃً تیسری طلاق کے بعد عورت کا خاوند کے لئے حلال نہ ہونا ذکر کر دیا ہے، پھر بخاری اور مسلم کی صحیح اور متفق علیہ حدیث جن کو صحاح کے دیگر مؤلفین نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے بیک وقت تین طلاقیں دیں تو نبی کریم ﷺ نے ان کو نافذ کر دیا۔

وہ طویل حدیث ہے جس کا کچھ حصہ یہ ہے۔ ”فطلقها ثلاثہ قبل ان یامرہ رسول اللہ ﷺ“ عمر نے نبی کریم ﷺ کے لعان کا حکم نافذ کرنے سے پہلے ہی بیک مرتبہ تین طلاقیں دے دیں، ان تینوں کو جاری کر دیا گیا۔ نیز متعدد صحیح احادیث اور اور بکثرت آثار صحابہ و اقوال تابعین سے ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں، چونکہ مسلم کی یہ روایت قرآن و سنت اور آثار صحابہ و تابعین کے صریح طور پر خلاف ہے اس لئے یہ روایت شاذ اور معلل ہے اور استدلال کے قابل نہیں ہے۔

شاذ اور معلل ہونے کی ایک اور وجہ:

اس روایت کے شاذ اور معلل اور مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور حضرت ابن عباس سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نبی کریم ﷺ سے ایک بات روایت کریں اور فتویٰ اس کے خلاف دیں۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کا ایک فتویٰ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے، اور ایک روایت دیکھیں۔

”عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه، ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وان الله قال (ومن يتق الله يجعل له مخرجا) وانك لم تتق الله فلا اجد لك مخرجا، عصيت ربك وبانت منك امرأتك وان الله قال (يا ايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن)“ (ابو داؤد)

حضرت مجاہد کہتے ہیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا تو ایک شخص ان کے پاس آیا، اس نے کہا کہ اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ میں نے گمان کیا کہ شاید آپ اس کی زوجہ کو اس کی طرف لوٹا دیں گے، پھر آپ نے فرمایا تم میں سے ایک آدمی چلتا ہے تو حماقت پر سوار ہو جاتا ہے، پھر وہ شخص کہنے لگا اے ابن عباس! اے ابن عباس! بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے نکلنے کی راہ بنادیتا ہے) آپ نے فرمایا بیشک تم اللہ سے نہیں ڈرے، میں تمہارے نکلنے کی راہ نہیں پاتا، تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور عورت تم سے جدا ہو گئی، اور بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت کے لئے)

مسئلہ واضح ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ تھا کہ آپ تین طلاقوں کو تین ہی سمجھتے تھے۔

خیال رہے لفظ (قبل) حضرت ابن عباس کی قرأت میں ہے۔ اس لفظ کے ہونے یا نہ ہونے سے اصل مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ یہ روایت اس سند کے بغیر سات اور اسناد سے ثابت ہے، ابوداؤد کو دیکھئے۔

واضح ہوا کہ یہ روایت شاذ ہے اور طاؤس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت کو منسوب کرنے

میں وہم ہوا ہے، یہی وجہ ہے ابن عربی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ”هذا حديث مختلف في صحته فكيف يقدم على

الاجماع“ اس کی صحت میں ہی اختلاف ہے یہ اجماع امت پر کسے مقدم ہو سکتی ہے؟

”قال ويعارضه حديث محمود بن بسيد يعني الذي اخرجہ النسائي فان فيه التصريح

بان الرجل طلق ثلاثا مجموعة ولم يرده النبي ﷺ بل امضاه“

اور ابن عربی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ یہ حدیث اس وجہ سے بھی قابل قبول نہیں کہ اس کے معارض نسائی کی روایت محمود بن بسید سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو نبی کریم ﷺ نے ان کو رد نہیں فرمایا بلکہ تینوں کو جاری فرمادیا۔

(فتح الباری ج ۹، ص ۲۷۶ کتاب الطلاق)

شاذ اور معلل ہونے کی اور وجہ:

طاؤس کی بیان کردہ اس روایت میں حضور اقدس ﷺ کے کسی فرمان کا ذکر نہیں، وہ تو ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں جو طاؤس کا وہم ہے، اس لئے یہ روایت صحیح نہیں ہے، چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم علامہ شوکانی نیل الاوطار ج ۸، ص ۲۲ میں تصریح کی ہے کہ حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے آپ سے طاؤس کی بیان کردہ روایت کے خلاف روایت کی ہے۔

اور ایمان و دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حضرت عمر پر عہد رسالت اور عہد صدیقی کے معمول کی مخالفت اور تمام صحابہ پر مخالفت کی تہمت لگانے سے یہ بہتر ہے کہ مسلم کی اس روایت کو غیر صحیح اور مردود قرار دیا جائے، جس کی معقول وجہ اور بنیاد طاؤس کا وہم ہے۔

شاذ اور معلل ہونے کی اور وجہ:

جب راوی کا عمل اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف ہو تو یہ بات حدیث کی صحت میں طعن کا سبب ہوتی ہے، یا اس حدیث کے منسوخ ہونے یا اس حدیث میں تاویل ہونے اور اس کے ظاہری معنی مراد نہ ہونے پر دلیل ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے نبراس ص ۲۳ پر لکھا ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر جمہور فقہاء، اسلام اول تو طائوس کی روایت کو فنی سقم کی وجہ سے قبول ہی نہیں کرتے، دوم برہیل تنزل وہ اس کی تاویل کرتے ہیں اور وہ یہ کہ دور نبوی و عہد صدیقی میں لوگ تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے، بعد میں حضرت عمر کے دور میں تین طلاق کی نیت سے دینے لگے، حضرت عمر نے ان کی نیات کے مطابق تین طلاق کو تین قرار دیا، یعنی حضرت عمر نے عہد نبوت کے کسی معمول کو بدلا نہیں، بلکہ اسی کو نافذ کیا جو حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

راقم کا موقف:

اگرچہ یہ دوسری توجیہ بعض حضرات نے بیان کی ہے جو صاحب فیوض الباری رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمادی ہے، لیکن حقیقت یہ ہی ہے کہ یہ حدیث ہی شاذ، معلل، منکر اور ضعیف ہونے کی وجہ سے قبول نہیں، گذشتہ بیان کردہ احادیث سے واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی تین طلاقوں کو تین شمار کیا جاتا تھا ان پر رجوع کا حق نہیں دیا جاتا تھا۔ اس توجیہ کو بالفرض قبول کر لیا جائے تو پھر بھی ہمارے زمانے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ہمارے زمانے میں سوائے علماء کے تاکید و مؤکد کے ضوابط سے ہی لوگ بے خبر ہیں، ان کو غلط فتویٰ سے بدکاری کے ارتکاب پر لگانا ظلم عظیم نہیں تو اور کیا ہے۔

مغالطہ یا غلط استدلال:

ابن تیمیہ اور ان کے ہمنوا قرآن پاک کی اس آیت جو زیر بحث ہے اور اس سے پہلی آیت سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں ایسے طریقہ سے طلاق دینے کی ہدایت کی ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے رجوع کا حق باقی رہے اور بیک وقت تین طلاق دینا قرآن کے خلاف ہے، اس لئے تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ قرآن نے طلاق دینے کا احسن طریقہ بیان کیا ہے اور قرآن کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بیک وقت دہی گئی تین طلاقیں واقع نافذ نہ ہوں گی۔

نیز قرآن مجید نے بہت سے کاموں سے منع فرمایا ہے، جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس فعل کو کر لیا جائے تو فعل ہی باطل ہو جائے گا، یا اس کا وجود و عدم برابر ہو جائیں گے، قرآن نے زنا اور چوری کرنے سے منع کیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص زنا یا چوری کر لے تو اس کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ فعل وقوع پذیر ہی نہیں ہوا، دیکھئے اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کی، یا مخصو بہ زمین پر نماز پڑھی تو شرعاً نفس بیع منعقد ہو جائے گی اور نماز فرض بھی ادا ہو جائے گی، تو ایسی ہی بیک وقت دی گئی تین طلاقیں باوجود ممنوع ہونے کے واقع ہو جائیں گی۔

طلاق بدعت اور ثلاثہ کا حکم:

(۱) سیدنا امام اعظم اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک بیک وقت تین طلاق دینا بدعت و گناہ ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ حرام و گناہ نہیں، سیدنا امام حسن بن علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، امام شعبی اور سیدنا امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ ہر چند کہ ایک دم طلاق دینا مستحب نہیں مگر حرام گناہ بھی نہیں، کیونکہ عویمر عجلانی نے اپنی بیوی کو لعان کیا اور حضور ﷺ کے حکم دینے سے پہلے بخضور نبوت عرض کی، یا رسول اللہ! اب اگر میں اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھوں تو میرا زنا کی تہمت لگانا جھوٹ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ اور عویمر عجلانی کے ایک دم تین طلاق دینے پر حضور اقدس ﷺ کا انکار منقول نہیں۔

(۲) اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت و حرام ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، سیدنا امام مالک اور سراج الامة امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی نظریہ ہے (المغنی، ج ۷، ص ۲۸۱)

(۳) ایک دم تین طلاقیں دینے کو حضرت عمر، حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام و جمہور اہل سنت اور ان کے لاکھوں مقلدین علماء، صلحاء، اولیاء اور عام مسلمان حرام و بدعت اور گناہ سمجھتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی اس امر پر متفق ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو واقع و نافذ ہو جائیں گی، کیونکہ کسی فعل و عمل کا ناجائز ہونا اور گناہ ہونا اس فعل کی تاثیر کو نہیں روکتا۔

طلاق کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے توڑنے کی تاثیر رکھی ہے، از روئے لغت بھی اس لفظ کے معانی ”نکاح کی گرہ کھولنے“ ترک کرنے، اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ طلاق کا تعلق مردوں سے ہے، اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔
(فاج العروس)

(۴) قرآن مجید میں غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا ”سورہ احزاب آیہ ۲۹“ میں ذکر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”یا ایہا الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم من عدة تعتدونها“

اے مومنو! جب تم نکاح کرو ایمان والی عورتوں سے پھر ان کو چھوڑنے سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر تمہارے لئے کوئی عدت نہیں۔

اس آیہ میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کو عام رکھا ہے، خواہ بیک وقت تین طلاق دی جائیں یا الگ الگ طلاق دی جائے، تو جس فعل کو اللہ تعالیٰ نے مطلق و عام رکھا ہے اسے تو صحیح احادیث (اخبار آحاد) سے بھی مقید اور خاص نہیں کیا جاسکتا، چہ جائیکہ کچھ لوگوں کی غیر معصوم آراء اور غیر مستند اقوال سے اسے مقید کیا جائے۔

(۵) اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ ایک عاقل و بالغ انسان اپنے اختیار سے ”تین“ کا عدد استعمال کرتا ہے اور آپ کہتے ہیں ”ایک“

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کاغذات رجسٹری میں قیمت مکان تین لاکھ لکھی اور رجسٹرار کے ہاں رجسٹری کے موقع پر خریدار کہے کہ بے شک لکھا تو تین لاکھ ہے مگر میں ایک لاکھ دوں گا کیونکہ یک دم ”تین کا اقرار“ ایک ہوتا ہے، کیا رجسٹرار خریدار کی یہ بات تسلیم کرے گا؟ ہرگز نہیں۔

(۶) محمود بن لبید کی روایت کا مضمون یہ ہے کہ بحضور نبوی ﷺ یہ اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو حضور ﷺ غصہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا میرے ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب کو کھیل بنایا

(نسائی، ج ۲، ص ۱۸۱)

جار رہا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عہد رسالت میں بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک نہیں قرار پاتی تھیں۔ اگر تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے کا عہد رسالت میں معمول ہوتا تو حضور اقدس ﷺ اس قدر ناراض کیوں ہوتے؟ کیونکہ اگر بیک وقت دی گئی تین طلاقیں بھی ایک طلاق کے مترادف ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ طلاق دینے والے نے سنت طریقہ اختیار نہ کر کے گناہ کا ارتکاب کیا، اور یہی جمہور اہل سنت کا مسلک ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو وہ تین طلاق ہی واقع ہوگی۔

(۷) حضرت سہل بن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عویمر نے حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دے دیں ”فانفذہ“ تو رسول اللہ ﷺ نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (ابو داؤد، ج ۱، ص ۳۰۶)

اس حدیث میں اس امر کی بالکل واضح طور پر تصریح ہے کہ حضرت عویمر نے حضور ﷺ کے سامنے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور آپ نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا، اور یہ بھی واضح ہوا کہ عہد رسالت میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کا ایک ہونا معمول نہ تھا۔ حضور ﷺ تین طلاقوں کو تین ہی قرار دے کر نافذ کر دیتے تھے۔ اسی سے یہ واضح ہوا کہ تاکید والی تاویل درست نہیں، صحیح یہی ہے کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والی روایات غیر معتبر ہیں۔

نتیجہ واضح ہوا:

یہ تمام بحث دلالت کرتی ہے اس پر کہ ایک ہی کلمہ سے تین طلاق کے وقوع کی صحت پر علماء اور صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ نیز یکدم تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں، یہ مسئلہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

تنبیہ:

اس مسئلہ کو کنز العمال، ج ۵، ص ۱۶۱۔ ابو داؤد، ج ۱، ص ۳۷۳۔ موطا امام مالک، ج ۲، ص ۱۶۔ دارقطنی، ج ۴، ص ۱۲۔ بیہقی، ج ۷، ص ۳۳۵۔ تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۳۰۲۔ دارقطنی، ص ۳۰۔ تفسیر درمنثور، ج ۲، ص ۲۳۰۔ مینی شرح بخاری، فتح القدیر میں موجود ہے۔ (رضوان، جنوری، فروری ۱۹۹۶ء مع اضافات و تصرفات کثیفہ)

حرام کو کوئی حلال سمجھے تو ہم کیا کریں:

مسئلہ کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا، اب آگے کسی کی مرضی کہ وہ حرام کو حرام سمجھ کر گناہ سے بچ جائے، اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھے یا کہ حرام کو حلال سمجھ کر ساری زندگی گناہوں میں مبتلا رہے اور رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈر اور بے خوف ہو کر رہے۔

اے مسلمانو! خدا را گمراہ کن ٹولے سے بچ کر رہو، اپنی عاقبت کو برباد نہ کرو۔ حرام کاری اور حرام اولاد سے بچو۔

”فان طلقها فلا تحل من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ“:

پھر اگر (تیسری) طلاق اسے دی تو وہ عورت حلال نہیں اس مرد کے لئے اس (تیسری طلاق) کے بعد یہاں تک کہ وہ عورت رہے کسی دوسرے خاوند کے پاس۔

دو طلاقیں کا پہلے ذکر ہے، اور تیسری طلاق کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے، اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ ”تیسری“ طلاق کیا ہے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے، راقم نے بھی وہی ترجمہ نقل کیا ہے بریکٹ میں ”تیسری“ ذکر کر دیا ہے۔

تیسری طلاق کے بعد وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں رہتی، جب تک کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے، پھر وہ وطی بھی کرے۔

اعتراض: آیت کریمہ میں صرف نکاح کا ذکر ہے وطی کی قید کیوں لگائی گئی؟

جواب: اس آیت کریمہ کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وطی کی قید حدیث مشہور سے لگائی گئی ہے، جس کا ذکر ان شاء اللہ قریب ہی آرہا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نکاح کبھی بمعنی عقد کے آتا ہے اور کبھی بمعنی وطی کے آتا ہے۔ آیت کریمہ سے ہی وطی کرنا ثابت ہے۔

راقم کا موقف یہ ہے کہ وطی کرنا تو خود اس آیت کریمہ سے ثابت ہے، البتہ حدیث مشہور سے اسے تائید حاصل

(الماخوذ من الکبیر)

ہے۔ ”انا حملنا النکاح علی الوطی و حملنا قوله زوجا علی العقد“

رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں ”حتی تنکح“ سے ہم وطنی ثابت کرتے ہیں اور ”زوجا“ سے مراد عقد

نکاح۔

اب مطلب یہ ہوگا کہ یہاں تک کہ وہ عورت وطنی کرائے دوسرے شخص سے جس سے اس کا نکاح ہوا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ان دونوں قولوں کا جامع ترجمہ کیا ہے ”جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے“

راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے۔

حدیث مشہور جس سے وطنی کا واضح ثبوت موجود ہے، وہ یہ ہے۔

☆ ”عن عائشة قالت جاءت امرأة رفاعة القرظی الی رسول اللہ ﷺ فقالت انی کنت

عند رفاعة فطلقنی فبت طلاق فی فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبیر وما معہ الا مثل

هدبة الثوب فقال اتریدین ان ترجعی الی رفاعة قالت نعم قال لا حتی تذوقی عسیلته

ویدوق عسیلتک“ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب المطلقة ثلاثا)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رفاعہ قرظی کی عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کرنے

لگی، بیشک میں رفاعہ کے پاس تھی، اس نے مجھے تین طلاقیں دے دیں، پھر میں نے عبد الرحمن

بن زبیر (بفتح الزاء کلامیر) سے نکاح کر لیا، لیکن اس کے پاس سوائے کپڑے کے دھاگہ (بہل)

کے کچھ نہیں، تو آپ نے فرمایا تو رفاعہ کے پاس لوٹنے کا ارادہ رکھتی ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ

نے فرمایا تو اس کے پاس لوٹ نہیں سکتی، یہاں تک کہ تو اس کی مٹھاس چکھ لے او وہ تمہاری مٹھاس

چکھ لے۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ دوسرے خاوند کا جماع ضروری ہے، پھر وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہوتی ہے۔

اس لئے کہ عبد الرحمن بن زبیر نامرد تھے، ان کے آلہ میں انتشار نہیں تھا (کپڑے کے دھاگہ کا یہی مطلب ہے) تو نبی کریم ﷺ

نے بغیر جماع کرنے کے پہلے خاوند سے نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔

البتہ ”عسیلة“ تصغیر ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ صرف ذکر کا داخل کرنا کافی ہے، انزال (پانی کا نکلنا) ہو

نا ضروری نہیں، اور قریب البلوغ جس کا آلہ کھڑا ہوتا ہے، اس سے نکاح کرنا اور اس کا جماع کرنا بھی کافی ہے۔

حلالہ کیا ہے؟

دو طلاقوں تک رجوع کا حق تھا، لیکن خاوند نے اگر تین طلاقیں دیں، خواہ ایک وقت میں یا وقفہ وقفہ سے، اب رجوع کا کوئی حق نہیں۔ تمام معاملہ اب عورت کے اختیار میں ہے۔ تین طلاقوں کے بعد مرد کا اختیار ختم ہو گیا، کیونکہ شریعت میں طلاق دینے کا جو طریقہ ناپسند تھا، وہ اس نے استعمال کیا ہے، اس لئے اب یہ شخص اس سزا کا مستحق ہے کہ اس کا اختیار چھین لیا جائے۔

دوران عدت عورت کو کہیں نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ البتہ عدت گزارنے کے بعد وہ مکمل با اختیار ہے، چاہے تو کسی سے بھی نکاح نہ کرے، اسی طرح مجرد زندگی گزار دے اور چاہے تو کسی اور شخص سے نکاح کر لے، عورت نے اگر اپنی مرضی سے کسی دوسرے سے نکاح کر لیا پھر وہ شخص یعنی دوسرا خاوند بعد از جماع فوت ہو گیا یا اس نے طلاق دے دی، عدت گزارنے کے بعد یہ عورت پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو اسے اختیار حاصل ہے، کسی دوسرے شخص سے نکاح اور مجامعت کے بغیر پہلے خاوند سے نکاح کرنا یا اس کا رجوع کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ اسی کا نام حلالہ ہے۔

حلالہ کے نام کی وجہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے ”فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ“ پھر اگر اس نے تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان)

” (فان طلقها) مرة ثالثة بعد المراتین (فلا تحل له من بعد) ای من بعد التطلیقة الثالثة (حتی تنکح زوجا غیرہ) حتی تتزوج غیرہ والاصابة شرطت بحديث العسيلة“ (مدارک)

اگر مرد نے عورت کو دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے دی تو تیسری طلاق کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے زوج سے نکاح کرے اور وطی کی شرط حدیث سے ثابت ہے، جس میں زوجیت سے حاصل ہونے والے منافع کا ذائقہ چکھنا لازم قرار دیا گیا ہے۔

” (فان طلقها) الزوج بعد الثنتين (فلا تحل له من بعد) بعد الطلقة الثالثة (حتى تنكح

زوجا) تتزوج (غيره) ويطأ كما في الحديث “ رواه الشيخان “ (حلالين)

اگر خاوند نے دو طلاقوں کے بعد طلاق دے دی تو وہ اس کے لئے تیسری طلاق کے بعد حلال

نہیں یہاں تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ اس سے وطی بھی کرے جیسا کہ

بخاری اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہے (وہ حدیث رفاعہ قرظی کی زوجہ کی ابھی قریب ہی بیان کی جا چکی ہے)

” ثم يطلقها قبل ان يدخل بها لا تحل حتى يجامعها الآخر “ (سہمی)

(جماع سے پہلے) اگر دوسرے زوج نے طلاق دے دی تو وہ پہلے کے لئے حلال نہیں یہاں تک

کہ دوسرا اس سے جماع کرے۔

” اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره ويذوق كل منهما

عسيلة صاحبه “ (قرطبی، ج ۱، ص ۹۵۶)

جب مرد نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہی، یہاں

تک کہ وہ اور شخص سے نکاح کرے اور ہر ایک میں سے ایک دوسرے کا مزہ بھی چکھ لیں۔

قرآن پاک میں لفظ ” فلا تحل له “ استعمال ہوا ہے۔ اور حدیث شریف میں بھی ” لا تحل حتى يجامعها

الآخر “ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دوسرا خاوند پہلے کے لئے عورت کو حلال کر دیتا ہے، اسی وجہ سے اس کا

نام حلالہ رکھ لیا گیا۔

حلالہ کا یہ حکم اجماع امت سے ثابت ہے:

علامہ بدرالدین محمد عینی رحمہ اللہ شارح بخاری فرماتے ہیں۔

” اجمعت الامة على ان الدخول شرط للحل للاول ولم يخالف في ذلك انا سعيد

بن المسيب والخوارج والشيعة وداود الظاهري والبشر المراسي وذلك اختلاف

لا خلاف لعدم اسنادهم الى دليل ولو قضى به القاضي لا ينفذ “

اس مسئلہ پر اجماع امت ہے کہ تین طلاقوں کے بعد پہلے خاوند کے لئے عورت اس وقت حلال ہو گی جب اس کا نکاح دوسرے سے ہو اور وہ بھی جماع کرے اس میں شیعہ اور خارجیوں وغیرہ کا جو اختلاف ہے کہ وہ صرف نکاح شرط قرار دیتے ہیں، اس کا اختلاف بلا دلیل ہے اگر ان کے مذہب کے مطابق کسی قاضی نے فیصلہ کر دیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا۔

سبحان اللہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے عرصہ دراز پہلے ہی کیا خوب فرما دیا کہ اگر افسیوں اور خارجیوں کے کسی قاضی نے کوئی فیصلہ کیا تو وہ اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہوگا۔

دوسرے نکاح اور مجامعت میں حکمت:

”والحكمة من هذا التشريع الردع عن المسارعة الى الطلاق والعود الى المطلقة ثلاثا والرغبة فيها“
(تفسیر ابی السعود)

دوسرے شخص سے نکاح اور مجامعت کو شریعت نے لازم قرار دیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو جلد بازی سے تین طلاقیں استعمال کرنے سے اور پھر مطلقہ کی طرف لوٹنے اور اس کی طرف رغبت کرنے سے روکنا مقصود ہے۔

کیونکہ طبعی طور پر انسان اس کی طرف کم ہی راغب ہوتا ہے کہ کسی اور سے جب عورت شادی کر لے تو پھر بھی یہ اس کا خواشمند رہے، شرعی حدود و قیود حکمت سے کبھی خالی نہیں ہوتیں، کیونکہ مالک الملک حکیم ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ حکیم ذات کے احکام میں کسی قسم کی حکمت نہ پائی جائے، اس حکم سے تین طلاقوں کے وقوع کی کافی حد تک روک تھام ہوئی۔

بغیر شرط کے حلالہ جائز ہے:

”ویروی عدم الكراهة فيما لم يكن الشرط مصرحاً به“
(تفسیر ابی السعود)

جب تک واضح طور پر شرط نہ لگائی جائے تو حلالہ جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

یعنی عورت نے دوسرے خاوند سے اپنی مرضی سے شادی کر لی اور وہ فوت ہو جائے یا طلاق دے دے تو یہ پہلے خاوند کی طرف لوٹ سکتی ہے، اس کے لئے حلال ہوگی۔

یہ اصل میں حلالہ ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ جب تک دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں، البتہ دوسرے کا جماع کرنا ضروری ہے، اس میں رافضیوں اور خارجیوں نے ایک دوسرے کے بھائی بن کر اختلاف کیا ہے، لیکن ان کا اختلاف حدیث نبوی اور اجماع امت کے مخالف ہے، اس لئے اس اختلاف کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ ایسے فیصلے مردود ہی ہوں گے۔

شرط کے ساتھ حلالہ مکروہ ہے:

دوسرے شخص سے نکاح کرتے وقت اگر یہ شرط لگائی گئی کہ میں تم سے نکاح تو کر رہی ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم نے مجھے مجامعت کے بعد طلاق دینی ہے تا کہ میں پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر لوں اور اس کے لئے حلال ہو جاؤں، یہ شرط لگانی مکروہ ہے، اگرچہ اس نکاح اور مجامعت کے بعد بھی عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔

”والنکاح بشرط التحلیل مکروہ عندنا وفاسد عند اکثرین لقولہ لعن اللہ

المحلل والمحلل لہ“ (تفسیر ابی السعود)

حلالہ کی شرط لگا کر دوسرے شخص سے نکاح کرنا ہمارے نزدیک مکروہ ہے اور کئی حضرات کے نزدیک یہ شرط لگانے سے نکاح ہوتا ہی نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہے۔

اصل اختلاف کی وجہ حدیث کی تشریح و توضیح میں اختلاف ہے:

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بشرط تحلیل نکاح تو مکروہ ہے لیکن زوج ثانی کی مجامعت کے بعد پہلے زوج کے لئے عورت حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث پاک میں ”المحلل“ ذکر ہے۔

” لما سماه محللا دل على صحة النكاح لان المحلل هو المثبت للحل فلو كان

(فتح القدير)

فاسد الماسماه محللا“

جب آپ نے اسے محلل کہا ہے تو یہ نکاح کی صحت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ محلل کہتے ہی اسے ہیں جو حلت ثابت کرنے والا ہو، اگر نکاح فاسد ہوتا تو اسے محلل نہ کہا جاتا۔

امام احمد رحمہ اللہ مشروط نکاح کی حرمت کے قائل ہیں۔ ”و ظاهره التحريم كما هو مذهب احمد“
حدیث پاک میں لعنت کا ذکر ہے اس لئے ظاہر طور پر اس سے حرمت سمجھ آتی ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ بھی اس نکاح کو صحیح نہیں مانتے۔

” فانه يصح العقد وتحلل للاول عند عامة العلماء وقال مالک رحمه الله لا يصح“

(كفاية)

تحلیل کی شرط کے باوجود عام علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہے اور پہلے کے لئے حلت ثابت ہو جائے گی اور امام مالک رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ نکاح صحیح نہیں۔

حضرت امام احمد و امام مالک رحمہما اللہ کی دلیل کا انحصار صرف اس پر ہے کہ حدیث پاک میں لعنت کا ذکر ہے اور لعنت رب کی رحمت سے دوری کا نام ہے، اس لئے نکاح صحیح نہیں بلکہ حرام ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے جواب:

علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدير امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

” اما الاعتراض فممنشؤه عدم معرفة اصطلاح اصحابنا و ذلك انهم لا يطلقون اسم الحرام

الا على منع ثبت بقطعي فاذا ثبت بظني سموه مكروها وهو مع ذلك سبب للعتاب“

(فتح القدير)

اعتراض کا دار و مدار معترضین کی ہمارے اصحاب کی اصطلاح سے بے خبری ہے، کیونکہ ہمارے اصحاب اس وقت تک حرام ثابت نہیں کرتے جب تک قطعی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو۔ جب ظنی دلیل سے ثابت ہو تو اسے ہمارے اصحاب مکروہ کہتے ہیں، یعنی حرام نہیں کہتے، البتہ اس کو عذاب کا سبب قرار دیتے ہیں۔

لعنت دلیل ظنی کیوں؟

”اللعن فی الاصل الطرد و شرعاً فی حق الکفار الابعاد من رحمة اللہ تعالیٰ و فی حق المؤمنین الاسقاط عن درجۃ الابرار“
(شامی)

لعنت کا اصل لغوی معنی ہانکنا، دھتکارنا۔ اور لعنت جب کافروں کے لئے ذکر کی جائے تو شرعاً اس کا معنی ہوگا اللہ کی رحمت سے دور کرنا۔ اور جب مومنوں کے لئے لعنت کا اطلاق ہو تو مطلب ہوگا نیک لوگوں کے درجہ سے کم کرنا۔

”ان المراد باللعن فی مثل ذلک الطرد عن منازل الابرار لا عن رحمة العزیز الغفار“
یعنی اس قسم کے مقاموں میں جب بھی لعنت کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد نیک لوگوں کے مراتب سے دور رکھنا ہوتا ہے۔ کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رکھنا مراد نہیں ہوتا۔

اس معنی کے لحاظ سے لعنت سے حرمت ثابت نہیں ہو سکتی، اس قسم کے کئی مقاموں پر لعنت کا ذکر ہے لیکن ان میں حرمت مراد نہیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول:

”وعن ابی یوسف انه یفسد النکاح لانه فی معنی الموقت فیہ ولا یحلها علی الاول لفساده“
(ہدایہ)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تحلیل کی شرط سے نکاح فاسد ہوگا، اس لئے اس نکاح سے پہلے کے لئے حلت ثابت نہیں ہوگی۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے جواب دیا جائے گا کہ موقت نکاح وہ ہوتا ہے جس میں وقت مقرر ہوتا ہے۔ کہ میں تمہارے ساتھ اتنے مقرر دنوں کے لئے نکاح کر رہا ہوں، یا عورت کی طرف سے یہی الفاظ ادا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ اتنے مقرر وقت کے لئے نکاح کر رہی ہوں۔

لیکن شرط تحلیل میں صرف یہ طے ہوتا ہے کہ تم نے مجھے طلاق دینی ہے۔ اس میں وقت مقرر نہیں کیا جاتا، کیونکہ اس کی مرضی پر منحصر ہے، چاہے تو وہ مجامعت پہلی رات کرے یا کئی دن گزار کر۔

امام محمد رحمہ اللہ کا قول:

”و عن محمد انی یصح النکاح ولا یحلها علی الاول لانه استعجل ما اخره الشرع فیجازی بمنع مقصود کما فی قتل المورث“
(ازہدایہ)

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شرط تحلیل سے نکاح تو صحیح ہے لیکن اس نکاح سے وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے جلد بازی سے کام لیا، جس کو شریعت نے موخر کیا تھا، لہذا اس مقصد کو حاصل نہیں ہونے دیا جائے گا، جس طرح کوئی شخص اسے قتل کر دے جس کا اس نے وارث ہونا تھا، اس قتل کی وجہ سے اسے وراثت سے محروم کر دیا جائے گا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے جواب دیا جائے گا، اگر مذکور صیغوں سے مراد پہلا خاوند لیا جائے تو یہ قول درست ہی نہیں، کیونکہ اسے کوئی اختیار ہی نہیں کہ وہ شرط لگائے، اس لئے اس کی طرف سے شرط لگانا اور تعجیل کرنا اور مقصود سے محروم ہونے کا کوئی مقصد ہی نہیں اور اگر شخص کی تاویل سے مراد عورت لی جائے تو کسی حد تک ظاہری معنی درست ہوگا، لیکن شریعت نے صرف یہ قید لگائی ہے کہ پہلے خاوند کے لئے عورت اس وقت تک حلال ہوگی جب دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور وہ مجامعت بھی کرے، اس میں دوسرے کا طلاق دیر سے دینا یا جلدی دینا مذکور نہیں۔ مورث کے قاتل کو وراثت سے اس لئے محروم کیا جاتا ہے کہ اس نے اس کی طبعی موت کا انتظار نہیں کیا، بلکہ وراثت جلدی حاصل کرنے کے لئے اسے قتل کر دیا ہے، اس لئے زجر اسے محروم کیا جائے گا، یہاں یہ صورت نہیں۔

شرط تحلیل بالاتفاق گناہ ہے:

”فان قلت مامعنی لعنهما قلت معنی اللعن علی المحلل لانه نکح علی قصد الفراق والنکاح شرط للدوام وصار كالتیس المستعار“

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ محلل اور محللہ پر لعنت کا کیا مطلب ہے؟ میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ محلل (حلال کرنے والے دوسرے خاوند) پر لعنت اس لئے کی گئی ہے کہ یہ نکاح فراق کی غرض سے ہوا ہے، حالانکہ نکاح کرتے وقت ارادہ یہ ہونا چاہئے کہ یہ نکاح ہمیشہ کے لئے ہوگا، یعنی تاحیات برقرار رہیں گے، یہ شخص ایسا ہی ہو گیا جس طرح بکریوں کے لئے بکرمانگ کر لایا جائے۔

”واللعن علی المحلل له لانه صار سبباً للمثل هذا النکاح“

محللہ (جس کے لئے وہ حلال کر رہا ہے یعنی پہلا خاوند) پر لعنت اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کے (یعنی فراق والے) نکاح کا سبب بن رہا ہے، کیونکہ عورت اس کی طرف لوٹنے کی خواہش کی وجہ سے ہی دوسرے سے نکاح اسی شرط پر کر رہی ہے کہ تم نے مجھے بعد از مجامعت طلاق دینی ہے۔

”والمراد اظهار خساستهما لان الطبع السليم ينفر عن فعلهما لاحقیقة اللعن لانه ما بعث لعانا“

در اصل مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان پر لعنت فرما کر ان کی خساست، رذالت کی ظاہر فرمایا، کیونکہ طبع سلیم ان دونوں کے فعل سے متنفر ہوتی ہے، یہاں حقیقی لعنت (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا) مراد نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کو لعنت بھیجنے والا بنا کر معبوث نہیں فرمایا گیا۔ (مرقاۃ)

نوٹ: مودودی صاحب نے شرط تحلیل پر نکاح نہ ہونے کا جو قول کیا وہ سراسر باطل ہے۔

اعتراض: جب شرط تحلیل بالاتفاق گناہ ہے تو نکاح کیسے صحیح ہوگا اور پہلے کے لئے عورت کیسے حلال ہوگی؟

جواب: کنی ناجائز، گناہ والے کاموں پر احکام مرتب ہوتے ہیں، جیسے جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت ناجائز اور باعث گناہ ہے، لیکن اگر کسی نے بیع کر لی تو اس پر احکام بیع و شراء مرتب ہو جائیں گے، خریدار اس چیز پر قبضہ کرنے کا مالک ہو جائے گا اور اس پر لازم ہو گا کہ وہ ثمن (اس دونوں کے درمیان طے ہونے والی رقم) ادا کرے۔ اسی طرح غصب کی ہوئی زمین پر نماز ادا کرنا ناجائز ہے، لیکن اگر نماز ادا کر لی تو فریضہ ادا ہو جائے گا، اسی طرح یہاں بھی شرط لگانا کہ تم نے طلاق دینی ہے اگرچہ ناجائز ہے لیکن نکاح صحیح ہو جائے گا اور پہلے کے لئے نکاح و مجامعت سے عورت حلال ہو جائے گی۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل کا کوئی جواب ہی نہیں:

ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جاسکے تو مجازی معنی مراد نہیں لیا جائے گا، جب محلل کہتے ہیں اسے ہیں جو حلت ثابت کرے اور اگر نکاح ہی صحیح نہیں اور حلت ہی ثابت نہیں تو وہ محلل کیسے ہوا؟

امام اعظم رحمہ اللہ سے مقابلہ بھی کیسے؟ جبکہ سوائے امام مالک رحمہ اللہ کے باقی تمام ائمہ کرام آپ کے بلا واسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہیں، خواہ ائمہ احناف ہوں، جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ یا وہ مستقل فقہ رکھنے والے ہوں جیسے امام شافعی و امام محمد رحمہما اللہ۔

مقام تفکر:

سیاسی عورتیں یا بعض وہ عورتیں جو آزادی کے نام سے دین اسلام سے بغاوت کرتی ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ عورت کے لئے کیا مصیبت ہے کہ وہ طلاق کا غم بھی برداشت کرے اور پھر حلالہ کی مصیبت سے بھی گزرے۔

کاش کہ ان عورتوں کو یہ سمجھ آ جائے کہ ایک یا دو طلاقوں کے بعد عدت گذرنے پر عورت خود مختار ہے، وہ بالکل نکاح نہ کرے ساری عمر اسی طرح گزار دے یہ اس کی مرضی کی بات ہے۔ کسی اور شخص سے نکاح کرے یا اس کا اختیار ہے اور چاہے تو پہلے خاوند سے ہی نکاح کرے یہ اس کا اپنا معاملہ ہے، اسے روکنے کا بھی کسی کو حق نہیں اور اس پر

کوئی جبر بھی نہیں کہ تو پہلے خاوند سے ہی نکاح کر، قرآن پاک، حدیث پاک اور کسی فقہ میں عورت پر جبر کرنے کا کوئی حکم نہیں، اگر پہلے خاوند سے ہی نکاح کر رہی ہے تو اپنی مرضی اور اختیار سے، جب اس کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح ہی نہیں تو وہ کیوں اجازت دے رہی ہے، اسے چاہئے نہ اجازت دے، نہ نکاح ہو۔

اگر اسے تین طلاقیں دے دی گئیں تو طلاقوں کے ساتھ ہی مرد کا رجوع کرنے کا حق ختم ہو چکا ہے، عدت گزرنے کے بعد عورت خود مختار ہے، ساری عمر نکاح نہ کرے تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ اس کا جبراً نکاح کر سکے، اور کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے یہ بھی اس کی مرضی پر منحصر ہے، اب دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا اس نے طلاق دے دی، اب عدت گزرنے کے بعد عورت پھر خود مختار ہے، چاہے تو کسی سے بھی نکاح نہ کرے اور چاہے تو کسی تیسرے شخص سے نکاح کرے اور چاہے تو پہلے خاوند سے نکاح کرے، پہلے سے نکاح کرنے پر کسی نے اس پر جبر نہیں کیا۔

اس طرح تین طلاقوں کے بعد عدت گزر جانے پر اگر دوسرے خاوند سے وہ نکاح اس شرط پر کر رہی ہے کہ تو نے مجھے طلاقیں دینی ہیں اور اس کی طلاقوں اور عدت گزر جانے پر پہلے خاوند کے پاس آرہی ہے تو یہ سب کام وہ اپنے اختیار سے کر رہی ہے، شریعت اسلامیہ نے اسے مجبور نہیں کیا۔

حلالہ کرنے والی عورت اور اس کے پہلے خاوند سے تو پوچھئے:

انسانی طبیعت حلالہ کی شرط سے متنفر ہے، البتہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح ہو جائے اور وہ فوت ہو جائے یا طلاق دے دے، اور پھر اسی طرح پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح ہو جائے، اسے طبائع قبول کرتی ہیں۔

حلالہ کی شرط سے دوسرے خاوند سے نکاح کرنے میں عورت کو بھی نفرت ہے اور پہلے خاوند کو بھی نفرت ہے، تو پھر حلالہ کو قبول کرنے میں پتہ نہیں ان کی کیا مجبوری ہے، بچوں کی خاطر اس کڑوی دوا کو پینے پر مجبور ہوئے ہیں تو ان کی مجبوری کو بھی دیکھئے اور یہ سمجھئے کہ اس میں شریعت نے عورت کو مجبور نہیں کیا اور کسی مرد نے بھی مجبور نہیں کیا اور کسی مولوی نے بھی فتویٰ نہیں دیا کہ اس پر لازم ہے کہ وہ ضرور ہی حلالہ کرے، عورت اپنی مرضی اور اختیار اور اجازت سے سب کچھ کر رہی ہے۔ غیر اسلامی عورتیں اگر کچھ کہنا چاہتی ہیں تو عورت کو ہی کہیں، شریعت کا مزاج نہ اڑائیں۔

گناہ سے بچنے کا شاندار حیلہ:

جب عورت پہلے خاوند کی طرف لوٹنے کی خواہش بھی رکھتی ہو، اس کی کوئی مجبوری ہو اور یہ بھی خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند ہو سکتا ہے طلاق نہ دے، تو اب عورت کے لئے یہ صورت نکالی گئی۔

”ولو خافت ان لا يطلقها تقول زوجتك نفسي عليّ لهرى بیدی“ (زیلعی)
اگر عورت کو یہ خوف ہو کہ یہ دوسرا شخص مجھے طلاق نہیں دے گا تو وہ نکاح اس شرط پر کرے کہ میں تمہارے ساتھ نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ تم میرا معاملہ میرے ہاتھ کر دو۔ یعنی طلاقوں کا حق مجھے دے دو۔

مرد نے جب طلاقوں کا حق عورت کو دے دیا تو اب عورت کی مرضی ہے چاہے، تو اسی نئے خاوند کے پاس رہے، طلاقوں کا حق استعمال نہ کرے اور چاہے تو اپنا حق استعمال کر کے آزاد ہو جائے، اس شرط پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی کوئی اختلاف ہے۔

”فان طلقها فلا جناح عليهما ان يتراجعا ان يقيما حدود الله“

پھر اگر وہ (دوسرا) طلاق دے دے اسے تو نہیں گناہ ان دونوں پر کہ وہ آپس میں رجوع کر لیں، اگر وہ دونوں گمان کریں کہ اللہ کی حدیں قائم کر سکیں گے۔

اگر دوسرے خاوند نے طلاق دے دی (بعد از مجامعت) تو پہلا زوج اور زوجہ دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف رجوع کا ارادہ کریں تو ان دونوں پر رجوع کرنے میں یعنی دوبارہ نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں، البتہ جب ان دونوں کو یہ گمان ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم کر سکیں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی حدوں سے مراد حقوق زوجیت ہیں، یعنی جب یہ گمان رکھتے ہوں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے وہ احکام جو زوجیت سے متعلق ہیں ان کو بجالائیں گے۔ تو وہ دونوں نکاح کر لیں، لیکن جب نکاح سے پہلے ہی دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت پائی جائے تو وہ ایک دوسرے سے دور ہی رہیں تا کہ دوبارہ ایک دوسرے سے جدا ہونے کی نوبت نہ آئے۔

دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے:

”ظن“ کبھی یقین کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی گمان کے معنی میں ہوتا ہے۔ لیکن اس مقام میں ”ظن“ کو ”یقین“ کے معنی میں لینا جائز نہیں۔ لفظاً بھی اس معنی میں نہیں لے سکتے اور معنوی طور پر بھی درست نہیں۔

لفظی ممانعت یہ ہے کہ ”ان مصدریہ“ توقع کے لئے آتا ہے، اس لئے یہ صحیح نہیں کہ ”ظن“ بمعنی ”یقین“ کے لئے اس کے ساتھ ”ان مصدریہ“ کو بھی ذکر کیا جائے، یہاں تو اس کے بعد ”ان یقیناً“ میں ”ان مصدریہ“ استعمال ہے۔

معنوی ممانعت یہ ہے کہ کوئی شخص مستقبل کے متعلق یقین نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے آیت کریمہ میں ”ان ظنا“ کا معنی ہوگا ”اگر وہ دونوں گمان کریں“ لیکن یہ معنی نہیں ہوگا ”اگر وہ دونوں یقین کریں“

اعتراض: مستقبل کے بعض امور کے متعلق یقین حاصل ہوتا ہے تو اتنی قدر کافی ہے کہ ”ظن“ کو ”یقین“ کے معنی میں لے لیا جائے، اور سیبویہ جو کہ علم نحو کا امام ہے اس نے بھی یہی کہا ہے، اور مثال سے واضح کیا ”ما علمت الا ان يقوم زید“ مجھے یقین حاصل نہیں سوائے زید کے قائم ہونے کے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ابوعلی فارسی کا ہے جو سیبویہ کا ہم مرتبہ نہیں۔

جواب: جو یہ کہا جاتا ہے ”ان المصدریہ للتوقع وهو ینافی العلم“ (ان مصدریہ توقع کے لئے آتا ہے وہ یقین کے منافی ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مستقبل کے متعلق کسی طرح بھی علم حاصل نہ ہو وہاں ”ان مصدریہ“ کا استعمال درست نہیں۔ اور اگر کچھ قرآن سے مستقبل کے متعلق یقین ہو تو ان مصدریہ کا وہاں استعمال درست ہے۔ اور اگر مستقبل کے متعلق یقین نہ ہو تو وہاں ”ظن“ کا معنی گمان ہی کیا جائے، خصوصاً جب اس کے ساتھ ”ان مصدریہ“ بھی استعمال ہو۔

آیت کریمہ میں یہی آخر صورت پائی گئی ہے، کیونکہ زوج اور زوجہ کو ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم کر سکیں گے، بلکہ ان کا گمان کرنا کافی ہے۔

(ماخوذ از روح المعانی)

”وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ“: اور یہ اللہ کی حدیں ہیں وہ بیان کرتا

ان کو اس قوم کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

یعنی یہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، ان سے تجاوز درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام اس قوم کے لئے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں، یعنی علم کا تقاضا ہے عمل، چونکہ رب تعالیٰ کے بیان کئے ہوئے احکام پر عمل کرنے والے اصحاب علم ہی ہیں، لہذا رب تعالیٰ کے بیان سے وہی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

(از مظهری)

”لقوم يعلمون“ ای المعارض ويفهمون الاشارات“

رب تعالیٰ اس قوم کے لئے بیان کرتا ہے جو اشارات کو سمجھتے ہیں، اور تعریف کو جانتے ہیں۔

(تاویلات نجمیہ میں یوں ہی ذکر ہے)

”قال احمد بن حنبل في حضره الطريق واضح والدليل لائح والداعى قد اسمع فما التحير

بعدهذا الامن العمى

احمد بن حنظلہ رحمہ اللہ نے فرمایا راستہ واضح ہے اور دلیل روشن ہے اور دعوت دینے والے نے سنا دیا

ہے، یعنی بات کو مخفی نہیں رکھا، بلکہ واضح کر دیا، اس کے بعد سوائے اندھے کے کوئی بھٹک نہیں سکتا۔

حافظ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وصف رخساره خورشید زخفاش میری

کہ دریں آئینہ صاحب نظران حیرانند

سورج کے رخسار کا وصف چمکاؤں سے نہ پوچھ، کہ اس آنکھ میں اصحابِ نظر بھی حیران ہیں۔ (از روح البیان)

☆☆☆☆☆

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُغْنِ أَجَلُهُنَّ فَامْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوعًا وَادْكُرُوا نِعْمَتَ
اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ☆ (سورة البقرة آیت ۲۲۱)

﴿۱﴾

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد آگے تو اس وقت تک یا بھلائی کے
ساتھ روک لو یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں ضرر دینے کے لیے روکنا نہ ہو کہ حد
سے بڑھو۔ اور جو ایسا کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھانا نہ بنا
لو اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری تمہیں
نصیحت دینے کو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

﴿۲﴾

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو تو وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کے ختم ہونے کے قریب تو
روک لو ان کو اچھے طریقہ سے، یا آزاد کر دو ان کو اچھا طریقہ سے، اور نہ روک ان کو ضرر
پہنچانے کے لئے کہ تم تجاوز کرو، اور جو شخص کرے گا یہ، تحقیق ظلم کیا اس نے اپنی
ذات پر، اور نہ بناؤ اللہ کی آیات کو ٹھٹھا، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے، اور (یاد
کرو) جو نازل کی اس نے تم پر کتاب و حکمت، وہ نصیحت کرتا ہے تمہیں اس کی، اور
ڈرو اللہ سے اور جان رکھو بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

مختصر مطلب:

جب تم اپنی عورتوں کو رجعی طلاق دے دو تو ان کو بھلائی کے طریقہ سے اپنے پاس روک لو، یعنی اگر تم یہ خیال رکھتے ہو کہ تم حقوق شرع کا پاس کر سکو گے تو رجوع کر لو، اور تم سمجھتے ہو کہ حقوق شرع کا لحاظ نہیں کر سکو گے تو رجوع نہ کرو تاکہ وہ عدت گزار کر آزاد ہو جائیں۔ لیکن ان کی عدت بڑھانے اور ضرر پہنچانے کے لئے رجوع نہ کرو، جو شخص عورت کو نقصان پہنچانے اور تجاوز کرنے کی غرض سے رجوع کرے گا وہ اپنی جان پر ظلم کرے گا، کیونکہ اس کا وبال اسی پر آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے ٹھٹھانہ کرو، ان کو کھیل نہ بناؤ، اور اللہ تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں انہیں یاد کرو، اور اللہ تعالیٰ نے جو تم پر کتاب و حکمت کو نازل کیا (اتارا) اسے یاد کرو کہ وہ اس کے ذریعے تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، اور جان رکھو یعنی علم پر ہمیشہ قائم رہو، بھولو نہیں بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

شان نزول:

”واخرج ابن جریر وابن المنذر عن السدی قال نزلت هذه الآية في رجل من الانصار يدعى ثابت بن يسار طلق امرأته حتى اذا انقضت عدتها الا يومين او ثلاثة راجعها ثم طلقها ففعل ذلك بها حتى مضت لها تسعة اشهر يضارها فانزل الله ولا تمسكوهن ضرارا لتعتدوا“

یہ آیت انصار میں سے ایک شخص ثابت بن یسار کے متعلق نازل ہوئی کہ جب انہوں نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی یہاں تک کہ عدت کے ختم ہونے سے دو تین دن باقی رہ گئے تو رجوع کر لیا، پھر طلاق دے دی پھر یہی کیا یعنی جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوئی تو رجوع کر لیا اور پھر طلاق دے دی اس طرح اس عورت نے نو ماہ میں اپنی عدت ختم کی جو اس کے لئے ضرر کا سبب بنی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل کیا ”ولا تمسکوهن ضرارا لتعتدوا“ اور ان کو نہ روکو ضرر پہنچانے کے لئے کہ تم حد سے تجاوز کر جاؤ۔

(درمنثور)

بلکہ یہی عام رواج تھا جیسا کہ دوسری روایات میں مطلقاً ذکر ہے۔

”ان الرجل كان يطلق المرأة ثم يراجعها ولا حاجة له بها ولا يريد امساكها الا كيما يطول عليها بذلك العدة ليضارها فانزل الله“

بے شک مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا تھا پھر رجوع کر لیتا تھا اسے عورت سے کوئی حاجت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی وہ اسے بھلائی کے طریقہ سے روکنے کی کوشش کرتا مقصد اس کا صرف عورت کی عدت کو لمبا کرنا ہوتا جس سے عورت کو ضرر پہنچایا جاتا تو رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل کیا۔

(درمنثور)

اعتراض: اس مسئلہ کو پہلے ’الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان‘ (طلاق دو تک ہیں پھر روکنا ہے بھلائی کے طریقہ سے یا آزاد کرنا ہے احسان سے) میں بیان کر دیا گیا ہے تو پھر اس آیت کریمہ میں بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ یہ تو تکرار ہے۔

جواب: یہ تکرار نہیں بلکہ علیحدہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو شان نزول سے ہی واضح ہے، کیونکہ پہلی آیت میں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی حد نہیں تھی، طلاق دے کر رجوع کر لیا پھر طلاق دے دی وہ عورت عمر بھر ظلم کی چکی میں پستی رہتی تھی یعنی نہ تو وہ آزاد ہوتی اور نہ ہی اسے زوجیت حاصل ہوتی۔ تو رب تعالیٰ نے طلاق کی حد مقرر کر کے اس ظلم کو ختم کر دیا اور اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تین طلاقیں مکمل ہونے تک رجوع کرتے رہتے اور اپنی عورت کو عدت کو لمبا کرنے کے لئے رجوع نہ کرو ورنہ رب تعالیٰ کی گرفت میں آؤ گے جس سے حقیقت میں نقصان تمہیں ہی ہونا ہے۔

(ماخوذ از کبیر)

”واذا طلقتم النساء“: اور جب طلاق دو تم عورتوں کو۔

جب پہلی آیت میں رجوع کرنے کی حد بیان کر دی گئی کہ رجوع دو طلاقیں تک ہو سکتا ہے، اور تین طلاقیں کے بعد رجوع کا حق ہو جاتا ہے تو اس آیت کریمہ میں بھی مراد رجعی طلاق ہے کیونکہ بعد میں اچھی طرح رجوع کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

”فبلغن اجلهن“: تو وہ پہنچ جائیں عدت ختم ہونے کے قریب۔

یہاں یہ معنی درست نہیں کہ وہ عدت پوری کر لیں بلکہ معنی یہ ہے۔

”معنی بلغن قاربن باجماع من العلماء ولان المعنى يضطر الى ذلك لانه بعد بلوغ الاجل لا خيار له في الامساك“
(قرطبی)

”کہ عدت ختم ہونے کے قریب ہو“ یہ معنی اجماع امت سے ثابت ہے۔ یہ مجازی معنی لینا مجبوری ہے حقیقی معنی ”عدت پوری ہو جانا“ نہیں لیا جاسکتا کیونکہ عدت کے ختم ہونے کے بعد مرد کو روکنے یعنی رجوع کرنے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

”فبلغن اجلهن“ کے دو معنی ہیں، ایک حقیقی یعنی عدت کا ختم ہو جانا اور دوسرا مجازی معنی عدت ختم ہونے کے قریب ہو۔ یہاں مجازی معنی مراد ہے جو بیان کیا جا چکا ہے۔

اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے ”اور ان کی معیاد آگے“ لیکن راقم نے ”فبلغن“ کا لغوی معنی بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ساتھ وضاحت بھی کی ہے ”تو وہ پہنچ جائیں عدت ختم ہونے کے قریب“ راقم کا ترجمہ روح البیان کی تفسیر کے مطابق ہے۔

”(فبلغن اجلهن) ای آخر عدتھن وشارفن منتھاھا“

وہ عدت کے آخر تک پہنچ جائیں ایسے حال میں کہ عدت کی انتہاء کے قریب ہوں۔ (روح البیان)

تنبیہ:

”وهو في الآية التي بعدها بمعنى التناهي، لان المعنى يقتضى ذلك، فهو حقيقة في

(قرطبی)

الثانية مجاز في الاولى“

آنے والی آیت کریمہ میں بھی یہی الفاظ ”فبلغن اجلهن“ آرہے ہیں جن کا معنی یہ ہے کہ وہ پہنچ

جائیں عدت کے ختم ہونے کو“ کیونکہ وہاں یہی معنی لیا جاسکتا ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ قریب ہی

آ رہا ہے۔ لہذا یہ آیت جس کی وضاحت جاری ہے اس میں مجازی معنی لیا گیا ہے اور آنے والی آیت میں حقیقی معنی لیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں اور مثالیں:

”واذا اطلقتکم النساء فطلقوهن لعدتھن“ ومعناه اذا اردتم الطلاق وقاربتم ان تطلقوا فطلقوا للعدة“

بظاہر معنی ”واذا اطلقتکم النساء“ کا یہ ہے ”اور جب تم طلاق دو عورتوں کو“ لیکن مندرجہ بالا آیت میں مراد یہ ہے اور جب تم طلاق دینے کا ارادہ کرو اور طلاق دینے کے قریب ہو تو طلاق دو عدت کے لئے۔

اور ذکر ہے ”فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله“ معناه اذا اردت قرأتہ“ بظاہر معنی ”فاذا قرأت القرآن“ کا یہ معنی ہے ”جب تم قرآن پاک پڑھو“ لیکن مندرجہ بالا آیت میں معنی یہ ہے جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو اللہ کی پناہ پکڑو (شیطان مردود سے)۔
(احکام القرآن للجصاص)

”فامسکوهن بمعروف“ تو روک لو ان کو اچھے طریقہ سے۔

یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لو، ان الفاظ مبارکہ کی یہی تفسیر حضرت ابن عباس اور حسن اور مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔
(احکام القرآن للجصاص)

ان کی طرف رجوع کرو لیکن ان کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ ہو۔

”والمعروف ما الفته العقول واستحسنه النفوس شرعا وعرفا وعادة والمراد به هنا حسن المعاشرة“

معروف سے مراد یہ ہے کہ جس سے عقلیں محبت کریں اور لوگ ان کو اچھا سمجھیں، یعنی شرعا اور عرفا اور عادت وہ کام مستحسن ہوں، یہاں مراد ان کا اچھی طرح رہنا ہے۔ (روح البیان)

”اوسر حوہن بمعروف“: یا آزاد کردوان کو اچھے طریقے سے۔

یعنی رجوع نہ کرو، ان کی عدت گزرنے دو یا ان کو طلاق دے کر آزاد کردو، تا کہ ان کی عدت لمبی نہ ہو جائے۔

”ولا تمسکوہن ضرار التعتدوا“: اور نہ روکو ان کو ضرر پہنچانے کے لئے کہ تم تجاوز کرو۔

سوال: جب ”فامسکوہن بمعروف“ (ان کو روک لو اچھے طریقے سے) ذکر ہو گیا تو ”ولا تمسکوہن ضرار“ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے، کیونکہ امر اپنی ضد میں نہیں کا تقاضا کرتا ہے۔

جواب: امر میں تکرار نہیں پایا جاتا، بلکہ ایک مرتبہ کو شامل ہے، لیکن یہی کل اوقات کو شامل ہے، اس لئے صرف ”فامسکوہن بمعروف“ سے یہ سمجھ آ رہا تھا کہ ”ان کو اچھی طرح روک لو“ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ تو بھلائی سے روک لیتا لیکن مستقبل میں ضرر پہنچانے کا ارادہ رکھتا ”ولا تمسکوہن ضرار“ کہہ کر ہمیشہ کے لئے ضرر پہنچانے سے منع کر دیا۔ (از کبیر)

”ضرار“ کا مطلب ہے ”دشمنی پیدا کرنا، محبت کو زائل کرنا، اور وحشت واقع کرنا، اور ہر قسم کے نفرت کے اسباب پیدا کرنا۔

ضرر پہنچانے کا کیا مطلب:

مختصر الفاظ سے ہر قسم کے ضرر پہنچانے سے منع کر دیا گیا۔

ایک وجہ تو وہی ہے جس کا شان نزول میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ طلاق دے دیتے اور عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیتے اس طرح تین طلاقوں تک بار بار رجوع کر کے عدت کو لمبا کرنے کا سبب بنتے جس سے عورت کو ضرر ہوتا اس سے منع کیا گیا۔

معاشرت میں ہر طرح سے نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا، کیونکہ بد اخلاقی، بد کلامی، گالی گلوچ، مار کٹائی، ترش روئی وغیرہ سے عورت کو ضرر پہنچتا ہے اس سے منع کیا گیا۔

﴿۳﴾ عورت کو خرچ صحیح نہ دے کر ضرر پہنچانے سے منع کیا گیا کہ ان کا خرچ اپنی طاقت کے مطابق ادا کرو، اس میں کمی نہ کرو، ہاں البتہ غریب خاوند سے امیرانہ خرچ کا مطالبہ کرنا منع ہے۔

”واعلم انہم کا نوا یفعلون فی الجاہلیۃ اکثر هذه الأعمال رجاء ان تحتلع المرأة منه بما لها“

زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو ہر طرح تنگ کیا جاتا تھا، ان کو ضرر پہنچایا جاتا تھا اس امید سے کہ عورت تنگ ہو کر مال دے کر خلع کر لے گی، تورب تعالیٰ نے ان کو منع کیا کہ عورتوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔

(ارکبیر)

آزادی نسواں (عورتوں کی آزادی) کے دعویدار اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ عورت کے حقوق کا اسلام نے لحاظ کیا ہے یا یہود و انصار نے۔ مغربیت نے عورتوں کو بے حیا تو بنایا ہے لیکن ان کی شایان شان ان کے حقوق کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔

”لتعتدوا“: (کہ تم تجاوز کرو)

اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے ”لا تضاروہن فتکونوا معتدین“ کہ ان کو ضرر نہ پہنچاؤ کہ تم ضرر پہنچانے کی وجہ سے حد سے تجاوز کر جاؤ۔

اس صورت میں ”لام“ عاقبت کے لئے ہوگا۔ یعنی ان کو ضرر نہ پہنچاؤ جس کا انجام حد سے تجاوز ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے۔ ”فالتفتہ آل فرعون لیکون لہم عدوا و حزنا“ آل فرعون نے اس کو (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صندوق) اٹھالیا، جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ ان کے دشمن اور ان کے غم کا ذریعہ بن گئے۔

دوسرا احتمال یہ ہے۔

”لا تضاروہن علی قصد الاعتداء علیہن فحینئذ تصیرون عصاة اللہ و تکونون

متعمدین قاصدین لتلك المعصية ولا شک ان هذا اعظم انواع المعاصی“

کہ ان پر تجاوز کرنے کے ارادہ سے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ، تم اس سے اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہو جاؤ گے، جان بوجھ کر اپنے ارادہ سے اس گناہ کے مرتکب ہو گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (از کبیر)

”ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه“:

اور جو شخص یہ کرے گا تو تحقیق اس نے ظلم کیا اپنی جان پر۔

یعنی جو شخص اپنی زوجہ کو ضرر پہنچائے گا وہ درحقیقت اپنے آپ پر ہی ظلم کریگا۔

”یعنی عرض نفسه للعذاب لان اتيان ما نهى الله عنه تعرض لعذاب الله“ (قرطبی)

یعنی جو شخص عورت کو ضرر پہنچاتا ہے وہ اپنے آپ کو عذاب کے لئے پیش کر رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے روکا ہے ان پر عمل کرنا اپنے آپ کو عذاب کے لئے پیش کر رہا ہے۔

سوال: مقام قریب کا ہے لیکن اشارہ (ذلک) بعید کا کیوں لایا گیا؟

جواب: (ومن يفعل ذلك) المذکور و مافیہ من البعد للایذ ان یبعد منزلته فی الشر و الفساد

اگرچہ مراد تو قریب ہی ہے یعنی جس عورت کو ضرر پہنچایا جس کا ذکر ساتھ ہی ہے، لیکن اشارہ بعید کا

لا کر یہ بتایا گیا کہ اس کے اوپر عظیم شر اور فساد مرتب ہوگا جو بعید مرتبہ والا ہے۔ (روح المعانی)

”فقد ظلم نفسه“ تحقیق اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا، یعنی اپنے آپ کو عذاب میں پیش کر کے اپنے آپ

پر ظلم کیا؟ یا اس نے اپنے دینی اور دنیاوی منافع کو ضائع کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا، کیونکہ اپنی ازواج سے اچھا سلوک رکھنا باعث ثواب ہے، جو دینی نفع ہے عورت کو ضرر پہنچا کر اس نے اسے ضائع کر دیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص عورتوں سے اچھا سلوک رکھے تو اس کی عورت کے فوت ہو جانے پر یا پہلی زوجہ کے

موجود ہوتے ہوئے دوسری شادی کی خواہش پر عورتیں اس کی طرف رغبت کریں گی، اور اگر اس نے عورتوں کو ضرر

پہنچایا تو عورتیں اس کی طرف توجہ نہیں کریں گی، اس کے قبیح فعل میں مشہور ہونے کی وجہ سے عورتیں اس کا نام سن کر ہی

(از کبیر و روح المعانی)

دور بھاگیں، یہ اس کا دنیاوی نفع میں نقصان ہے۔

”ولا تتخذوا آیات اللہ ہزوا“: اور نہ بناؤ اللہ کی آیات کو ٹھٹھا (مزاح)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام اور اوامر و نواہی کو وحی کے ذریعہ بیان فرمادیا ہے، تو تم اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی آیات کو کھیل کود، ٹھٹھا و مزاح نہ بناؤ۔ جب تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تو پھر اگر تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے اعراض کیا تو تم نے اللہ کی آیات کا مزاح اڑایا۔

تنبیہ شدید:

”فکل من خالف امرا من امور الشرع فهو متخذ آیات اللہ ہزوا“

ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی ایک حکم کی مخالفت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مزاح اڑایا۔ اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مزاح اڑانا شدید نقصان کا سبب ہے۔

ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے:

”وقیل کان الرجل یطلق ویعتق ویتزوج ویقول کنت لاعبافنہو عن ذلک“

اس وقت رواج یہ تھا کہ کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا تو کہتا کہ میں نے تو یہ مزاح کے طور پر طلاق دی تھی، میرا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسی طرح کبھی کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کر کے کہتا میں نے تو مزاح کے طور پر آزاد کیا تھا، میرا آزاد کرنے کا حقیقت میں کوئی ارادہ نہیں تھا، اسی طرح کبھی مرد اور عورت نکاح کر لیتے پھر کبھی ایک کہتا کبھی دوسری طرف سے کہا جاتا یہ نکاح مزاح سے کیا گیا تھا کوئی حقیقی نکاح تو نہیں تھا، تو رب تعالیٰ نے اس سے ان کو منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو مزاح نہ بناؤ۔

☆ "عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال ثلاث جد هن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والرجعة"

(اخرج ابو داؤد والترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزوں میں حقیقت بھی حقیقت ہے اور ان میں مزاح بھی حقیقت ہے، وہ یہ ہیں نکاح اور طلاق اور رجوع کرنا۔

(از خازن)

ایک اور روایت میں عتاق (غلام آزاد کرنے) کا بھی ذکر ہے، کہ مزاح سے آزاد کیا ہوا غلام آزاد ہو جائے گا۔

"واذکرو انعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتاب والحکمة یعظکم بہ"

اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں، اور (یاد کرو) جو نازل کیا تم پر یعنی کتاب و حکمت نصیحت کرتا ہے تمہیں اس کے ذریعے۔

"نعمت اللہ" سے مراد کیا:

(جلالین) "واذکرو انعمت اللہ علیکم) بالاسلام"

اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں اسلام کی نعمت عطا فرمائی ہے اسے یاد کرو۔

"ومن جملتها الهدایة وانزال آیات القرآن علی محمد ﷺ بالشکر والقیام بحقوقها"

یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اس نے حضرت

محمد ﷺ پر قرآن کی آیات کو نازل کیا، یاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی نعمت کا شکریہ ادا کرو، اور

اس کے حقوق کو قائم کرو۔ (مظہری)

"واذکرو انعمت اللہ علیکم) ای فی ارسالہ الرسل بالهدی والبینات الیکم" (صابونی)

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے یعنی اس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور واضح دلائل عطا کر

کے تمہاری طرف بھیجا ہے۔

”واذ کرو انعمت اللہ علیکم) یعنی بالایمان الذی انعم بہ اللہ علیکم فہد اکم لہ

(خازن)

وسائر نعمہ الہی انعم بہا علیکم“

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے یعنی اس نے تمہیں ایمان عطاء کر کے تم پر انعام کیا ہے اور تمہیں

اس کی ہدایت دی ہے اور تمام نعمتیں جو اس نے تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو۔

مقام توجہ: خازن کے پہلے حصہ کو دیکھیں تو اس کے مطابق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ نظر آئے گا ”اور یاد کرو اللہ

کا احسان جو تم پر ہے۔“

اور آخری حصہ کے مطابق راقم کا ترجمہ ہے ”اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں“

”وما انزل علیکم من الكتاب والحكمة یعظکم بہ“:

اور (یاد کرو) جو نازل کیا تم پر یعنی کتاب و حکمت نصیحت کرتا ہے تمہیں اس سے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

واؤ عطف کے لئے ہے، اس جملہ کا عطف ”نعمت اللہ“ پر ہے، جملہ محل نصب میں ہے، اور ”اذ کرو“ اساتید

ملے گا ”ما“ موصولہ ہے ”من“ بیانہ ہے، جس کا معنی ہوتا ہے، یعنی ”بہ“ میں ضمیر ”ما انزل“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

(تفسیر ابی السعود)

طلباء کرام بیان کردہ ترکیبی ضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے ان شاء اللہ راقم کا ترجمہ بالکل مطابق پائیں گے۔

”الكتاب“ سے مراد ”قرآن پاک“ اور ”الحكمة“ سے مراد ”حدیث پاک“ ہے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”الكتاب“ اور ”الحكمة“ دونوں سے مراد قرآن پاک ہو، اور ان میں دونوں

وصفوں کے تغائر کی وجہ سے ہے۔

پہلے مبہم ذکر کیا ”وما انزل علیکم“ اور جو نازل کیا تم پر، پھر اس کا بیان لایا گیا ”من الكتاب

والحكمة "یعنی کتاب و حکمت، اس انداز سے بیان کرنے کو عربی گرامر میں "تفخیم" کہتے ہیں، یعنی اس میں زیادتی وضاحت اور بلندی شان پائی جاتی ہے۔
(تفسیر ابی السعود)

"واتقوا الله": اور اللہ سے ڈرو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو اور حقوق واجبہ کو ادا کرو۔

"واعلموا ان الله بكل شيء عليم":

اور جان رکھو بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا یہ ترجمہ ہے اور یہی ترجمہ راقم نے بھی نقل کیا، کیونکہ خطاب مسلمانوں کو ہے جو پہلے ہی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، اس لئے "واعلموا" کا ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے کیا "اور جان رکھو" یعنی اپنے علم پر قائم رہو۔

بعض حضرات نے جو یہ ترجمہ کیا ہے "اور خوب جان لو" یہ ترجمہ بھی خوب ہے۔

کیونکہ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تم جانتے تو پہلے ہی ہو، لیکن اب خوب جان لو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اس میں وعید بھی پائی گئی ہے:

"فلا يخفى عليه شيء مما تاتون وما تذكرون فيؤاخذكم بأفانين العقاب"

اور جان رکھو کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے جو کام تم کرتے ہو اور جو چھوڑتے ہو وہ اس پر پوشیدہ نہیں وہ تمہیں مختلف عذاب دے کر تمہاری گرفت کرے گا، یعنی اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا اور اس کے حکم کو چھوڑا تو وہ تمہیں عذاب دے گا۔ (تفسیر ابی السعود)

طلاق کا حق مردوں کو دیا گیا:

تمام آیات میں جن میں طلاق دینے کا ذکر ہے ان میں مردوں کو ہی خطاب ہے کہ ”جب تم عورتوں کو طلاق دو،“ یہ کہیں ذکر نہیں کہ جب عورتیں مردوں کو طلاق دیں تو اسی سے واضح ہو گیا کہ طلاق دینا مردوں کا حق ہے۔ اگرچہ مرد طلاقوں کا حق عورت کو تفویض کر دے تو عورت کو مرد کی عطاء سے طلاق کا حق تو مل گیا، لیکن غور کیا جائے تو قانون قدرت کے خلاف ہے۔

رب تعالیٰ نے طلاق کا حق مردوں کو دیا کیونکہ مرد صبر سے کام لیتا ہے، قوت برداشت مرد میں زیادہ ہے عورت انتقامی کارروائی کرنے میں جلد باز ہے، اس لئے مرد کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر مجبوری کی حالت میں اسے استعمال کرے گا۔ لیکن اگر عورت کو یہ حق دیا جاتا تو وہ بہت جلدی استعمال کرتی، آئے دن طلاقیں واقع ہوتی رہتیں۔

ترقی یافتہ ممالک یا انسانیت سے دور، عریانت و فحاشی کے دلدادہ، خدا کے دشمنوں کے ممالک میں جہاں عورت کو طلاق کے حقوق دئے گئے ہیں، خدا را ان سے پوچھ کر تو دیکھئے وہ اس سے کتنے مطمئن ہیں؟ آج عورت کا ایک سے معاشقہ اور کل دوسرے سے اور پرسوں تیسرے سے، اسی وجہ سے طلاقیں واقع ہو رہی ہیں۔ انسان کو انسان سے محبت کم اور نفرت زیادہ ہو چکی ہے، کتوں اور بلیوں سے وہ اپنی محبت پوری کر رہی ہیں۔ جس قانون سے غیر مسلم بیزار ہیں اسے مسلمان حاصل کرنے کے لئے بے تاب کیوں ہیں؟

اخبارات میں کم از کم ان واقعات میں تناسب تو دیکھئے، یقیناً ایک اور سو کی نسبت نظر آئے گی، وہ کیا واقعات ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ فلاں عورت نے اپنے عاشق سے مل کر اپنے خاوند کو قتل کر دیا، ان واقعات کی تعداد کو دیکھئے اور پھر یہ دیکھئے کہ کتنے ایسے واقعات آپ کی نظر سے گزرتے ہیں کہ فلاں مرد نے اپنی زوجہ کو اپنی محبوبہ کی مدد سے قتل کر دیا۔

ان واقعات کو دیکھ کر یہ کہنا پڑھتا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے بندوں پر اتنا شفیق ہے جتنی ماں اپنے بیٹے پر شفیق نہیں۔ اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے، اس کے ہر حکم میں بندوں پر مہربانیاں ہی مہربانیاں پائی گئی ہیں۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبُغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ
أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ☆

(سورہ بقرہ آیت: ۲۲۲)

﴿۱﴾

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہو جائے تو ابے عورتوں کے
والیو! انہیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں، جبکہ آپس میں موافق
شرع رضا مند ہو جاویں۔ یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت
پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم
نہیں جانتے۔

﴿۲﴾

اور جب طلاق دو تم عورتوں کو تو وہ پہنچ جائیں اپنی میعاد (پوری ہونے) کو تو تم نہ روکو
ان کو کہ وہ نکاح کریں اپنے (پہلے) شوہروں سے، جبکہ رضا مند ہو جائیں آپس
میں بھلائی کے طریقے سے، یہ نصیحت کی جاتی ہے اسے جو شخص تم سے ایمان رکھتا ہو
اللہ پر اور آخرت کے دن پر تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ ہے۔

شان نزول:

یہ آیت کریمہ جملاء بنت یسار، معقل بن یسار کے حق میں نازل ہوئی۔

بخاری، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ نے اس واقعہ کو ذکر کیا۔

”وعن معقل بن یسار قال زوجت اختالی من رجل فطلقها حتی اذا انقضت عدتها جاء یخطبها فقلت له زوجتك وفرشتک واکرمتک فطلقها ثم جئت تخطبها لا والله ولا تعود الیک ابدا وکان الرجل لا بأس به وکان المرأة ترید ان ترجع الیه فانزل الله تعالی (فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن) فقلت الآن افعل یا رسول الله قال فزجها ینا“

معقل بن یسار کہتے ہیں میں نے اپنی بہن کا نکاح ایک شخص (بداح بن عاصم) سے کیا، پھر اس شخص نے اسے طلاق دے دی یہاں تک کہ عدت ختم ہو گئی (اس کے رجوع نہ کرنے کی وجہ سے وہ بائنا ہو گئی) وہ شخص پھر اس (میری بہن) سے نکاح پر آمادہ ہونے کی حالت میں آیا تو میں نے اسے کہا میں نے تمہارا نکاح کیا، تمہیں فراش عطاء کیا اور تمہاری عزت کی لیکن تم نے اسے طلاق دے دی، اب پھر اس سے نکاح کرنے کا خطبہ کر رہے ہو، یعنی نکاح پر آمادگی کا اظہار کر رہے ہو، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اب وہ تمہاری طرف نہیں لوٹے گی۔ وہ مرد نکاح میں کوئی حرج محسوس نہیں کر رہا تھا (یعنی خوشی سے نکاح پر آمادہ تھا) اور وہ عورت (یعنی میری بہن) بھی چاہتی تھی کہ وہ اس سے پھر نکاح کر لے، تو اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی (ان کو نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں) تو میں نے کہا یا رسول اللہ اب میں اس پر عمل کرتا ہوں۔ تو اس طرح معقل بن یسار نے اپنی بہن جملاء کا نکاح اس کے شوہر بداح بن عاصم سے کر دیا۔

☆ ابن جریر نے متعدد اسناد سے روایت کی، پھر سدی سے اس روایت کی تخریج کی۔

”قال نزلت فی جابر بن عبد الله الانصاری کانت له ابنت عم فطلقها زوجها فانقضت عدتها ثم رجع یرید نکاحها فابی جابر“

کہ یہ آیہ کریمہ جابر بن عبد اللہ الانصاری کے حق میں نازل ہوئی، کیونکہ ان کے چچا کی بیٹی کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی، پھر عدت ختم ہونے پر نئے نکاح کی غرض سے اس نے ان کی

طرف رجوع کیا، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے اپنی چچا زاد بہن کا نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔

اگرچہ پہلی روایت زیادہ مشہور ہے اور سند کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے، لیکن ان میں کوئی تعارض نہیں۔

”ولعلہا نزلت فی القصتین معا“ کیونکہ ہو سکتا ہے یہ دونوں واقعات کے بعد نازل ہوئی ہو۔

اب خطاب عام ہے کہ عورتوں کے والیو! اگر عورتیں اپنے پہلے خاوندوں سے نکاح کرنا چاہیں اور وہ دونوں رضا مند ہوں اور حقوق شرع کو بجالانے پر آمادہ ہوں تو تم ان عورتوں کو اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔
(از مظہری)

الفاظ مبارکہ کی مختصر وضاحت:

”واذا طلقتم النساء“ (اور جب تم طلاق دو عورتوں کو) یعنی تم سے اگر کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دے۔ ”فلین اجلھن“ انقضت عدتھن“ (تو ان کی عدت ختم ہو جائے)

راقم نے لغوی اور مرادی معنی کو ترجمہ میں یکجا جمع کیا ہے (تو وہ پہنچ جائیں اپنی معیاد پوری ہونے کو)

”فلا تعضلوھن“ (تو ان کو نہ روکو) ”فلا تمنعوھن“ کا معنی ”فلا تمنعوھن“ تو ان کو نہ روکو ”خطاب للاولیاء ای تمنعوھن من (ان ینکحن ازواجھن) المطلقین لھن“ یہ خطاب عورتوں کے ولیوں کو ہے کہ تم ان عورتوں کو اپنے ان خاوندوں سے نکاح کرنے سے منع نہ کرو جنہوں نے ان کو طلاق دی۔

شان نزول سے بھی یہی واضح ہے۔ ”(اذاتراضوا) ای الازواج والنساء (بینھم بالمعروف)

شرعا“ جب شوہر اور بیویاں آپس میں شرع کا پاس کرتے ہوئے رضا مند جائیں۔

خیال رہے کہ ”تراضوا“ باب تفاعل سے جمع مذکر کا صیغہ ہے، لیکن اس میں مذکر کی شرافت کی وجہ سے قاعدہ

تغلیب استعمال کیا ہے۔

” (ذلک) النہی عن العضل (یوعظ بہ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر) لانہ المنتقع بہ

یہ ولیوں کو روکنے سے منع کرنے سے نصیحت کی جاتی ہے ان کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے کہ اس نصیحت سے فائدہ ایمان والوں نے ہی حاصل کرنا ہے۔

” (ذلکم) ای ترک العضل (از کسی) خیر الکم و اطہر لکم ولہم لما یخشی علی الزوجین من الریبة بسبب العلاقة بینہما“

جس چیز سے تمہیں منع کیا گیا ہے، اس سے رکنا تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ ہے، یہ بہتری اور پاکیزگی تمہارے لئے بھی ہے اور ان کے لئے بھی جو زوجین پر خوف رکھتے ہیں کہ ان کا آپس میں اچھا سلوک رکھنا مشکوک ہے۔

” (واللہ یعلم) مافیہ المصلحة (وانتم لا تعلمون) ذلک فاتبعوا امرہ“

اور اللہ جانتا ہے جو اس میں مصلحت ہے، اور تم اسے نہیں جانتے، لہذا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کرو۔

بالغہ لڑکی خود مختار ہے:

اس سے پہلی آیت کریمہ میں ذکر ہوا ”حتی تنکح زوجا غیرہ“ (یہاں تک کہ وہ نکاح کرے اور زوج سے) اور اس آیت کریمہ میں ذکر ہوا ”ان ینکحن ازواجہن“ (یہ کہ وہ نکاح کریں اپنے شوہروں سے) ”لان الاصل فی الاسناد حقیقة ان تباشر المرأة“ ان دونوں آیتوں میں نکاح کرنے کی نسبت حقیقت میں عورت کی طرف کی گئی، جس سے واضح ہو رہا ہے کہ بالغہ عورت کو اپنا نکاح کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔

آیت کریمہ میں عورت کے ولیوں کو جو یہ کہا گیا ہے ”فلا تعصلوہن“ (تم ان کو نہ روکو)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت معاشرہ میں یہ رواج تھا کہ عورت نکاح کرنا چاہتی تو اس کے ولی یعنی باپ اور بھائی وغیرہ رکاوٹ بن جاتے کہ تم یہاں نکاح نہیں کر سکتی، آجکل بھی یہی رواج ہے، رواج کے غلط ہونے کی وجہ سے قانون شریعت نہیں بدلتا۔

☆ ”عن ابی ہریرہ قال رسول اللہ ﷺ لا تنکح الثیب حتی تستاذن ولا تنکح البکر حتی

تستأمر قالوا یا رسول اللہ کیف اذنہا قال اذنہا ان تسکت“ (نسائی، ج ۲، ص ۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثیبہ (یعنی بالغہ) کا نکاح اس سے اس کے معاملات طلب کرنے کے لئے نہ کیا جائے، اور باکرہ (یعنی بالغہ) کا نکاح اس سے اس کے معاملات طلب کرنے کے بغیر نہ کیا جائے (یعنی اس سے بھی اجازت طلب کی جائے) صحابہ کرام نے عرض کیا اس کی طرف سے اجازت ہے۔

یعنی اس کا خاموش رہنا اور اس طرح اس کا مسکرانا یا رونا بھی اجازت متصور ہوں گے، اگر اسے یہ نکاح منظور نہیں تو اسے صراحتہ انکار کر دینا چاہئے۔

☆ ”عن ابن عباس مرفوعاً لا یم احق من ولیہا والبکر نستاذن فی نفسہا اذنہا صماتہا“

(رواہ مسلم ومالک و ابو داؤد والترمذی والنسائی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غیر شادی شدہ عورت (ثیبہ بالغہ عورت) اپنے آپ پر اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اور باکرہ (جو کہ بالغہ ہو) اس کی ذات کے متعلق اس سے اجازت طلب کر لی جائے، اس کا خاموش رہنا (بھی) اس کی طرف سے اجازت ہے۔

حدیث پاک سے بہت واضح طور پر ثابت ہوا کہ بالغہ عورت خواہ ثیبہ ہو یا باکرہ ہو اپنے نفس پر خود اختیار رکھتی ہے، اس کے ولی کو اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔

ثیبہ (بیوہ یا مطلقہ) لیکن جب بالغہ ہو وہ زبان سے اجازت دے اور باکرہ جو بالغہ ہے اس کا بول کر اجازت دینا اور خاموش رہنا اور مسکرانا بلکہ نکاح کی اجازت طلب کرنے پر اس کا رونا بھی اجازت متصور ہوگا۔

باپ اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح جبراً نہ کرے:

”عن خنساء بنت خدام ان اباًها زوجها وہی ثیب فکرت ذلک فانت رسول اللہ

(نسائی، ج ۲، ص ۶۳)

ﷺ فرد نکاحہ“

خضاء بنت خدام سے مروی ہے کہ بیشک اس کے باپ اس کا نکاح کر دیا کہ وہ ثیبہ (اور بالغہ) تھی، اس نے نکاح کو ناپسند کیا تو نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تو آپ نے اس کے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو توڑ دیا۔

یعنی بالغہ عورت سے اجازت کے بغیر نکاح کرنا اور اس کا رد کر دینا کہ مجھے یہ پسند نہیں یا پہلے ہی سے اس نے انکار کر دیا ہو، پھر اس کا نکاح جبراً کر دیا ہو یہ نکاح درحقیقت درست نہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح کو توڑنے کا مطلب یہی ہے کہ یہ نکاح ہوا ہی نہیں اور ”فرد نکاحہ“ کا معنی یوں کر لیا جائے ”آپ نے اس کے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو باطل قرار دیا“ تو یہ زیادہ آسان اور واضح ہے۔

☆ ”عن عائشة ان فتاة دخلت عليها فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیه لیرفع بی خسیسته وانا کارهة فقالت اجلسی حتی یاتی النبی ﷺ فجاء رسول اللہ ﷺ فاخبرته فارسل الی ابیہا فادعاه فجعل الأمر الیہا فقالت یا رسول اللہ قد اجزت ما صنع ابی ولكن اردت ان اعلم النساء من الأمر شی“ (نسائی، ج ۲، ص ۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیشک ایک جوان لڑکی ان کے پاس حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھائی کے بیٹے سے کر دیا ہے تاکہ وہ میرے ذریعے اس کی خواست (گھڑیا پن) کو دور کرے، حالانکہ میں یہ نکاح ناپسند کرتی ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے کہا، نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے تک بیٹھ جا، نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ اس لڑکی نے آپ کو بتایا تو آپ نے اس کے باپ کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلایا۔ (اس کے آنے پر) معاملہ لڑکی کے سپرد کر دیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ جو میرے باپ نے کیا ہے میں اس کی اجازت دے رہی ہوں، لیکن میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا عورتوں کا بھی اس معاملہ میں کوئی حق ہے۔

وضاحت حدیث:

”لیرفع بی خسیستہ“ کا مطلب یہ ہے کہ میرے باپ کے بھائی کا بیٹا خسیس یعنی گھٹیا ہے جسے کوئی پسند نہیں کرتا میرا نکاح اس سے کر کے میرے باپ نے اسے عزت دینی چاہی کہ وہ اپنے گھٹیا پن سے نکل جائے۔

”اناکارہة“ حالانکہ میں اس نکاح کو پسند نہیں کرتی ہوں، لڑکی چونکہ بالغہ تھی اور نکاح اس کی اجازت کے بغیر ہو گیا تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا تھا کہ اگر تو چاہتی ہے تو نکاح کو برقرار رکھ اور اگر تو چاہتی ہے تو نکاح کو توڑ دے۔

واضح ہوا کہ بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر کیا ہوا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہو جاتا ہے، وہ چاہے تو برقرار رکھے یا توڑ دے، ہاں البتہ اجازت طلب کرنے اور اس کے خاموش رہنے پر نکاح ہو جائے گا، اب اسے توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

عورت اپنے نکاح میں بزرگوں سے مشورہ کرے:

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے طلاق دے دی، جب انہوں نے عدت گزار لی تو نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا۔

”ان معاویہ بن سفیان و اباجہم خطبانی فقال رسول اللہ ﷺ اما ابو جہم فلا یضع عصاه عن عاتقہ و اما معاویہ فصعلوک لا مال لہ ولکن انکحی اسامہ بن زید فکرمہ ثم قال انکحی اسامہ بن زید فنکحتہ فجعل اللہ فیہ خیرا و اغتبطت بہ“

(نسائی باب اذا استشارت المرأة رجلا، ج ۲، ص ۶۱)

کہ بیشک مجھے معاویہ بن سفیان اور ابو جہم نے پیغام نکاح دیا ہے (میں کس سے نکاح کروں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابو جہم تو اپنا عصا اپنے کندھے سے نہیں اتارتا اور معاویہ غریب انسان ہے اس کے پاس کوئی مال نہیں، تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو (یہ کہتی ہیں) میں نے ان سے

نکاح کرنا پسند نہ کیا۔ آپ نے فرمایا اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔ تو میں نے ان سے نکاح کر لیا، اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ مجھ پر رشک کیا جانے لگا۔

وضاحت حدیث:

جب نکاح کے لئے مختلف اطراف سے پیغام ملیں تو بزرگوں سے مشورہ کر لیا جائے کہ کون سا شخص بہتر ہے، جس سے نکاح کیا جائے مشورہ دینے والا اگر ان میں سے کوئی بہتر پائے تو اس کے متعلق مشورہ دے دے اور تیسرے شخص کے متعلق مشورہ دے دے، کہ میرے خیال میں ان تمام سے فلاں شخص زیادہ بہتر ہے، ان میں کوئی ایک بھی بہتر نہیں۔

جب تک کسی ایک سے بات طے نہ ہو جائے اس وقت تک کئی آدمی رشتہ پوچھ سکتے ہیں، جب کسی سے بات طے ہو جائے تو دوسرے کا پوچھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لا یخطب احدکم علی خطبة بعض“

(نسائی باب النہی ان یخطب الرجل علی خطبة احید)

تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے پیغام نکاح (طے ہو جانے) کے بعد نکاح کا پیغام نہ دے۔

مشورہ دیتے وقت، فتویٰ دیتے وقت، فتویٰ پوچھتے وقت کسی کے عیب بیان کرنا غیبت نہیں، بلکہ ”المستشار مؤتمن“ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے، اسے چاہیے کہ بہتر مشورہ دے، ورنہ امانت میں خیانت کرنے کے مترادف ہوگا۔

بزرگوں کے مشورہ میں برکت ہوتی ہے جیسے نبی کریم ﷺ کے مشورہ پر باوجود اس عورت کے ناپسند کرنے کے اللہ تعالیٰ نے نکاح میں اتنی برکتیں عطا فرمائی کہ دوسری عورتیں رشک کرنے لگیں۔ کاش کہ ہمارا نکاح اسامہ بن زید سے ہوتا تو کتنا بہتر ہوتا۔

ابو جہم اپنا عصا کندھے سے نہیں اتارتا۔ اس کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے وہ سفر میں زیادہ رہتا ہے، جس سے حقوق زوجیت ادا نہیں کر پائے گا۔

اس معنی کے لحاظ سے تبلیغی حضرات کے سال سال اور کئی کئی مہینے کے لئے بسترے اٹھا کر مختلف ممالک کی سیر کرتے رہنا کہاں درست ہوگا؟

دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات عورتوں پر ظلم کرتا ہے، مار کٹائی سے کام لیتا ہے، اس لئے وہ اس قابل نہیں کہ اس سے نکاح کیا جائے۔

اس معنی کو ہی زیادہ طور پر شارحین نے پسند کیا ہے، اس معنی سے واضح ہوا کہ خاوند کے ظلم مار کٹائی کو نبی کریم ﷺ نے ناپسند فرمایا ایسے شخص سے نکاح نہ کرنے کا مشورہ دیا۔

معاویہ بنی سفیان کے متعلق فرمایا کہ وہ غریب ہے اس کے پاس مال نہیں، اس سے واضح ہوا کہ جب کسی شخص کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جس وہ مہر و اور نفقہ ادا کر سکے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کرنے کا مشورہ دینا بہتر ہے، لیکن کار، بنگلہ کی تلاش میں اپنی بچیوں کی زندگیاں برباد کر دینا بھی عقل و دانش کا کام نہیں۔

نیک مرد پر عورت کا اپنے آپ کو پیش کرنا سنت ہے:

”عن انس ان امرأة عرضت نفسها على النبي ﷺ فضحكت ابنة انس فقالت ما كان

اقل حيا نها فقال انس هي خير منك عرضت نفسها على النبي ﷺ“

(نسانی باب عرض المرأة نفسها على من نرضی، ج ۲، ص ۶۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک ایک عورت نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے خود ہی نبی کریم ﷺ پر پیش کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی اس پر ہنسنے لگی کہ یہ عورت کتنی کم حیاء والی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تم سے بہتر ہے کہ اس نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ پر پیش کیا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ کسی کو نیک سمجھ کر عورت پسند کرے اور اپنے نکاح کا خود ہی اسے پیغام دے تو یہ سنت صحابیہ ہے اس میں بے حیائی نہیں بلکہ یہ بہتر پسند ہے۔

نکاح کے لئے عورت یا اس کے والدین استخارہ کریں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت زینب بنت جحش کی عدت ختم ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کو کہا کہ اسے میری طرف سے پیغام نکاح دے دو، حضرت زید کہتے ہیں میں چلا اور زینب کو جا کر کہا تم خوش ہو جاؤ، مجھے تمہاری طرف رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے، جو تمہیں یاد کر رہے ہیں یعنی پیغام نکاح دے رہے ہیں۔

”فَقَالَتْ مَا اَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْءًا حَتَّى اسْتَأْمَرَ رَبِّي فَقَامَتْ اِلَى مَسْجِدِهَا“

(نسائی، ج ۲، ص ۲۲ باب صلوة المرأة اذا خطبت واستخارتهما ربي)

تو حضرت زینب نے کہا میں اس معاملہ میں خود اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی یہاں تک کہ میں اپنے رب تعالیٰ سے فیصلہ طلب کر لوں، پھر وہ اپنے نماز پڑھنے کے مقام پر جا کھڑی ہوئیں۔ اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ نکاح سے پہلے عورت نوافل ادا کر کے استخارہ کر لے، یہ اس کے لئے بہتر ہے۔

استخارہ کیسے کرے؟

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام امور میں استخارہ کرنا ایسے سکھاتے تھے جس طرح قرآن پاک کی سورت سکھاتے، آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے جب بھی کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نوافل ادا کر پھر یہ دعا پڑھے۔

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاسْتَعِيْنُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ
فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ
هَذَا اَمْرٌ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ (او قال) فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِه
فَاَقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ هَذَا اَمْرٌ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ
وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ (او قال) فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِه فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاَقْدِرْ لِیْ
الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ ارْضِنِیْ بِهِ“

(نسائی، ج ۲، ص ۲۲)

پھر آپ نے فرمایا اپنی حاجت اور اپنے کام کو ذہن میں رکھے، یعنی جس کام کے لئے استخارہ کر رہا ہے وہ ذہن میں رکھے، استخارہ کے بعد اگر دل اس کام کی طرف راغب ہو رہا تو وہ کام کرے یہ اس کے لئے بہتر ہے، اور اگر دل اس کام کی طرف رغبت نہیں کر رہا تو وہ کام نہ کرے کیونکہ وہ کام اس کے حق میں بہتر نہیں۔

استخارہ کے نوافل کی نیت عام نوافل کی طرح ہوگی، اسی طرح ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی بھی سورۃ ملا لے تو درست ہے، تاہم اگر پہلی رکعت میں ”سورۃ الکافرون“ اور دوسری رکعت میں ”سورۃ اخلاص“ پڑھ لے تو زیادہ مناسب ہے۔

تنبیہ: دعاء میں الفاظ ”اقال“ دونوں جگہ نہیں پڑھنے، اسی لئے راقم نے ان کو بریکٹ میں کر دیا ہے۔ دراصل یہ راوی کو شک تھا کہ آپ نے ”وعاقبة امری“ ذکر فرمایا، یا کہ ”فی عاجل امری و آجلہ“ ذکر فرمایا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ صرف ”اقال“ کے لفظ دونوں جگہ چھوڑ دے باقی تمام دعاء پڑھ لے۔

ولی کے بغیر نکاح نہ ہو سکنے پر احادیث اور ان کے جوابات:

”عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل فان دخل بها فلما المهر بما استحلت من فرجها فان اشتجر فالسلطان ولی من لا ولی له“ (رواه السنن وحسنہ الترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ تو اس کا نکاح باطل ہے۔ تو اس کا نکاح باطل ہے، اگر اس سے وطی کرے تو فرج کو حلال سمجھنے کی وجہ سے اس پر مہر لازم ہے، اگر اختلاف ہو جائے تو جس کا ولی نہ ہو تو اس کا ولی بادشاہ ہے۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ عورت خواہ بالغ ہو یا نابالغ اس کا نکاح ولی کے بغیر درست نہیں۔

جواب:

”قال الطحاوی حدثنا ابن ابی عمران قال اخبرنا یحیی بن معین عن علیة عن ابن

جر یج انه قال لقیث الزهری فاخبرته عن هذا الحدیث فانکره“ (مظہری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے راوی ابن جریج ہیں وہ روایت کرتے ہیں غلیمان بن موسیٰ سے وہ روایت کرتے ہیں زہری سے وہ روایت کرتے ہیں عروہ سے وہ روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔

طحاوی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جریج کہتے ہیں کہ میں، خود زہری کو ملا اور اس حدیث کے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا انکار کیا۔ لہذا راوی کے انکار کی وجہ سے حدیث ضعیف ہوگئی، ضعیف حدیث سے کسی چیز کا حرام ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

☆ ”وعن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا نکاح الا بولی وشاهدى عدل“ (رواہ الدارقطنی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

جواب:

”وفیه یزید ابن سنان وابوہ قال الدارقطنی هو وابوہ ضعیفان وقال النسائی هو

متروک الحدیث وضعفه احمد وغیرہ“ (مظہری)

اس حدیث کے راویوں میں یزید ابن سنان اور اس کا باپ ہیں، دارقطنی نے کہا ہے کہ یزید بن سنان اور اس کا باپ ضعیف راوی ہیں، نسائی نے متروک الحدیث کہا اور احمد وغیرہ نے اسے ضعیف کہا۔

واضح ہوا کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے جس پر حلت و حرمت کو موقوف نہیں لیا جاسکتا۔

”وعن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا بد للنكاح من اربعة الولي والزوج وشاهدین“

(رواه الدارقطني)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نکاح میں چار شخصوں کا ہونا ضروری ہے (وہ یہ ہیں) ولی اور زوج اور دو گواہ۔

جواب:

”وفیه نافع بن میسر ابو خطیب مجہول“

یہ حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کے راویوں میں نافع بن میسر ابو خطیب پایا گیا ہے جو مجہول ہے۔ (مظہری)

”عن ابی بردة عن ابیہ ابی موسی عن النبی ﷺ لا نکاح الا بولی“ (رواه احمد)

حضرت ابو ہریرہ اپنے باپ حضرت ابو موسی سے روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں۔

”وعن ابن عباس مرفوعا لا نکاح الا بولی، والسلطان ولی من لا ولی له“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر ولی کے نکاح نہیں، اور بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔

جواب:

”رواه احمد من طریق الحجاج بن ارطاة وهو ضعیف ومن طریق آخر فیہ عدی بن الفضل وعبد الله بن عثمان ضعیفان“

یہ دونوں حدیثیں مسند احمد میں حجاج بن ارطاة سے روایت کی گئی ہیں جو ضعیف راوی ہیں۔ اور ایک دوسری سند سے بھی روایت ہیں لیکن اس میں عدی بن فضل اور عبد اللہ بن عثمان راوی ہیں جو ضعیف ہیں۔

مظہری نے چند اور روایات بھی ذکر کی ہیں، ہر روایت میں کوئی نہ کوئی راوی ضعیف پایا گیا ہے۔

احناف کا فیصلہ کن جواب:

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے کہ عورت بالغہ خود مختار ہے اس کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر جائز ہے تو آپ کی طرف سے ان احادیث کے متعلق جن میں ولی کے بغیر نکاح جائز نہ ہونے کا ذکر ہے، فیصلہ کن جواب یہ ہے۔

”قالت الحنفية اذا تعارضت النصوص فيحب سلوك طريق الترجيح او الجمع بضرب من التاويل“

احناف نے یہ بیان کیا ہے کہ جب نصوص (آیات و احادیث) میں تعارض آجائے تو وجہ ترجیح تلاش کی جائے یا کسی تاویل کے ذریعے ان میں تطبیق دے کر ان کو جمع کیا جائے۔

”فعلى طريقة الترجيح مارواه مسلم اصح واغوى سندا بخلاف مارواه من الاحاديث فانها لم تخل من ضعف او اضطراب“

وجہ ترجیح واضح ہے کیونکہ جو روایت مسلم کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے (جو پہلے ذکر دی گئی) وہ زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے سند کے لحاظ پر اس میں بالغہ کو نکاح کرنے کا اختیار دے دیا گیا، بخلاف اس کے وہ روایت جن میں ولی کے بغیر نکاح صحیح نہ ہونے کا ذکر ہے وہ تمام ضعیف یا مضطرب ہیں جو صحیح حدیث کے مقابل نہیں ہو سکتیں۔ (مطہری)

خیال رہے کہ حدیث مسلم جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ مؤطا امام مالک اور ابو داؤد اور ترمذی اور نسائی میں بھی مذکور ہے۔

”وعلى طريقة الجمع فنقول معنى قوله لا نكاح الا بولي يعنى لا نكاح على الوجه المسنون او نقول لا نكاح الا بمن له ولاية لينفى نكاح الكافر المسلمة والنكاح مع المحرمة والنكاح فى عدة زوج قبله وغير ذلك من الا نكحة الفاسدة“

احادیث میں تطبیق اس طرح پائی جاسکتی ہے کہ جن احادیث میں ”لانکاح الابولی“ ان کا یہ مطلب نہیں کہ ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح سنت کے خلاف ہے۔

اور دوسرا معنی یہ ہے ”لانکاح الابمن له ولاية“ کہ عورت کا نکاح اس شخص سے جائز نہیں جسے اس عورت سے نکاح کرنے کی ولایت (حق) حاصل نہیں۔ یعنی مسلمان عورت کا فرمودے نکاح نہیں کر سکتی اور کوئی عورت اپنے محرم (باپ، بیٹا، بھائی، چچا، ماموں، بھتیجا، بھانجا وغیرہ) سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اور اگر کوئی عورت پہلے خاوند کی عدت گزار رہی ہے تو وہ دوران عدت نکاح نہیں کر سکتی، اسی طرح کسی قسم کا فاسد نکاح نہیں کر سکتی۔ (مظہری)

ان معانی کے لحاظ پر یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ بالغہ عورت اگر ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ”ویحمل حدیث عائشة علی امرأة نکحت نفسها من غیر کفو، والمراد بالباطل حقيقة علی قول من لم یصح ما باشرته من غیر کفو و حکما علی قول من یصححه و یثبت للولی حق الخصومة فی فسخه“ (مظہری)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں ذکر ہے کہ جو عورت ولی کے بغیر نکاح کرے وہ باطل ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ جو عورت اپنی کفو سے گھٹیا کفو میں نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ باطل ہونے میں بھی پھر دو قول ہیں ایک یہ کہ عورت جب غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے لیکن اس وقت جب کہ اس کے ولیوں کو اعتراض ہو، وہ نکاح حکام سے فسخ کرانے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ولیوں کو اعتراض ہو تو وہ نکاح حکام سے فسخ کرائیں، اس لحاظ پر باطل ہونے کا معنی مجازی ہوگا۔

یہی تحقیق علامہ شامی رحمہ اللہ کی ہے۔

اگرچہ مظہری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ باطل سے مراد حقیقی طور پر باطل ہونا ہے، جن کے نزدیک عورت کا غیر کفو میں نکاح کرنا صحیح نہیں ان کے نزدیک باطل کا حقیقی معنی مراد ہے اور بعض کے نزدیک نکاح کرنا تو صحیح ہے لیکن ولیوں کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہے ان کے نزدیک مجازی معنی مراد ہے۔

نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری:

جب تک نکاح میں گواہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں نہ ہوں اس وقت تک نکاح فاسد ہوگا۔

☆ ”قال رسول الله ﷺ لانكاح الابشهود“ (رواه الدار قطنی، مرقاة، ج ۶، ص ۲۱۷۔ کتاب النکاح)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر گواہوں کے نکاح نہیں۔

☆ ”عن ابن عباس البغايا التي ينكحن انفسهن بغير بينة“ (رواه الترمذی، مرقاة، ج ۶، ص ۲۱۷۔ کتاب النکاح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ عورتیں زانیہ ہیں جو بغیر گواہوں کے نکاح کر لیتی ہیں۔

یہ قول باطل ہے:

یہ کہنا کہ لڑکا اور لڑکی کہہ دیں کہ ہمارا نکاح ہے تو گواہوں کی ضرورت نہیں۔ یہ قول لغو اور باطل ہے۔ اگر یہی قول درست ہو تو ہر فاحشہ عورت اپنے پاس آئے ہوئے مرد کے متعلق یہی کہہ دے گی کہ یہ میرا خاوند ہے۔

نکاح مسجد میں مستحب ہے:

”عن عائشة قالت رسول الله ﷺ اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا

عليه بالدفوف“ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب، مشکوٰۃ کتاب النکاح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نکاح کا اعلان گواہوں (کے ذریعے) کرو اور نکاح مسجد میں کرو اور نکاح کے وقت دف بجاء۔

”(اعلنوا هذا النكاح) ای بالبينة فالامر للوجوب“

اس نکاح کا اعلان گواہوں کے ذریعے کرو، یہ امر وجوب کے لئے ہے۔

مسجد میں نکاح کرو، مسجد میں نکاح کرنے کی وجہ تو یہ ہے کہ نکاح میں لوگ گواہ بن جائیں ”اول حصول بركة المكان“ یا مکان کی برکت حاصل کرنے کے لئے مسجد میں نکاح کرنے کا حکم دیا گیا۔

”و ينبغي ان يراعى ايضا فضيلة الزمان ليكون نورا على نور وسورا على سرور“

مناسب یہ ہے کہ جس طرح بابرکت جگہ پر نکاح کرنا مستحب ہے اسی طرح دن اور وقت بھی ایسا مقرر کرے جس میں فضیلت پائی جائے تاکہ ”نور علی نور“ ہو جائے اور خوشی پر خوشی حاصل ہو۔

”قال ابن الهمام يستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد لكونه عبادة وكونه في يوم الجمعة“

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں مستحب ہے کہ نکاح مسجد میں کیا جائے کیونکہ نکاح عبادت ہے، اور جمعہ کے دن ہو، کیونکہ جمعہ برکت والا دن ہے۔

نکاح کے اعلان کے لئے دف بجائی جائے لیکن دف مسجد کے باہر بجائی جائے، جیسا کہ دیہاتوں میں رمضان المبارک شریف میں دف (نقارہ) وضو خانہ یا مسجد کے ساتھ ملحق حجرہ کی چھت پر بجائی جاتی تھی۔

نکاح میں خطبہ پڑھا جائے:

الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضل فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله“

اور خطبہ میں یہ تین آیتیں پڑھی جائیں

یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاہہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون ☆
 یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما
 رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا ☆
 یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وقلوا قولا سديدا یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم و
 من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما ☆

تنبیہ:

ولی کے بغیر نکاح سنت کے خلاف ہے، خطبہ کے بغیر نکاح سنت کے خلاف ہے، گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہے۔ ان مسائل کو واضح کرتے رہیں، آجکل کے معاشرہ میں لڑکیوں کو آزاد کرنے کی وجہ سے اپنی مرضی سے عشق بازی میں مبتلا ہو کر خود بخود نکاح کر رہی ہیں، چند دنوں کے بعد عاشق صاحب منہ موڑ لیتے ہیں اور یہ ذلیل ہو کر در بدر بھٹکتی ہیں۔ نہ والدین منہ لگاتے ہیں اور نہ ہی خاوند صاحب وفا کرتے ہیں۔ اگر والدین کی مرضی سے نکاح کریں بیشک اپنی رائے کا بھی اظہار کریں تو اسی میں کامیابی ہے، اگر خاوند بے وفائی کرے تو کم از کم والدین تو اس کا سہارا بن سکیں۔

☆☆☆☆☆

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ
الرِّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ
بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ
مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَضِعُوا
أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا
اللَّهَ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ☆ (سورہ بقرہ آیت، ۲۳۳)

﴿۱﴾

اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس، اس کے لیے جو دودھ کی
مدت پوری کرنی چاہے اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور پہننا ہے حسب
دستور کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے مقدور بھر ماں کو ضرر نہ دیا جائے
اس کے بچہ سے اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے (یا ماں ضرر نہ دے اپنے بچہ کو،
اور اولاد والا اپنی اولاد کو) اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب
ہے۔ پھر اگر ماں باپ آپس میں رضا اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ
نہیں۔ اور اگر تم چاہو کہ دایوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو بھی تم پر مضائقہ
نہیں۔ جب کہ جو دینا ٹھہرا تھا بھلائی کے ساتھ انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے
رہو اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل جو ارادہ رکھیں کہ پوری کریں دودھ پلانے کی مدت۔ اور جس کا بچہ ہے اس پر لازم ہے عورتوں کا خرچ اور لباس شرع کے مطابق، نہ تکلیف دی جائے کسی نفس کو سوائے اس کی طاقت کے۔ نہ ضرر دیا جائے ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ (ضرر دیا جائے) باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارث پر مثل اسی کے۔ پھر اگر ارادہ کریں دونوں (ماں باپ) دودھ چھڑانے کا آپس میں رضاء مندی اور مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر، اور اگر ارادہ کرو تم کہ دودھ پلو او (دائیوں سے) اپنی اولاد کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر جب سپرد کردوان کے وہ چیز جو تم نے ان کو دینی تھی، بھلائی کے طریقہ سے، اور ذرواللہ سے، اور جان رکھو بیشک اللہ جو تم عمل کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔

مختصر مطلب:

مائیں اپنی اولاد کو اگر پوری مدت دودھ پلانا چاہتی ہوں تو دو سال تک دودھ پلائیں اور اگر بچوں کے ماں باپ آپس میں رضاء مندی اور مشورہ سے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں تو چھڑالیں، اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بچوں کے باپ پر لازم ہے کہ ان کی ماؤوں کا خرچ اور لباس دیں۔ لیکن کسی نفس کو طاقت سے زائد تکلف نہیں دی جاتی، بلکہ اپنی وسعت کے مطابق وہ رزق اور کپڑے دے، بچے کی وجہ سے ماں کو ضرر نہ دیا جائے یعنی ماں پر دودھ پلانے میں جبر نہ کیا جائے، اور باپ کو بچے کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے کہ وہ وسعت نہیں رکھتا تو اس پر جبر نہ کیا جائے کہ تم دودھ پلانے کے لئے ضرور ہی دایہ طلب کرو، اگر اولاد کے دودھ پلانے کے لئے دائیوں کو حاصل کیا جائے تو اس میں حرج نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ جو اجرت ان سے ملے گی گنی تھی وہ ادا کر دی جائے اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

”والوالدات یرضعن اولادھن حولین کا ملین لمن اراد ان یتیم الرضاعة“:

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل جو ارادہ رکھیں کہ پوری کریں دودھ پلانے کی مدت۔

”والوالدات“ میں تین قول ہیں:

پہلا قول:

اس سے مراد عام ہے تمام والدات (ماؤوں) کو شامل ہے، خواہ وہ نکاح میں ہوں یا ان کو طلاق دی گئی ہو۔

”والد لیل علیہ ان اللفظ عام وما قام دلیل التخصیص فوجب ترکہ علی العموم“

اس پر دلیل یہ ہے کہ لفظ عام ہے، اور تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ تخصیص کے قول کو چھوڑ دیا جائے اور اس کو عموم پر ہی رکھا جائے۔

دوسرا قول:

کہ اس سے مراد وہ مائیں ہیں جن کو طلاق دے دی گئی ہو۔

اس قول والے حضرات نے اس موقف پر دو دلیلیں قائم کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اس آیت کو طلاق کے احکام کے بعد ذکر کیا ہے، تو گویا کہ یہ آیت پہلی آیت کا تتمہ (تکمیل کرنے والی) بن گئی۔

اس آیت کو ماقبل (پہلی) آیات سے متصل کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو طلاق

دے دیتا ہے تو ان دونوں کے درمیان بغض اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ہو سکتا ہے ماں بچے کو دودھ نہ

پلائے، تو بچے کو ضرر پہنچے، اور خصوصاً جب عورت کی رغبت دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے تو وہ بچے کی طرف توجہ نہیں

کرے گی۔

”فلما کان هذا الاحتمال قائماً لا جرم ندب الله الوالدات المطلقات الى رعاية جانب

الاطفال والا اهتمام بشانهم“

جب یہ احتمال قائم ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان ماؤں کے لئے مستحب قرار دیا جن کو طلاق دی جائے کہ وہ اپنے بچوں کی رعایت کریں اور ان کے حالات کا اہتمام کریں۔

ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں ”والدات“ سے مراد وہ مائیں ہیں جن کو طلاق دے دی گئی ہو۔ کیونکہ اس کے بعد ذکر ہے ”وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن“ (باپ پر ان کا خرچ اور لباس لازم ہے) زوج پر اسی وقت تک زوجہ کا خرچ اور لباس لازم ہے جب تک زوجیت قائم ہو، صرف دودھ پلانے کی وجہ سے یہ لازم نہیں، لہذا یہ علیحدہ حکم ہے۔

ان حضرات کی دلیلوں کا جواب یہ ہے۔

”ان هذه الآية مشتملة على حكم مستقل بنفسه فلم يحب تعلقها بما قبلها“
کہ ضروری نہیں کہ ما قبل آیت سے ضرور ہی تعلق ہو بلکہ یہ آیت مستقل بذاتہ ہے، اس کا ما قبل سے تعلق نہیں۔ چند احکام بیان کئے جا رہے ہیں، ان احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے۔
دوسری دلیل کا جواب یہ ہے۔

”لا يبعد ان تستحق المرأة قدرا من المال لمكان الزوجية وقدرا آخر المكان الرضاع
فانه لا منافاة بين الامرین“

یہ بعید نہیں کہ عورت مستحق ہو کچھ قدر مال کی زوجیت کی وجہ سے اور کچھ اور قدر مال مستحق ہو، دودھ پلانے کی وجہ سے، ان دو علیحدہ علیحدہ صورتوں کو ایک جملہ سے بیان کر دینے میں کسی قسم کی کوئی منافات نہیں۔

بلکہ مطلب یوں ہوا کہ زوجہ جب تک زوجیت میں ہو اس وقت تک خرچ اور لباس کی مستحق ہے، اور جب اسے طلاق دے دی جائے اور وہ دودھ پلانے کی مقررہ جرت لے۔

تیسرا قول:

علامہ واحدی نے بسیط میں بیان کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں ”والدات“ سے مراد وہ عورتیں ہوں جو اپنے خاوندوں کے نکاح میں موجود ہوں، اس لئے کہ بعد میں جو خرچ اور لباس کا ذکر ہے اس کی مستحق صرف وہ بیویاں ہیں جو زوجیت میں ہوں۔ (از کبیر)

پسندیدہ قول:

تفسیر خازن اور کبیر نے پہلے قول کو ہی زیادہ پسند کیا ہے اور بیضاوی کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے کہ ”والدات“ سے مراد عام ہے خواہ زوجیت میں ہوں یا مطلقہ ہوں۔

اعتراض:

جب خرچ اور لباس کا تعلق زوجیت سے ہے تو یہاں دودھ پلانے سے نفقہ و لباس کو کیوں معلق کیا ہے۔

پہلا جواب:

اس کو دودھ پلانے سے معلق نہیں کیا گیا بلکہ احکام میں سے ایک حکم بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا جواب:

نفقہ و لباس کا تعلق صرف زوجیت سے نہیں، کیونکہ زوجیت قائم ہو لیکن عورت خاوند کے پاس نہ رہے، باوجود اس کے کہ خاوند اسے اپنے پاس رکھنے کا مطالبہ کرے اور وہ انکار کرے تو اس صورت میں وہ نفقہ و لباس کی مستحق نہیں رہتی۔ وہ مستحق اسی وقت ہوتی ہے جب خاوند کے پاس رہے۔ خاوند کے پاس رہنے کی حالت میں ایک صورت یہ ہے کہ وہ بچے کو دودھ بھی پلائے تو اس وقت بھی وہ مستحق ہے۔ (از کبیر بتصرف)

”یرضعن اولادھن“: وہ دودھ پلائیں اپنی اولاد کو۔

بظاہر یہ جملہ خبریہ ہے لیکن اس کا معنی امر والا ہے۔ اب اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ امر استحباب کے لئے ہو اور دوسرا یہ کہ امر وجوب کے لئے ہو۔

اس مسئلہ میں امر اصل میں استحباب کے لئے ہے:

اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت زوجیت میں ہو تو وہ دودھ پلائے یا نہ پلائے اسے اختیار ہے، لیکن دودھ پلانے پر وہ اجرت نہیں لے سکتی۔ اور اگر عورت کو طلاق دے دی گئی ہو تو اسے بھی اختیار حاصل ہے، چاہے تو دودھ پلائے اور چاہے تو نہ پلائے لیکن اگر وہ دودھ پلائے تو اجرت لے سکتی ہے۔

رب تعالیٰ نے فرمایا ”فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن“ اگر (طلاق دی ہوئی مائیں) تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو اجرت دو۔

اس آیت کریمہ میں اجرت دینے کو دودھ پلانے پر معلق کر کے واضح کر دیا کہ دودھ پلانا ان پر لازم نہیں۔ ہاں اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم پر لازم ہے کہ ان کو اجرت دو۔

اور رب تعالیٰ نے فرمایا ”وان تعاسرتم فسترضع لہ احری“ (اور اگر تمہیں آپس میں مشکل درپیش ہے تو دوسری عورت دودھ پلانے کے لئے طلب کر لی جائے) یعنی اگر طلاق دی ہوئی عورت اور اس کے سابق خاوند کے درمیان بچے کو دودھ پلانے کے معاملہ میں اتفاق مشکل ہو تو کسی اور دایہ سے دودھ پلوایا جائے۔ اس سے واضح ہوا کہ دودھ پلانا اس پر لازم نہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ماؤں پر دودھ پلانا لازم نہیں۔

”فہذا الامر محمول علی النذب من حیث ان تربیة الطفل بلین الام اصلح لہ من

سائر الالبان ومن حیث ان شفقة الام علیہ اتم من شفقة غیرہا“

تو یہ امر استحباب پر محمول ہوگا، اس لئے کہ بچے کی تربیت ماں کے دودھ سے بچے کے لئے جو نفع مند ہوتی ہے وہ دوسری عورتوں کے دودھ سے حاصل نہیں، اور ماں کو بچے پر بہت زیادہ شفقت حاصل ہوتی ہے جو دوسری عورتوں کو حاصل نہیں ہوتی۔

امرو وجوب کے لئے ہو سکتا ہے:

ماں خواہ زوجیت میں ہو یا اسے طلاق مل چکی ہو، دودھ پلانا اس پر واجب ہوگا جب کہ باپ کو دایہ کی اجرت دینے کی استطاعت نہ ہو یا دودھ پلانے کے لئے کوئی دایہ نہ ملے یا بچہ کسی اور عورت کا دودھ نہ پئے۔ اس صورت میں امر وجوب کے لئے ہوگا کہ ماں پر واجب ہے کہ وہ دودھ پلا کر بچے کو ہلاکت سے بچائے، جس طرح کوئی شخص بھوک کی وجہ سے ٹڈھال ہو، اس کی موت کو خطرہ ہو تو اس شخص پر اس کی امداد کرنا، یعنی اسے کھانا کھلانا، موت سے بچانا واجب ہوگا جسے کھانا کھلانے کی طاقت حاصل ہوگی۔

(ماخوذ از کبیر و خازن و روح المعانی)

”حولین کاملین“: دو سال مکمل۔

”حولین“ تثنیہ ہے اس کا واحد ”حول“ ہے جس کا معنی ”پھرنا“ ہے، چونکہ سال بھی پھر پھر کرتا ہے تو اسے ”حول“ کہہ لیا جاتا ہے۔ ”کاملین“ تاکید ہے کہ مراد مکمل دو سال یعنی چوبیس مہینے ہیں، یہ مراد نہیں کہ سال کے اکثر مہینے لئے جائیں۔

عام طور پر اکثر پر حکم کل کا لگایا جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے ”اقت عندہ فلان حولا وان لم تستکمله“ میں فلاں شخص کے پاس ایک سال ٹھہرا حالانکہ اس نے سال مکمل نہیں کیا ہوتا، لیکن سال کا زیادہ وقت ٹھہرنے کی وجہ سے سال کہہ دیا۔

”لمن اراد ان يتم الرضاعة“ جو ارادہ رکھیں کہ پوری کریں دودھ پلانے کی مدت اس سے یہ واضح کیا گیا کہ دو سال کو پورا کرنا لازم نہیں بلکہ باہمی مشاورت سے چاہیں تو دودھ پلانے کی مدت پوری کریں اور چاہیں تو

پہلے ہی دودھ چھڑا دیں۔ ہاں البتہ دو سال مکمل کرنے پر دودھ چھڑانا واجب ہو جائے گا، یعنی انتہاء مدت کا حکم وجوبی ہے اس سے پہلے استحبابی۔
(از غازی)

البتہ یہ خیال رہے کہ بچے کی بہتر پرورش کے لئے بغیر کسی عذر کے دودھ نہ چھڑایا جائے، بلکہ مدت رضاعت پوری کی جائے۔

رضاعت کے متعلق بیان:

مدت رضاعت دو سال ہے یہ مذہب صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ) کا ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہما اللہ نے اڑھائی کا قول کیا ہے، لیکن فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ اب یہی مذہب احناف کا ہے۔ تاہم اہل علم کا علمی اختلاف اور دلائل کا ثبوت صحابہ کرام کے زمانہ سے رہا ہے، یہی اختلاف باعث رحمت ہے اور اسی اختلاف سے مسائل روز روشن کی طرح واضح ہوئے۔

صاحبین کی دلیل:

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”و حملہ و فصالہ ثلاثون شهرا“ حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔ جب حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کی مدت دو سال باقی رہ جائے گی۔

اور دلیل ان کی یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”لارضاع الافی حولین“ دودھ صرف دو سال پلایا جاسکتا ہے۔
(دار قطنی، البایۃ)

امام اعظم رحمہ اللہ کا ارشاد:

آپ فرماتے ہیں آیہ کریمہ میں دو چیزوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے۔

”و حملہ و فصالہ ثلاثون شهرا“ کا مطلب یہ ہے کہ مدت حمل تیس مہینے ہے اور دودھ چھڑانے کی

مدت تیس مہینے ہے۔ یعنی ”ثلاثون شہرا“ کا حکم ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ ہے۔

دینی طلباء کرام بخوبی سمجھتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ نے حمل کا لحاظ پہلے کیا اور ربط کا بعد میں، لیکن صاحبین نے ربط کا لحاظ پہلے کیا اور حمل کا بعد میں۔

لیکن امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدت حمل کے متعلق ایک حدیث شریف مزاحم ہونے کی وجہ سے حمل کی اکثر مدت دو سال رہ گئی، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

”لا یبقی الولد فی بطن امہ اکثر من سنتین ولو بفلکة مغزل“ (اخرجه البیہقی والدارقطنی)

بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا، اگرچہ تکلے پر چھلی بنانے کی مقدار ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن دودھ چھڑانے کی مدت اپنی جگہ پراڑھائی سال ہی رہے گی۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے صاحبین نے جو حدیث پیش کی ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث شریف میں استحقاق بیان کیا گیا ہے حرمت بیان نہیں کی گئی۔ حدیث شریف کا مطلب یہ نہیں کہ دو سال سے زیادہ دودھ پلانا حرام ہے، بلکہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دو سال تک دودھ پلانا حق ہے، یعنی بہتر ہے۔

صاحبین کے قول پر فتویٰ کیوں؟

”روی ان رجلا تزوج امرأة فولد لسته اشهر فجنى بها الى عثمان رضى الله فشاور فى رجمها فقال ابن عباس رضى الله عنه ان خاصمتكم بكتاب الله تعالى خصمتكم قالوا كيف قال ان الله تعالى يقول (وفصالة ثلاثون شهرا) وقال الله تعالى (والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين) فحمله ستة اشهر وفصالة حولان فتر كها“ (البابة)

ایک روایت میں مذکور ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا تو اس کا بچہ چھ ماہ بعد پیدا ہو گیا تو وہ شخص اپنی عورت کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا اور مشورہ کیا کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر یہ عورت تمہارے ساتھ اللہ کی کتاب یعنی قرآن

پاک کے ذریعے جھگڑا کرے تو کر سکتی ہے، انہوں نے پوچھا یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا رب تعالیٰ نے فرمایا ”و حملہ وفصالہ ثلاثون شهرا“ مدت حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے اور دوسرے مقام میں ارشاد فرمایا ”والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین“ اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو دو سال مکمل۔

جب دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے تو حمل کی مدت پچھ ماہ ہے۔ جب اس عورت کا بچہ چھ ماہ بعد پیدا ہو تو تم اسے سنگسار نہیں کر سکتے اس طرح ان حضرات نے سنگسار کرنے کا راہ ترک کر دیا۔

راقم کی نظر میں کسی کتاب سے یہ بھی گزرا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا۔

رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں:

”قال النبی ﷺ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب“

(اخرجه البخاری و مسلم من حدیث ابن عباس ومن حدیث عائشة رضی اللہ عنہما)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

☆ ”وعن عائشة رضی اللہ عنہا انہ علیہ الصلوۃ والسلام قال ان اللہ حرم من الرضاع ما

(بخاری و مسلم)

حرم من الولادۃ“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے رضاع (دودھ

پلانے) سے وہ رشتے حرام کر دیے ہیں جو ولادت سے حرام کر دیے ہیں۔

بخاری و مسلم میں یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ ”یحرم من الرضاع ما یحرم من الرحمۃ“ رضاعت

سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو رحم سے حرام ہوتے ہیں۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ”وامہاتکم اللاتی ارضعکم و اخواتکم من الرضاعۃ“ اور حرام

ہیں تم پر تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور حرام ہیں تم پر تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں۔

دودھ قلیل پئے یا کثیر پئے حرمت ثابت ہو جائے گی:

ابھی جن احادیث کو ذکر کیا ہے اور آیت کریمہ کے جس حصہ کو ذکر کیا ہے ان سے واضح ہو رہا ہے کہ ان میں قلیل و کثیر (تھوڑی مقدار یا زیادہ مقدار) کا کوئی ذکر نہیں۔ اس لئے حکم عام ہی رہے گا۔

تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ والی احادیث منسوخ ہیں:

مندرجہ بالا احادیث اور قرآن پاک کی آیت کا جو حصہ پیش کیا گیا ہے ان سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جن احادیث میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پستان کو منہ میں ڈالنے سے حرمت ثابت نہیں وہ منسوخ ہیں۔ وہ حدیثیں یہ ہیں۔

☆ ”عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ لا تحرم المصة والمصتان“

(رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک مرتبہ پستان چوسنا یا دو مرتبہ چوسنا حرمت ثابت نہیں کرتا۔

☆ ”عن ام الفضل بنت الحارث قالت دخل اعرابی علی رسول اللہ ﷺ وهو فی بیتی فقال

یا رسول اللہ انی کانت لی امرأة فتز وجت علیہا اخری فز عمت امرأتی الاولى انہا

ارضعت الحداثی رضعة اور ضعتین فقال ﷺ لا تحرم الاملاجة والاملا جتان“

(رواہ مسلم)

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے جبکہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف فرماتے تھے، وہ اعرابی عرض کرنے لگے یا رسول اللہ!

میری ایک زوجہ پہلے تھی اور میں نے ایک اور عورت سے شادی کر لی، میرا گمان یہ ہے کہ میری

پہلی زوجہ نے نئی زوجہ کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دودھ پلا دیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا ایک مرتبہ (پستان کو)

بچے کے منہ میں ڈالنا یا دو مرتبہ ڈالنا حرمت ثابت نہیں کرتا۔

صحیح ابن حبان میں عبد اللہ بن زبیر کی اپنے باپ سے روایت ہے۔

”قال رسول الله ﷺ لا تحرم المصة ولا المصتان ولا الاملاجة ولا الاملا جتان“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (بچے کا) ایک مرتبہ چوسنا یا دو مرتبہ چوسنا اور ایک مرتبہ (پستان کو بچے کے منہ میں) ڈالنا یا دو مرتبہ ڈالنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

پانچ مرتبہ جب تک دودھ نہ پیا جائے حرمت ثابت نہیں ہوتی، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔

”عن عائشة قالت كان فيما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات يحرم من ثم

نسخن بخمس معلومات فتوفي رسول الله ﷺ وهي فيما يقرأ من القرآن“

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب المحرمات)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں قرآن میں دس مرتبہ واضح طور پر دودھ پینے کی حرمت کو نازل کیا گیا، پھر پانچ مرتبہ واضح طور پر دودھ پینے سے دس مرتبہ والا حکم منسوخ ہو گیا، رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے وہ (پانچ مرتبہ والا حکم) پڑھا جا رہا ہے۔

اگرچہ بظاہر اس حدیث سے یہ سمجھ آ رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، یہ حکم اب بھی باقی ہے، قرآن پاک میں پڑھا جا رہا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے یہ مطلب ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن پاک میں پانچ مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہونے کی کوئی آیت اب نہیں پڑھی جا رہی۔

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ”ان نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون“ (بیشک قرآن ہم نے نازل کیا

اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں) اس سے واضح ہوا کہ اگر یہ حکم باقی ہوتا تو اب بھی وہ آیت پڑھی جاتی۔

”قوله فيما يقرأ القرآن“ یعنی ان بعض من لم يبلغه النسخ كان يقرأ على الرسم الاول

لان النسخ يكون الا في زمان الوحي وكيف النسخ بعد موت النبي ﷺ

جب پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہونے والی آیت قرآن پاک میں نہیں پڑھی جا رہی تو اسی

سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد تو کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔ یہی کہنا پڑے گا کہ منسوخ آپ کی ظاہری حیات میں ہی یہ حکم ہو چکا تھا۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے۔ ”فیما یقرأ القرآن“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں وہ ابھی تک پڑھ رہے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین خوارزمی رحمہ اللہ نے کفایہ میں ذکر فرمایا کہ صریح حدیث سے یہ تمام حدیثیں منسوخ ہیں۔
”وفی حدیث علی رضی اللہ عنہ الرضاع قلیلہ وکثیرہ سواء یعنی فی ایجاب الحرمة“
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”دودھ قلیل مقدار میں پلائیں یا کثیر حرمت کے ثابت کرنے میں برابر ہے“

دو سال تک دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی:

یعنی جس بچے کو دودھ پلایا گیا اس بچے کی عمر دودھ پیتے وقت دو سال سے زائد نہ ہو، اگر بچے نے دودھ اس وقت پیا جبکہ اس کی عمر دو سال سے زیادہ تھی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اس مسئلہ پر احادیث مبارکہ:

”عن ام مسلمة قالت قال رسول الله ﷺ لا یحرم من الرضاع الا ما فتق الا معاء فی الثدي وکان قبل الفطام“
(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ باب المحرمات)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ جو چیز پستانوں میں ہے (دودھ) انتر یوں کو کھولے۔ اور یہ دودھ چھلوانے کی مدت سے پہلے ہے۔

”قوله“مافتق“ای الذی شق امعاء الصبی کا لطعام ووقع منه الغذاء وذلک انما

(مرقاۃ)

یکون فی اوان الرضاع“

یعنی حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غذا سے انتڑیاں بھری جانے کی وجہ سے کھل جاتی ہیں جو پہلے سکڑی ہوئی ہوتی ہیں، اسی طرح بچے کو دودھ پلانے سے حرمت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ دودھ یہی اثر کرے، یہ اثر اس کا دودھ پلانے کے وقت تک ہوتا ہے جو غذا کا کام کرتا ہے، اس مدت کے بعد دودھ غذا کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

☆ عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی ﷺ دخل علیہا و عندها رجل فکانہ کرہ ذلک

فقال انه اخی فقال انظرون من اخوانکی فانما الرضاعة من المجاعة“

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب المحرمات)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس ایک مرد تھا جسے آپ نے ناپسند فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ میرا (رضاعی) بھائی ہے۔ آپ نے فرمایا تم دیکھو تمہارے کون سے بھائی ہیں، رضاعت تو وہ معتبر ہے جو بھوک کو دور کرے۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ رہی تھیں کہ یہ میرا رضاعی بھائی ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ اس نے

دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد دودھ پیا ہے، لہذا وہ رضاعت (دودھ پینا) معتبر نہیں۔

☆ ”عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحرم من الرضاع الا ما کان فی الحولین“

(اخرجه ابن عدی والدارقطنی والبیہقی، درمنثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رضاع (دودھ پلانے) سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ وہ (بچہ دودھ پینے والا) دو سال کے اندر اندر ہو۔

☆ ”واخرج الطیالسی والبیہقی عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ لا رضاع بعد فصال

(درمنثور)

ولا یتیم بعد الحلم“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد دودھ

پلانا موثر نہیں اور بالغ ہونے کے بعد یتیمیت نہیں۔

☆ ”مالک عن نافع ان عبد الله بن عمر كان يقول لا رضا عة الا لمن ارضع في الصغر ولا رضا عة لكبير“
(موطا امام مالک)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے رضاعت کا حکم ثابت نہیں سوائے اس کے کہ اسے چھوٹی عمر میں (دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے) دودھ پلایا جائے، بڑی عمر میں دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں۔

☆ ”مالک عن ابراهيم بن عقبة انه سأل سعيد بن المسيب عن الرضا عة فقال سعيد كل ما كان في الحولين وان كانت قطرة واحدة فهو يحرم وما كان بعد الحولين فانما هو طعام يا كله قال ابراهيم بن عقبة ثم سألت عروة ابن الزبير فقال مثل ما قال سعيد بن المسيب“
(موطا امام مالک)

ابراہیم بن عقبہ نے سعید بن مسیب سے رضاعت کے متعلق سوال کیا تو سعید نے فرمایا دو سال کے اندر جو دودھ پیا گیا وہ ایسے ہی ہے جیسے طعام کھالیا گیا۔ ابراہیم بن عقبہ کہتے ہیں پھر میں نے عروہ بن زبیر سے سوال کیا تو انہوں نے بھی سعید بن مسیب کی طرح جواب دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا اختیار:

☆ ”عن ابی حذيفة بن عتبة بن ربيعة قال جاءت سهلة بنت سهيل وهي امرأة ابی حذيفة وهي من بنی عامر بن لوی الى رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله كنانری سالما ولدا وکان یدخل علی وانا فضل لیس لنا الا بیت واحد فماذا تری فی شأنه فقال له رسول الله ﷺ فیما بلغنا ارضعیه خمس رضعات فیحرم بلبنها وکانت تراہ ابنا من الرضا عة“
(موطا امام مالک)

حضرت ابو حذیفہ بن عقبہ بن ربیعہ فرماتے ہیں سہلہ بنت سہیل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، یہ ابو حذیفہ کی زوجہ ہیں اور عامر بن لوی کے قبیلہ سے ہیں۔ (حجاب کے حکم نازل ہونے کے

بعد) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سالم کو ہم اپنا بیٹا سمجھتے تھے، وہ مجھ پر داخل ہوتے ہیں اور میں کام کاج کے کپڑوں میں ہوتی ہوں (یعنی جسم کا بعض حصہ بازو وغیرہ ننگے ہوتے ہیں) ہمارا صرف ایک ہی کمرہ ہے، آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو ہمیں تمہارے متعلق پتہ چلا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ تم اسے پانچ مرتبہ دودھ پلا دو تو وہ ان کے دودھ سے ان کے محرم بن گئے اور یہ ان کو اپنا بیٹا سمجھتی تھیں۔

مسلم شریف میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابو حذیفہ کی زوجہ کو حکم دیا کہ تم ابو حذیفہ کے غلام سالم جو تمہارے متبنی (منہ بولا بیٹا) ہیں ان کو دودھ پلا دو۔

”قالت کیف ارضعه وهو رجل كبير فتبسم رسول الله ﷺ قال قد علمت انه رجل كبير“
انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو بڑا مرد ہے میں اسے کیسے دودھ پلاؤں؟ تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا میں جانتا ہوں کہ وہ بڑا مرد ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختار بنایا ہے کہ آپ نے بڑی عمر کے شخص کو دودھ پلانے سے رضاعت کا حکم ثابت کر دیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دودھ دوہ کر پلایا گیا تھا۔

اس حدیث پاک سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ثابت کیا کہ بڑی عمر کے شخص کو دودھ پلانے سے احکام رضاعت ثابت ہو جاتے ہیں، لیکن ان کا اجتہاد درست نہیں۔

”وابی سائر ازواج النبی ﷺ ان یدخل علیہن بتلک الرضاعة احد من الناس وقلن لا والله ما یری الیدی امر به رسول الله ﷺ سہلۃ بنت سہیل الا رخصة من رسول الله ﷺ فی رضاعة سالم وحده“
(موطا امام مالک)

لیکن باقی تمام ازواج مطہرات فرماتی تھیں کہ بڑی عمر کے شخص کو دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی یعنی وہ محرم نہیں بنتا۔ رسول اللہ ﷺ نے سہلۃ بنت سہیل کو خصوصی طور پر سالم کے معاملہ میں رخصت دی تھی۔

خاوند اپنی زوجہ کا دودھ پی لے تو کیا حکم ہے؟

عرب میں بعض اوقات چھوٹے دودھ پیتے بچے کا نکاح کسی بالغہ عورت سے کر دیا جاتا تھا، اگر ایسی صورت ہو کہ زوجہ بالغہ ہو، اس کا دودھ بھی ہو اور خاوند کی عمر دو سال سے زائد نہ ہو، بلکہ وہ دو سال کے اندر ہو، اسے دودھ پلا دیا گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی، نکاح ٹوٹ جائے دونوں ماں بیٹا کی حیثیت میں آجائیں گے۔

لیکن اگر خاوند اور بیوی دونوں بڑے ہیں تو نکاح نہیں ٹوٹے گا، یعنی خاوند خواہ بالغ ہو یا نابالغ، البتہ دو سال سے زائد عمر کا ہو تو زوجہ کا دودھ پی لے تو نکاح نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ دودھ چھڑانے کی مدت کے بعد دودھ پینے کی وجہ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

☆ "مالک بن یحییٰ بن سعید ان رجلا سأل ابا موسى الا شعری فقال انی مصصت عن امرأتی من ثدیها لبنا فذهب فی بطنی فقال ابو موسى الا شعری لا اراها الا قد حرمت علیک، فقال عبد الله بن مسعود انظر ما تفتی به الرجل فقال ابو موسى فما تقول انت فقال وعبد الله بن مسعود لا رضاعة الا ما كان فی الحولین فقال ابو موسى لا تسألونی عن شیء ما کان هذا الخبر بین اظهر کم" (موظا امام مالک)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں کہ بیشک ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کے پستان کو چوسا تو اس کا دودھ میرے پیٹ میں چلا گیا (اب میرے لئے کیا حکم ہے) تو ابو اشعری نے فرمایا میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ عورت تم پر حرام ہو گئی۔ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا دیکھو تم اس شخص کو کیا فتویٰ دے رہے ہو؟ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ان سے پوچھا کہ تمہاری رائے اس کے متعلق کیا ہے؟ تو عبد اللہ بن مسعود نے کہا، رضاعت صرف دو سال کے اندر ثابت ہوتی ہے (یہ رضاعت ثابت نہیں اور نہ ہی اس سے حرمت ثابت ہے) تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک یہ محقق و مدقق عالم تمہارے اندر موجود ہیں، مجھ سے سوال نہ کیا کرو۔

سبحان اللہ! صحابہ کرام کا کیا جذبہ ایمانی تھا کہ کسی حق بات کو تسلیم کر لینا اور اپنی غلطی پر اکڑ کر قائم نہ رہنا ان کا مستحسن طریقہ صرف اسی وجہ سے تھا کہ وہ جذبہ ایمانی سے کام لیتے تھے، نہ کہ اپنی عزت نفس سے۔

دودھ پلانے کی مدت میں زوجہ سے جماع کرنا:

”مالک عن محمد بن عبدالرحمن بن نوفل انه قال اخبرني عروة بن الزبير عن عائشة ام المؤمنين عن جدامة بنت وهب الاسدية انها اخبرتها انها سمعت رسول الله ﷺ يقول لقد هممت ان انهي عن الغيلة حتى ذكرت ان الروم وفارس يصنعون ذلك فلا يضر اولادهم شيئا“
(موطا امام مالک)

”قال مالک الغيلة ان يمس الرجل امرأته وهي ترضع“
جدامہ بنت وهب اسدیہ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، تحقیق میرا ارادہ ہوا کہ میں مدت رضاعت میں جماع کرنے سے منع کر دوں، پھر مجھے یاد آیا کہ روم اور فارس کے لوگ تو ایسا کرتے ہیں تو اہل الذکوۃ نقصان نہیں ہوتا۔

یعنی اگر دودھ پلانے کی مدت میں جماع کرنا بچوں کے لئے نقصان دہ ہوتا تو روم اور فارس کے لوگ مدت رضاعت میں جماع نہ کرتے، کیونکہ ان میں کثیر تعداد میں طبیب موجود ہیں۔ اس لئے میں نے بھی مدت رضاعت میں جماع کرنے سے منع کرنے کا ارادہ کو ترک کر دیا۔

تنبیہ:

”وهذا الحديث مमारواه الشيخان فلا يعارضه ما روى ابو داؤد عن اسماء بنت يزيد في النهي عن الغيلة“

یہی مندرجہ بالا حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے، اس حدیث کے معارض وہ حدیث نہیں ہو سکتی جو ابو داؤد نے اسماء بنت یزید سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے مدت رضاعت میں جماع کرنے سے منع فرمایا۔

ان دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح موجود ہے کہ دودھ پلانے کی مدت کے دوران اگر جماع کرنا بچے کے لئے یا عورت کے لئے نقصان دہ ہو تو جماع کرنا منع ہے اور اگر نقصان دہ نہ ہو تو جائز ہے۔ (حاشیہ موطا امام مالک)

رضاعت کی نسبت مذکر کی طرف:

جس عورت نے بچے کو دودھ پلایا اس کا خاوند بچے کا باپ کا ہوگا، اور رضاعی باپ کا بھائی رضاعی چچا ہوگا۔

☆ "مالک عن ہاشم بن عروہ عن عائشة ام المومنین انہا قالت جاء عمی من الرضاعة یستأذن علی فابیت ان آذن له علی حتی اسأل رسول اللہ ﷺ قالت فجاء رسول اللہ ﷺ قالت فجاء رسول اللہ ﷺ فسألتہ عن ذلک فقال انہ عمک فأذنی له قالت فقلت یرسول اللہ انما ارضعتنی المرأة ولم یرضعتنی الرجل فقال انہ عمک فلیلج علیک قالت عائشة وذلک بعد ما ضرب علینا الحجاب وقالت عائشة یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة" (موطا امام مالک)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرا رضاعی چچا (جس کا نام فلح تھا) آیا، اس نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لوں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے یہ معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا آپ نے فرمایا ہاں درست ہے وہ تمہارا چچا ہے، تم اسے (آنے کی) اجازت دے دو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے، مرد نے تو دودھ نہیں پلایا۔ آپ نے فرمایا بیشک وہ تمہارا چچا ہے وہ تم پر داخل ہو سکتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ واقعہ پردہ کا حکم آنے کے بعد کا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت (نسب) سے حرام ہوتے ہیں۔

"وفی الحدیث دلیل علی ان الفحل یحرم ویثبت الحرمة فی جهة صاحب اللبن کما یثبت فی جانب المرضعة"

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ مذکر کی طرف بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے دودھ عورت کو حاصل ہوا ہے، لہذا دودھ پینے والے بچے، بچی کا وہ شخص باپ بن جاتا ہے جس کی مجامعت کی وجہ سے عورت کو دودھ حاصل ہوا، اور عورت جو دودھ پلانے والی ہے وہ ماں بن جائے گی، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے رضاعی چچا کو نسبی چچا والا حکم دیا، یعنی اس سے پردہ نہ کرایا جائے، کیونکہ دودھ مرد اور عورت دونوں کی طرف منسوب ہے۔ (حاشیہ موطا امام مالک)

اسی مسئلہ پر ایک اور حدیث پاک دیکھئے جس میں واضح طور پر ثابت ہے کہ دودھ کی وجہ سے حرمت مذکر کی طرف بھی منسوب ہے۔

☆ "مالک عن ابن شہاب عن عمرو بن الشرید ان عبد اللہ بن عباس سئل عن رجل كانت له امرأتان فارضعت احدهما غلاما وارضعت الاخرى جارية فقیل له هل یتزوج الغلام الجارية فقال لا اللقاح واحد" (موطا امام مالک)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا گیا ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ان میں سے ایک نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا ہے اور دوسری نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا ہے، کیا اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح جائز ہے؟ آپ نے فرمایا یہ نکاح جائز نہیں کیونکہ ایک ہی مرد کا دودھ ہے۔ اس لحاظ پر لڑکے اور لڑکی کا رضاعی باپ ایک ہے، وہ دونوں رضاعی بہن اور بھائی بن گئے جن کا نکاح جائز نہیں۔ "اللقاح واحد بفتح اللام والقاف ماء الفحل والمعنى ان سبب العلوق واحد"

لقاح کا معنی مذکر کا نطفہ

رضاعت کے مسائل سمجھنے کے لئے ایک ضابطہ:

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند از جانب شیرخوار ز جان و فروع

دودھ پینے والے بچے پر پلانے والی عورت کے وہ تمام رشتے دار حرام ہوں گے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔

اس عورت کا خاوند، اس کے خاوند کا بھائی اور اس عورت کی اولاد، دودھ پینے والے بچے یا بچی پر حرام ہیں۔

دودھ پلانے والی عورت یا اس کے خاوند یا اس کی اولاد پر دودھ پینے والا بچہ یا بچی اور ان کی اولاد اور بچہ تھا تو اس کی زمہ اگر بچی تھی تو اس کا خاوند صرف حرام ہوں گے۔

رضاعی بچے کے بہن، بھائی۔ چچا، ماموں، خالہ پھوپھی حرام نہیں ہوں گے۔

دودھ پلانے والی ماں کا احترام:

”عن ابی الطفیل الغنوی قال كنت جالسا مع النبی ﷺ اذا اقبلت امرأة فبسط یت

ردائه حتی قعدت علیه فلما ذهبت قبل هذه ارضعت النبی ﷺ“

(رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ باب المحرمات)

ابو الطفیل غنوی کہتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب ایک عورت آپ کے پاس

آئی تو نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے چادر بچھائی، یہاں تک کہ وہ اس پر بیٹھ گئی، جب وہ عورت

چلی گئی تو بتایا گیا کہ اس عورت (حلیہ سعدیہ) نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔

”وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف“:

اور جس کا بچہ ہے اس پر لازم ہے عورتوں کا خرچ اور لباس شرع کے مطابق۔

یعنی بچے کی ماں جب تک زوجیت میں ہو اس وقت تک اسے خرچ دینا اور کپڑے دینا اس لئے لازم ہیں کہ

یہ زوجیت کے حقوق میں سے ہے۔ اور عورت کو اگر طلاق دے دی گئی تو دوران عدت بھی خرچ اور کپڑے دینا لازم

ہے، کیونکہ یہ اس کا شرعی حق ہے۔ ہاں اگر اس کی عدت گزر جائے تو وہ اجنبیہ ہو جاتی ہے، اسے خرچ یا کپڑے دینا اس

وقت لازم ہوگا جبکہ اسے بچے کو دودھ پلانے پر مقرر کیا گیا ہو اور طے یہ کیا گیا ہو کہ بطور اجرت اتنا خرچ اور کپڑے

دے جائیں گے، اب وہ اجرت دینا لازم ہوگا، جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ”فاتوهن اجورهن“ تو ان کو ان کا اجر دو۔

(از مظہری)

”المولود له“ کا معنی حاصل کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ لفظوں کو دیکھنا پڑے گا، الف لام مفعول ہے بمعنی الذی کے، اور ”مولود“ اسم مفعول کا صیغہ ہے ”له“ جار اور مجرور ملکر متعلق ہوئے ”مولود“ کے۔
اب معنی واضح ہو گیا ”وہ جس کے لئے بچہ پیدا کیا گیا“ مراد اس سے باپ ہے، البتہ یہ مسئلہ سمجھ آ گیا کہ ”اب“ (باپ) ذکر نہیں کیا بلکہ ”المولود له“ ذکر کیا گیا۔

”ان السبب فيه ان يعلم ان الوالدات انما ولدن الاولاد للآباء ولذلك ينسبون اليهم لا الى الامهات“
(کشاف)

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے مائیں بچے ان کے باپوں کے لئے جنتی ہیں، اسی وجہ سے بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے ماں کی طرف نہیں۔
مامون بن رشید کے لئے یہ شعر پڑھا گیا۔

وانما امهات الناس اوعية مستودعات وللآباء ابناء

بیشک لوگوں کی مائیں خزانہ ہیں۔ اور مقام ودیعت (امانت) ہیں، اور باپوں کے بیٹے ہیں۔

”المولود له“ کہنے سے اور مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ بچہ باپ سے لاحق ہوتا ہے، کیونکہ اس کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے ”الولد للفراش“ جس کا معنی یہ ہے ”اذا ولدت المرأة الولد للرجل وعلى فراشه وجب عليه رعايه مصالحه“ کہ عورت جب بچہ جنے اپنے خاوند کے لئے اور اس کے فراش پر تو اس شخص پر لازم ہے کہ بچے کی رعایت کرے اور اس کی مساحت کا لحاظ کرے۔

حدیث پاک سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ نسب ثابت کرنے کے لئے صرف اتنا ثابت ہونا کافی ہے کہ یہ عورت فلاں کی منکوحہ ہے، لہذا اس عورت سے پیدا ہونے والا بچہ باپ کی طرف منسوب ہوگا۔

مفائدہ:

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا ”یا ابن ام“ (اے میری ماں کے بیٹے) اس میں مفسرین کرام نے بیان کیا۔

ان المراد منه ان الام مسعفه على الولد، فكان الغرض من ذكر الام تذكير الشفقة
بیشک مراد اس سے یہ ہے اور ثابت کرنا یہ مقصود تھا کہ ماں بچے پر شفقت کرنے والی ہے، یعنی
”یا ابن ام“ کہنے کی غرض یہ تھی کہ ماں جب شفقت کرنے والی تو ماں کے بیٹے کو بھی بھائی پر شفقت
کرنی چاہئے۔ (از کبیر)

”لہ“ میں لام تخصیص کے لئے، یعنی جس کا بچہ ہے خاص کر کے۔ لام تخصیص سے یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ بالغ
بیٹی اور معذور بالغ بیٹے کا خرچ خاص کر کے باپ پر ہی لازم ہے ماں پر لازم نہیں، جس طرح چھوٹی اولاد کا خرچ باپ
پر لازم ہے ماں پر نہیں۔ (از مظہری)

”رزقہن و کسوتہن بالمعروف“: ان کا خرچ اور لباس شرع کے مطابق۔

” (رزقہن) ای طعامہن (و کسوتہن) ای لباسہن (بالمعروف) ای علی المیسرة یعنی
بلا اسراف ولا تقتیر“

”رزق“ سے طعام یعنی خرچ اور ”کسوة“ سے مراد لباس ”بالمعروف“ سے مراد جو طاقت
کے مطابق ہو، نہ اس میں کمی کرے اور نہ ہی زیادتی۔ یعنی خاوند پر لازم ہے کہ وہ زوجہ کو خرچ اور
لباس دے جو شریعت کے مطابق ہو۔ (از حازن و مدارک)

فائدہ:

رب تعالیٰ نے پہلے ماں کو حکم دیا کہ وہ بچے کو دودھ پلائے۔ پھر باپ کو حکم دیا کہ وہ بچے کی حفاظت کے لئے
... دیکھنے کے لئے، ایہ کا انتظام کرے، اسی سے یہ واضح ہو گیا کہ بچہ باپ کی نسبت ماں کا زیادہ محتاج ہے، اس لئے
کہ بچہ ماں کا براہ راست محتاج ہے اور باپ کا بالواسطہ، کیونکہ باپ دودھ پلانے والی سے دودھ پلوائے گا اور ماں خود
دودھ پلائے گی۔

”وذلك يدل على ان حق الام اكثر من حق الاب“

یہاں سے ہی ایک اور مسئلہ واضح ہو گیا کہ ماں کا حق اولاد پر نسبت باپ کے زیادہ ہے۔

اس پر احادیث واضح طور پر دلالت کر رہی ہیں۔ تفصیل کے لئے پہلے پارہ ”وما لو الدین احسانا“ کے تحت مذکور بحث نجوم الفرقان کی دیکھئے۔

اور یہ واضح ہوا کہ ماں کو اولاد پر شفقت حاصل ہے، وہ بچے کو شفقت کی وجہ سے دودھ پلاتی ہے، اگر دودھ نہیں پلا رہی تو کوئی عذر ہوگا، لہذا اس پر لازم نہیں کہ وہ دودھ پلائے، ہاں اگر دودھ پلائے تو اجرت نہیں لے سکتی کیونکہ اس کا حق بھی ہے کہ بچے کی رعایت کرے اور اس کی مصلحت کا لحاظ کرے۔ (دار کبیر و تفسیر اب احمد)

”لا تکلف نفس الا وسعها“: نہ تکلیف دی جائے سوائے اس کی طاقت کے۔

تکلیف کا معنی ہے ”الزام“ جیسے کہا جاتا ”کلفہ الامر فتکلف“ اس پر حکم کو لازم کیا تو اس نے لزوم کو قبول کر لیا۔ اصل میں ”الکلف“ کا معنی ہے چہرے پر سیاہ اثرات کا آنا۔ چونکہ کوئی کام جب کسی پر لازم کیا جائے تو وہ اسے شکل سمجھتا ہے اور اس کے چہرے پر شکل کی وجہ سے آثار نمودار ہوتے ہیں، جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس شخص نے اس کام کو مشکل سمجھا ہے۔

”وسعت“ کا معنی طاقت، اور ”وسعت“ کو قدرت کے درجہ میں بھی رکھا جاتا ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے ”الوسع فوق الطاقة“ وسعت طاقت سے زائد درجہ رکھتی ہے۔ (دار کبیر)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

لفظ ”نفس“ بطور لفظ مونث سماعی ہے، لیکن معنوی طور پر یہ مذکر اور مونث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہاں حکم مذکر کو ہے، یعنی بچے کے باپ کو جو ما قبل حکم کی وضاحت کر رہا ہے۔

”والمعنى ان اما الولد لا يكلف في الانفاق عليه و على امه الا قدر ما تتسع به

(حارر)

مقدرته ولا يبلغ اسراف القدرة“

معنی یہ ہے کہ بچے کہ باپ کو خرچ کرنے میں طاقت سے زائد تکلیف نہ دی جائے بلکہ وہ اپنی طاقت کے مطابق بچے اور اس کی ماں پر خرچ کرے، اتنا خرچ بھی نہ ہو کہ حد سے بڑھ جائے اور اتنا خرچ بھی نہ ہو کہ پورا ہی نہ ہو سکے۔

”لا تضار والدہ بولدھا ولا مولودلہ بولدہ:

نہ ضرر دیا جائے ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ (ضرر دیا جائے) باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے۔

طلباء کرام توجہ فرمائیں:

”لا تضار“ میں دو قرأتیں ہیں، ایک راء کے کسرہ سے معروف کا صیغہ اور ایک راء کے فتح سے فعل مجہول کا صیغہ۔ مشہور فعل مجہول ہی ہے، اسی کی مطابق تمام مترجمین کا ترجمہ ہے، فعل معروف کے مطابق ترجمہ اس طرح ہوگا ”نہ ضرر دے ماں اپنے بچے کی وجہ سے، اور نہ ضرر دے باپ اپنے بچے کی وجہ سے“۔

ماں کو ضرر نہ دیا جائے بچے کی وجہ سے:

یعنی ماں بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہو جائے تو اس سے بچہ لے کر کسی اور کو نہ دیا جائے، ورنہ ماں کو ضرر پہنچانا لازم آئے گا اور ماں دودھ پلانے پر راضی نہیں تو ماں پر دودھ پلانے کے لئے جبر نہ کیا جائے کیونکہ اس پر دودھ پلانا واجب نہیں، ہاں اگر بچہ کسی اور عورت کا دودھ قبول ہی نہیں کرتا، یا کوئی اور دایہ ہتی نہیں یا باپ کسی دایہ کو اجرت دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو ماں پر دودھ پلانا واجب ہو جاتا ہے۔

باپ کو ضرر نہ دیا جائے بچے کی وجہ سے:

ماں بچے کو باپ کے سپرد نہ کر دے، کیونکہ چھوٹے بچے کی تربیت جس طرح ماں کر سکتی ہے اس طرح باپ نہیں کر سکتا، اور اسی طرح بچے کی ماں جو حالت نکاح میں ہو اسے طاقت سے زیادہ خرچ دینا بچے کی وجہ سے لازم نہیں۔

اور اگر طلاق دی گئی ہو تو باقی عورتوں سے ماں زیادہ اجرت طلب کرے تو باپ پر لازم نہیں کہ وہ بچہ ماں کے سپرد ہی کرے۔ ورنہ باپ کو ضرر دینا لازم آئے گا۔

تنبیہ:

فعل معروف سے بھی یہی مطالب مراد ہوں گے کہ ماں بچے کی وجہ سے باپ کو ضرر نہ دے کہ اس پر جو واجب نہیں اس کا مطالبہ کرے، اور باپ بچے کی وجہ سے ماں کو ضرر نہ دے کہ جو چیز اس پر واجب نہیں اس کا مطالبہ کرے۔
یہ بھی ممکن ہے کہ صیغہ فعل معروف کا ہی ہو لیکن ”بو لدھا“ اور ”بو لدہ“ میں باء سببیہ نہ ہو بلکہ زائدہ ہو تو اب یہ معنی ہوگا۔ ”ماں بچے کو ضرر نہ دے اور باپ بچے کو ضرر نہ دے۔“

ماں بچے کو دودھ نہ پلائے بچہ مر جائے تو ماں نے بچے کو ضرر پہنچایا، باپ بچے پر اور دودھ پلانے والی پر خرچ نہ کرے تو باپ نے بچے کو ضرر پہنچایا، والدین کو ضرر دینے سے منع کیا گیا۔
(ارحان)

دودھ طبیعتوں کو بدل دیتا ہے:

”الرضاع یغیر الطباع“

اسی وجہ سے ایک مرتبہ شیخ ابن محمد جوینی اپنے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ان کا بیٹا (امام) ابوالمعالی اپنی ماں کے بغیر کسی اور عورت کا دودھ پی رہا ہے، تو آپ نے بچے کو اس سے ہٹایا اور اس کے سر کو الٹا کیا اور اس کے پیٹ کو ملا اور اس کے منہ میں انگلی ڈالی، یہی فعل آپ کرتے رہے تاکہ اس کا دودھ نکل جائے اور ساتھ ساتھ یہ کہہ رہے تھے۔

”یسهل علی موتہ ولا تفسد طباعہ بشرب لبن غیر امہ“

کہ مجھ پر بچے کا مر جانا آسان ہے لیکن بچے کی طبیعت نہ فاسد ہو اپنی ماں کے بغیر (ٹھیا خاندان کی) عورت کا دودھ پینے سے۔

وہی بچہ بڑا ہو کر جب علامہ اور امام بن کیا تو ایک مناظرہ میں اسے مشکل درپیش آئی تو باپ نے کہا یہ اسی دودھ کا اثر ہے جو پیٹ میں کچھ نہ کچھ رہ گیا تھا۔
(روح البیان)

اس لئے ضروری ہے کہ بچے کو اگر کسی دایہ سے دودھ پلانا ہو تو وہ نیک سیرت ہو، اچھے خاندان کی ہو، تاکہ بچے پر اچھے اثرات مرتب ہوں، اسی سے واضح ہوا کہ جیسی ماں ہوگی ایسی اولاد ہوگی ”الا ما شاء اللہ“ کبھی نیک والدین کی اولاد بری اور کبھی برے والدین کی اولاد نیک بھی ہو سکتی ہے۔

”وعلی الوارث مثل ذلک“: اور وارث پر مثل اس کے۔

یعنی بچے کا باپ جب فوت ہو جائے تو اس کے وارث پر لازم ہے اسی کے مثل جو اس کے باپ پر لازم تھا کہ وہ بچے اور دودھ پلانے والی کو خرچ اور لباس دے۔

وارث ہمارے نزدیک ہر ذی رحم محرم ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے۔

”وعلی الوارث ذی الرحم المحرم“ اور وارث ذی رحم محرم پر مثل اسی کے۔

اور یہ ضابطہ بھی دینی مدارس میں پڑھنے والے طلباء کرام سے مخفی نہیں کہ وہ قرأت جو خبر واحد سے ثابت ہو اگرچہ اسے نماز وغیرہ میں تو نہیں پڑھا جاسکتا لیکن حکم ثابت کرنے کے لئے اسے بطور تائید پیش کیا جاسکتا ہے۔
(مدارک)

مقام توجہ:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے ”وعلی الوارث مثل ذلک“ کا ترجمہ کیا ہے۔

”اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے“

آپ کا یہ ترجمہ خازن کی اس عبارت سے لیا گیا ہے۔

”فیلزم وارث الاب ان يقوم مقامه فی القيام بحق الوالد“

باپ کے وارث پر لازم ہے کہ بچے کے حقوق کو پورا کرنے میں وہ اس کے قائم مقام ہو۔

”فان ارادافصلا عن تراض منهما وتشا ورفلا جناح علیها“:

پھر اگر ارادہ کریں دونوں (ماں باپ) دودھ چھڑانے کا آپس میں رضا مندی اور مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر۔

یعنی اگر دو سال سے پہلے ماں باپ بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو آپس میں اتفاق کر لیں تاکہ ان کا نزاع بچے کے لئے نقصان دہ ثابت نہ ہو۔ خصوصاً میاں بیوی کے معمولی نزاع کو خاندان کے لوگ جب زیادہ ہوا دے کر فساد پھیلانے کی تاک میں ہوں تو ضروری ہے کہ آپس میں رضاء مندی سے اور اتفاق سے طے کر لیا جائے کہ دودھ چھڑا لیا جائے اگرچہ دودھ چھڑانے کی مدت ابھی نہیں آئی۔

پھر وہ اہل علم سے مشورہ بھی کر لیں اس معاملہ میں، اگر وہ کہیں کہ دو سال کی مدت سے پہلے دودھ چھڑانے میں بچے کا کوئی نقصان نہیں تو دودھ چھڑالیں، مشورہ کرنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ بہتر رائے سامنے آئے گی۔

جب دو سال سے پہلے دودھ چھڑانے ہیں بچے کو ضرر نہ ہو اور والدین آپس میں رضاء مندی بھی ہوں اور سمجھدار مرد اور عورتوں سے مشورہ بھی کر لیا جائے تو والدین پر کوئی حرج نہیں اور کوئی گناہ نہیں کہ وہ دودھ چھڑائیں۔
(از حازن)

”وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما آیتکم بالمعروف“:

اور اگر ارادہ کرو تم دودھ پلواؤ (دایوں سے) اپنے اولاد کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر جب سپرد کردو ان کے ”وہ چیز جو تم نے ان کو دینی تھی“ بھلائی کے طریقہ سے۔

”استرضع“ منقول ہے ”ارضع“ سے اس لئے یہ بھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے، جیسا ارضع کے دو مفعول ہوتے ہیں۔ لہذا مطلب یہ ہوا۔

”وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم“ اور اگر تم ارادہ کرو کہ دایوں سے تم دودھ پلواؤ۔
(مدارک)

دائیوں سے بچوں کو دودھ پلوانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی ماں بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر دیتی ہے، کبھی ماں کو کوئی عذر لاحق ہوتا ہے جس کی وجہ سے ماں بچے کو دودھ پلا نہیں سکتی اور کبھی اور مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک شہر کی آب و ہوا اچھی نہ ہو اور دوسرے شہر کی آب و ہوا اچھی ہو، اس لئے دوسرے شہر کی عورت سے بچے کی پرورش کرائی جائے، یا دوسرے شہر کی زبان اچھی فصیح ہو اس لئے وہاں بچے کو بھیجا جائے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ دوسری عورتوں سے دودھ پلویا جائے۔ البتہ یہ شرط ہے کہ ان دائیوں سے جو اجرت مقرر کی تھی وہ بھلائی کے طریقہ سے دے دے۔

خیال رہے کہ ”ما آتیتم“ کا معنی ہے ”ما اردتم ایٹا ہ من الاجرة“ جو ارادہ کیا تم نے اجرت دینے کا۔ (مدارک)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے ”جبکہ جو دینا ٹھہرا تھا“ راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے صرف الفاظ مختلف ہیں ”وہ چیز جو تم نے ان کو دینی تھی“

”بالمعروف“ بھلائی کے طریقہ سے ان کے سپرد کردو، بھلائی کے طریقہ سے مراد یہ ہے کہ خوشی اور سرور سے دائیوں کو اجرت دے دو، اجرت میں کمی نہ کرو، اجرت دیتے ہوئے اچھا کلام بھی کرو، اور اجرت دینے میں تاخیر نہ کرو، ٹال مٹول سے کام نہ لو۔ (از مدارک و خازن)

”واتقوا اللہ“: اور اللہ سے ڈرو۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری بیویوں اور اولاد کے جو حقوق مقرر فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے پورا کرو، ان کو پورا کرنے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کرو۔

”واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر“:

اور جان رکھو بیشک اللہ جو تم عمل کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ پر تمہارے کوئی اعمال بھی پوشیدہ نہیں، وہ انہیں دیکھ رہا ہے، اور جانتا ہے خواہ وہ تمہارے اعمال ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔

ان الفاظ مبارکہ میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا، اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ثواب عطا فرمائے گا یہ وعدہ ہے۔ اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کام کیا تو وہ تمہیں عذاب دے گا، یہ وعید ہے۔

(از حازن و روح البیان)

آیہ کریمہ سے حاصل ہونے والے فوائد:

رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”لَا تُضَارُّوْا الدَّهَّاءَ بِوَلَدِهِنَّ“ ماں کو اولاد کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے۔

یعنی ماں (مطلقہ) جب دودھ پلانے پر اتنی مقدار میں اجرت لینے پر رضا مند ہو جائے جتنی مقدار میں دوسری دایہ لیتی ہیں تو اولاد کا باپ وہ بچہ کسی اور دایہ کو دودھ پلانے کے لئے دے کر ماں کو ضرر نہ پہنچائے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ”فَاِنْ اَرْضَعْنَكُمْ فَاتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ“ اگر وہ (مائیں) تمہارے لئے (تمہارے بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دے دو۔

”وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَرِّضُوْا لَهَا اُخْرٰی“ اور اگر تمہیں مشکل درپیش آئے تو دودھ پلانے والی اور (دایہ)

طلب کر لو۔

یعنی ماں کا دودھ پلانے کا حق ختم تو نہیں ہوگا سوائے مشکل درپیش آنے کے۔ مشکل درپیش آنے کا یہ مطلب ہے کہ ماں بنسبت دوسری دایہ کے زیادہ اجرت طلب کرے یا دودھ پلانے سے ہی انکار کر دے۔

اور احتمال یہ بھی ہے کہ جب ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے تو اس سے بچہ چھین نہ لیا جائے بلکہ دایہ طلب کی جائے جو بچے کو ماں کے پاس رکھ کر ہی دودھ پلائے۔

تو آیہ کریمہ سے دو فوائد حاصل ہوئے ایک یہ کہ جب ماں مناسب مقدار میں کپڑے اور رزق بطور اجرت لینے پر رضا مند ہو جائے تو اس سے بچہ لے کر کسی اور کو دودھ پلانے پر مقرر کرنا منع ہے، کیونکہ اس سے ماں کو ضرر پہنچانا لازم آئے گا۔

دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اگر ماں دودھ پلانے سے انکار بھی کر دے تو پھر بھی بچہ اس سے مکمل طور پر دور نہ کیا جائے بلکہ دایہ کو مقرر کر لیا جائے جو بچے کی ماں کے پاس رہ کر پرورش کرے، ورنہ ماں کو ضرر پہنچانا لازم آئے گا۔

طلاق کی صورت میں بچے کی پرورش کا حق کسے دیا جائے:

بچہ جب تک چھوٹا ہو یعنی سات سال تک اس کی پرورش کا حق اس کی ماں کو حاصل رہے گا، اگر چہ وہ دو سال پر دودھ پینے کا محتاج نہیں رہتا لیکن ماں کی پرورش کا وہ اسی طرح محتاج ہے جس طرح وہ دودھ پینے کی مدت میں محتاج تھا۔ ماں چونکہ بہت زیادہ شفقت کرتی ہے وہ اس بچے کی پرورش محبت سے کرے گی، اس لئے جب تک وہ اکیلے کھاپی نہ سکے اور اکیلے وضوء نہ کر سکے اس وقت تک وہ ماں کے زیر پرورش رہے گا۔

بچی کو جب تک حیض نہ آئے یعنی بالغہ نہ ہو اس وقت تک وہ ماں کے پاس رہے، کیونکہ وہ امور خانہ داری اور ایسے معاملات جو عورتوں سے متعلق ہوتے ہیں وہ ماں سے ہی سیکھ سکتی ہے۔ باپ سے نہیں سیکھ سکتی۔ اس لئے بلوغ کی مدت تک ماں کے پاس رہے۔

بچہ جب سات سال کا ہو جائے وہ تعلیم و تربیت کا محتاج ہوتا ہے، تعلیم و تربیت کا خیال جس طرح باپ کر سکتا ہے اس طرح ماں نہیں کر سکتی، اس حال میں ماں کے سپرد کرنا بچے کا نقصان ہے، بچے کو ضرر پہنچانے سے بچانا بھی ضروری ہے۔

سات سال کا استدلال حدیث پاک سے:

☆ "قال النبی ﷺ مروہم بالصلوة بسبع واضربوہم علیہا العشر و فرقوا بینہم فی المضاجع" نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کو مارو۔ (یعنی نماز نہ پڑھنے پر ان کی سرزنش کرو) اور ان کے لینے کے مقام علیحدہ علیحدہ کر دو۔ (یعنی جب دس سال کے بچے ہو جائیں تو بہن بھائی ملکر ایک چار پائی، ایک بستر پر نہ سونیں)۔

اسی سے واضح ہو گیا کہ سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دینا تعلیم و تادیب کے لئے ہے تاکہ ان کو نماز ادا کرنے کی عادت پڑ جائے۔ لہذا بچہ اس عمر میں ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا محتاج ہے۔ لہذا اس عمر میں بچے کو ماں باپ کے حوالے کر دیا جائے۔

لیکن بچی بالغہ ہونے تک تعلیم و تربیت میں ماں کی زیادہ محتاج ہے، اس لئے بلوغ کی مدت تک وہ ماں کے پاس رہے گی، بلوغ کے بعد وہ حفاظت کے محتاج ہے، اس کی حفاظت زیادہ طور پر باپ ہی کر سکتا ہے، اس لئے بچی کو بلوغ کے بعد باپ کے حوالے کر دیا جائے۔

☆ ”روی عن علی کرم اللہ وجہہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما ان علیا اختصم ہو و زید بن حارثہ و جعفر بن ابی طالب فی بنت حمزہ و کانت خالتہا تحت جعفر فقال النبی ﷺ ادفعوها الی خالتہا فان الخالة والدہ“

حضرت علی اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا (ایک کہتا میرا حق ہے، دوسرا کہتا میرا حق ہے اور تیسرا کہتا میرا حق ہے) اس بچی کی خالہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ بچی اس کی خالہ کے حوالے کر دو، کیونکہ خالہ بھی ماں ہی ہے۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ بچے کی پرورش کا حق ماں کو دیا جاتا ہے کیونکہ ماں زیادہ شفقت کرتی ہے، اسی شفقت کی پیش نظر نبی کریم ﷺ سے بنت حمزہ کی ماں نہ ہونے پر اس کی خالہ کو حق دیا کہ خالہ بھی ماں کی طرح ہی شفقت کرتی ہے۔

اسی سے واضح ہوا کہ بچے کی پرورش کا حق ذی رحم محرم کو دیا جائے گا۔ جس میں شفقت زیادہ ہوگی، اسے ہی حق دیا جائے گا۔ نانی کا حق دادی سے مقدم ہوگا۔ خالہ کا حق پھوپھی سے مقدم ہوگا کیونکہ نانی اور خالہ میں نسبت دادی اور پھوپھی زیادہ شفقت پائی جاتی ہے۔

☆ "عن عبد الله بن عمران امرأة جاءت بابن لها الى النبي ﷺ فقالت يا رسول الله حين كان بطني له وعاء وثديي له سقاء وحجري له حواء اراد ابوه ان ينتزعه مني فقالت انت احق به مالم تتزوجي"

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک ایک عورت اپنے بیٹے کو ساتھ لئے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی یا رسول اللہ! میرا پیٹ اس میرے بیٹے کے لئے ایک برتن کی حیثیت رکھتا ہے، اور میرے پستان اس کے لئے پینے کا ذریعہ ہیں، اور میری گود اس کی حفاظت گاہ ہے، لیکن اس کا باپ مجھ سے یہ چھیننا چاہتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ تیرا زیادہ حق ہے جب تک تو اور نکاح نہ کر لے۔

اس سے اور یہ واضح ہو گیا کہ جب عورت دوسری شادی کر لے تو اس کی شفقت پہلے بچے سے کم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات دوسرا خاوند بچے کی تربیت کامل طور پر نہیں کرنے دیتا، ایسی صورت میں بچہ سات سال سے کم بھی ہو تو ماں سے لے کر اس کی نانی وغیرہ کو دے دیا جائے۔ اصل مقصد بچے کی پرورش اچھی طرح کرنی ہے، وہ جس طرح حاصل ہو اس کو شریعت نے مد نظر رکھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچے کو اختیار دیا جائے گا وہ ماں کے پاس رہنا چاہے تو اس کی ماں کو پرورش کا حق دیا جائے اور اگر وہ باپ کے پاس رہنا چاہے تو باپ کو حق دیا جائے۔ وہ اپنے موقف پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

☆ "عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ خیر غلامین ابویہ فقال له اخترا بہما شئت"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو اختیار دیا کہ تو اپنے ماں باپ میں سے جسے چاہے پسند کر لے (اور اسی کے پاس رہے)۔

☆ "وروی عبد الرحمن بن غنم قال شهدت عمر بن الخطاب خیر صبیابین ابویہ"

عبدالرحمن بن غنم فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا کہ آپ نے ایک بچے کو اختیار دیا کہ تو اپنے والدین میں سے چاہے پسند کر لے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا شاندار محاکمہ:

آپ فرماتے ہیں کہ جس بچے کو نبی کریم ﷺ نے اختیار دیا تھا وہ بالغ تھا، کبھی بالغ کو غلام (بچہ) نہ لیا جاتا ہے۔ یعنی اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب بچہ بالغ ہو تو وہ خود مختار ہے، اس لئے اسے اختیار دے دیا جائے گا تو وہ ماں کے پاس رہنا پسند کرے اور چاہے تو باپ کے پاس رہے۔

نابالغ بچے کے لئے وہی قانون ہے جو ذکر کر دیا گیا ہے کہ اسے اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ سات سال کی عمر تک ماں کے زیر پرورش رہے گا اور اس کے بعد باپ کی زیر پرورش۔

اس پر ایک حدیث پاک شاہد ہے کہ اختیار بالغ کو دیا جاتا ہے نابالغ کو اختیار نہیں دیا جاتا۔

☆ ”عن علی انه خیر غلاما وقال لو قد بلغ هذا یعنی اخاله صغیر الخیر ته“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کو اختیار دینے کا ارادہ فرمایا لیکن فرمایا اگر یہ بالغ ہوتا تو میں اسے اختیار دیتا لیکن میرے خیال میں یہ نابالغ ہے۔ (از احکام القرآن للخصاص)

اس حدیث پاک سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب روز روشن کی طرح واضح نکھر کر سامنے آ گیا۔

اسلام کے سنہری اصول لیکن معاشرے کا بگاڑ:

آج جب ہم اپنے معاشرے کو دیکھتے ہیں تو صاحب علم بھی ایک مرتبہ سوچ کی گردش میں آ جاتا ہے کہ ماں نے بچے کو پیٹ میں اٹھانے کی تکالیف برداشت کیں، اور بچے کی پیدائش میں بہت بڑی تکالیف اٹھائی ہیں تو بچے کو سات سال کے بعد ماں سے جدا کر لینا کیا انصاف ہے؟

یہ ساری سوچ کی خرابی اسلام کے سنہری اصولوں اور معاشرہ کے بگاڑ پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اصل

میں یہ جاہلانہ رسم و رواج ہے کہ جب عورت کو طلاق دے دی جاتی ہے تو دونوں خاندانوں کا ایک دوسرے سے تعلق ختم ہو جاتا ہے، حالانکہ صحابہ کرام کے زمانہ میں خاندانوں کا تعلق نہیں ٹوٹتا تھا بلکہ صرف میاں بیوی کا تعلق ازدواجی ٹوٹتا تھا۔

ذرا غور تو کریں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دی لیکن نبی کریم ﷺ کے نکاح کا پیغام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس لے جانے والے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

اسی طرح بچہ ماں کے پاس ہو تو باپ کو نہ ملنے دیا جائے اور باپ کے پاس ہو تو ماں کو نہ ملنے دیا جائے یہ بھی معاشرہ کی خرابی ہے۔

آئیے ذرا معاشرہ کی اس خرابی کو دور کر کے دیکھیں کہ بچہ ماں کے پاس ہو تو باپ کو بھی ملتا رہے اور باپ کے پاس ہو تو ماں کو بھی ملتا رہے۔ پھر سات سال تک ماں پرورش کرے اس کے بعد باپ پرورش کرے، اب اسلام کے اس سنہری ضابطہ کا اندازہ لگائیں کہ بچے کی پرورش کتنے احسن انداز سے ہوگی اور بچے کو ماں اور باپ دونوں کی شفقت بھی حاصل رہے گی۔

مقام افسوس یہ ہے کہ معاشرہ کی خرابیوں کو دور نہیں کیا جاتا اور نہ ہی خرابیوں کو خرابیاں سمجھا جاتا ہے لیکن اپنی جہالت و حماقت سے اعتراض رب تعالیٰ کے عطاء کردہ سنہری اصولوں پر۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ سورج اور چاند کو دیکھ کر کتے کا بھونکنا۔

☆☆☆☆☆

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ
أَشْهُرًا وَعَشْرًا ، فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي
أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ☆ (سورة البقرہ آیت ۲۳۳)

﴿۱﴾

اور تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں
تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے والیو! تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں
جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

﴿۲﴾

اور جو لوگ فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی بیویاں تو وہ (بیویاں)
روک رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن، پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی مقرر مدت کو
(یعنی عدت پوری کر لیں) تو گناہ نہیں تم پر جو وہ (بیویاں) کریں اپنے نفسوں کے
معاملہ میں شرع کے مطابق اور اللہ جو تم کرتے ہو ان پر خبردار ہے۔

ما قبل سے تعلق:

جب پہلے طلاق کی عدت کو ذکر فرمایا پھر مدت رضاعت کو بیان فرمایا تو ساتھ ہی عدت وفات کا ذکر فرمادیا
تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ عدت وفات بھی وہی ہے جو عدت طلاق ہے۔ (فرطبی)

شان نزول:

پہلے اس عورت کی عدت جس کا خاوند فوت ہو جائے ایک سال تھی جس کا ذکر آگے قریب ہی آ رہا ہے اس

آیہ کو نازل فرما کر اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ یعنی اس آیہ کریمہ کو دوسری آیہ کے منسوخ کرنے کے لئے نازل کیا۔

اب حکم یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ البتہ وہ حاملہ نہ ہو، حاملہ عورت کی عدت ہر حال میں وضع حمل (پیدائش) ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد حاملہ عورت کی عدت ختم ہو جاتی ہے خواہ اسے طلاق دی گئی ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔

اس مسئلہ پر کئی احادیث شاہد ہیں کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

☆ "قال ابن مسعود من شاء باهله ان سورة النساء القصوى يعني سورة الطلاق نزلت

بعد سورة النساء الطولى يعني سورة البقرة"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۃ طلاق جسے سورۃ النساء القصویٰ بھی کہا گیا

ہے وہ سورۃ البقرۃ کے بعد نازل ہوئی جسے سورۃ النساء الطولیٰ بھی کہا گیا ہے۔

سورۃ بقرۃ میں مطلقاً ذکر ہے کہ جن عورتوں کے خاوند فوت ہو جائیں ان کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ جس

سے بظاہر پتہ چلتا ہے کہ خواہ عورت حاملہ ہو یا نہ ہو، خاوند کے فوت ہونے پر وہ اپنی عدت چار ماہ دس دن مکمل کرے،

لیکن سورۃ طلاق بعد میں نازل ہوئی جس میں ذکر ہے "وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" حمل

والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں میرے ساتھ اگر کوئی مباہلہ کرنا چاہے تو میں

(مظہری)

مباہلہ کرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔

☆ "عن سبيعة الاسلمی انها كانت تحت سعد بن خولة وهو من بنی عامر بن لؤی و كان

منمن شهد بدرا فتوفی عنها فی حجة الوداع وهی حامل فلم تلث ان وضعت حملها

بعد وفاته فلما تعلت من نفاسها تجملت للخطاب فدخل عليها ابو السنا بل بن يعكك

رجل من بن عبد الدار فقال مالی اراك تجملت للخطاب لعلک ترجین النکاح و

انک والله ما انت بنا کح حتی تمر علیک اربعة اشهر وعشر قالت سبيعة فلما قال لی

ذلک جمعت علی ثیابی حین امسیت و اتیت رسول اللہ ﷺ فسألتہ عن ذلک فافتانی بانی قد حللت حین وضعت حملی وأمرنی بالتزویج ان بدالی“ (بخاری و مسلم حارن) سبیعہ اسلمی سے مروی ہے جو کہ بنی عامر ابن لوی کے ایک شخص سعد بن خولہ کی زوجیت میں تھیں، وہ بدر میں بھی حاضر ہوئے تھے، حجۃ الوداع میں وہ فوت ہو گئے، یہ حاملہ تھیں، زیادہ وقت نہ گذرا کہ ان کے بچے کی پیدائش ہو گئی، جب یہ نفاس سے فارغ ہو گئی تو انہوں نے خطبہ کے لئے زیب و زینت کی، ان کے پاس ابوالسائب آئے جو کہ بنی عبدالدار سے تھے، وہ کہنے لگے میں تمہاری زیب و زینت کو خطبہ کے لئے کیوں دیکھ رہا ہوں، کیا تم نکاح کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی بیشک تم نکاح نہیں کر سکتی جب تک تم پر چار ماہ دس دن نہ گذر جائیں۔ سبیعہ کہتی ہیں انہوں نے جب مجھے یہ کہا تو میں نے شام کے وقت اپنے کپڑوں کو سمیٹا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ سے سوال کیا تو آپ نے مجھے یہ فتویٰ دیا کہ تم بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی حلال ہو چکی ہو (یعنی تمہاری عدت ختم ہو چکی ہے) اور مجھے آپ نے حکم دیا کہ اگر تم نکاح کرنا چاہتی ہو تو نکاح کر لو۔ (حارن)

”عن ابن عباس وروی عن عمر انه قال لو وضعت وزوجها علی السریر حلت“
(رواہ مالک والشافعی وابن ابی شیبہ)

حضرت ابن عباس فرماتے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہم) فرماتے تھے کہ عورت کا جب بچہ پیدا ہو جائے اور اس کا خاوند ابھی تک چار پائی پر ہی ہو تو وہ حلال ہو جاتی ہے۔

یعنی ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کے بعد اس کا بچہ، بچی پیدا ہو جائے تو اس کی عورت کی عدت ختم ہو جاتی ہے خواہ ابھی تک اس شخص کو دفن بھی نہ کیا گیا ہو۔ (مظہری)

”وعلیہ انعقد الاجماع“ اس مسئلہ پر امت کے مجتہدین ارباب علم کا اجماع ہے۔

”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ“ اور وہ لوگ جو تم سے فوت ہو جائیں۔

”اصل التوفی اخذ الشئ وافیاً“ اصل معنی توفی کا کسی چیز کو مکمل طور پر لے لینا۔

”فمن مات فقد استوفى عمره كاملا ويقال توفى فلان يعنى قبض واخذ“
جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو وہ اپنی عمر کو کامل طور پر پالیتا ہے تو اس کے لئے توفی کا لفظ استعمال
کر لیا جاتا ہے۔
(خازن)

طلبائے کرام یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ”توفی“ کا حقیقی معنی مکمل طور پر پالینا، تکمیل کرنا، اور اس کا مجازی
معنی ”فوت ہونا“ ہے۔

طلبائے کرام کو یہ بات ذہن نشین کر لینے کا مشورہ اس لئے دیا ہے کہ تیسرے پارہ میں ”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى
إِنِّى مُتَوَفِّىكَ“ آیہ کریمہ انہیں سمجھا جائے۔

”وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا“ اور وہ چھوڑ جائیں بیویاں۔

”یذرون“ کا معنی ہے ”یترکون“ وہ چھوڑ جائیں۔ اور ”ازواجاً“ سے مراد بیویاں ہیں۔ کیونکہ عرب
حضرات ”زوج“ کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے ہی کرتے رہتے ہیں۔

”يَتَرَبَّصْنَ بَأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا“

وہ روک کر رکھیں اپنے نفسوں کو چار ماہ دس دن۔

”یتربصن“ کا معنی ہے ”ينتظرون“ وہ انتظار کریں۔ یعنی عدت کے ختم ہونے کا انتظار کریں اور اپنے آپ
کو زیب و زینت سے روک کر رکھیں۔
(خازن)

مسئلہ ۴: لونڈیوں کی عدت خاوند کی وفات پر دو ماہ پانچ دن ہے۔ یعنی ان کی عدت سوائے وضع حمل کے بنسبت
آزاد عورتوں کے نصف ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی دو حیض ہوتی ہے، کیونکہ ایک حیض کے نصف کا شرع میں کوئی اعتبار
نہیں۔ اور حیض نہ آنے کی صورت میں آزاد عورتوں کی عدت تین ماہ ہے اور لونڈیوں کی ڈیڑھ ماہ ہے۔

مسئلہ ۵: عدت کا اعتبار چاند کی تاریخوں سے ہوگا جبکہ چاند کی پہلی تاریخ سے ہی عدت شروع ہو۔ اب چار ماہ دس
دن چاند تاریخوں کے لحاظ سے جب مکمل ہوں گے تو عدت ختم ہو جائے گی خواہ مہینہ تیس دن کا تھا یا انتیس دنوں کا تھا۔

اگر عدت کسی مہینے کی پہلی تاریخ کو نہیں شروع ہوئی بلکہ درمیان میں شروع ہوئی تو اس میں بھی ائمہ کرام کا ایک قول تو یہی ہے کہ چاند تاریخوں کے اعتبار سے ہی چار ماہ دس دن مکمل کرے، لیکن ایک قول یہ ہے کہ ایک سو تیس دن مکمل کرے۔

(از احکام القرآن للخصاص)

راقم کے نزدیک احتیاطی طور پر ایک سو تیس دن مکمل کرنے والا قول ہی معتبر ہے۔

عورتوں کا اپنے آپ کو روک کر رکھنے سے کیا مراد ہے؟

روک کر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عدت کے مکمل ہونے تک روک کر رکھیں۔ امر مدت۔۔۔ مکمل ہونے تک اپنے آپ کو گھر سے نکلنے سے روک کر رکھیں۔ دن کو کسی مجبوری پر دوران عدت گھر سے نکلنا جائز ہوگا لیکن رات وہیں گزارنا لازم ہوگا۔ اور وہ اپنے آپ کو زیب و زینت سے روک کر رکھیں۔ مہندی نہ لگائیں۔ خوشبو استعمال نہ کریں۔ سرمہ نہ لگائیں۔ آنکھوں کی تکلیف کی صورت میں رات کو سرمہ لگالیں صبح آنکھوں کو دھو لیں۔ شمشاد رنگ کے کپڑے استعمال نہ کریں۔

☆ "عن سعید بن اسحاق بن كعب بن عجرة قال قال النبی ﷺ للفريضة (تصغير) بنت

مالك بن سنان وكانت متوفى عنها (زوجها) امكشى فى بيتك حتى يبلغ الكتاب

اجله. قالت فاعتددت فيه اربعة اشهر وعشرا"

سعید کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فریضہ بنت مالک بن سنان جن کا خاوند فوت گیا تھا کو فرمایا تو اپنے

آپ کو اپنے گھر میں روک کر رکھ یہاں تک کہ عدت مکمل ہو جائے۔ وہ کہتی ہیں میں نے چار ماہ

دس دن عدت مکمل کی۔ (رواہ مالک، فرطی)

☆ "عن ام سلمة قالت دخل على رسول الله ﷺ حين توفي ابو سلمة وقد جعلت على

صبر ا فقال ما هذا يا ام سلمة فقلت انما هو صبر يا رسول الله ليس فيه طيب فقال انه يشب

الوجه فلا تجعله الا بالليل وتنزعيه بالنهار ولا تمتشطى بالطيب ولا بالحناء فانه خضاب

قلت باى شئ امتشط يا رسول الله قال بالسدر تغفلين به راسك" (اخرجه ابو داود والنسائي)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے جبکہ ان کے خاوند ابو سلمہ فوت ہو چکے تھے، انہوں نے اپنے چہرے پر ایلو (مصر) لگایا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اے ام سلمہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایلو (مصر) ہے۔ اس میں کوئی خوشبو نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ چہرے کو جلاء عطا کرتا ہے یعنی چہرے میں اس سے چمک دمک آ جاتی ہے اس لئے سوائے رات کے یہ استعمال نہ کرو۔ رات کو استعمال کر لو اور دن کو (دھو کر) اتار دیا کرو۔ اور خوشبو لگا کر کنکھی نہ کرو اور مہندی نہ لگاؤ، کیونکہ یہ بھی خضاب ہے۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ میں کیا چیز لگا کر کنکھی کروں تو آپ نے فرمایا بیری کے پتے لگا کر۔ (خازن)

یعنی بیری کے پتوں سے سر کو دھو لو جن سے سر کی میل دور ہو جائے گی، بال نرم ہو جائیں گے، کنکھی کا چلنا آسان ہو جائے گا، خوشبو بھی نہیں ہوگی اور رنگ بھی نہیں ہوگا۔

☆ "عن زینب بن ابی سلمة قالت دخلت علی ام حبیبہ زوج النبی ﷺ حین توفی ابوہا ابوسفیان بن حرب فدعت ام حبیبہ بطیب فیہ صفرة خلوق او غیرہ فدهنت به جاریة ثم مسبت بعارضیہا ثم قالت واللہ مالی بالطیب من حاجة غیرانی سمعت رسول اللہ یقول علی المنبر لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج اربعة اشهر وعشر اقلت زینب ثم دخلت علی زینب بن جحش حین توفی اخوہا فدعت بطیب فمسست منه ثم قالت واللہ مالی بالطیب من حاجة غیرانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول علی المنبر لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج اربعة اشهر وعشر" (بخاری ومسلم)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جب کہ ان کے باپ حضرت ابوسفیان بن حرب فوت ہو چکے تھے۔ حضرت ام حبیبہ نے خوشبو منگائی وہ خوشبو خلوق تھی یا کوئی اور خوشبو تھی، وہ خوشبو آپ کو ایک غلامہ نے تیل کی طرح لگائی پھر آپ نے اپنے رخساروں پر وہ خوشبو لگائی، پھر فرمایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی

مجھے خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی سوائے اس کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کسی عورت کے لئے حلال نہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ کسی میت پر تین دنوں سے زیادہ سوگ منائے (زینت وغیرہ کو ترک کرے) سوائے اپنے خاوند کے کہ اس کے فوت ہونے پر وہ چار ماہ دس دن سوگ منائے۔

زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہے پھر میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہوئی جبکہ ان کا بھائی فوت ہو چکا تھا، انہوں نے خوشبو منگائی اور وہ لگائی، پھر فرمایا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی مجھے خوشبو لگانے کی کوئی حاجت نہ تھی سوائے اس کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دنوں سے زیادہ سوگ منائے سوائے اپنے خاوند کے کہ وہ اپنے خاوند کے کہ وہ اپنے خاوند کا چار ماہ دس دن سوگ منائے۔ (بخاری)

”عن عائشة ان النبی ﷺ قال لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الاعلی زوج اربعة اشهر وعشرا“ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ کسی میت پر تین دنوں سے زیادہ اپنے آپ کو زیب و زینت سے نہ روکے سوائے اپنے خاوند کے کہ وہ اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن اپنے آپ کو روک کر رکھے۔

”عن ام عطیة قالت کنانہی ان نحد علی میت فوق ثلاث الاعلی زوج اربعة اشهر و عشر او لا نکتحل ولا نطیب ولا نلبس ثوبا مصبوغا الا ثوب عصب“ (بخاری و مسلم)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہمیں کسی میت پر تین دنوں سے زیادہ سوگ منانے پر منع فرمایا گیا سوائے اپنے زوج کے، زوج پر چار ماہ دس دن تک سوگ منانے کا حکم دیا گیا کہ ہم سرمہ نہ لگائیں اور خوشبو نہ لگائیں اور زرد رنگ کے شوخ کپڑے نہ پہنیں سوائے اس کے جس کپڑے کا دھاگہ بننے سے پہلے رنگا گیا ہو اور شوخ رنگ نہ ہو (اس کی اجازت تھی)۔ (بخاری)

چار مہینے دس دن عدت میں حکمت:

چار ماہ میں بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

”عن ابن مسعود قال حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق ان خلق احدكم يجمع في بطن امه اربعين يوما نطفة ثم يكون علقه مثل ذلك ثم يكون مضغة مثل ذلك ثم يبعث الله اليه ملكا يكتب رزقه واجله وعمله وشقى او سعيد ثم ينفخ فيه الروح“

(بخاری و مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیان فرمایا کہ بیشک تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی حیثیت میں رہتا ہے، پھر چالیس دن منجمد خون کی صورت میں رہتا ہے، پھر گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں چالیس دن رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس کا رزق اور موت اور عمل اور بد بخت ہونا اور نیک بخت ہونا لکھ دیتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

(خازن)

یہ کل مدت چار ماہ بنی کہ پتہ چل جائے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں اور وہ بھی کامل طور پر بچے کی حرکت پر پتہ چل جائے، اگر حاملہ ہوئی تو عدت وضع حمل ہے ورنہ چار ماہ دس دن عدت گزارے۔

البتہ روح جب چار ماہ میں پھونک دی جاتی ہے تو دس دن زیادہ کیوں رکھے گئے؟ اس کی وجہ یہ ہے دس دن اس پر گزر جانے پر بچے کا ماں کے میں حرکت کرنا یقینی ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از خازن)

تنبیہ شدید: تین دنوں کے بعد کسی شخص کی موت پر زمانہ جاہلیت کی طرح سوگ منانا حرام ہے سوائے زوجہ کے خاوند کی موت پر، جو سوگ حرام ہے وہ یہ کہ خوشبو نہ لگانا، سرمہ نہ لگانا، عید اور جمعہ کے کپڑے نہ پہننا، جب آپ پوچھیں کہ تم نے میلا کچلا لباس کیوں پہنا ہوا ہے، آج تو جمعہ ہے یا عید ہے، وہ کہتا ہے ”سات اسی وامی“ میرے باپ فوت ہو گئے، یا وہ کہتا ہے کہ میری ماں فوت ہو گئی، حالانکہ ان کے فوت ہوئے کئی مہینے بھی گزر چکے ہوتے ہیں، جب اتنی قدر منع ہے تو یقیناً گریبان پھاڑنا، اور رخساروں پر طمانچے مارنا، بلند آواز سے رونا، چلانا، نوحہ (بین) کرنا،

بالوں کا منڈانا، سیاہ لباس پہننا، یہ کام حرام ہوں گے اور سنت یہی ہے کہ ان سے بچنا ضروری ہوگا۔

اسی طرح رافضیوں کا یوم عاشوراء کو ماتم کرنا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر نوحہ کرنا، پیٹنا، غیر شرعی طریقہ سے تعزیتی پروگرام مرتب کرنا جن میں پیٹنا ہی پایا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ صحابہ کرام کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ یعنی تبراء ان کا فروع دین کا حصہ ہے یہ سب کام ناجائز اور حرام ہیں۔

”وهذا عمل اهل الضلال المستوجبين من الله العزى والنكال كأنهم لم يسمعو

ماورد في النهي عن الحداد ومن الله الرشاد“

مذکورہ بالا اعمال گمراہ لوگوں کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسوائی اور عذاب کے مستحق ہیں۔ گویا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی راہنمائی کو نہیں قبول کیا اور جن چیزوں سے رکنے کا حکم تھا ان سے نہ رک کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی عدولی کی۔ (از روح البیان)

”فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ“ پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی مقرر مدت کو۔

”ای انقضت عدتهن“ یعنی ان کی عدت ختم ہو جائے۔ (خازن، اور دیگر تفاسیر)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ ہی تفاسیر کے مطابق ہے ”تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے“ راقم نے لغوی ترجمہ کیا ہے تاہم بریکٹ میں الفاظ بڑھا کر وضاحت کر دی۔

”فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ“

تو تم پر کوئی گناہ نہیں جو وہ کریں اپنے نفسوں کے معاملہ میں شرع کے مطابق۔

”فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ“ میں خطاب کس ہے؟ ”خطاب للاولیاء“ یہ خطاب عورتوں کے ولیوں کو ہے۔ (خازن)

”فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ“ ایہا الائمة والحکام ”یہ خطاب ائمہ اور حکام کو ہے، یعنی اہل ائمہ اور حکام مقررہ پر کوئی گناہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تفسیر خازن کے مطابق ہے ”تو اے والیو تم پر مؤاخذہ نہیں“۔ لیکن اس میں جب ائمہ اور حکام کو خطاب بھی ہے تو راقم نے مطلق ذکر کیا ہے ”تو گناہ نہیں تم پر“ تاکہ تمام احتمالات کو شامل رہے۔

یعنی جب ان کی عدت ختم ہو جائے تو ان کو اپنے نفسوں کے معاملہ میں زیب و زینت سے نہ روکو۔ وہ جب عدت گزار چکی ہیں تو اس گھر سے منتقل ہونے سے نہ روکو جس گھر میں انہوں نے عدت گزاری ہے۔ اور اگر وہ اور کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہیں تو ان کو نکاح کرنے سے نہ روکا جائے۔

”بالمعروف“ کا مطلب ہی یہ ہے۔ ”بالوجه الذی لاینکرہ الشرع“ یعنی وہ اپنے نفسوں کے معاملہ میں جو کام اس طرح کریں کہ وہ شریعت میں منع نہ ہوں بلکہ شریعت کے مطابق ہوں، تو ان کو شرع کے مطابق کام کرنے سے تم منع نہ کرو۔

”وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ“ اور اللہ تمہارے عملوں پر خبردار ہے۔

جب ”خبیر“ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کی حقیقتوں کا بلا شک علم رکھتا ہے اور کوئی چیز اس پر مخفی نہیں، اور خبیر کی نسبت جب بندوں کی طرف ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اجتہاد اور فکر کی وجہ سے علم رکھتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اجتہاد و فکر سے پاک ہے۔

(خازن)

جب اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے تو تم اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کسی قسم کا کوئی عمل نہ کرو۔

(از روح المعانی)

مسئلہ: ایک عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ کسی دوسرے گھر میں تھی تو اسے خاوند کی موت کی خبر ملی، کیا وہ وہاں ہی عدت گزارے یا کہ خاوند کے گھر آجائے؟ اگرچہ اس مسئلہ میں اختلاف تو ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر منتقل ہو جائے۔

یاد رکھنے کے قابل:

”وفی الموطان عمر بن الخطاب کان یرد المتوفی عنہن ازواجہن من البیداء یمنعہن الحج“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقام بیداء سے ہی ان عورتوں کو واپس لوٹا دیتے تھے جن کے خاوند فوت ہو چکے ہوتے، ابھی وہ عدت میں ہوتیں تو ان کو حج کرنے سے منع کر دیا جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رات گھر گزارے۔

”وہو مقتضی القرآن والسنة، فلا يجوز لهما ان تخرج في حج ولا عمرة حتى تنقضي عدتها“
قرآن و سنت کا تقاضا یہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اس لئے عورت کو اپنی عدت کے ختم ہونے تک حج اور عمرہ کرنے کے لئے گھر سے نکلنا جائز نہیں۔

اعتراض:

”عن عروة قال خرجت عائشة باختها ام كلثوم حين قتل زوجها طلحة بن عبيد الله الى مكة في عمرة“

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بہن ام کلثوم کو عمرہ کے لئے اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لے گئیں جب ام کلثوم کے خاوند شہید کر دیئے گئے تھے، ابھی وہ عدت گزار رہی تھیں۔

اس سے تو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورت کے لئے دوران عدت حج اور عمرہ کے لئے جانا جائز سمجھتی تھیں۔

جواب:

”حدثنا الثوري عن عبيد الله بن عمر انه سمع القاسم بن محمد يقول ابى الناس ذلك عليها“
عبيد الله بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس اجتہاد کو صحابہ کرام نے رد کر دیا تھا، گویا کہ اجماع امت سے ناجائز ہونا ثابت ہے۔

(از قرطبی)

کتابیہ عورت اور عدت:

احادیث میں چونکہ ایمان والی عورتوں کا ذکر ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کی وفات کے بغیر کسی اور کی وفات پر اپنے آپ کو تین دنوں سے زائد روک کر نہ رکھیں۔

اس سے ابن کثانہ اور ابن نافع نے یہ استدلال کیا ہے کہ کتابیہ عورت کو زیب وزینت سے رکنا لازم نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ لیکن ابن قاسم رحمہ اللہ کی روایت میں یہ ہے کہ کتابیہ پر بھی عدت گزارنا اسی طرح لازم ہے جیسا کہ مسلمان عورت پر لازم ہے۔ لہذا اسے بھی زیب وزینت وغیرہ سے رکنا لازمی ہوگا۔ لازم

لأنه حکم من احکام العدة فلزمت الکتابیة للمسلم کلزوم المسکن والعدة کیونکہ اپنے آپ کو روک کر رکھنا بھی عدت کے احکام میں سے ایک حکم ہے، اس لئے گھر میں ٹھہرنا اور عدت گزارنا کتابیہ کے لئے بھی اسی طرح لازم ہے جیسا کہ مسلمان عورت کے لئے لازم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ماخوذ از قرطبی)

دینی طلبائے کرام کی توجہ کے لئے:

”اربعة“ اسم عدد مؤنث ہے، کیونکہ اس کی تمیز ”اشهر“ ہے جو مذکر ہے، لیکن ”عشرا“ مذکر ہے اس لئے اس کی تمیز ”لیالی“ ہے جو مؤنث ہے ”ایام“ کا ذکر بالتبع ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)

مسئلہ ۴: نابالغہ لڑکی یا لونڈی کا خاوند فوت ہو جائے تو ان کو زیب وزینت چھوڑنا لازم نہیں کیونکہ زیب وزینت چھوڑنے کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ دوران عدت یہ کسی کو اپنے ساتھ نکاح کی طرف مائل نہ کریں۔ چونکہ نابالغہ لڑکی اور لونڈی کی طرف میلان کم ہی ہوتا ہے اس لئے ان پر یہ حکم لازم نہیں۔

تاہم بعض ائمہ نے یہ حکم مطلق رکھا ہے کہ نابالغہ اور بالغہ کا حکم ایک ہی ہے، اس پر علامہ باجی مالکی رحمہ اللہ کا محاکمہ راقم کو بہتر نظر آیا۔ آپ فرماتے ہیں اگر وہ لڑکی حکم شرع کو سمجھتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ زیب وزینت سے رک جائے، اور اگر بہت چھوٹی ہے، حکم شرع کو نہیں سمجھتی تو اس پر یہ حکم لازم نہیں۔

وہ حضرات جو حکم کو عام رکھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے۔

”روی ان النبی ﷺ سألتہ امرأة عن بنت لها توفي عنها زوجها فاشتكت عينها افنكحلها فقال النبی ﷺ لا. مرتین او ثلاثا“

ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس کی بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا تھا، اس نے آپ سے پوچھا کہ اس کی بیٹی کی آنکھوں میں تکلیف ہے، کیا اسے سرمہ لگا دیا جائے، تو آپ نے فرمایا، ”نہیں“ دو یا تین مرتبہ سوال پر آپ نے جواب یہی دیا کہ سرمہ نہ لگایا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے چونکہ یہ نہیں پوچھا کہ اس کی عمر کیا ہے تو اس سے پتہ چلا کہ یہ حکم عام ہے بالغہ اور نابالغہ دونوں کو شامل ہے، تاہم اس کا جواب امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ عورت نے جو اپنی بیٹی کے متعلق سوال کیا تھا اس کے بالغہ ہونے کا نبی کریم ﷺ کو خود ہی علم تھا اس لئے اس کی عمر کا سوال نہ کیا۔

یہ خیال رہے کہ آنکھوں میں تکلیف ہونے کے باوجود سرمہ لگانے سے منع کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ سرمہ رات کو لگایا جائے، دن کو نہ لگایا جائے، کیونکہ جب رات کو سرمہ لگانے سے مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو دن کو سرمہ لگانے کے متعلق بار بار پوچھنے کا کیا مطلب ہے۔

(قرطبی بنصرف)

تنبیہ:

جب عورتیں عدت پوری کر لیں تو ان کو زینب وزینت سے نہ روکا جائے، گھر سے منتقل ہونے سے نہ روکا جائے اور دوسرا نکاح کرنے سے نہ روکا جائے، یہ حکام عورتوں کے والیوں کو اور حکام اور ائمہ اور اہل علم حضرات کو جب ہے تو اسی سے یہ سمجھ آ گیا کہ اگر دوران عدت اس حکم کے خلاف کریں تو سب حضرات ان کو منع کریں۔ (قرطبی)

☆☆☆☆☆

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ . عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا . وَلَا تَعْزِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ . وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ . وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۳۵)



اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کو یاد کرو گے ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی بات کہو جو شرع میں معروف ہے اور نکاح کی گرہ پکی نہ کر جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو پہنچ لے اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلیم والا ہے۔



اور نہیں گناہ پر اس میں کہ اشارہ سے پیغام نکاح دو ان عورتوں کو، یا چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں، جانتا ہے اللہ کہ بیشک ذکر کرو گے ان کا، لیکن ان سے نہ وعدہ لینا خفیہ طور پر، مگر یہ کہ تم کہو ان سے کوئی بات شریعت کے مطابق، اور نہ پختہ کرو عقد نکاح یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہاء کو، اور جان لو یقیناً اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، تو اس سے ڈرو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بخشنے والا حلیم والا ہے۔

مختصر مطلب:

جن عورتوں کے خاوند فوت ہو جائیں، ان سے نکاح کی بات ظاہر طور پر کرنا منع ہے، اور ان سے نکاح کا پختہ وعدہ لینا بھی منع ہے، ہاں البتہ اشارہ اور کنایہ سے پیغام نکاح پہنچانے میں کوئی حرج نہیں، دل میں ارادہ رکھنا کہ میں اس عورت سے عدت گزرنے پر نکاح کروں، اور اس ارادہ کو چھپا کر رکھنا، اور دل ہی دل میں اس عورت کو یاد کرنے میں کوئی حرج نہیں، اللہ تعالیٰ کے احکام سے عدول کرنے میں ڈرتے رہو، اگر غلطی سے کوئی خطا واقع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا، بردبار ہے۔

تعریض کیا ہے؟

تعریض ضد ہے تصریح کی، یعنی کسی چیز کو ظاہر طور پر بیان کرنا تصریح ہے، اور کسی چیز کو اشارۃً بیان کرنا تعریض ہے۔ یعنی اس طرح کلام کرنا جس میں مقصود اور غیر مقصود دونوں کا احتمال پایا جائے۔ البتہ مقصود کا احتمال زیادہ رائج اور قوی ہو۔

عام طور پر کہا جاتا ہے۔ ”عرض الشئ“ وہ ایک چیز کے ارد گرد گھوما اور ظاہر نہیں ہوا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ محتاج شخص اس شخص کو کہے جس نے اس کی حاجت کو پورا کرنا ہے۔ ”جنتک لا سلم علیک“ بس ویسے ہی میں آپ کو سلام کرنے کے لئے آگیا۔

اسی وجہ سے تعریض کے طور پر اپنی حاجت کو پیش کرنے کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے۔

”وحسبک بالتسلیم منی تقاضیا“ میرا تقاضا حاجت صرف تمہیں سلام پیش کرنا ہی ہے۔

تعریض کو تلوتح بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ تلوتح کا معنی ظاہر کرنا، تو انسان اپنے ارادہ کو جب اشارہ سے ظاہر کرتا ہے تو اس وقت اسے تلوتح بھی کہہ لیا جاتا ہے۔

کنایہ اور تعریض میں فرق:

کنایہ میں لوازمات کا ذکر ہوتا ہے اور مراد ملزومات ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کہا جائے۔

”طویل النجاد“ فلاں شخص طویل حماکل والا ہے، مراد اس سے طویل قد والا ہے، کیونکہ ”طویل النجاد“ مستلزم ہے ”طویل القامة“ کو۔

”کثیر الرماد“ ذکر کر کے مراد نخی لیا جاتا ہے۔ کیونکہ نخی شخص کے گھر مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لئے آگ زیادہ جلتی ہے، آگ زیادہ جلنے سے خاکستر زیادہ ہوتی ہے، تو کثیر الرماد مستلزم ہے سخاوت کو۔ (از کبر)

خطبہ: (بکسر الخاء) نکاح کا پیغام دینا جس میں قول و فعل میں نرمی پائی جائے۔ اور خطبہ (بضم الخاء) ہر وہ کام جس کی ابتداء بھی ہو اور انتہاء بھی۔ جس طرح جمعہ کا خطبہ، عید کا خطبہ، نکاح کا خطبہ وغیرہ۔

خطبہ نکاح (پیغام نکاح) کی تین قسمیں:

۱۔ ان قسموں میں سے پہلی قسم یہ ہے نکاح کا پیغام ظاہر طور پر دینا بھی جائز ہے اور اشارہ سے بھی پیغام دینا جائز ہے۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ کسی عورت کا نکاح نہیں، اور نہ ہی وہ عدت گزار رہی ہو، اس سے جب نکاح کرنا جائز ہے تو پیغام نکاح دینا بھی ہر طرح جائز ہوگا، خواہ ظاہر طور پر ہو یا اشارہ سے ہو۔

البتہ یہ خیال رہے کہ ایک صورت میں منع ہوگا۔ وہ صورت جس کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔

”لَا يَخْطُبُنِ أَحَدُكُمْ عَلَى خُطْبَةِ أَخِيهِ“ تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے۔

لیکن یہ ممانعت اس وقت ہوگی جب ایک عورت کا رشتہ ایک شخص نے طلب کیا ہو تو صراحۃً اسے قبول بھی کر لیا گیا ہو، پھر دوسرا سبز باغ دکھا کر پہلے شخص کے رشتہ کو توڑنا چاہے تو اس صورت میں پیغام نکاح دینا ناجائز ہوگا۔

اور اگر ایک شخص کے پیغام نکاح کو صراحۃً رد کر دیا گیا ہو تو دوسرا شخص پیغام نکاح دے تو جائز ہے۔ اور اگر کسی

شخص کے ”خطبہ“ (پیغام نکاح) کو صراحت نہ رد کیا گیا ہو اور نہ قبول کیا گیا ہو تو اس میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ صراحت رد نہ کرنے سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اسے یہ نکاح پسند ہے اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسے یہ نکاح پسند نہیں۔ اگر بعض اور وجوہ سے اشارہ سے یہ بھی چلتا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ نکاح پسند ہو۔ اس لئے دوسرا شخص پیغام نکاح نہ دے۔ (احتیاط اور تقویٰ اسی صورت میں ہے)

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب صراحت پہلے شخص کے قول کو رد بھی نہیں کیا گیا اور قبول بھی نہیں کیا گیا تو دوسرا شخص پیغام نکاح دے سکتا ہے۔ (جواز اسی قول میں ہے)

﴿۲﴾ خطبہ کی دوسری قسم وہ ہے جو ہر صورت میں ناجائز ہے، صراحت بھی اور اشارہ بھی۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ ایک عورت دوسرے شخص کی منکوحہ ہو، اس صورت میں پیغام نکاح کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے خاوند سے اختلاف شروع کر لے اور حقوق زوجیت کو پانچمال کر دے اور میری طرف میلان کر لے۔ یہ صورت بھی ناجائز، کیونکہ اس میں فتنہ و فساد کو ہوا دینا لازم آئے گا۔

جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو اسے بھی نکاح کا پیغام دینا منع ہے، کیونکہ وہ ابھی تک حکم نکاح میں ہے۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس کا خاوند اس کی طرف رجوع کر لے۔

﴿۳﴾ خطبہ (پیغام نکاح) کی تیسری صورت یہ ہے کہ ظاہر طور پر پیغام دینا ناجائز ہو لیکن اشارہ سے پیغام دینا جائز ہو۔ یہ وہ عورت ہے جو عدت گزار رہی ہو لیکن وہ طلاق رجعی کی عدت نہ ہو۔

اس میں پھر تین صورتیں ہیں۔

ان میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہو، اور وہ عدت وفات میں ہو تو اسے ظاہر طور پر پیغام نکاح دینا جائز نہیں البتہ اشارہ سے نکاح کا پیغام دے دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کو تین طلاقیں دے دی گئیں۔ وہ تین طلاقیں کی عدت گزار رہی ہے تو اسے پیغام نکاح دینا جائز ہے یا نہیں، اس میں اہل علم کا اختلاف تو ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ جب اس سے نکاح کرنا جائز

ہے تو اسے پیغام نکاح دینا بھی جائز ہے، البتہ پیغام نکاح تعریض (اشارہ) کے طور پر ہو، ظاہر نہ ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ایک عورت کا نکاح فسخ کر دیا گیا ہے یا اسے بائن طلاق دے دی گئی تو اس صورت میں اگر اس کا اپنا خاوند ہی اس سے پھر نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ دوران عدت خواہ ظاہر طور پر پیغام نکاح دے یا اشارہ سے اس کے لئے جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں کوئی اور شخص اس عورت کو دوران عدت کسی طرح بھی پیغام نکاح نہیں دے سکتا، کیونکہ اس عورت سے اس کا خاوند دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، اس لئے ابھی انتظار کی جائے ہو سکتا ہے وہ نکاح پر دوبارہ آمادہ ہو جائے تو اسی سے نکاح کرنا بہتر ہے۔

(از کبیر)

تعریض کیسے کرے؟

☆ "وقال ابن عباس التعریض بالخطبة ان يقول انی ارید ان اتزوج امرأة من امرهاو

امرہا يعرض لها بالقول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تعریضاً نکاح کا خطبہ (پیغام) اس طرح دیا جائے کہ اس عورت کے سامنے یہ ذکر کرے کہ میں کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں جس میں اس اس طرح صفات ہوں، ان صفات کا ذکر کرے جو اس میں پائی جاتی ہوں لیکن ظاہر طور پر اس سے نکاح کرنے کی بات نہ کرے، بلکہ اشارہ پر ہی اکتفاء کرے۔

☆ "وقال الحسن هو ان يقول لها انی بک بمعجب وانی فیک لراغب ولا تفوتینا نفسک"

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کو اس طرح کہے بیشک میں تمہیں پسند کرتا ہوں، بیشک میں تم میں رغبت رکھتا ہوں، تم اپنے نفس کے معاملہ میں ہمیں نہ بھلانا یعنی اپنے معاملہ میں ہم سے بھی مشورہ کر لینا۔

☆ "وقال النبی ﷺ لفاطمة بنت قیس وہی فی العدة لاتفوتینا بنفسک ثم خطبها بعد

انقضاء العدة علی اسامة بن زید"

نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کی عدت کے دوران فرمایا تم اپنے نفس کے معاملہ میں ہمیں نہ بھلانا، یعنی ہم سے مشورہ کر لینا۔ پھر جب ان کی عدت ختم ہو گئی تو نبی کریم ﷺ نے اسامہ بن زید سے نکاح کرنے کے لئے ظاہر طور پر پیغام دے دیا۔ اس طرح فاطمہ بنت قیس کا نکاح اسامہ بن زید سے کر دیا گیا۔

☆ "قال عبدالرحمن بن القاسم عن ابيه قال هوان يقول لها وهي في العدة انك لكريمة واني فيك لراغب وان الله سائق اليك خيرا ونحو هذا من القول"

عبدالرحمن بن قاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عورت کو دوران عدت کہے تم کریم عورت ہو، بیشک مجھے تم سے محبت ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھلائی سے نوازا ہے، اس طرح کی باتیں اس سے کرے جن سے نکاح کرنے کا اشارہ ملتا ہو لیکن ظاہر طور پر بات نہ کرے۔

☆ وقال عطاء هوان يقول انك لجميلة واني فيك لراغب وان قضی الله شيا كان عطا کہتے کہ وہ اس طرح کہے بیشک تو خوبصورت ہے اور بیشک میں تم میں رغبت رکھتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کا فیصلہ کر دے تو بہتر ہوگا۔

نتیجہ واضح کہ تعریض کے لئے الفاظ معین نہیں، بلکہ صرف یہ ضروری ہے۔

"فكان التعريض ان يتكلم بكلام يدل على فحواه على رغبته فيها ولا يخطبها بصريح القول"

تعریض یہ ہے کہ اس طرح کلام کرے جس سے مقصد سمجھ آئے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہے لیکن ان الفاظ میں بھی غیر مقصد کا احتمال پایا جائے۔ یعنی بات اشارہ سے ہو ظاہر طور پر نہ ہو۔

(از احکام القرآن للخصاص)

”أَوَا كُنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ“ یا چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں۔

”اکنان“ کا معنی ہے ”اخفاء وستر“ پوشیدہ رکھنا۔ اس میں دو لغتیں ہیں۔ ایک ”کننتہ“ اور دوسری ”اکننتہ“

کبھی دونوں کا معنی چھپانا کیا جاتا ہے، کوئی خاص فرق نہیں کیا جاتا۔ اور کبھی دونوں کے استعمال میں فرق کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے۔ ”کننت الشئ“ میں نے فلاں چیز کو محفوظ کر لیا، آفت سے بچا لیا، اس صورت میں اسے چھپانا ضروری نہیں۔ اسی معنی کے مطابق کہا جاتا ہے۔ ”در مکنون“ موتی سیپ میں محفوظ۔ ”جاریۃ مکنونہ“ لڑکی جو حفاظت میں ہو۔ ”بیض مکنون“ انڈہ لڑھکنے سے محفوظ کر لیا گیا۔

”اکنت“ کا مطلب ہوتا ہے میں چھپا لیا، یعنی ”اکنت“ میں اخفاء اور ستر ضروری ہے۔ یہ ضد ہے ”اعلت اور اظہرت“ کی، جس کا معنی ہوتا ہے ظاہر کرنا۔

الفاظ مبارکہ کا مفہوم:

یعنی عدت وفات میں عورت کو تعریض خطبہ یعنی اشارہ سے پیغام نکاح جس طرح جائز ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں اس طرح دل میں ارادۂ نکاح کو چھپا رکھنا اور اس کا ذکر اشارہ سے بھی نہ کرنا جائز ہے۔

بظاہر یہاں یہ وہم ہوتا ہے کہ جب اشارہ سے نکاح کا پیغام دینا جائز ہے تو دل میں نکاح کے ارادہ کو چھپا کر رکھنے کا جواز خود بخود معلوم ہو جائے گا، تعریض کے جواز کے بعد ”اکنان“ دل میں چھپانے کا ذکر تو ”تحصیل حاصل“ ہے یا ”ایضاح الموضحات“ ہے، جو فصاحت کے منافی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو حکم علیحدہ علیحدہ ذکر ہیں۔ پہلے ذکر کیا گیا کہ وفات کی عدت گزارنے والی عورت کو اشارہ سے پیغام نکاح دینا جائز ہے لیکن فی الحال (ابھی) صراحتہ پیغام نکاح دینا جائز نہیں۔

اس حکم کو ”وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ“ سے بیان کر دیا گیا۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ دل میں ارادۂ نکاح فی الحال جائز ہے جسے تم نے مستقبل میں ظاہر کر دینا ہے۔ اس حکم کو ”اَوَاکَنْتُمْ“ سے ذکر کر دیا گیا۔ مستقبل میں ظاہر کرنے کا ذکر آنے والے الفاظ مبارکہ میں کر دیا گیا۔

”عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ سَتَدُّکُرُوْنَهُنَّ وَلٰکِنْ لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا“

اللہ جانتا ہے کہ بیشک ذکر کرو گے تم ان کا لیکن ان سے نہ وعدہ لینا خفیہ طور پر۔

جب انسان کو نکاح کے معاملہ میں شہوت نفس حاصل ہے تو شہوت رکھنے والا شخص عزم اور تمنا بھی یقیناً رکھے گا، اللہ تعالیٰ نے جب ان کو اس مشکل کام کا حکم دیا کہ ان کو صراحتاً ابھی پیغام نکاح نہ دو۔ تو پھر آسانی پیدا کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ دل میں ارادہ نکاح کو چھپا کر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم نے انہیں یاد دہانا ہے، تو ان کو یاد کرو، لیکن ان سے خفیہ وعدہ نہ کرلو۔

”الَا اَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا“ مگر یہ کہ تم کہو کوئی بات شریعت کے مطابق۔

ابھی تک بیان کردہ بحث سے یہ حاصل ہوا کہ جو عورت اپنے خاوند کے فوت ہونے پر عدت گزار رہی ہو اسے اشارہ سے پیغام نکاح دینا جائز ہے، ظاہر طور پر پیغام نکاح دینا جائز نہیں۔ اور دل میں ارادہ نکاح بھی جائز ہے، لیکن ظاہر طور پر اسے ذکر نہ کرے، البتہ اشارہ سے ذکر کرنا بھی جائز ہے، اور عورتوں سے اکیلے اکیلے مخفی طور پر دوران عدت نکاح کا وعدہ لینا بھی ناجائز ہے۔ ہاں البتہ شریعت کے مطابق تعریض کے طور پر ان سے نکاح کا ذکر کرنا بھی جائز ہے۔

”وَلَا تَعْزَمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ“

اور نہ پختہ کرو عقد نکاح یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہاء کو۔

یعنی عدت کے ختم ہونے تک ان سے نکاح کرنا حرام ہے، اس لئے عدت کے ختم ہونے کی انتظار کی جائے۔ ”عقدہ“ کا معنی ہے گرہ، جس طرح گرہ لگا کر رسی کو مضبوط کر لیا جاتا ہے، اسی طرح نکاح کا بندہ بن بھی مضبوط ہوتا ہے، لہذا اسے عقد سے تعبیر کر لیا جاتا ہے۔

”الکتاب“ بمعنی المکتوب ہے، یعنی لکھی ہوئی چیز اپنی انتہاء کو پہنچ جائے، مراد اس سے عدت ہے۔ اور ”الکتاب“ بمعنی فرض بھی آتا ہے۔ اب اس معنی کے لحاظ پر مطلب یہ ہوگا، یہاں تک کہ فرض اپنے انتہاء کو پہنچ جائے۔ مراد اس سے بھی عدت ہی ہے۔

”وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ“

اور جان لو یقیناً اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے تو ڈرو اس سے۔

ان الفاظ گرامی سے متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر اور چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے، لہذا جب بھی تم کوئی کام کرو تو اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھو تا کہ تمہارا کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو۔
(کبیر)

”وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ“

اور جان لو بیشک اللہ بخشنے والا، حلم والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو معصیت پر جلدی سزا نہیں دیتا بلکہ اس کے گناہوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ (خازن)
پہلے وعید فرمائی فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قہر و غضب سے ڈرو، اللہ تعالیٰ کے حکم سے عدولی نہ کرو، اور اب وعدہ کا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے اگر تم سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو تو وہ اپنی رحمت کاملہ سے تمہیں بخش دے گا، اور وہ حلم والا ہے، جلدی کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

☆☆☆☆☆

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ
فَرِيضَةً وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا
بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۳۶)

﴿ ۱ ﴾

تم پر کچھ مطالبہ نہیں تم عورتوں کو طلاق دو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا کوئی
مہر مقرر کر لیا ہو اور ان کو کچھ برتنے کو دو۔ مقدور والے پر اس کے لائق اور تنگ دست
پر اس کے لائق حسب دستور کچھ برتنے کی چیز یہ واجب ہے بھلائی والوں پر۔

﴿ ۲ ﴾

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم طلاق دو عورتوں کو جب تک تم نے ان کو مس نہیں کیا اور
نہیں مقرر کیا ان کا مہر اور ان کو نفع پہنچاؤ (وہ نفع پہنچانا) غنی پر اس کی طاقت کے
مطابق اور تنگ دست پر اس کی طاقت کے مطابق نفع پہنچانا شرع کے مطابق
واجب ہے احسان کرنے والوں پر۔

مختصر مطلب: جن عورتوں کا نکاح کے وقت کسی طرح مہر مقرر کرنا رہ گیا تھا، ان کو جماع اور خلوت صحیحہ
سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، البتہ ان کو نفع پہنچانا یعنی تین کپڑوں پر مشتمل (قمیص، سلوار،
دوپٹہ) ایک جوڑا دے، یہ کپڑوں کا جوڑا دینا واجب ہے۔

شان نزول:

ایک وجہ: شان نزول کی یہ بیان کی گئی کہ جب نبی کریم ﷺ نے صرف ذوق اور قضا، شہوت کے لئے نکاح کرنے

سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ نکاح کرنے کا مقصد اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا ہو، اور ہمیشہ کی صحبت کا ارادہ ہو، اور نیک اولاد کی طلب ہو، تو صحابہ کرام کے دلوں میں یہ خیال واقع ہوا کہ اگر کسی شخص نے جماع اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی تو وہ گنہگار ہوگا، تو اس آیت کریمہ کو نازل فرما کر یہ واضح کیا کہ اصل مقصد نکاح میں نیک ارادہ ہو، کسی وجہ سے جماع سے پہلے طلاق دے دی گئی تو اس میں کوئی خاص گناہ اس وجہ سے لازم نہیں کہ اس نے جماع سے پہلے طلاق دی ہے۔ البتہ مطلقاً طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ (قرطبی، روح المعانی)

دوسری وجہ: انصار میں سے ایک شخص نے بنی حنیفہ کی ایک عورت سے شادی کی، لیکن جماع سے پہلے ہی طلاق دے دی اور مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا تو اس کے سوال پر کہ میں اب کیا کروں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، تو نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو فرمایا۔ ”امتعھا ولو بقلنسو تک“ تم اسے نفع پہنچاؤ خواہ اپنی ٹوپی دے کر ہی۔

حدیث شریف میں ٹوپی دینے کا ذکر عام محاورہ کے مطابق ہے۔ مراد خاص ٹوپی نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم اپنی زوجہ کو اپنی طاقت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا دے کر نفع پہنچاؤ، خواہ اس کی قیمت تمہاری ٹوپی کی طرح کم ہی کیوں نہ ہو۔ (خازن)

دونوں وجہ کا اجتماع ممکن ہے:

شان نزول کے دونوں وجہ کا اجتماع ممکن ہے، کیونکہ نکاح کے متعلق نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے بعد مومنین کے دلوں میں بھی واقع ہوا کہ شاید جماع سے پہلے طلاق دینا خاص گناہ ہو، اور ایک صحابی کا واقع بھی درپیش آیا تو اس کے بعد آیت کریمہ نازل ہوئی، لہذا دونوں وجہ ہی شان نزول ہیں۔

اعتراض: جب جماع کے بعد بھی طلاق دینا علیحدہ کسی خاص گناہ پر مشتمل نہیں تو طلاق سے پہلے گناہ کی نفی کا کیا مطلب ہے؟ عام گناہ تو ہر طرح طلاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان ابغض الحلال الی اللہ الطلاق“ بیشک حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کو طلاق ناپسند ہے۔

جواب: سوال ہی جماع سے پہلے طلاق کے متعلق تھا، کیونکہ زیادہ وہم اسی میں ہوا تھا کہ یہ نکاح تو نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہو گیا، تو صحابہ کرام کے خصوصی سوال کا جواب بھی اسی خاص قسم کے مطابق ہی دیا گیا۔

مسئلہ کی تفصیل:

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”ومتعوھن“ سے فقہائے کرام نے لفظ ”متعہ“ اخذ کیا ہے کہ جس عورت کو طلاق دے دی جائے اسے متعہ بھی دیا جائے۔

متعہ کیا ہے؟ متعہ تین کپڑوں پر مشتمل ایک جوڑا ہے۔

البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ ایک غلام دینا اعلیٰ قسم کا متعہ ہے، اور تین کپڑوں پر مشتمل ایک جوڑا درمیانی قسم کا متعہ ہے، اور اس سے کم صرف چادر یا دوپٹہ وغیرہ دینا گھٹیا قسم کا متعہ ہے۔ (حارون)

تاہم زیادہ طور پر اہل علم کا اتفاق ہی نظر آتا ہے کہ متعہ تین کپڑوں پر مشتمل ایک جوڑا ہی ہے۔

مسئلہ کی چار صورتیں:

﴿۱﴾ عورت کا مہر مقرر نہیں کیا گیا اور جماع اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق بھی دے دی گئی تو اسے متعہ دینا واجب ہے۔ اس کا اور کوئی مہر نہیں۔ مسئلہ کی اس صورت کو اس آیت کریمہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ مہر مقرر کیا گیا تھا اور طلاق جماع یا خلوت صحیحہ سے پہلے دی گئی تو نصف مہر دینا لازم ہے اور ساتھ ہی متعہ دینا مستحب ہے۔ اس مسئلہ کا ذکر آنے والی آیت کریمہ ”وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً“ میں ہے۔

﴿۳﴾ عورت کا مہر مقرر کیا گیا تھا اور طلاق جماع یا خلوت صحیحہ کے بعد دی تو ایسی صورت میں مکمل مہر دینا ہوگا، اور متعہ دینا مستحب ہے۔

اس مسئلہ کا ذکر پہلے ”وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا اتَّيْمُوهُنَّ شَيْئًا“ کے ضمن میں گذر چکا ہے۔

۱۴۰۔ مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا لیکن طلاق جماع یا خلوت صحیحہ کے بعد دی گئی تو اسے مہر مثل دیا جائے گا اور متعہ دینا مستحب ہے۔

تنبیہ: اگر مہر مقرر کیا گیا تھا اور طلاق جماع یا خلوت صحیحہ سے پہلے دے دی گئی تو نصف مہر دینا لازم ہے۔ لیکن اس صورت کے متعلق فقہی کتب میں متعہ نہ دینے کا جو ذکر ہے وہ نفی وجوب ہے کہ متعہ بطور وجوب دینا لازم نہیں، استحباب کی نفی نہیں۔

دینی مدارس کے طلبائے کرام توجہ فرمائیں:

راقم نے اپنے ترجمہ میں ”لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ“ کا ترجمہ کیا ہے ”تم پر گناہ نہیں“ اور ”أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ“ کا ترجمہ کیا ہے ”اور نہیں مقرر کیا ان کا مہر“

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ نے ”لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ“ کا ترجمہ فرمایا ہے ”تم پر کچھ مطالبہ نہیں“ اور ”أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً“ کا ترجمہ کیا ہے ”یا کوئی مہر مقرر کر لیا ہو“۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تاج کمپنی اور ضیاء پبلیکیشنز کے مطبوعہ نسخوں سے نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ نے تفسیر نعیمی میں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ نقل کیا ہے ”یا کوئی مہر مقرر نہ کر لیا ہو“ لیکن یہ سہو کتابت ہے۔ آپ کا ترجمہ مثبت ہے منفی نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں مودودی صاحب کا ترجمہ بھی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کے مطابق ہے۔

اصل میں مفسرین کرام نے یہاں دو طرح کی تفاسیر بیان فرمائی ہیں۔

ایک قسم کے مطابق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے اور دوسری قسم کے مطابق راقم کا ترجمہ ہے۔

راقم نے دوسری قسم کی تفسیر کے مطابق اس لئے ترجمہ کیا ہے تاکہ دونوں قول طلبائے کرام ذہن نشین کر لیں۔ ابھی تک قرطبی اور خازن سے جو بحث ذکر کی گئی ہے اس سے راقم کے ترجمہ کو تائید حاصل ہے۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ

راقم کے ترجمہ میں ”او“ کا ترجمہ ”اور“ کیا گیا ہے۔

”قال الله عز وجل (لا جناح عليكم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة)

تقديره ما لم تمسوهن ولم تفرضوا لهن“

یعنی آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ”تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو جب تک ان کو مس نہ کرو اور مہر مقرر نہ کرو۔

”وقد تكون او بمعنى الواو قال الله تعالى ”ولا تطع منهم اثما او كفورا“ معناه ولا كفورا.

وقال الله تعالى ”وان كنتم مرضى او على سفر او جاء احد منكم من الغائط“ والمعنى و

جاء احد منكم من الغائط وانتم مرضى ومسافرون. وقال الله تعالى ”وارسلناه الى مائة

الف او يزيدون“ معناه ويزيدون. وهذا موجود في اللغة وهي في النفي اظهر في دخولها

(احكام القرآن للحصاص)

عليه انها بمعنى الواو“

”او“ کبھی بمعنی ”واو“ کے آتا ہے۔ مذکورہ بالا تینوں آیتوں میں یعنی ”او کفورا“ میں اور ”او جاء

احد منكم“ میں، اور ”او يزيدون“ میں، ”او“ بمعنی ”واو“ استعمال ہے۔ ”او“ کا ”واو“ کے معنی

میں استعمال لغت میں موجود ہے۔ بلکہ نفی کے مقام میں اس معنی میں استعمال اور زیادہ واضح ہے۔

جلالین میں بھی ”تفرضوا“ سے پہلے ”لم“ ذکر کیا گیا ہے۔

”(او) لم (تفرضوا لهن فريضة)“

اس کی وضاحت کمالین میں یوں کی گئی ہے۔

”قوله او، لم يشير بتقدير لم الى انه مجزوم للعطف على تمسوهن“

مفسر رحمہ اللہ نے ”تفرضوا لهن“ سے پہلے ”لم“ مقدّر کو ظاہر کر کے اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف ”تمسوهن“

مجزوم پر ہے۔ جس طرح ”تمسوهن“ سے پہلے ”لم“ ہے، اسی طرح ”تفرضوا لهن“ سے پہلے بھی ”لم“ ہوگا، کیونکہ

ضابطہ یہی ہے کہ جو عبارت معطوف علیہ سے پہلے ہوتی ہے وہ معطوف سے پہلے بھی ہوتی ہے۔ (حاشیہ جلالین)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ اور روح المعانی:

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تفسیر روح المعانی کے مطابق ہے۔ آئیے روح المعانی کو دیکھئے۔

”(لا جناح علیکم) لاتبعہ من مہر وہو الظاہر“

یعنی ”لا جناح“ کا ترجمہ جو زیادہ ظاہر ہے وہ یہ ہے تم پر مہر کا پیچھا کرنا یعنی مہر کا مطالبہ کرنا نہیں۔

”(او تفرضو الھن) ای حتی تفرضو الھن، او الا ان تفرضو الھن“

یہاں تک کہ تم ان کا مہر مقرر کرو۔ یا یہ ترجمہ ہے۔ مگر یہ کہ تم ان کا مہر مقرر کرو۔

یعنی اس مقام پر ”او“ بمعنی ”الی ان“ یا ”الا ان“ کے استعمال ہوا ہے۔

علیحدہ علیحدہ الفاظ کی تفسیر کرنے کے بعد مکمل مسئلہ روح المعانی میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

”والمعنی انه لاتبعہ علی المطلق بمطالبة المہر اصلاً اذا كان الطلاق قبل المسیس علی

کل حال الا فی حال الفرض فان علیہ حیث انصف المسمی کما سیصرح بہ، وفی حال

عدم تسمیہ علیہ المتعہ لانصف مہر المثل، واما اذا كان بعد المساس فعلیہ فی صورة

التسمیہ تمام المسمی، وفی صورة عدمہا تمام مہر المثل“

معنی یہ ہے کہ طلاق دینے والے کا مہر کے مطالبہ سے بالکل پیچھا نہ کیا جائے جبکہ طلاق اس نے

مس کرنے سے پہلے دی ہو، یہ مطالبہ کسی حال میں بھی نہ کیا جائے سوائے مہر کے مقرر کرنے

کے، مس سے پہلے طلاق دی گئی ہو اور مہر مقرر کیا گیا تھا تو نصف مہر دیا جائے گا جس کا صراحتاً

عنقریب ذکر آ رہا ہے۔ مس سے پہلے طلاق ہو اور مہر مقرر نہیں کیا گیا تو متعہ دینا لازم ہے، کیونکہ

مہر مثل کو نصف نہیں کیا جاتا۔ اگر طلاق مس کے بعد دی گئی اور مہر مقرر کیا گیا تھا تو مکمل مہر دینا لازم

ہوگا اور اگر مہر مقرر نہیں کیا گیا اور طلاق مس کرنے کے بعد دی گئی تو مہر مثل دینا لازم ہوگا۔

ابھی تک روح المعانی سے بیان کردہ بحث کو دیکھ کر یہ سمجھنا مشکل نہ رہا کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ اسی کے

مطابق ہے۔ تاہم یہ بھی خیال رہے کہ روح المعانی میں دوسرا معنی بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ”لا جناح“ کے متعلق فرماتے

ہیں۔ ”قیل من الوزر“ بعض حضرات نے بیان کیا ہے ”تم پر کوئی گناہ نہیں“۔
اور ”او تفرضوا الھن“ کے متعلق بیان فرماتے ہیں۔

”ومن الناس من جعل كلمة ”او“ عاطفة لمدخولها على ما قبلها من الفعل المجزوم.
بعض حضرات ”او تفرضوا الھن“ کا عطف مجزوم ”تمسوهن“ پر کیا ہے، اس صورت میں ”لم“
ساتھ ملے گا، معنی یہ ہوگا ”کہ تم نے مہر مقرر نہ کیا ہو“۔

اعتراض: روح المعانی نے پہلے معنی کے بعد خود ہی اعتراض کیا ہے کہ ”او“ بمعنی ”الی ان“ کے آنے کے
لئے غایہ پائی جاتی ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ”للازمنک او تعطينی حقی“ میں تمہیں ضرور بر ضرور لازم پکڑوں
گا یہاں تک کہ تو میرا حق ادا کر دے۔ یعنی میرے لازم پکڑنے کی انتہاء تمہارا عطاء کرنا ہے۔

اس قانون کے لحاظ پر مہر مقرر کرنا غایت بنے گا ”عدم مساس“ (نہ چھونے کا) نہ کہ عدم جناح (گناہ نہ
ہونے کا) یہ معنی مقصود نہیں۔

جواب: یہاں فعل مقید معتبر ہے، معنی یہ ہے۔ ”انتم مالم تمسوهن بغیر جناح وتبعة الا اذا فرضت
الفريضة“ تم نہ مس کرو جب تک بغیر گناہ کے اور بغیر مطالبہ مہر کے مگر جبکہ مہر تم نے مقرر کیا ہو۔ (یہی معنی مقصود ہے)
اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ روح البیان، جواہر طنطاوی کی تفسیر کے بھی مطابق ہے، اور قرطبی کی ایک تفسیر کے
بھی مطابق ہے اور تفسیر ابی السعود کی دو تفسیروں میں سے ایک کے مطابق ہے۔

”وَمَتَّعُوْهُنَّ“ اور ان کو نفع پہنچاؤ۔

یعنی جب تم نے مہر مقرر نہیں کیا اور طلاق جماع یا خلوت صحیحہ سے پہلے دے دی تو تم پر واجب ہے کہ ان کو نفع
پہنچاؤ یعنی ان کو متعدد دو جو تین کپڑوں پر مشتمل جوڑا ہے۔

متعد دینے میں حکمت:

متعہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ مرد نے عورت کو طلاق دے کر اسے وحشت میں مبتلا کر دیا ہے، جب اسے متعہ دیا جائے گا تو اس کی دلجوئی ہوگی، کچھ نہ کچھ اس کی تسلی ہوگی۔

سبحان اللہ! کیسا خوب معاشرہ تھا کہ بلا وجہ طلاق نہیں دی جاتی تھی، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے طلاق دے دی جاتی تو پھر بھی اسلامی تعلق برقرار رکھا جاتا تھا، دونوں خاندان ایک دوسرے کے دشمن نہیں بن جاتے تھے، بلکہ ایک دوسرے سے اخوت اسلامیہ برقرار رہتی۔

خلوت صحیحہ کیا ہے؟

خلوت صحیحہ یہ ہے کہ مرد اور عورت علیحدہ ملکر بیٹھیں جہاں وطی کرنے سے کوئی مانع حسی اور مانع طبعی اور مانع شرعی نہ پائے جائیں۔

اگر دونوں میں سے کوئی ایک مریض ہو تو خلوت صحیحہ نہیں پائی گئی، کیونکہ مانع طبعی پایا گیا ہے، اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک روزہ دار ہو، روزہ بھی رمضان کا ہو، یا کسی ایک نے حج کا احرام باندھا ہوا ہے، خواہ حج فرضی ہو یا نفلی، یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہے، یا عورت حیض میں مبتلا ہو تو ان صورتوں میں بھی خلوت صحیحہ نہیں پائی جاسکتی۔ کیونکہ یہاں مانع شرعی پایا گیا ہے۔

اور اگر دونوں کے پاس کوئی شخص ہو، خواہ بچہ ہی اتنی عمر کا ہو جس کے سامنے وطی کرنے میں انسان کو حیا آتی ہو تو خلوت صحیحہ نہیں۔ کیونکہ مانع حسی پایا گیا ہے۔

خلوت صحیحہ میں اگرچہ جماع تو نہیں پایا جاتا لیکن احکام جماع والے جاری ہو جاتے ہیں۔

”عَلَى الْمَوْسِعِ قَدْرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ“

غنی پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی طاقت کے مطابق۔ یعنی خاوند پر متعہ دینا واجب ہے لیکن وہ کپڑوں کا جوڑا خاوند کی حیثیت کے مطابق ہو۔

اگر خاوند غنی ہو تو وہ اپنی طاقت کے مطابق وہ اچھے قیمتی کپڑے لے کر دے اور اگر تنگ دست ہو تو وہ اپنی طاقت کے مطابق کپڑے لے کر دے۔

”موسع“ وسعت رکھنے والا۔ یعنی مالی وسعت رکھتا ہو۔ ”مقتدر“ تنگی رکھنے والا۔ یعنی تنگ دست۔

قتريقتدر۔ کم کرنا، گھٹانا۔ ”قدره على قدر الامكان والطاقة“ یعنی جہاں تک ممکن ہو اور طاقت ہو۔

”مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ“ نفع پہنچانا شرع کے مطابق۔

یعنی متعہ دینے میں شریعت کا پاس کیا جائے، نہ عورت پر ظلم ہو کہ خاوند اپنی حیثیت سے گھٹیا متعہ دے۔ اور نہ خاوند پر ظلم ہو کہ خاوند سے اس کی حیثیت سے بڑھ کر متعہ کا مطالبہ کیا جائے۔

”حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ“ واجب ہے احسان کرنے والوں پر۔

اس پر بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ متعہ دینا جب واجب ہے تو احسان کرنے والوں کے ذکر کا کیا مطلب ہے، کوئی احسان کرنے والا ہو یا نہ ہو، ہر حال میں واجب ہوگا۔

تو اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ محسنین بمعنی مؤمنین ہے۔ یعنی متعہ دینا مومنوں پر واجب ہے، کیونکہ احکام شرع مومنوں پر ہی واجب ہیں نہ کہ کافروں پر۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ محسنین کا معنی احسان کرنے والا ہی ہو، لیکن مطلب یہ ہوگا کہ احکام شرع پر عمل کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو احسان و بھلائی کرنے والے ہیں۔ (ماخوذ از خازن و مدارک)

فائدہ جلیلہ: ایک عورت سے نکاح کیا گیا لیکن مہر مقرر نہیں کیا اور وہ جماع اور خلوت صحیحہ سے پہلے فوت ہو گئی تو اسے مہر مثل دیا جائے گا، اور اس پر وفات کی عدت گزارنا لازم ہوگا، اور وہ وراثت کی حقدار ہوگی، اس مسئلہ پر حدیث پاک شاہد ہے۔

☆ ”عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة لم يفرض لها ولم يدخل بها حتى مات، فقال

ابن مسعود لها مثل صداق نسائها لا وكس ولا شطط، وعليها العدة ولها الميراث، فقام معقل بن

سنان الاشجعی فقال قضی رسول اللہ ﷺ فی بروع بن واشق امرأة منامثل الذی قضیت ففرح

بہا بن مسعود۔ قال الترمذی حدیث ابن مسعود حدیث حسن صحیح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر نہیں کیا اور جماع بھی نہیں کیا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا (اس کا حکم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، میں اس مسئلہ میں اجتہاد کر کے بتاؤں گا۔ میرے پاس اس کے متعلق کوئی روایت تو نہیں، آپ نے ایک ماہ اجتہاد کرنے کے بعد بتایا) کہ اس عورت کو اس کی خاندانی عورتوں کے مہر کی طرح مہر (یعنی مہر مثل) دیا جائے، نہ اس میں کمی اور نہ زیادتی۔ اور اس پر عدت (وفات) لازم ہے، اور اس کے لئے وراثت بھی ہے۔ معقل بن سنان اشجعی کھڑے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ فرمایا تھا، جیسا تم نے اس عورت کے متعلق فیصلہ کیا ہے۔ تو حضرت ابن مسعود بڑے خوش ہوئے۔

(از قرطبی)

خوش ہونے کی وجہ واضح ہے کہ آپ کا اجتہاد نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہو گیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کے بعد مسئلہ بتانے پر فرمایا ہی یہ تھا کہ یہ میرا اجتہاد ہے اگر یہ درست ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر درست نہ ہوا تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہوگا، جب آپ کے اجتہاد کو رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے تائید مل گئی تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوا۔

تنبیہ: ”ومتعوہن“ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اور ”حقا علی المحسنین“ میں ”حقا“ کا معنی بھی وجوب ہے۔ لیکن وجوب اسی خاص صورت میں ہے جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہو رہا ہے۔

”المتعة واجبة للمطلقة قبل البناء والفرض و مندوبة فی حق غیرھا“

جس عورت کو جماع یا خلوت صحیحہ سے پہلے اور مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اسے

متعہ دینا واجب ہے۔ دوسری مطلقات کو متعہ دینا مستحب ہے۔ تفصیل پہلے ذکر کر دی گئی۔

(ماخوذ از قرطبی)

وَأَنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً
فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ .
وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى . وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ . إِنَّ اللَّهَ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۳۷)

﴿۱﴾

اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی اور ان کے لئے کچھ مقرر کر چکے
تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا وہ زیادہ
دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری
کے نزدیک تر ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو بے شک اللہ
تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

﴿۲﴾

اور اگر تم نے طلاق دی ان کو پہلے ان کو مس کرنے کے اس حال میں کہ تم نے
مقرر کر لیا ہو ان کا مہر تو نصف (واجب ہے) جو تم نے مقرر کیا مگر یہ کہ وہ (عورتیں)
معاف کر دیں، یا زیادہ دے وہ شخص جس کے ہاتھ میں گرہ ہے نکاح کی، اور تمہارا
معاف کرنا زیادہ قریب ہے تقویٰ کے اور نہ چھوڑ و فضل (احسان و مہربانی) کو آپس
میں، بیشک اللہ جو تم عمل کرتے ہو (انہیں) دیکھ رہا ہے۔

مختصر مطلب: اگر مرد نے عورت کو جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دی اور مہر مقرر کیا ہوا تھا تو نصف
مہر دینا واجب ہے۔ ہاں اگر عورت اپنا مہر معاف کر دے تو وہ معاف کر دے، اس کا معاف کرنا احسان و فضل ہے۔

اور اگر خاوند مہر زیادہ دے دے تو یہ اس کی طرف سے احسان ہے۔ تمہارا معاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ تم آپس میں ایک دوسرے پر فضل و احسان کرنے کو نہ چھوڑو۔ بیشک اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

”وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ“

اور تم ان (عورتوں) کو طلاق دو ان کو مس کرنے سے پہلے۔

یہاں ”مس کرنا“ جماع اور خلوت صحیحہ دونوں کو شامل ہے۔ یعنی اگر تم اپنی عورتوں کو طلاق دو ان سے جماع کرنے سے پہلے اور اسی طرح ان سے خلوت صحیحہ سے پہلے۔

”وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً“ اس حال میں کہ تم نے مقرر کر لیا ہو ان کا مہر۔

راقم نے جملہ حالیہ کا معنی تفسیر کبیر کے ان الفاظ سے ماخوذ کیا ہے۔

”قوله تعالى“وقد فرضتم لهن فريضة“ حال من مفعول ”طلقتنموهن“ والتقدير

طلقتنموهن حال ما فرضتم لهن فريضة“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”وقد فرضتم لهن فريضة“ حال واقع ہو رہا ہے ”طلقتنموهن“

کے مفعول سے۔ اس لئے حال کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ اگر تم نے ان کو طلاق دی ان کو مس

کرنے سے پہلے اس حال میں کہ تم نے مقرر کر لیا ہو ان کا مہر۔

”فريضة“ کا معنی اگرچہ ”مقرر کرنا“ ہے۔ تاہم مراد اس سے ”مہر“ ہے۔ جیسا کہ پہلی آیت کریمہ میں گذر

چکا ہے۔

”فِنْصِفْ مَا فَرَضْتُمْ“ تو نصف (واجب) ہے جو تم نے مقرر کیا۔

یعنی جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا نصف دینا تم پر واجب ہے جب تم نے ان کو جماع اور خلوت صحیحہ سے

پہلے طلاق دے دی۔

”الَاٰنَ یَعْفُوْنَ“ مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں۔

اگرچہ آیہ کریمہ میں تو نصف مہر کا ذکر ہے، اس لحاظ پر مفہوم یہ ہوگا کہ عورتیں جب نصف مہر لینے کی مستحق ہوں تو وہ اپنا مکمل حق معاف کر دیں یا اس میں سے کچھ حصہ معاف کر دیں، یہ ان کا حق ہے۔ بلکہ ان کا معاف کرنا احسان ہے، کیونکہ ”ولاتنسوا الفضل“ سے یہ مفہوم سمجھ آ رہا ہے کہ آپس میں احسان کرنے کو نہ بھولو۔ یعنی عورت بھی وہ کام کرے جس میں احسان پایا جائے وہ یہی ہے کہ مہر معاف کر دے، اور مرد بھی وہ کام کرے جس میں احسان پایا جائے یعنی وہ مہر زیادہ دے۔

لیکن خیال رہے کہ ”الَاٰنَ یَعْفُوْنَ“ کا مفہوم اور بھی وسیع ہے کہ اگر وہ عورتیں بعد از مجامعت مکمل مہر لینے کی حقدار ہوں تو پھر بھی ان کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنا کل مہر یا بعض مہر معاف کر دیں۔

دینی طلبائے کرام توجہ فرمائیں:

”یعفون“ جمع مذکر غائب کا بھی صیغہ ہے، اور جمع مؤنث غائب کا بھی۔ جب جمع مذکر غائب کا صیغہ ہوگا تو اصل میں ”یعفوون“ ہوگا، واؤ پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ضمہ کو گرا دیا اور التقائے ساکنین کی وجہ سے ایک واؤ کو حذف کر دیا گیا تو ”یعفون“ ہو گیا۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ جمع مذکر غائب کے صیغہ میں ”نون“ اعرابی ہے جو نواصب و جوازم کے داخل ہوتے وقت حذف ہو جاتا ہے۔ اگر یہ مذکر کا صیغہ ہوتا تو ”ان یعفوا“ ہوتا۔

اور جب یہ ”یعفون“ جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہو تو اصل میں یہ لفظ اس طرح تھا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یعنی جمع مذکر بروزن ”ینصرون“ کے ہوگا، اور جمع مؤنث بروزن ”ینصرن“ کے ہوگا۔

جب ”یعفون“ جمع مؤنث کا صیغہ ہوگا تو اس وقت ”نون“ ضمیر ہوگا، جو مثنیٰ ہے اس لئے نواصب و جوازم کے وقت وہ برقرار رہے گا، حذف نہیں ہوگا۔

آیت کریمہ میں ”یعفون“ پر ”ان“ ناصبہ داخل ہے اور نون موجود ہے تو واضح ہوا کہ یہ صیغہ جمع مؤنث کا ہے، اس لئے اس کا معنی یہی ہوگا ”مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں“۔

”أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ“ یا زیادہ دے وہ جس کے ہاتھ میں گرہ ہے نکاح کی۔

جس کے ہاتھ میں گرہ نکاح کی، وہ کون ہے؟

اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد ولی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد خاوند ہے۔

خاوند مراد ہونے کا قول حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور کثیر صحابہ کرام اور کثیر تابعین کا ہے اور یہی قول حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

خاوند مراد ہونے پر دلائل:

۱۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ ولی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی مولیہ (جس کی اسے ولایت حاصل ہے) کا مہر معاف کر دے، خواہ اس کی مولیہ صغیرہ (چھوٹی) ہو یا کبیرہ (بڑی)۔

البتہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ مہر زیادہ دے دے، اس لئے ولی مراد لینا درست نہیں۔

۲۔ دوسری دلیل یہ کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ”الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ“ یہ نہیں فرمایا ”عقد النکاح“ ولی کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے وہ بھی اس وقت جب مولیہ صغیرہ نابالغہ ہو۔

یعنی ولی کو صغیرہ نابالغہ کا نکاح کر کے دینے کا حق ہے جسے عقد نکاح کہا جاتا ہے۔ بعد میں نکاح کی گرہ ولی کے ہاتھ نہیں ہوتی بلکہ خاوند کے ہاتھ ہوتی ہے، خواہ وہ اسے برقرار رکھے یا طلاق وغیرہ کے ذریعے کھول دے۔

واضح ہوا کہ گرہ لگانا عقد ہے اور لگی ہوئی گرہ کو اپنے قبضہ میں رکھنا عقدہ۔ ولی کے ہاتھ عقدہ ہے اور زوج کے ہاتھ عقدہ۔

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ“ کا مطلب یہ ہے کہ جس

کے ہاتھ نکاح کی گرہ ثابت ہے۔ چونکہ نکاح کی گرہ ثابت زوج کے ہاتھ میں ہی ہے لہذا آیہ کریمہ میں وہی مراد ہے۔ یہ ثابت ہونے والا معنی اس آیہ کریمہ میں بھی پایا گیا ہے۔ ”وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ“

اس کا معنی یہ ہے ”وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ الثابت له لا لغيره كانت الجنة ثابتة له فتكون مأوا“ (اور وہ شخص جس نے) اپنے نفس کو ان خواہشات سے روکا جو اس کے لئے ثابت ہیں نہ کہ اور کسی کے لئے تو جنت اس کے لئے ثابت ہوگی اور اس کا ٹھکانا ہوگی۔

﴿۴﴾ چوتھی دلیل یہ ہے۔

”روی عن جبير بن مطعم انه تزوج امرأة فطلقها قبل ان يدخل بها فاكمل الصداق و قال انا الحق بالعفو“

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے نکاح کیا، اسے جماع (اور خلوت صحیحہ) سے پہلے ہی طلاق دے دی، انہوں نے عورت کو مکمل مہر دیا، اور کہا کہ میں عفو کا زیادہ حق رکھتا ہوں۔

یعنی انہوں نے آدھا مہر دینا تھا لیکن کل مہر دے کر اسے عفو کیا اور یہ کہا کہ میں عفو کا حق زیادہ رکھتا ہوں۔
”وهذا يدل على ان الصحابة فهموا من الآية العفو الصادر من الزوج“
حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام نے اس آیہ کریمہ سے یہی مراد لیا کہ جس کے ہاتھ میں گرہ ہے نکاح کی وہ زیادہ دے۔

نتیجہ واضح ہوا: کہ زوج نے اگر زوجہ کو مس کرنے سے پہلے طلاق دی اور مہر مقرر کیا گیا تھا تو نصف مہر دینا اس پر واجب ہے لیکن مکمل دے تو اسے حق حاصل ہے۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ یہ حکم بھی عام ہے۔ خاوند عورت کو طلاق دے یا نہ دے، خواہ جماع سے پہلے طلاق دے یا بعد میں، جو مہر مقرر کیا تھا اس سے زیادہ دے دے تو بہتر ہے۔ (دار کبیر)

(اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ بھی راقم کو مقصد کے بیان کے لئے خوب نظر آیا، اسی سے راقم نے بھی وہی نقل کیا ”یا وہ زیادہ دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے“)

ولی مراد لینا:

جن حضرات نے آیہ کریمہ میں ”الذی بیدہ عقدہ النکاح“ مراد لیا ہے وہ حضرات حسن بصری، مجاہد، طاہرہ اور امام شافعی رحمہم اللہ ہیں۔

اگر اس قول کو مقید کیا جائے ”مولیہ کی اجازت سے“ جیسا کہ تفسیر حقانی میں مقید کہا گیا تو یہ قول بھی درست ہو گا کہ عورت کا ولی عورت کی اجازت سے معاف کر دے تو یہ اسے حق حاصل ہے۔ یہ معاف کرنا بھی اس کا حق ہے۔ لیکن اگر مقید نہ کیا جائے اور مطلب یہ مراد لیا جائے کہ ولی کو خود بخود معاف کرنے کا حق ہے تو یہ قول درست نہیں۔ اس پر دیئے جانے والے دلائل کمزور ہیں۔ زیادہ بحث کوئی دیکھنا چاہیے تو کبیر میں دیکھ لے۔

زوج کا زیادہ مہر دینا عفو کیسے ہے؟

اس کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ اگرچہ بظاہر معنی معاف کرنا ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت عام رواج یہی تھا کہ نکاح کے وقت ہی تمام مہر ادا کر دیا جاتا تھا۔ جب مہر مقرر کر کے کل مہر ادا کر دیا پھر طلاق جماع اور خلوت صحیحہ سے پہلے دے دی گئی تو خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ آدھا مہر واپس کر لے، لیکن وہ آدھا مہر واپس نہ لے بلکہ معاف کر دے تو اس کے لئے یہ بہتر ہے۔ اس صورت کے لحاظ پر ”یعفو“ حقیقی معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مشکلات کے طور پر زوج کے لئے بھی عفو کو استعمال کر لیا گیا ہے، کیونکہ زوجہ جب اپنا مہر معاف کر دے تو اس کا فائدہ زوج کو حاصل ہے یہاں تو عفو حقیقی معنی میں استعمال ہے، لیکن زوج زیادہ مہر دے اور زوجہ کو فائدہ پہنچائے تو مجازاً مشکلات کے طور پر اسے بھی ”عفو“ سے بیان کر دیا گیا۔

﴿۳﴾ ”عفو“ کبھی بمعنی تسہیل کے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے ”فلان وجد المال عفو اصفوا“ فلاں شخص نے مال آسانی سے حاصل کیا۔

آیہ کریمہ میں بھی اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی اس معنی کے لحاظ پر ترجمہ یہ ہوگا ”او یعفو الذی بیدہ عقدہ النکاح“ یا آسانی پہنچادے (زیادہ مہر دے کر) وہ شخص جس کے ہاتھ میں گرہ ہے نکاح کی۔

”وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى“ اور تمہارا معاف کرنا زیادہ قریب ہے تقویٰ کے۔

ان الفاظ کا ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے یوں کیا ہے ”اور اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے۔“ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا یہ ترجمہ ظاہری الفاظ کے مطابق ہے، کیونکہ ”ان تعفوا“ مذکر کا صیغہ ہے۔

اور ممکن ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے تفسیرات احمدیہ کی اس عبارت کو مد نظر رکھا ہو۔

”وفی قرأۃ ابونہیک“ وان یعفو ابالیاء، کما صرح بہ فی الکشاف

ابونہیک کی قرأۃ میں ”وان یعفو“ (یا کے ساتھ) اقرب للتقویٰ ہے۔ کشاف نے بھی اسی کی وضاحت کی ہے کہ یہ حکم خاوندوں کو ہے کہ اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری کے قریب تر ہے۔

راقم نے اپنے ترجمہ میں ”اے مردو“ کا ذکر نہیں کیا۔ اور ”عفو“ کا معنی بھی معاف کرنا کیا ہے۔ اس کی وجہ تفسیر کبیر کی مندرجہ ذیل عبارت ہے۔

”هذا خطاب للرجال والنساء جميعا. الا ان الغلبة للذكور اذا اجتمعوا مع الاناث. و

سبب التغليب ان الذکورة اصل والتانیث فرع اللفظ وفي المعنی. اما فی اللفظ

فلأنک تقول ”قائم“ ثم ترید التانیث فتقول ”قائمة“ فاللفظ الدال علی المذکر هو

الاصل. والدال علی المؤنث فرع علیہ. واما فی المعنی فلان الکمال للذکور والنقصان

للاناث فلہذا السبب متی اجتمع التذکیر والتانیث کان جانب التذکیر مغلبا. (کبیر)

”وان تعفوا“ میں خطاب مذکر اور مؤنث دونوں کو ہے۔ یعنی مطالب یہ ہے کہ اے مردو تمہارا

زیادہ دینا اور اے عورتو تمہارا معاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

البتہ صیغہ مذکر کا ذکر ہے تغلیب کے طور پر، یعنی جب مذکر اور مؤنث کا ذکر ایک ہی صیغہ سے کرنا ہو تو وہاں صیغہ مذکر کا ذکر کیا جاتا ہے، کیونکہ مذکر کا صیغہ اصل ہے لفظاً بھی اور معنی بھی۔

لفظی طور پر اصل ہونے کی وجہ واضح ہے کہ پہلے مذکر کا صیغہ ”قائم“ ذکر کیا جاتا ہے، جب تانیث کا ارادہ کریں تو مذکر کے صیغہ سے ہی تاء تانیث بڑھا کر ”قائمة“ بنا لیا جاتا ہے۔

واضح ہوا کہ مذکر کا صیغہ لفظ کے لحاظ پر اصل ہے اور مؤنث کا صیغہ اس کی فرع ہے کیونکہ اسی سے بنتا ہے۔ معنوی طور پر بھی مذکر میں کمال پائے جانے کی وجہ سے مذکر اصل ہے اور مؤنث میں

نقصان پائے جانے کی وجہ سے وہ فرع ہے۔ اسی وجہ سے مذکر و مؤنث جنب جمع ہو جائیں تو تغلیبی طور پر صیغہ مذکر کا استعمال ہوگا۔ (از کبیر)

تنبیہ: تفسیر کبیر کے مطابق ہی تفسیر قرطبی، روح المعانی اور حسینی میں بھی مذکور ہے۔

تقویٰ کے قریب ہونے کی دو وجہ:

ایک وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنا حق چھوڑنے کی سخاوت کرے وہ محسن ہے، جو شخص محسن ہے وہ مستحق ثواب ہے، اور جو شخص مستحق ثواب ہوگا وہ یقیناً عذاب سے محفوظ رہے گا۔ یہ وجہ تقویٰ کے قریب ہونے کی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک دوسرے پر احسان کرنا ترک ظلم کا سبب ہے، ترک ظلم ہی حقیقت میں تقویٰ کا سبب ہے۔ اس لئے کہ جو شخص کسی پر فضل و احسان کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان کر ہی احسان کرتا ہے، وہ دوسرے پر ظلم نہیں کرتا، یہی تقرب الہی کا سبب ہے۔ (از کبیر)

”وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ“ اور نہ چھوڑو فضل (احسان و مہربانی) کو آپس میں۔

اس مقام پر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ”وَلَا تَنْسُوا“ کا حقیقی معنی مراد لیا ہے۔ آپ کا ترجمہ یہ ہے ”اور آپس میں ایک دوسرے کو نہ بھلا دو“۔

راقم نے مجازی ترجمہ کیا ہے، جو تفسیر کبیر کی مندرجہ ذیل عبارت سے ماخوذ ہے۔

”ولیس المراد منه النهی عن النسیان لان ذلك لیس فی الواسع بل المراد منه الترك،

فقال الله تعالى ولا تترکوا الفضل والافضال فیما بینکم“

یہاں بھولنے سے نہی نہیں پائی گئی۔ کیونکہ نہ بھولنا کسی کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ مراد ترک کرنے

سے نہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے

پر احسان کرنے کو نہ چھوڑو۔

اس حکم کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب عورت سے مرد نے نکاح کیا تو عورت کا دل اس سے معلق ہو گیا، پھر جب

جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی گئی تو اسے اذیت پہنچائی گئی۔

اور مرد کو جب بغیر نفع حاصل کرنے کے آدھا مہر دینے کا حکم دیا گیا تو یہ اس کے لئے اذیت کا سبب بنا اس

لئے ہر ایک کو دوسرے پر مہربانی کرنے کا حکم دیا تا کہ قلبی تکلیف دور ہو سکے۔

(از کبیر)

”إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ“ بیشک اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

یعنی جو تم نیک عمل کرو گے، ایک دوسرے پر فضل و احسان کرو گے وہ ضائع نہیں جائیں گے، تمام کام اللہ

تعالیٰ پر کامل طور پر منکشف (واضح) ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نظر عطا فرمائی ہے تا کہ بندہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نظر عطا فرمائی ہے، جس

کے ذریعے مجھے اس کی نشانیاں دیکھنی چاہیں، اور ایسے عمل کروں کہ میری نظر میں ملکوت اور سموات کے عجائب

آجائیں، اور جب انسان یہ سمجھے گا کہ مجھے رب تعالیٰ نے نظر اور کان عطا کئے تو وہ اپنی نظر کو کوتاہ نہیں کرے گا بلکہ اپنے

نیک اعمال کے ذریعے اپنی نظر کو بلند کرے گا، اور یہ تصور کرے گا کہ جب رب تعالیٰ بصیر ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں،

تو رب تعالیٰ نے مجھے بھی بصر عطا کی ہے، وہی میری بصارت کو بھی وسعت عطاء کرے گا، جہان کی مخفی چیزیں اسی کی

قدرت کاملہ سے مجھے بھی نظر آئیں گی۔

(ما حودار روح البیان)

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۳۸)

﴿۱﴾

نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔

﴿۲﴾

ہمیشہ حفاظت کرو تمام نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے لئے اطاعت کرتے ہوئے۔

ما قبل سے رابطہ:

اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے لئے دین کے احکام بیان فرمائے، شرعی مسائل کی وضاحت بیان فرمادی پھر ان کو نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا، اس میں چند وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

پہلی وجہ:

یہ ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان شرعی احکام پر اس وقت عمل کر سکتا ہے جبکہ وہ عجز اختیار کرے اور سرکشی کو دور کر دے، نماز میں قراءت و قیام، رکوع و سجود، خضوع و خشوع کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ان پر عمل اسی وقت کرے گا جب اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا رعب پایا جائے گا، اور اس کی طبیعت سے سرکشی کا زوال ہوگا، اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل کرنے کے لئے اسے اطاعت حاصل ہوگی اور نواہی سے دور رہے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط" بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

دوسری وجہ:

یہ ہے کہ نمازی جب نماز میں "مالک یوم الدین" پڑھتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات

ہے جسے جلال حاصل ہے، اور وہی باکمال ہے، اسے زوال نہیں کیونکہ جزاء کے دن کا وہی مالک ہے۔ اور جب ”ایسا کہ نعبہ“ پڑھتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میں عاجز ہوں، میں اسکی کابندہ ہوں، میں سراپا نقصان ہوں مجھے زوال ہے، اسی لئے تو میں رب تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہوں۔

پھر ”ایسا کہ نستعین“ سے اور ہی زیادہ اسے پتہ چل جاتا ہے کہ میری امداد کرنے والا اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں اگر کسی اور نے امداد کرنی بھی ہے تو رب تعالیٰ کی توفیق سے امداد کرنی ہے۔ پھر ”اهدنا الصراط المستقیم“ سے لے کر ”ولا الضالین“ جب پڑھتا ہے تو اسے پتہ چل جاتا ہے کہ ثواب و عذاب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

فعند ذلك يسهل عليه الانقاد للطاعة ولذلك قال تعالى ”استعينوا بالصبر والصلوة“ جب انسان کو علم حاصل ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر اسے سر جھکانا آسان ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے فرمایا ”استعينوا بالصبر والصلوة“ صبر اور نماز سے امداد طلب کرو۔

تیسری وجہ:

یہ ہے کہ پہلے جو احکام ذکر کئے گئے ہیں یعنی نکاح، طلاق اور عدت ان مسائل کا تعلق دنیاوی مصلحت سے تھا اب اس آیت کریمہ میں نماز کا ذکر فرمایا جس کا تعلق اخروی مصلحت سے ہے۔

گویا کہ پہلے بیان کئے گئے تیرہ احکام کا تعلق دنیا سے ہے اور اس آخری چودہویں حکم کا تعلق آخرت سے ہے۔ جس طرح دنیا کی انتہا آخرت ہے، اسی طرح دنیاوی احکام کے بیان کی انتہا اخروی حکم کے بیان سے لڑدی گئی۔ (از کبیر بتصرف)

پانچ نمازوں پر شاندار دلیل:

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”حفظوا علی الصلوات“ (حفاظت کرو نمازوں کی) میں لفظ ”صلوات“ جمع

ہے اور جمع کے تین فرد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ”والصلوة الوسطی“ ذکر کیا ہے، جو تین افراد سے ایک زائد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اگر تین فردوں سے ایک فرد کے زیادہ ہونے پر دلالت نہ کرے تو تکرار لازم آئے گا، حالانکہ اصل یہی ہے کہ تکرار مراد نہ ہو بلکہ علیحدہ علیحدہ معنی مراد ہو۔ پھر چار نمازیں مراد نہیں ہو سکتیں کیونکہ چار میں ایک درمیانی نہیں ہو سکتی، لہذا جمع میں ایک فرد اور بڑھایا جائے گا، اس طرح پانچ نمازیں ثابت ہوں گی، جن میں سے درمیانی نماز کا ثبوت بھی ممکن ہوگا۔

(از کبیر)

نمازوں کے اوقات کا ثبوت قرآن پاک سے:

تفسیر کبیر میں اسی مقام پر ذکر کیا گیا ہے کہ اگرچہ اس آیت مبارکہ سے یہ تو ثابت ہے کہ نمازیں پانچ ہیں، لیکن نمازوں کے اوقات کا ثبوت اس آیت سے نہیں بلکہ اور آیات سے اوقات کا ثبوت ہے۔

”فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ“

تو اللہ کی پاکی بولو جب شام کرو اور جب صبح ہو، اور اسی کی تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں اور کچھ دن باقی رہے اور جب تمہیں دوپہر ہو۔

اس آیت کریمہ میں ”تمسون“ سے مراد مغرب اور عشاء کا وقت ہے، اور ”تصبحون“ سے مراد صبح کی نماز ہے، اور ”عشیا“ سے مراد عصر کی نماز ہے، اور ”حین تظہرون“ سے مراد ظہر کی نماز ہے۔ ”سبحان اللہ“ اور ”ولہ الحمد“ سے مراد نماز ہی ہے۔

”اقم الصلوة لعلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا“

نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک، اور صبح کا قرآن، بیشک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات اندھیری ہو جانے تک نماز پڑھنے کا حکم ہوا جس میں چار نمازوں (ظہر، عصر، مغرب اور عشاء) کا ذکر ہو گیا، اور ”قرآن الفجر“ میں صبح کی نماز (فجر) کا ذکر ہے۔ کیونکہ صبح کی نماز میں رات والے فرشتے کرانا کاتبین بھی حاضر رہتے ہیں نماز ادا کر کے جاتے ہیں اور دن والے بھی صبح کی نماز میں آ جاتے ہیں وہ بھی نماز ان کے ساتھ ہی ادا کرتے ہیں۔

”اقم الصلوة طرفی النهار وزلفا من اللیل“

نماز قائم کرو دن کی دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصہ میں۔

دن کی دونوں طرفوں میں تین نمازیں (فجر، ظہر، عصر) آ گئیں کیونکہ دن کی ابتدائی طرف میں فجر آ گئی، اور دن کی آخری طرف میں ظہر اور عصر آ گئیں، اس لئے سورج کے ڈھل جانے پر شام کی طرف شروع ہو جاتی ہے۔

”حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ“ ہمیشہ نمازوں کی حفاظت کرو۔

یہاں راقم نے اپنے ترجمہ میں لفظ ”ہمیشہ“ ذکر کیا ہے، یعنی ”ہمیشہ نمازوں کی حفاظت کرو“۔ یہ ترجمہ روح المعانی کی اس عبارت سے ماخوذ ہے۔

”حفظوا علی الصلوات“ داوموا علی ادائها لاوقاتها من غیر اخلال کما ینبئ عنہ صیغۃ المفاعلة المفیدۃ للمبالغة.

ہمیشہ تمام نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرو، ان میں کوئی خلل واقع نہ ہونے دو، جیسا کہ مفاعله کا صیغہ اس معنی کی خبر دے رہا ہے، کیونکہ مفاعله مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے۔ (روح المعانی)

”حفظوا“ ای داوموا واطبوا ”ہمیشہ حفاظت کرو“ (خازن)

مفکر اسلام، مفسر قرآن پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہاں قرآن کے الفاظ غور طلب ہیں ”حفظوا علی الصلوات“ فرمایا ”احفظوہا“ نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مفاعله کا صلہ علی آ جائے تو اس وقت اس کے معنی بار بار اور علی الدوام کرنے کے ہوتے ہیں (المنار) یہاں بھی مقصد یہی بتانا ہے کہ بار بار ہمیشہ نماز ادا کرتے رہو یہ نہیں کہ ایک بار نماز ادا کر لی اور ہفتہ بھر کے لئے چھٹی مل گئی۔ (صیاء القرآن)

محافظت جو معتبر ہے:

نماز کی محافظت کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے مراد نماز کی بمع جمع شرائط کے محافظت کرنا، یعنی بدن اور کپڑے اور نماز کی جگہ کا پاک ہونا، ستر عورت (تنگیز ڈھانپنا) قبلہ کا استقبال، اور نماز کی حفاظت اس کے ارکان کی حفاظت کے ساتھ کرے، اور نماز توڑ دینے والی چیزوں سے بچا کر حفاظت کرنا مقصود ہے، خواہ اعمال قلب ہوں، زبان کے اعمال ہوں یا ظاہری اعضاء کے اعمال ہوں۔

نماز کے اہم امور میں سے نیت ہے، اسلئے نیت کی حفاظت کرنا بھی نماز کا مقصد اصلی ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ”واقم الصلوۃ لذكری“ (اور نماز ادا کرو میری یاد کے لئے)

”فمن ادى الصلوۃ على هذا الوجه كان محافظا على الصلوۃ والا فلا“
جس شخص نے نماز اس طرح ادا کی اس نے نماز کی حفاظت کی ورنہ اس نے نماز کی حفاظت نہیں کی

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

”حافظوا“ باب مفاعله ہے اور مفاعله شرکت جانہن کو چاہتا ہے، جیسے کہا جائے ”خاصم شاہد حامدا“ تو اس کا معنی ہے شاہد نے حامد سے اور حامد نے شاہد سے جھگڑا کیا۔

آیہ کریمہ میں جانہن کا معنی کیسے پایا گیا؟ اس کے کئی جواب دیئے گئے۔

ایک جواب یہ ہے کہ شرکت کا معنی پایا جانا ہمیشہ لازم نہیں کیونکہ کبھی بغیر شرکت کے معنی کے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے کہا جائے ”عاقب الحاکم اللص“ حاکم نے چور کو سزا دی۔ یہاں شرکت کا معنی نہیں پایا گیا، یہ کہنا درست نہیں کہ چور نے حاکم کو سزا دی۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں جانہن والا معنی پایا گیا ہے، اس میں پھر دو صورتیں پائی گئی ہیں، ایک یہ ہے کہ محافظت رب تعالیٰ اور بندے کے درمیان مراد ہے گویا کہ یہ کہا گیا ہے۔

”احفظ الصلوة لیحفظک اللہ الذی امرک بالصلوة“

تم نماز کی حفاظت کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے جس نے تمہیں نماز کا حکم دیا ہے۔

یہ حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ ”فاذکرونی اذکرکم“ (تو تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) میں پایا گیا ہے، اور جیسا کہ اس حدیث پاک میں پایا گیا ہے ”احفظ اللہ یحفظک“ تم اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

دوسری صورت جانبین والے معنی کی یہ ہے کہ نماز کی اور نماز کے درمیان محافظت مراد ہے، اس میں تین وجوہ پائی گئی ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ تم نماز کی حفاظت کرو اور نماز تمہاری گناہوں سے حفاظت کرے گی، جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ”ان الصلوة تنہی عن الفحشاء والمنکر“ بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برے کاموں سے، یعنی مطلب یہ ہو گیا ”فمن حفظ الصلوة حفظته الصلوة عن الفحشاء“ جس شخص نے نماز کی حفاظت کی نماز اسے بے حیائی سے روکنے کی حفاظت کرے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تم نماز کی حفاظت کرو نماز تمہیں مصیبتوں سے بچانے کی حفاظت کرے گی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”واستعينوا بالصبر والصلوة“ اور امداد طلب کرو صبر اور نماز سے۔ اور رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔

”وقال اللہ انی معکم لئن اقمتم الصلوة واتیتم الزکوة“

اور اللہ نے کہا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم کی اور تم نے زکوٰۃ دی۔

”و معناه انی معکم بالنصرة والحفظ ان کنتم اقمتم الصلوة واتیتم الزکوة“

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی حفاظت کی تو میں تمہاری امداد کروں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا، یعنی تمہیں مصیبتوں اور تکالیف سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ

نماز ہوگی، جس کی وجہ سے میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ تم نماز کی حفاظت کرو، نماز تمہاری حفاظت کرے گی یعنی تمہاری شفاعت کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”واقیموا الصلوة واتوا الزکوۃ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوه عند اللہ“
اور تم نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور جو تم نے اپنے نفسوں کے لئے بھلائی کو آگے بھیجا تم اسے اللہ کے ہاں پالو گے۔

اور نماز میں قراءت بھی ہے، اور قرآن پاک شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

”انه تجی البقرة وال عمران کاہما عما متان فی شہدان و یشفعان“
بیشک سورۃ بقرہ اور آل عمران (قیامت کے دن) آئیں گی، گویا کہ وہ پگڑیوں کی طرح چھا جائیں گی (پڑھنے والے کے لئے) گواہی دیں گی اور اس کیلئے شفاعت کریں گی۔
اور حدیث شریف میں ہے۔

”سورۃ الملک تصرف عن المتہجد بہا عذاب القبر اتجادل عنہ فی الحشر وتقف فی الصراط عند قدمیہ وتقیل للنار لا سبیل لک علیہ“
سورہ ملک رات کو پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچائے گی اور حشر میں اس کی طرف سے جھگڑا کرے گی اور پل صراط سے گزرنے میں اس کی معاونت کرے گی، اور جہنم کی آگ کو کہے گی کہ تمہیں اس شخص سے کوئی واسطہ نہیں۔
(ماخوذ از کبیر بن زیادہ)

ترک نماز پر وعید اور اقوال آئمہ:

کوئی شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے تو حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کافر ہو گیا، اور امام شافعی

امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی ایک روایت کے مطابق وہ کافر تو نہیں ہوگا کیونکہ اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوگی، اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے قتل تو نہیں کیا جائے گا البتہ اسے قید کر لیا جائے، یا وہ توبہ کرے یا قید میں ہی مر جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے احادیث کے ظاہر مطالب کو دیکھ کر کفر کا ایک قول کیا ہے، اور دوسرے آئمہ کرام نے ان احادیث کی تاویل بیان کی ہے۔ وہ احادیث یہ ہیں۔

☆ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن بندے اور کافر کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے۔

☆ عن بريدة قال قال رسول الله ﷺ العهد الذي بيننا وبينهم ترك الصلوة فمن تركها فقد كفر.

(رواه احمد والترمذي والنسائي وابن ماجه)

حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہمارے اور ان کے درمیان عہد ہے نماز کے چھوڑنے تک، جس شخص نے نماز کو چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔

☆ عن عبد الله بن عمرو عن النبي ﷺ انه ذكر الصلوة يوما فقال من حافظ عليها كانت له نور او برهان او نجات يوم القيامة ومن لم يحافظ عليها لم يكن له نور ولا برهان ولا نجات وكان يوم القيامة مع قارون وفرعون وهامان وابي بن خلف.

(رواه احمد)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر فرمایا، پھر ارشاد فرمایا جس شخص نے نماز کی حفاظت کی نماز اس کیلئے قیامت کے دن نور، برہان اور نجات ہوگی، اور جس شخص نے نماز کی حفاظت نہ کی اسے قیامت کے دن کوئی نور، برہان اور نجات حاصل نہیں ہوں گے، وہ شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

جمہور آئمہ کرام، علماء ربانین نے یہ بیان کیا ہے کہ ایمان کے بعد نماز کا ذکر عطف سے عام آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ میں ہے، اور عطف مغائرت کو چاہتا ہے، اس لئے نماز عین ایمان نہیں کہ ترک نماز سے ایمان ضائع ہو جائے اور کفر آجائے، بلکہ گناہ کبیرہ لازم ہوگا۔

ان احادیث کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے۔

”و حاصل هذه الاحادیث ان امر الصلوة اشد من سائر الاحکام والعبادات فمن

ترکها فکانه کفر او المعنى انه من ترکها استخفافا فقد کفر والله اعلم“

ان احادیث سے یہ حاصل ہوا کہ نماز کا معاملہ تمام احکام و عبادات سے زیادہ سخت ہے، جس نے

نماز کو چھوڑا گویا کہ وہ کافر ہوا، یعنی اگرچہ کافر تو نہیں ہوا لیکن کافروں کے مشابہ ہو گیا، البتہ اس

نے نماز کو حقیر اور گھٹیا سمجھ کر ”معاذ اللہ“ چھوڑ دیا تو وہ کافر ہو گیا۔

نماز کی فضیلت:

نماز کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے، پہلے پارہ میں ذکر کر دیا گیا ہے، البتہ اسی مقام میں قاضی

محمد ثناء اللہ رحمہ اللہ نے دو حدیثوں کا ذکر کیا ہے، ان کو ہی بطور تبرک ذکر کیا جا رہا ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ارايتم لوان نہرا بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم

خمسا هل یبقی من درنہ شئ قالوا لا یبقی من درنہ شئ قال فذلک مثل الصلوات

الخمیس یمحو اللہ بہن الخطایا۔ (رواہ مسلم و بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے

کہ تم میں سے کسی شخص کے دروازہ کے پاس نہر ہو اور وہ اس میں ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرے، کیا

اس پر کوئی میل رہ جائے گی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اس پر کوئی میل باقی نہیں رہے گی۔ آپ نے

فرمایا پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

وعن عبادة ابن الصامت قال قال رسول الله ا خمس صلوات افترضهن الله تعالى من

احسن وضوء هن وصلاتهن لو قتهن واتم ركو عهن وخشوعهن كان له على الله عهدا
ان يغفر له ومن لم يفعل فليس على الله عهدان شاء غفر له وان شاء عذابه.

(رواه احمد و ابو داود و روى مالك و الساننى بحره)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس شخص نے ان کیلئے اچھا وضوء کیا اور ان کو اپنے اپنے اوقات میں ادا کیا، اور ان کا کامل رکوع کیا اور خشوع سے ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر وعدہ لازم کر لیا کہ وہ اس کی مغفرت فرمائے گا، اور جس شخص نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ پر کوئی وعدہ نہیں، ہاں اگر چاہے تو مغفرت فرمادے اور چاہے تو عذاب دے۔

جمہور حضرات نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ترک نماز کفر نہیں، ورنہ حدیث شریف میں یہ نہ آتا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مغفرت فرمادے۔
(ار مطہری)

نماز وسطیٰ:

(درمیانی نماز) ایک وجہ پہلے کبیر کے حوالہ سے بیان ہوئی کہ ”صلوات“ سے مراد اور نمازیں ہیں، اور ”وسطی“ سے مراد اور نماز ہے تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تخصیص بعد از تعیم پائی گئی، یعنی ”الصلوات“ میں الف لام استغراقی ہے تمام نمازوں کی حفاظت کرو پھر خصوصی طور پر درمیانی نماز کی حفاظت کا حکم دے کر تخصیص پیدا کی گئی، یعنی خصوصی طور پر درمیانی نماز کی اور ہی زیادہ حفاظت کرو۔ (زیادہ تاکید کی وجہ ان شاء اللہ آگے ذکر ہوگی)

درمیانی نماز سے مراد کون سی نماز ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

درمیانی نماز سے مراد نماز فجر:

”الصلوة الوسطی“ سے مراد فجر کی نماز ہے، یہ قول حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس،

حضرت معاذ، حضرت جابر، حضرت عطاء، حضرت عکرمہ، حضرت مجاہد، حضرت ربیع بن انس (رضی اللہ عنہم) کا ہے، اور یہی قول امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

خیال رہے کہ بعض حضرات کے مختلف اقوال ہیں، دوسری نماز کے متعلق مذکورہ بالا اسماء میں سے پھر کسی کا نام آجائے تو تعارض نہیں ہوگا بلکہ مراد یہ ہوگی کہ درمیانی نماز یہ بھی ہے اور اس کے بغیر اور بھی ہے۔

عن مالک انه بلغه ان علي بن ابي طالب و ابن عباس كانا يقو لان الصلوة الوسطى
صلوة الفجر (اخرجه مالک فی المؤطا)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک روایت پہنچی ہے کہ بیشک حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ درمیانی نماز سے مراد نماز فجر ہے۔

ترمذی نے بھی حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلیقاً یہی روایت ذکر کی ہے۔

فجر کی نماز کو درمیانی نماز کہنے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ دن کی دو نمازیں یعنی ظہر و عصر جمع ہیں یعنی آگے پیچھے ہیں، اور رات کی دو نمازیں یعنی مغرب اور عشاء جمع ہیں، فجر کی نماز کے ساتھ کوئی اور نماز جمع نہیں تو فجر کی نماز کو درمیانی نماز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو جمع کے درمیان واقع ہے۔

صبح کی نماز کو درمیانی نماز کہنے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس نماز کو ادا کرنا بہت مشکل ہے، سردیوں کا صبح شدید سردی میں وضوء کرنا بہت دشوار ہے۔ اور گرمیوں میں صبح کی نماز کے وقت میٹھی نیند آ رہی ہوتی ہے، اعضاء میں سستی طاری ہوتی ہے، اونگھ کی کثرت ہوتی ہے اور لوگ اس سے غافل ہوتے ہیں، اسلئے اس نماز کو ادا کرنے کا خصوصی حکم دیا گیا کہ یہ ضائع ہونے سے بچ جائے۔

اس کے بعد ”وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ“ ذکر فرمایا، قنوت کے کئی معانی ہیں، ان میں سے ایک لمبا قیام ہے، اور فجر میں بنسبت دوسری نمازوں کے قراءت لمبی ہوتی ہے جس کی وجہ سے قیام بھی لمبا ہوتا ہے، صبح کی نماز کو درمیانی نماز کہنے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

”وقرآن الفجر ان قرآن الفجر كان مشهودا“ اور صبح کا قرآن، بیشک صبح کے قرآن میں فرشتے

حاضر ہوتے ہیں، یعنی صبح کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، صبح کی نماز رات والے فرشتوں کے دیوان میں بھی لکھی جاتی ہے اور صبح والے فرشتوں کے دیوان میں بھی۔
(خارن)

درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز:

اقوال صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز ہے، یہ قول زید بن ثابت اور اسامہ بن زید اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کا ہے اور ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی کے مطابق آتی ہے، اور یہی قول عبید اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، اور یہی روایت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بھی ہے، اس پر کچھ روایات بھی دلالت کر رہی ہیں۔

☆ ”عن زید بن ثابت وعائشة قالوا الصلوة الوسطى صلوة الظهر“

(اخرجه مالك في الموطأ عن زید و الترمذی عنہما تعلیقاً)

حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں درمیانی نماز سے مراد ظہر کی نماز ہے۔

ظہر کی نماز ادا کرنے میں مشقت پائی جانے کی وجہ سے اسے درمیانی نماز کہا گیا ہے اور ادا کرنے کی زیادہ

تاکید کی گئی ہے۔

☆ ”عن زید قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی الظهر بالهاجرة ولم یکن یصلی صلوة اشد

علی اصحاب رسول اللہ ﷺ“

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز تیز گرمی میں ادا فرماتے تھے، صحابہ کرام

پر اس سے زیادہ کوئی نماز شدید مشقت والی نہیں تھی۔

اسی وجہ سے اس نماز کو درمیانی نماز کہا گیا ہے اور اس کے ادا کرنے اور حفاظت کرنے کی خصوصی

تاکید کی گئی ہے۔

(خارن)

درمیانی نماز سے مراد نماز عصر:

یہ قول حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابویوب، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن

عباس، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اور یہی قول ابو عبیدہ سلمان، حسن بصری، ابراہیم نخعی، قتادہ، ضحاک، بکلی، مقاتل رحمہ اللہ کا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، اور امام احمد، داود اور ابن منذر رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے، ترمذی نے کہا کہ یہ قول اکثر صحابہ کرام کا ہے اور ان کے بعد آنے والے اہل علم اکثر حضرات کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، اس میں احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

”عن ابن مسعود قال حبس المشرکون رسول الله ﷺ عن صلوة العصر حتى احمرت الشمس او اصفرت فقال رسول الله ﷺ شغلونا عن الصلوة الوسطی صلوة العصر ملا الله اجوافهم وقبورهم ناراً، او حشا الله اجوافهم وقبورهم ناراً“ (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو عصر کی نماز سے پھیرے رکھا یہاں تک کہ سورج سرخی مائل یا زردی مائل ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں اور قبروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر سے روکے رکھا۔

ایک روایت میں ”ملا“ اور ایک روایت میں ”حشا“ ہے، معنی دونوں لفظوں کا ایک ہی ہے ”بھرنا“ یہ واقعہ یوم احزاب کا ہے، تمام کفار جمع ہو کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو گئے تھے، خندق کھود کر ان کا دفاع کیا گیا، اس موقع پر نماز عصر بھی خندق کھودنے کی مشغولیت کی وجہ سے رہ گئی تھی۔

خیال رہے کہ اسی قسم کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جو بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے اور اسی قسم کی روایت ترمذی میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے، ترمذی نہیں ہی اسی قسم کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

”عن ابی یونس مولى عائشة قال امرتنی عائشة ان اكتب لها مصحفا وقالت اذا بلغت هذه الآية فااذنی“ حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطی“ قال فلما بلغت آذنتها فاملت على حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطی و صلوة العصر وقوموا لله قانتين قالت عائشة سمعتها من رسول الله ﷺ، ويروى عن حفصة نحو ذلك“ (مسلم)

حضرت ابو یونس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن پاک کا ایک نسخہ لکھوایا، اور مجھے فرمایا کہ جب تم ”حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی“ آیت پر پہنچو تو مجھے بتانا، جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے آپ کو بتایا، تو آپ نے مجھ سے لکھوایا ”حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی و صلوة العصر وقوموا لله قانتین“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا ہے، اور اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

خیال رہے کہ خبر واحد سے جو قرأت ثابت ہوتی ہے وہ نماز میں تلاوت نہیں ہو سکتی لیکن مسئلہ پر دلیل بن سکتی ہے، اسلئے اس روایت کو ”درمیانی نماز سے مراد نماز عصر“ پر دلیل بنایا جاسکتا ہے۔

درمیانی نماز سے مراد نماز عصر ہے اس پر اور دلیلیں یہ دی گئی ہے کہ یہ نماز دن کی دو نمازوں فجر اور ظہر، اور رات کی دو نمازوں مغرب اور عشاء کے درمیان واقع ہے۔

”اور اس کی زیادہ تاکید اور زیادہ حفاظت کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ وقت دن کے ختم ہونے کا ہے، کسی قسم کا کاروبار کرنے والا اپنے کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے، اس لئے اس نماز کے ضائع ہونے کے خطرہ سے اس کی محافظت کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔“

(راحہ)

عصر کی نماز کو ضائع کرنے پر احادیث مبارکہ سے وعید ثابت ہے۔

☆ ”عن ابی الملیح قال کنا مع بریدۃ فی غزوۃ فقال فی یوم ذی غیم بکروا بصلوة العصر فان النبی ﷺ قال من ترک صلوۃ العصر فقد حبط عمله. (قوله بکروا بصلوة العصر ای قدموها فی اول وقتها)“

(اخر حہ البخاری)

حضرت ابوالملیح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ہم ایک غزوہ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، ایک دن بادل چھائے ہوئے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عصر کی نماز جلدی یعنی اول وقت میں ادا کرلو (کہیں سورج کے غروب ہونے کا پتہ ہی نہ چل سکے) کیونکہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا جس شخص نے عصر کی نماز کو ضائع کر دیا اس کے عمل برباد ہو گئے۔

”عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال الذی تفوته صلوٰۃ العصر فکانما و تراہلہ و مالہ“

(بخاری، مسلم)

”قوله و تراہلہ نقص و سلب اہلہ و مالہ فیبقی فردا بلا اہل و لا مال، و معنی الحدیث

لکن حذرہ من فوت صلوٰۃ العصر کحذرہ من ذهاب اہلہ و مالہ“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس کی عصر کی نماز فوت ہو گئی (یعنی بغیر عذر کے) گویا کہ اس کے اہل و عیال اور مال و دولت میں نقص واقع ہو گیا۔

یعنی عصر کی نماز کو انسان فوت ہونے سے اس طرح ڈرتا رہے جس طرح اہل و عیال اور مال و دولت کے ضائع ہونے سے ڈرتا ہے۔

(خازن)

درمیانی نماز سے مراد نماز مغرب:

یہ قول قبیسہ بن ذؤیب کا ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ نماز دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی کے درمیان واقع ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نماز کو صبح اور عشاء کی نماز کے درمیان بحیثیت تعداد رکعات کے رکھا، کیونکہ صبح کی دو رکعتوں سے اس نماز (مغرب) میں ایک رکعت زائد رکھی گئی اور عشاء کی نماز کی چار رکعتوں سے ایک رکعت کم کی گئی یعنی اس کی تین رکعتیں ہیں۔

یہ نماز سفر میں قصر بھی نہیں کی جاتی جس طرح نماز وتر قصر نہیں ہوتی، گویا کہ یہ دن کی نماز وتر ہے۔

اس نماز کی درمیانی نماز ہونے پر اور دلیل یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ کو نماز اوقات بتانے کیلئے سب سے پہلے جو نماز پڑھائی وہ نماز ظہر تھی، اس لحاظ پر پہلی نماز ظہر کی نماز ہے تو واضح ہوا کہ مغرب کی نماز درمیانی نماز ہے۔

(خازن)

اور یہ نماز پڑھنی دشوار ہوتی ہے اس لئے کہ رات کی تاریکی چھا رہی ہوتی ہے، لوگ اندھیرے سے پہلے گھر

پہنچنا چاہتے ہیں وہ نماز کی پرواہ کئے بغیر اپنی منزل طے کر رہے ہوتے ہیں، اس لئے اس نماز کی تاکید کی گئی اور خصوصی طور پر حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا۔

درمیانی نماز سے مراد نماز عشاء:

یہ قول متقدمین سلف صالحین (تبع تابعین تک) سے تو منقول نہیں، البتہ متاخرین حضرات سے یہ منقول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ نماز ان دو نمازوں کے درمیان ہے جن کی قصر نہیں ہوتی یعنی صبح اور مغرب کی نماز سفر میں مکمل ادا کرنی ہوتی ہے ان کو قصر نہیں کیا جاتا، یہ نماز جب ان کے درمیان واقع ہے تو درمیانی نماز ہے۔

اس نماز کی درمیانی نماز ہونے پر اور دلیل یہ ہے کہ یہ نماز منافقوں پر بھاری تھی، وہ اسے ادا نہیں کرتے تھے اس وجہ سے اسے درمیانی نماز کہہ کر اسکی زیادہ حفاظت کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ (بخاری)

اس نماز کو جماعت سے ادا نہ کرنے پر نبی کریم ﷺ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا تو خود اندازہ کریں کہ مطلقاً اس نماز کو چھوڑنے پر آپ ﷺ کتنے ناراض ہوتے ہوں گے۔

☆ ”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لقد هممت ان آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصلوة فیؤذن لها ثم آمر رجلاً فیوم الناس ثم اخالف الی رجال وفی رواۃ لا یشہدون الصلوۃ فاحرق علیہم بیوتہم والذی نفسی بیدہ لو یعلم احدہم انہ یجد عرفاً سمیناً او مرماۃین حسنین لشہدا العشاء“

(رواہ البخاری، والمسلم نحوه، مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضلہا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں ارادہ رکھتا ہوں کہ میں کسی کو حکم دوں لکڑیاں جمع کرنے کا، وہ لکڑیاں جمع کر لے، پھر میں نماز کا حکم دوں، تو نماز کے لئے اذان کہی جائے، پھر میں ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ امامت کرائے اور میں مردوں کے گھروں میں چکر لگاؤں جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو جلا دوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان

ہے اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ (نماز میں حاضر ہونے پر) موٹا تازہ گوشت ملے گا، یا خوبصورت کو ہا
نوں والی دوا و نیاں ملیں گی تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہوں۔

یعنی منافقین عشاء کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے، اس کی وجہ ہی یہ ہے کہ یہ نماز ان پر بھاری ہوتی تھی، البتہ
اگر ان کو دنیا کا لالچ دیا جاتا تو وہ نماز میں حاضر ہوتے، جبکہ دنیاوی مال سے ثواب کہیں زیادہ ملتا تھا لیکن اس کی انہیں کو
ئی پرواہ ہی نہیں تھی کیونکہ وہ تو درحقیقت کافر تھے بظاہر مومن بن کر کچھ نمازیں ادا کر لیتے تھے۔

تمام اہل میں شاندار محاکمہ:

اگرچہ درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہونے پر زیادہ حضرات کا اتفاق ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی نماز عصر
کو درمیانی نماز کہا اس لحاظ سے بھی عصر کی نماز کی طرف زیادہ رجحان ہے، لیکن دوسرے اقوال میں بعض اقوال صحابہ
کرام کے ہیں، صحابہ کرام کا قول بھی حدیث کا درجہ رکھتا ہے، پھر خاص کر کے جو حکم فقط عقل سے ثابت نہیں اس کے
متعلق صحابی کا قول حدیث مرفوع کا درجہ رکھتا ہے، پھر یہ کہ نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ کوئی اور نماز درمیانی نماز نہیں
ہو سکتی، اس لئے راقم کو مندرجہ ذیل قول جو محاکمہ کی حیثیت رکھتا ہے پسند آیا۔

”ان الصلوة الوسطی ہی احدى الصلوات الخمس لا بعینھا“

درمیانی نماز پانچ نمازوں میں سے کوئی ایک نماز ہے، لیکن وہ معین نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام (پانچ) نمازوں کا حکم دیا، پھر بطور عطف ”الصلوة الوسطی“
(درمیانی نماز) کا ذکر فرمایا، پھر بیان نہیں فرمایا کہ درمیانی نماز سے مراد کون سی نماز ہے، جب معاملہ اس طرح ہے تو ممکن
ہے کہ یہ کہا جائے کہ پانچ نمازوں میں سے ہر نماز کو درمیانی نماز سمجھا جائے۔

”ابھما اللہ علی عبادہ مع ما خصھا بمزید التوکید تحریضاً لھم علی المحافظة علی

اداء جمیع الصلوات علی صفة الکمال والتمام“

اللہ تعالیٰ نے درمیانی نماز کو ادا کرنے پر ابھارا ہے، اس کی حفاظت کرنے کی خصوصی تاکید فرمائی

ہے، لیکن درمیانی نماز کو مبہم (پوشیدہ) طور پر ذکر فرمایا معین نہیں کیا تا کہ مومنین ہر نماز کو درمیانی نماز سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ ہر نماز کی شدید تاکید کی گئی ہے، تا کہ وہ تمام نمازوں کو کامل طریقہ سے مکمل ادا کریں۔

”ولهذا السبب اخفى الله تعالى ليلة القدر في شهر رمضان واخفى ساعة الاجابة في يوم الجمعة واخفى اسمه الاعظم في جميع اسمائه ليحافظوا على ذلك كله“
اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رمضان میں لیلۃ القدر کو مخفی رکھا تا کہ ہر رات کو لیلۃ القدر سمجھ کر عبادت اور ذکر الہی میں مشغول رہے، اور اسی وجہ سے جمعہ کے دن میں دعا کی قبولیت کی ساعت کو مخفی رکھا گیا تا کہ تمام دن کی ہر ساعت کو مقبولیت کی گھڑی سمجھ کر ذکر و دعا میں مشغول رہے۔

یہ قول کثیر علماء کرام کا ہے، حضرت محمد ابن سیرین فرماتے ہیں بیشک ایک شخص نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کیا ”الصلوة الوسطی“ (درمیانی نماز) کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا ”حافظ علی الصلوات کلھا تصبھا“ تمام نمازوں کی حفاظت کرو تو خود بخود درمیانی نماز کو تم پالو گے۔

حضرت ربیع بن خثیم سے درمیانی نماز کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

”الوسطی واحدة منهن فحافظ علی الكل تكن محافظا علی الوسطی“

پانچ نمازوں میں ہی درمیانی نماز ہے، سب نمازوں کی حفاظت کرو تو درمیانی نماز کی محافظت بھی پائی جائے گی۔
(حازن)

راقم کو تو یہی قول پسند آیا، تاہم یہ تمام اقوال و مذاہب نقل کرنے کے بعد ناصر الشریعہ وحی السنۃ علماء الدین

علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی المعروف بالحازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”ان تمام اقوال میں سے دو قول زیادہ معتبر اور صحیح ہیں ایک یہ ہے کہ درمیانی نماز سے مراد صبح کی

نماز ہے اور دوسرا قول کہ درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس کے بعد ترقی کر کے فرمایا ہے

”واصح الاقوال کلھا انھا العصر“ سب اقوال سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ درمیانی نماز

سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ اس میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔“
(حازن)

”وَقَوْمًا لِلَّهِ قَانِتِينَ“ اور کھڑے ہو اللہ کے لئے اطاعت کرتے ہوئے۔

قنوت کے کئی معانی ہیں جو اس آیت کریمہ میں متصور ہیں۔

قنوت بمعنی طاعت:

راقم نے یہ معنی تفسیر خازن سے ہی لیا ہے ”قانتین ای مطیعین“ کھڑے ہو اللہ تعالیٰ کے لئے اطاعت کرتے ہوئے یعنی کامل اطاعت کرو اور پوری پوری اطاعت کرو کہ نماز کے ارکان اور سنن میں خلل واقع نہ ہونے دو۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے کبیر میں یہ معنی بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ قول ابن عباس اور حسن اور شعبی اور سعید بن جبیر اور طاؤس اور قتادہ اور ضحاک اور مقاتل رضی اللہ عنہم کا ہے۔

اس پر دو وجہ سے دلیل قائم کی گئی۔

پہلی یہ کہ روایت میں آتا ہے۔ ”کل قنوت فی القرآن فهو الطاعة“ قرآن پاک میں جہاں بھی قنوت کا ذکر ہے اس سے مراد طاعت ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے متعلق فرمایا گیا ”ومن یقنت منکم للہ رسولہ“ اور جس نے تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی طاعت کی۔ اور ارشاد فرمایا ”فالصالحات قانتات“ نیک عورتیں، طاعت کرنے والیاں۔

جب واضح ہوا کہ مراد کامل طاعت ہے کہ نماز کے ارکان و سنن (سننوں) میں خلل نہ ہونے دے تو اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ نماز کو کامل طریقہ سے ادا کرنے میں انسان کا اپنا بھلا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی عبادت کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ بھی خیال رہے کہ نماز کو درست ادا نہ کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت کی حاجت نہیں یہ جہالت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور سلف صالحین جو لوگوں سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، انہوں نے خشوع سے نماز ادا کی۔

(کبیر)

قنوت بمعنی خشوع:

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ”اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے“

آپ کا ترجمہ تفسیر کبیر میں مذکور اس قول کے مطابق ہے۔

”القنوت عبارة عن الخشوع وحفظ الجناح و سکون الاطراف وترك الالتفات

من هيبه الله“

قنوت کا معنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے خشوع کرنا، عاجزی کرنا، اعضاء کو حرکت نہ دینا بلکہ ساکن

رکھنا، ادھر ادھر توجہ کو چھوڑ دینا۔

”وكان احدهم اذا قام الى الصلوة يهاب ربه فلا يلتفت ولا يقلب الحصى ولا يعث

بشي من جسده ولا يحدث نفسه بشي من الدنيا حتى ينصرف“

اس معنی کے لحاظ سے یہ سمجھ آ گیا کہ جب کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور

ادھر ادھر توجہ نہ کرے اور کنکریوں وغیرہ کو نہ پلٹے، اور اپنے جسم اور کپڑوں وغیرہ سے نہ کھیلے، اور

اپنے دل میں دنیاوی معلات کی کوئی چیز نہ واقع ہونے دے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور ادب

سے کھڑے ہو کر نماز مکمل کرے۔

(کبیر)

قنوت بمعنی دعاء و ذکر:

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اس پر دو وجہ سے دلیل قائم کی گئی ہے۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ”حافظوا علی الصلوات“ سے نماز میں پائے جانے افعال کی حفاظت کا حکم دیا، تو

اس کا لحاظ کرتے ہوئے قنوت کا معنی نماز میں پائے جانے والے ذکر و دعاء کیا جائے، اس معنی کا اعتبار کرتے ہوئے

آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہوگا ”وقوموا لله ذاکرین داعین منقطعین الیه“ اور کھڑے ہو اللہ تعالیٰ کیلئے ذکر کرتے

ہوئے، دعاء کرتے ہوئے، تمام چیزوں سے منقطع ہو کر صرف اسی کی طرف توجہ کرتے ہوئے۔

دوسری دلیل یہ قائم کی گئی کہ ایک اور آیت کریمہ میں قنوت ذکر و دعاء کے معنی میں استعمال ہے۔

”امن هو قانت آناء اللیل ساجدا وقائما“ الخ

کیا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کی حالت میں اور قیام کی حالت میں ذکر و دعاء کرتے ہوئے۔

اور صبح کی نماز میں منسوخ ہونے سے پہلے جو قنوت پڑھا جاتا رہا یا وتر میں جو قنوت پڑھا جا رہا ہے اس کا معنی بھی

دعاء ہے، اور کہا جاتا ہے ”قنوت علی فلان“ اس سے مراد لیا جاتا ہے ”دعاء علی فلان“ غلاں پر بددعاء کی۔ (از کبیر)

قنوت بمعنی سکوت:

یہ قول ابن مسعود اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

”کنا نتکلم فی الصلوة فیسلم الرجل فیردون علیہ ویسألہم کم صلیتم کفعل اهل

الکتاب فنزل قولہ تعالیٰ (وقوموا للہ قانتین) فامرنا بالسکوت ونہینا عن الکلام“

اہل کتاب کی طرح نماز میں ہم کلام کر لیا کرتے تھے، سلام دے دیتے تھے، سلام کا جواب دے

دیتے تھے، اور نماز پڑھنے والوں سے پوچھ لیا کرتے تھے تم کتنی رکعتیں پڑھ چکے ہو، تو اللہ تعالیٰ

نے یہ حکم نازل فرما دیا ”وقوموا للہ قانتین“ (اور تم گھڑے ہو اللہ کیلئے خاموش ہو کر) تو اس حکم کے

نازل ہوتے ہوئے ہمیں نماز میں کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (از کبیر)

عن عبد اللہ بن مسعود کنا نسلم علی النبی ﷺ وهو فی الصلوة فیرد علینا قبل ان نأتی

ارض الحبشة فلما رجعت سلمت علیہ فلم یرد علی فذکرت ذلک له فقال ان اللہ

یحدث من امرہ ما یشاء وانه قضی ان لا تتکلموا فی الصلوة.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کو حبشہ کی ہجرت سے پہلے سلام

کرتے جب آپ ﷺ نماز ادا کر رہے ہوتے، آپ ﷺ نماز کی حالت میں ہی جواب دے دیتے

تھے، جب میں جیشہ سے واپس لوٹا تو میں نے آپ ﷺ کو (دوران نماز) سلام کیا، آپ ﷺ نے مجھے سلام کا جواب نہ دیا تو میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا (کہ آپ ﷺ نے مجھے سلام کا جواب نہیں دیا) تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو امر دینا چاہتا ہے وہی حکم فرماتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے حکم فرما دیا ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کیا کرو۔

☆ عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری ان رجلا سلم علی النبی ﷺ فرد علیہ بالاشارة فلما سلم قال کنا نرد السلام فی الصلوة فنہینا عن ذلک۔

عطاء بن یسار کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو (دوران نماز) سلام کیا تو آپ ﷺ نے اشارہ سے اسے جواب دیا، آپ ﷺ نے جب نماز کا سلام پھیر لیا تو ارشاد فرمایا ہم نماز میں سلام کا جواب دے دیا کرتے تھے، اب ہمیں اس سے منع کر دیا گیا ہے۔

”وفی حدیث معاویۃ بن الحکم السلمی ان النبی ﷺ قال ان صلوتنا ہذہ لا یصلح فیہا شی من کلام الناس انما ہی التسمیع والتکبیر وقرآۃ القرآن“

معاویہ بن حکم سلمی کی روایت میں ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک ہماری یہ نماز نہیں صلاحیت رکھتی کہ اس میں لوگوں کا کلام کیا جائے (یعنی دنیاوی کلام کیا جائے) بیشک یہ نماز تسمیع و تکبیر اور قرأت قرآن ہی ہے۔

(از احکام القرآن للجصاص)

معاویہ بن حکم سلمی کی روایت ایک طویل حدیث کا حصہ احکام القرآن میں منقول ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک صحابی نماز میں حاضر ہوئے ان کو علم نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو چکا ہے، انہوں نے حسب معمول سابق (جو پہلے عمل ہو رہا تھا) نمازیوں سے سوال کیا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں (چونکہ نمازیوں کے بتانے پر وہ رکعتیں پہلے ادا کی جاتیں پھر بقیہ نماز ادا کی جاتی) تو وہ اشارہ سے انہیں خاموش رہنے کے متعلق کہہ رہے تھے، یہ کہتے ہیں میں نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے شخص کو کہا تمہاری ماں تمہیں پیٹے تم مجھے بتاتے کیوں نہیں تو انہوں نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، میں خاموش ہو گیا، نماز سے فارغ ہونے پر نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنے پاس بلایا، نہ ڈانٹا، نہ جھڑکا اور (پیار و محبت

سے) فرمایا کہ نماز میں دنیاوی کلام کی گنجائش نہیں، بلکہ نماز صرف تسبیح و تکبیر (یعنی اللہ کے ذکر) اور قرآن پاک پڑھنے پر مشتمل ہے۔

سبحان اللہ! میرے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ کا کیا خوب انداز تبلیغ تھا کہ آپ ﷺ پیار و محبت سے مسائل سمجھاتے تھے جس کی وجہ سے لوگ قریب ہوتے، لیکن آج دیکھتے ہیں کہ کسی سے نماز میں کوئی غلطی واقع ہو جائے تو سمجھانے والے اس طرح سخت لہجہ سے سمجھاتے ہیں کہ وہ شخص دوبارہ مسجد کی طرف رخ نہیں کرتا۔

قنوت بمعنی قیام:

یعنی قانتین بمعنی قائمین کے ہے۔ اس قول والے حضرات نے اپنے موقف کو حدیث پاک سے ثابت کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

”سئل النبی ﷺ ای الصلوة افضل؟ قال طول القنوت“ یرید به طول القیام۔
نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کون سی نماز افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”لمبا قنوت“ یعنی آپ ﷺ کی مراد لمبا قیام تھا۔

تاہم اس قول کو علامہ رازی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا، آپ فرماتے ہیں اگر یہی معنی مراد ہوتا تو تقدیر عبارت کی یہ ہوگی ”وقوموا للہ قائمین“ یہ درست نہیں، البتہ اسی معنی کے مطابق یہ کہا جاسکتا ہے کہ مطلب یوں ہو ”وقوموا للہ مدیمین کذلک القیام“ کھڑے ہو اللہ کیلئے اس قیام میں مداومت (ہیشگی) کرو، اس صورت میں قنوت کی تفسیر ”ادامۃ“ سے ہوگی نہ کہ قیام سے۔ (از کبیر)

فائدہ: ”قوموا للہ“ سے سمجھ آیا کہ فرض نماز میں قیام فرض ہے، خواہ نماز ادا کرنے والا منفرد ہو یا امام ہو۔

☆ قال ﷺ انما جعل الامام لیؤتم به فاذا صلی قائما فصلوا قیاما۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا امام بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرے تم بھی کھڑے ہو کر ادا کرو۔

خیال رہے کہ امام مریض ہو کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور مقتدی تندرست ہوں کھڑے ہونے کی

طاقت رکھتے ہوں تو امام بیٹھ کر نماز پڑھائے اور مقتدی کھڑے ہو کر نماز ادا کریں تو نماز صحیح ہوگی ”لان کلا یؤدی فرضہ علی قدر طاقتہ“ اس لئے کہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق فرض ادا کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض وصال میں نماز بیٹھ کر پڑھائی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے تھے اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے ”ولم یشر الی ابی بکر ولا الیہم بالجلوس واکمل صلوٰتہ بہم جالساً وہم قیام“ تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر اور دوسرے صحابہ کرام کو بیٹھنے کا اشارہ نہیں فرمایا، بلکہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر ان حضرات کو نماز پڑھائی اور انہوں نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ (از قرطبی)

یہی موقف ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا، مالکی اور حنفی مذہب کے متعلق قیل وقال قرطبی میں دیکھی جائے۔
تنبیہ: قاتنین کے جتنے معانی بیان کئے ہیں اور جتنے اقوال بیان کئے ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں تمام جمع ہو سکتے ہیں اسی کو علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں۔

”ان القنوت عبارة عن الدوام علی الشئ والصبر علیہ والملازمة له وهو فی الشریعة

صار مختصاً بالمداومة علی طاعة الله والمواظبة علی خدمة الله تعالیٰ“

قنوت کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز پر ہمیشگی کی جائے اور اسی پر صبر کیا جائے یعنی اس پر قائم رہا جائے، اور اسے لازم پکڑا جائے، اب شریعت میں قنوت اس معنی کے ساتھ خاص ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر ہمیشگی پائی جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں ہمیشگی پائی جائے۔

”وعلی هذا التقدير یدخل فیہ ما قالہ المفسرون“ اس معنی کے لحاظ پر مفسرین کرام کے تمام اقوال

اس میں داخل ہوں گے۔ (از کبیر)

یعنی مطلب یہ ہو گیا کہ ”کھڑے ہو اللہ کیلئے دعا، ذکر کرتے ہوئے اور اس کی طاعت کرتے ہوئے اور خاموش رہتے ہوئے اور خشوع و خضوع کرتے ہوئے اور قیام پر ہمیشگی کرتے ہوئے“

ان تمام پر عمل کرنے سے ہی رب تعالیٰ کی طاعت پائی جائے گی اور اس کے احکام کو بجالا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا

عَلَّمَكُمْ مَالَكُمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ☆ (سورة البقرة آیت ۲۳۹)

﴿۱﴾

پھر اگر خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار جیسے بن پڑے پھر جب اطمینان سے ہو تو اللہ کی یاد کرو جیسا اس نے سکھایا جو تم نہ جانتے تھے۔

﴿۲﴾

پھر اگر تم خوف میں ہو تو پاؤں پر کھڑے یا سوار، پھر جب تم امن میں ہو تو یاد کرو اللہ کو جیسا کہ اس نے سکھایا تمہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔

نماز خوف کا ذکر کیا جا رہا ہے یعنی دوران جنگ نماز کیسے ادا کی جائے؟
نماز خوف کی دو قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ جنگ نہیں ہو رہی لیکن دشمن سامنے ہو تو ان کو نماز جماعت سے امام پڑھائے، اس کا ذکر انشاء اللہ سورة النساء کی آیت ”وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ“ میں آئے گا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ جنگ ہو رہی ہے یعنی تلوار چل رہی ہو تو پھر جیسے ممکن ہو نماز ادا کرے، اس حال میں بھی نماز معاف نہیں ہوگی، بلکہ بغیر جماعت کے اکیلے اکیلے اپنی سواریوں پر نماز ادا کریں، سواری پر نماز یقیناً اشارہ سے ہوگی یعنی رکوع و سجود پر بھی عمل نہیں ہوگا، اسی طرح قبلہ کی طرف منہ کرنا بھی لازم نہیں ہوگا بلکہ جس طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا ممکن ہو نماز ادا کر لے۔

اسی طرح کھڑے کھڑے نماز ادا کر سکے تو کھڑے ہو کر اکیلے ہی اشارہ سے نماز ادا کرے جس طرف بھی منہ کرنا ممکن ہو اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے۔

تذکرہ: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جب جنگ جاری ہو تو چلتے ہوئے، مقابلہ کرتے ہوئے، تنوار چلاتے ہوئے، دوڑتے ہوئے ہر حال میں نماز جائز ہوگی۔

”وقال ابو حنیفہ لا یصلی الماشی بل یؤخر الصلوۃ ویقضیہا“ (حارون)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں چلتے ہوئے نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ اگر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو اور سواری پر نماز ادا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دے اور قضاء کر لے، امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے موقف پر یہ دلیل دی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خندق کے دن چار نمازیں رہ گئیں، جن کو آپ ﷺ نے بعد میں ترتیب وار قضاء کیا، اگر قتال وغیرہ میں مشغول ہوتے ہوئے نماز ادا کرنا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ کی نمازیں قضاء نہ ہوتیں بلکہ دوران مشغولیت آپ ﷺ ادا فرما لیتے۔ (حارون)

اعتراض: آیہ کریمہ میں ”فرجالا“ ذکر ہے، رجال جمع ہے راجل کی جیسے صحاب جمع ہے صاحب کی، راجال کا معنی ہے پیدل چلنا، اس سے پتہ چلا کہ چلتے ہوئے نماز ادا کرنا جائز ہے۔

جواب: ”ولیس فی الآیۃ دلیل علی جواز الصلوۃ حال المسابقة فانہ لیس معنی الراجل

الماشی بل الراجل القائم علی الرجلین“

آیہ کریمہ سے اس مسئلہ پر دلیل قائم نہیں ہو سکتی کہ مقابلہ کے دوران چلتے ہوئے نماز ادا کرنا جائز ہے، کیونکہ ”راجل“ کا معنی پیدل چلنا نہیں، بلکہ دونوں پاؤں پر کھڑا ہونا مراد ہے۔ (مظہری)

راقم نے یہی ترجمہ کیا ہے، اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے ”پیادہ“ اس کا معنی بھی پاؤں پر کھڑا ہونا ہی ہے، چلنا نہیں۔

تاہم تفسیرات احمدیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ”راجل“ کا معنی پیدل چلنا بھی ہے اور پاؤں پر کھڑا ہونا بھی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے پیدل چلنے والا معنی لیا ہے، اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے پاؤں پر کھڑے ہونے والا معنی لیا ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل حدیث پاک سے:

عن نافع ان ابن عمر كان اذا سئل عن صلوة الخوف وصفها ثم قال وان كان الخوف اشد من ذلك صلوا رجلا وقيا ما على اقدامهم او ركبانا مستقبلتي القبلة او غير مستقبلها قال نافع لا اري ابن عمر ذكر ذلك الا عن رسول الله ﷺ.

(رواه البخاری)

حضرت نافع کہتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خوف کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا طریقہ بیان کیا (کہ جنگ نہ ہو رہی ہو، دشمن سامنے ہو تو امام کس طرح نماز پڑھائے) پھر آپ نے فرمایا کہ اگر خوف زیادہ ہو تو قدموں پر کھڑے ہو کر یا سوار ہو کر نماز ادا کریں قبلہ کی طرف توجہ کر سکیں یا نہ کر سکیں، حضرت نافع کہتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ قول رسول اللہ ﷺ سے ہی سن کر کیا ہے۔

اس حدیث میں ”صلوا رجلا وقيا ما على اقدامهم“ جو ذکر ہے اس میں ”رجالا“ کی تفسیر عطف تفسیر سے کی گئی، یعنی ”رجالا“ سے مراد ”قیاما علی اقدامہم“ ہے کہ پاؤں پر کھڑے ہونا، یعنی سخت خوف کی حالت میں زمین پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرو یا سواری پر۔

(از مظہری)

اعتراض: نماز خوف میں تو ایک یا دو رکعت پڑھ کر لوگ دشمن کے مقابل چلے جاتے ہیں اور دوسرے (لوگ) امام کے پیچھے آ جاتے ہیں، پھر یہ چلے جاتے ہیں اور پہلے لوگ آ جاتے ہیں اور اپنی نماز مکمل کرتے ہیں، یہ نماز میں چل رہے ہیں تو ان کی نماز صحیح ہے، یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ چلتے ہوئے نماز ادا کرنا درست نہیں۔

جواب: جو کام خلاف قیاس شرع سے ثابت ہو وہ اپنے مورد (مقام) پر موقوف ہو جاتا ہے، اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اسلئے نماز خوف کی ایک یا دو رکعت ادا کر کے دشمن کی طرف جانا نص سے ثابت ہے لہذا یہ جائز ہے گا اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جائے گا، البتہ کوئی اور صورت بھی شرع سے ثابت ہو تو وہ بھی جائز رہے گی جیسا کہ نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو وہاں ہی نماز کو چھوڑ کر کوئی کام نماز کے منافی (خاف) کئے بغیر وضو کرنے کے لئے جائے اور وضو کر کے

واپس آئے تو وہاں سے ہی نماز مکمل کر لے جہاں چھوڑ کر گیا تھا، یہ حکم بھی شرع سے ثابت ہے لہذا جائز ہے۔

اسی طرح نماز کی حالت میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس میں بھی چننا پڑتا ہے، لیکن یہ حکم بھی شرع سے ثابت ہے۔

تنبیہ: یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ نماز میں چلنا جائز ہے جیسے تین مسئلہ اوپر ذکر کئے گئے لیکن ان تمام صورتوں میں نماز موقوف رہتی ہے، چلتے ہوئے نماز ادا نہیں کی جاتی پہلے مسئلہ میں بھی نماز کی ایک رکعت یا دو رکعت ادا کر کے لوگ دشمن کی طرف چلے جائیں، پھر دوسرا گروہ امام کے ساتھ آ کر باقی نماز ادا کرے، جب یہ دشمن کی طرف جائیں گے تو پہلے لوگ وہاں ہی یا واپس آ کر جہاں پہلے نماز ادا کی تھی وہاں اپنی باقی نماز کو مکمل کریں گے، اگر چلتے ہوئے نماز جائز ہوتی تو یہ لوگ دشمن کی طرف جاتے جاتے نماز مکمل کر لیتے حالانکہ ایسا نہیں کیا گیا۔

وضو کرنے کے لئے جو شخص گیا وہ بھی وضو کر کے واپس آتے ہوئے چلتے چلتے نماز ادا نہیں کر سکتا بلکہ اپنی جگہ، یعنی مسجد وغیرہ میں واپس آ کر نماز مکمل کرے گا۔

سانپ اور بچھو کو قتل کرتے ہوئے بھی نماز میں چلنا تو جائز ہے لیکن اتنی دیر کے لئے نماز موقوف رہے گی یہ نہیں کہ چلتے ہوئے اور سانپ، بچھو کو ضربیں لگاتے ہوئے بھی نماز جاری رکھے گا۔

اس بحث سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔

”ان المشی فی الصلوۃ کالمشی لاجل الوضوء الذی احدث فی الصلوۃ اھون من الصلوۃ ما شیا فلا یلحق الا علی بالادنی“

کہ بیشک دوران نماز چلنا آسان ہے بنسبت چلتے ہوئے نماز ادا کرنے کے، جیسا کہ وضو کرنے کے لئے جانا اور وضو کر کے آنا تو جائز ہے لیکن چلتے ہوئے نماز ادا کرنا جائز نہیں، لہذا واضح ہوا کہ ادنیٰ چیز کے ثابت سے اعلیٰ چیز کا ثبوت نہیں ہو سکتا، یعنی نماز میں چلنے کے جواز سے (دو جہی غلط) شرع) چلتے ہوئے نماز کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔

(ماخوذ از مطہری بر صاحب)

مسئلہ: سخت خوف میں سواریوں پر نماز رکوع اور سجود کے اشارہ سے جائز ہے خواہ قبلہ کا استقبال کیا جاسکے یا نہ کیا جاسکے لیکن یہ نماز اکیلے اکیلے ادا ہوگی جماعت سے ادا نہیں ہوگی، یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، ایک قول امام محمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا کہ آپ جماعت سے نماز ادا کرنا جائز مانتے ہیں، لیکن ہدایہ میں اسے رد کیا گیا "ولیس بصحیح لانعدام الاتحاد فی المكان" جب ہر شخص اپنی اپنی سواری پر نماز ادا کر رہا ہے تو امام اور مقتدی حضرات کا مکان متحد نہیں ہوتا لہذا جماعت نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ نماز خوف کی رکعتوں کی تعداد کم نہیں ہو سکتی:

اگر جنگ-سفر کی مقدار سے کم مسافت پر ہو رہی ہے تو اسی طرح نماز فجر دو رکعت، مغرب تین رکعت، ظہر، عصر اور عشاء چار رکعت ہوگی جس طرح امن کی حالت میں ہوتی ہے۔ اگر مسافر ہو تو اس کے لئے نماز اسی طرح قصر ہوگی جیسے امن کی حالت میں مسافر کے لئے قصر ہوتی ہے۔

اعتراض: حدیث شریف میں تو اس کے خلاف ذکر ہے جس سے سمجھ آتا ہے کہ نماز خوف کی تعداد رکعات میں عام نمازوں سے فرق ہے۔

☆ عن ابن عباس قال فرض الله تعالى الصلوة على لسان نبيكم في الحضر اربعاً وفي السفر ركعتين وفي الخوف ركعة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کریم ﷺ کی زبان سے (مسلم) حضر (غیر سفر) میں چار رکعت نماز فرض کی اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت۔

جواب: اس حدیث میں جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم ہے کہ حضر میں چار رکعت والی نماز چار رکعت ہی امام کے ساتھ ادا ہوگی، اور سفر میں چار رکعت والی نماز دو رکعت ادا کی جائے گی جبکہ امام بھی مسافر ہو، اور سفر میں خوف کی حالت میں ایک رکعت نماز امام کے ساتھ ادا کی جائے گی اور ایک رکعت خود ادا کرے گا۔

☆☆☆☆☆

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا
إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا
فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۴۰)

۵۱۵

اور جو تم میں مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں
سال بھر نان و نفقہ دینے کی بے نکالے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مواخذہ
نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

۵۲۵

اور وہ جو فوت ہونے کے قریب ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ رہے ہوں بیویاں تو
ان پر وصیت (فرض) ہے بیویوں کیلئے تم نفع پہنچاؤ ان کو سال تک سوائے نکالنے
کے، پھر اگر وہ نکلیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر جو کریں وہ اپنے نفس کے متعلق شرع کے
مطابق اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

مختصر مطلب:

ابتداء اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال کی تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے یہاں رہ کر نان و نفقہ (رہائی،
خرچ) پانے کی مستحق ہوتی تھی، پھر ایک سال کی عدت تو "یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشر" سے منسوخ
ہو گئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی، اور سال بھر کا نفقہ آیہ میراث سے منسوخ ہوا جس میں
عورت کا حصہ شوہر کے ترکہ سے مقرر کیا گیا لہذا اب اس وصیت کا حکم باقی نہ رہا۔

حکمت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنے مورث کی بیوہ کا نکلتا یا غیر سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہ کرتے تھے، اور اس کو عار سمجھتے تھے اس لئے اگر ایہ دم چار ماہ دس روز کی عدت مقرر کی جاتی تو یہ ان پر بہت شاق ہوتی، لہذا بدرجہ (آہستہ آہستہ، درجہ بدرجہ) انہیں راہ پر لایا گیا۔
(خزانة العرفان)

قدرِ تفصیل:

”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ“ اور وہ جو فوت ہونے کے قریب ہو جائیں تم میں سے۔

”منکم“ میں مخاطب ضمیر ذکر کی گئی کہ یہ خطاب مردوں کو ہے، اسی لئے اکثر مفسرین کرام نے ”یا معشر الرجال“ کے الفاظ ذکر کئے ہیں ”اے مردوں کی جماعت“

”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ“ کا معنی ملا جیون رحمہ اللہ نے فرمایا ”وَالرَّجَالُ الَّذِينَ يَقْرَبُونَ الْمَوْتَ مِنْكُمْ“ اور وہ مرد جو تم میں سے موت کے قریب ہوں۔
(تفسیرات احمدیہ)

علامہ آلوتی رحمہ اللہ نے اس معنی کی وجہ بیان فرمائی ”وفی یتوفون مجاز المشارفۃ“ (یتوفون میں مجاز مشارفت پایا گیا ہے) مجاز مشارفت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز پر قریب چیز کا حکم لگا دیا جائے۔

یعنی یہاں وفات کے قریب لوگوں کو ”یتوفون“ (جو مر جائیں) سے تعبیر کر لیا گیا، ظاہری معنی وہی ہے جو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ہے، راقم نے مجاز کو طلباء پر واضح کرنے کیلئے ”فوت ہونے کے قریب“ والا معنی کیا ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ طلباء کرام وسیع تر مطالب حاصل کر لیں۔

”وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا“ اور چھوڑ رہے ہوں بیویاں۔

”ازواج“ کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہے، اسی وجہ سے مفسرین کرام نے ”ازواجاً“ کی تفسیر ”زوجات“ سے کی، یعنی یہاں مراد مؤنث ہے مذکر نہیں، کیونکہ خطاب مردوں کو ہے کہ جب وہ بیویاں چھوڑ کر جا رہے ہوں فوت ہونے کے قریب ہوں تو ان پر وصیت کرنا فرض ہے۔

”وَصِيَّةٌ لِّأَزْوَاجِهِمْ“ تو ان پر وصیت (فرض) ہے بیویوں کے لئے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

یہاں ”وصیۃ“ پر نصب بھی پڑھی گئی ہے، اور رفع بھی پڑھا گیا ہے، نصب والی قراءت ابو عامر، ابن عامر اور حمزہ رحمہم اللہ کی ہے جو عامہ رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ اس صورت میں تقدیر عبارت کی ہوگی ”لیوصوا او یوصون وصیۃ“ وہ وصیت کر جائیں۔ یہی ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ کا ہے۔ یا تقدیر عبارت یہ ہوگی ”کتب اللہ تعالیٰ علیہم وصیۃ“ اللہ تعالیٰ نے ان پر وصیت کرنا فرض کر دیا۔ اس کو عبد اللہ رحمہم اللہ کی قراءت سے تائید بھی حاصل ہے، انہوں نے پڑھا ”کتب علیکم الوصیۃ لا زواجکم متاعا الی الحول“ تم پر فرض کر دی گئی وصیت تمہاری بیویوں کیلئے ایک سال تک نفع پہنچانے کی۔

ایک اور قراءت میں ”وصیۃ“ پر رفع ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت کی ہو ”علیہم وصیۃ“ ان پر وصیت لازم ہے، یا تقدیر عبارت کی یہ ہو ”کتب علیہم وصیۃ“ ان پر وصیت فرض کی گئی۔ (اردو المعانی) راقم نے ان تقادیر کے مطابق ترجمہ کیا جن میں فرض ہونے کا ذکر ہے۔

شان نزول:

طائف کے ایک شخص تھے جن کو حکیم بن الحارث کہا جاتا تھا جنہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی ان کی اولاد، ان کے ماں باپ اور ان کی زوجہ بھی ان کے ساتھ تھی وہ فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے والدین اور اولاد کو وراثت سے مال دیا اور ان کی زوجہ کو کوئی چیز نہ عطا کی اور ان کے ورثاء کو حکم دیا کہ ان کی زوجہ کو ایک سال گھر میں رہنے دیں اور خرچ دیتے رہیں۔

(ذکرہ المغوی، وکذا أخرج اسحاق بن راہویہ فی تفسیرہ)

شان نزول کا قول ضعیف ہے:

یہ واقع اپنی جگہ درست ہے، لیکن یہ واقع آیت کریمہ کے نزول کا سبب نہیں قاضی مظہری رحمہ اللہ نے اس شان نزول پر ان الفاظ سے اعتراض کیا۔

”قلت لكن سياق الآية ينافي هذا الحديث لان الآية تقتضي وجوب الوصية والحديث يقتضي وجوب نفقتها من تركه زوجها من غير وصية ولعله مات بعد نزول الآية واوصى بالانفاق حولا على حسب تلك الآية فعمل النبي ﷺ كذلك“

میں کہتا ہوں آیت کریمہ کا سیاق یعنی مقصد بیان اس حدیث کے منافی ہے کہ یہ واقعہ شان نزول بن سکے کیونکہ آیت کریمہ وصیت کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے، اور حدیث اس کو نفقہ (خرچ) دینے کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی زوجہ کو اس کے ترکہ سے خرچ دیا جائے، حدیث پاک میں وصیت کا کوئی ذکر نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آیت کریمہ کا نزول پہلے ہوا ہو، وہ صحابی بعد میں فوت ہوئے ہوں (وصیت کا انہیں موقع نہیں ملا جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے ذکر کیا کہ ان کی موت اچانک واقع ہوئی) یا بقول مظہری رحمہ اللہ انہوں نے وصیت کر دی ہو اور نبی کریم ﷺ نے اس پر عمل فرمایا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب) (مظہری)

آیت کریمہ کے منسوخ ہونے کا قول:

اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہے پہلی آیت کریمہ سے وہ یہ ہے ”یتر تصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا“ وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روک کر رکھیں (یعنی ایک سال کی عدت منسوخ ہے چار ماہ دس دن کی عدت سے۔

خیال رہے کہ پہلی آیت کریمہ نزول کے لحاظ سے بعد میں ہے تلاوت کے لحاظ سے پہلے ہے، جیسے ”اقراء باسم ربک“ الخ آیات نازل سب سے پہلے ہوئیں حالانکہ تیسویں پارہ میں تلاوت ہوتی ہیں۔

☆ قال ابن الزبير قلت لعثمان بن عفان "والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا" قد نسختها الآية الأخرى فلم تكتبها او تدعها، قال يا ابن اخي لا اغير شيئا منه مكانه"

(رواه البخاری)

حضرت ابن زبیر کہتے ہیں میں نے حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کو کہا جب آیت کریمہ "والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا" دوسری آیت کریمہ سے منسوخ ہے تو اسے نہ ہی لکھا جاتا بلکہ چھوڑ دیا جاتا، یعنی اس کو قرآن پاک کے نسخہ میں لکھنے کا کیا فائدہ؟ تو آپ نے فرمایا میں کسی آیت کو اس جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔

یعنی آیت کریمہ اگرچہ حکم کے لحاظ پر منسوخ ہے لیکن تلاوت کے لحاظ پر منسوخ نہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سوال کا اصل مقصد یہ تھا کہ آیت کریمہ کا حکم جب منسوخ ہو چکا ہے تو اس کو قرآن پاک میں لکھنے کا کیا فائدہ ہے، بلکہ اس کے لکھنے سے تو یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ شاید اس کا حکم باقی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مقصد یہ تھا۔

"هذا امر توفيقى وانا وجدتها مثبتة فى المصحف كذلك بعد ما فاثبتها حيث وجدتها"

یہ معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے تقاضا پر موقوف ہے، جب میں نے قرآن پاک کے نسخہ میں اس آیت کریمہ کو لکھا ہوا پایا تو بعد میں بھی اسی طرح قرآن پاک میں موجود رہے گا۔

(صابر بن ابی کثیر)

☆ وروى عن ابن عباس قال كان الرجل اذا مات وترك امراته اعتدت سنة فى بيته ينفق عليها من ماله ثم انزل الله بعد (والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يترتصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا) فهذه عدة المتوفى عنها زوجها الا ان تكون حاملا فعدتها ان تضع مافى بطنها، وقال "ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لکم ولد فان كان لکم ولد فلهن الثمن مما تركتم" فبين ميراث المرأة وترك الوصية والنفقة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص جب فوت ہو جاتا تھا اور اپنی زوجہ چھوڑ جاتا تو وہ ایک سال اس کے گھر عدت گزارتی اور اس کے مال سے اس عورت کو ایک سال خرچ دیا جاتا تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ "والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا

یتر بصل بانفسهن اربعة اشهر وعشرا“ نازل فرمائی، اب یہ ”چار ماہ دس دن“ عدت ہے اسی عورت کی جس کا خاوند فوت ہو جائے سوائے حاملہ عورت کے اس کی عدت ہے بچے کی پیدائش خواہ اس کا خاوند فوت ہو جائے یا اسے طلاق دی گئی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ”ولهن الربع مما ترکتھن ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتھن“ جب ان عورتوں کا حصہ (مذکورہ بالا) آیہ کریمہ میں بیان فرما دیا کہ خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں ان کا آٹھواں حصہ ہے اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں ان کا چوتھا حصہ ہے۔

تو اس آیہ کریمہ سے عورتوں کے سال کے خرچ والا حکم منسوخ ہو گیا، اور وراثت والی آیہ سے ورثاء کیلئے وصیت کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

(از صابونی وابن کثیر)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی ہے ”لا وصیۃ للوارث“ وارث کے لئے وصیت نہیں۔

عدم منسوحیت کا قول:

مجاہد اور عطاء کا قول یہ ہے کہ یہ آیہ منسوخ نہیں، بلکہ چار ماہ دس دن عدت گزارنی ان پر واجب ہے، اس مدت کے دوران ان کو خرچ دینا اور رہنے کیلئے مکان دینا واجب ہے۔ اور ان کیلئے ایک سال تک خرچ دینے اور مکان دینے کی وصیت کرنا مستحب ہے، یعنی دونوں حکم علیحدہ علیحدہ ہیں، دونوں ہی برقرار ہیں ایک وجوبی اور ایک استحبابی۔

(ماخوذ از ابن کثیر و کبیر)

تنبیہ: جن حضرات نے منسوخ کا قول کیا ہے کہ پہلے عدت ایک سال واجب تھی ان حضرات کے نزدیک ”غیر اخراج“ کا حکم وجوبی ہے کہ ان کو گھروں سے نہ نکالا جائے، اب ان کے نزدیک ”فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن من معروف“ کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ عورتیں سال مکمل کرنے کے بعد خود نکل جائیں اور اپنے نفسوں کے متعلق شرع کے مطابق کام کریں تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ عدت ختم کرنے سے پہلے ان کا گھر سے نکلنا جائز نہیں۔

اگر منسوخ نہ ہونے کا قول مراد ہو تو اب مطلب یہ ہوگا کہ چار ماہ دس دن تک تو ان کا عدت گزارنا واجب ہے اور چار ماہ دس دن کے بعد ان کو خرچ دینا اور مکان میں رہنے دینا واجب نہیں، لیکن چار ماہ دس دن کے بعد اگر وہ نکلتا چاہیں تو ان کی مرضی رہنا چاہیں تو ایک سال تک ان کو نہ نکالا جائے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ منسوخ نہ ہونے والے قول کو پسند فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں "و تنزیل الایتین علی هذا التقديرین اولی حتی یکون کل واحد منها معمولاً به" دونوں آیتوں میں سے کسی ایک کو بھی منسوخ نہ ماننا زیادہ بہتر ہے تاکہ ہر ایک آیت پر عمل ہو سکے۔

(کبر)

مسئلہ: عدت کے دوران رہنے کیلئے مکان دینا واجب ہے۔

اعتراض: فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے تو یہ سمجھا رہا ہے کہ دوران عدت رہنے کیلئے مکان دینا واجب نہیں۔

عن فاطمة بنت قیس ان رسول الله ﷺ لم يجعل لها سكنی ولا نفقة۔ (مسند احمد)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے ان کا عدت میں خرچ اور

مکان مقرر نہیں فرمایا۔

جواب: "وقد ترک العمل به عمر بن الخطاب بمحضر من الصحابة" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ

کرام کے سامنے اس حدیث کو چھوڑنے کے متعلق فرمایا "لاندع کتاب الله وسنة نبينا ﷺ بقول امرأة لاندري

احفظت ام نسيت" ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن پاک) اور نبی کریم ﷺ کی مشہور احادیث کے حکم کو ایک عورت

کے قول پر نہیں چھوڑ سکتے، ہمیں معلوم نہیں کہ اسے یاد ہے یا وہ بھول گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو کسی نے بھی رد نہیں کیا لہذا اس پر اجماع امت ہو گیا کہ عورت کو دوران عدت

خرچ اور رہنے کے لئے مکان دینا واجب ہے۔ (امطہری)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں فریہ بنت مالک بن سنان جو ابو سعید خدری کی بہن ہیں کی حدیث

بیان کی جس میں یہ الفاظ مبارکہ ہیں۔

"فقال یتیم امکشی فی بیتک حتی یبلغ الكتاب اجله، قالت فاعتددت فیہ

اربعة اشهر وعشرا، فلما كان (عثمان بن عفان) ارسل الى فسألني عن ذلك فاخبرته فاتبعه وقضى به“ (رواه مالك وابوداود و الترمذی وقال الترمذی حسن صحيح)

رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ تم اپنے گھر میں ٹھہرو یہاں تک کہ کتاب اپنی اجل کو پہنچ جائے (یعنی قرآن پاک میں بیان کردہ عدت کی مدت ختم ہو جائے) فریضہ کہتی ہیں میں نے اپنے خاوند کے مکان میں ہی چار ماہ دس دن عدت گزاری، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے تو آپ نے مجھ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد انہیں بتایا، آپ نے اسی کی تابعداری کی اور اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ (از ابن کثیر و کبیر)

تنبیہ: ”لا جناح علیکم“ کا خطاب میت کے ورثاء کو بھی ہے اور حکام کو بھی۔ ”فان خرجن“ کے دو مطلب ہیں، وہ خود چار ماہ دس دن مکمل کرنے کے بعد نکل جائیں (عدم منسوحیت کے قول کے مطابق) یا وہ خود نکل جائیں ایک سال عدت گزارنے کے بعد (منسوحیت کے قول کے مطابق) تو تم پر اے حاکمو اور میت کے ورثاء کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے نفسوں کے متعلق شرع کے مطابق کام کریں، یعنی عدت گزار کر اور نکاح کرنے کیلئے شرع کے مطابق اپنی زینت وغیرہ کریں تو انہیں اجازت ہے، تم انہیں منع نہ کرو۔

”وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ“ اور اللہ غالب ہے (اور) حکمت والا ہے۔

اس میں وعید بھی ہے اور وعدہ بھی، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم سے عدولی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا، اسے عذاب دینے سے کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ وہ غالب ہے (یہ وعید ہے)۔ اور اگر کوئی شخص اس کے احکام کے مطابق عمل کرے گا تو رب تعالیٰ اسے اجر و ثواب عطاء فرمائے گا، وہ غالب ہے اسے ثواب دینے سے بھی کوئی روک نہیں سکتا۔

وہ حکمت والا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، اس لئے اس کا اچھے عمل کرنے والوں کو ثواب دینا بھی حکمت کا کام ہے، اور برے کام کرنے والوں کو عذاب دینا بھی اس کی حکمت

☆☆☆☆☆

کا تقاضا ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۴۱)

○ ۱ ○

اور طلاق والیوں کے لئے بھی مناسب طور پر نان و نفقہ ہے یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر۔

○ ۲ ○

اور طلاق والیوں کو (بھی) نفع پہنچانا مناسب طور پر واجب ہے مومنوں پر۔

مختصر مطلب اور ما قبل سے تعلق:

پہلی آیہ میں جن عورتوں کے خاوند فوت ہو جائیں ان کو دوران عدت نان و نفقہ اور رہنے کیلئے مکان دینے کا ذکر تھا۔ اس آیہ کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن عورتوں کو طلاق دے دی جائے ان کو دوران عدت خرچ دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ مرادی ہے کہ ”متاع بالمعروف“ سے مراد کیا ہے؟ اور راقم کا ترجمہ لغوی ہے کہ اصل لغت کے مطابق ترجمہ کیا ہے، تاہم راقم کے ترجمہ سے مکان دینا بھی سمجھا سکتا ہے۔ اتنا واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ اور راقم کے ترجمہ کا مقصد تقریباً ایک ہی ہے۔

شان نزول:

جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ”ومتعوھن“ اور نفع پہنچاؤ انہیں۔ اور آیہ کریمہ کا اختتام فرمایا ”حقاً علی المحسنین“ سے (کہ یہ واجب ہے احسان کرنے والوں پر) تو ایک شخص کہنے لگے کہ یہ حکم تو احسان کرنے والوں پر واجب ہے، اس سے تو یہ واضح ہوا کہ اس میں اختیار ہے اس لئے میرے لئے تو گویا کہ یوں حکم ہے ”ان اردت فعلت وان لم ارد لم افعل“ اگر میں چاہوں تو ان کو نفع پہنچاؤں اور اگر میں نہ چاہوں تو نفع نہ پہنچاؤں۔ فقال تعالیٰ ”وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً علی المتقین“ یعنی علی کل من کان متقیاً عن الکفر۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ کو نازل فرمایا جس میں ذکر کیا گیا کہ طلاق والی عورتوں کو دوران عدت نان و نفقہ دینا تمام مومنوں پر لازم ہے، کیونکہ اس مقام میں ”متقین“ سے مراد کفر سے بچنے والے۔

(کبیر)

راقم نے کبیر کی بحث کے مطابق ”متقین“ کا ترجمہ ”مؤمنین“ کر دیا ہے۔ باقی مترجمین کا ترجمہ تقریباً ”پرہیزگار لوگ“ ہی ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ کے حکم کو مان کر اس پر عمل کرنے والے اور ثواب حاصل کرنے والے پرہیزگار لوگ ہی ہیں اگرچہ یہ حکم سب مومنوں کو ہے۔

”متاع“ میں دو قول:

ایک قول یہ ہے کہ ”متاع“ سے مراد ”متعہ“ ہے، یعنی طلاق والی عورتوں کو متعہ (تین کپڑوں پر مشتمل جوڑا) دینا واجب ہے۔ یہ آیہ کریمہ ظاہری طور پر تقاضا کرتی ہے کہ ہر طلاق والی عورت کو متعہ دیا جائے، بعض حضرات نے اس آیہ کریمہ کے ظاہر سے دلیل پکڑی ہے کہ متعہ تمام طلاق والی عورتوں کو دینا واجب ہے، یہ قول سعید بن جبیر، ابو العالیہ اور زہری رحمہم اللہ کا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگرچہ ہر طلاق والی کو متعہ دینا واجب ہے لیکن وہ عورت جس کا مہر مقرر کیا گیا تھا اور اسے جماع اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی گئی اسے صرف نصف مہر دینا واجب ہے، متعہ دینا واجب نہیں، یہ مسئلہ ”ومتعوهن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ“ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ متعہ کا پھر یہاں ذکر کیوں کیا گیا ہے حالانکہ اس کا ذکر پہلے ”ومتعوهن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ“ میں آچکا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے ”ہناک ذکر حکما خاصا و ہنا ذکر حکما عاما“ وہاں خاص حکم کا ذکر تھا جس کا تعلق غنی سے علیحدہ اور تنگ دست سے علیحدہ تھا، یہاں عام حکم ہے کہ طلاق والی عورتوں کو متعہ دیا جائے۔

﴿۲﴾ دوسرا قول یہ ہے ”ان المراد بهذه المتعة النفقة قد تسمى متاعا، واذا حملنا هذا المتاع علی

النفقة اندفع التكرار فكان ذلك أولى“ اس آیت کریمہ میں ”متعة“ سے مراد ”خرچ دینا ہے“۔ خرچ دینے کو کبھی ”متعة“ کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی ”متاع“ کہہ لیا جاتا ہے۔

جب آیت کریمہ میں ”متاع“ کا معنی خرچ کیا جائے تو تکرار اٹھ جائے گا، یعنی متعة معنی کرنے میں تکرار ہے اور ”نان ونفقة“ ترجمہ کرنے میں تکرار نہیں۔

علامہ رازی رحمہ اللہ نے اسی معنی کے متعلق بیان فرمایا ”فكان ذلك أولى“ یہی معنی بہتر ہے۔ (او کسیر)

”وَالْمُطَلَّاتُ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ“ ففی بیان نفقة المطلقات اذالماع النفقة

وهو المختار لصاحب المدارك فمعنى الآية ان المطلقة تجب نفقتها على الزوج ما دامت معتلة سواء كانت مطلقة الرجعي او البائن او غير ذلك وهذه الآية باق حكمها الآن غير منسوخ بالاتفاق.

اس آیت کریمہ میں طلاق والی عورتوں کے خرچ کا ذکر ہے، جبکہ ”متاع“ سے مراد ہی ”نان ونفقة“ ہے، یہی مختار ہے صاحب مدارک التنزیل کا، آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ طلاق والی عورتوں کو خرچ دیا جائے جب تک وہ عدت میں ہوں خواہ ان کو طلاق رجعی دی گئی یا بائن وغیرہ، اور یہ آیت کریمہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور اس کا حکم ابھی تک باقی ہے۔

(تفسیرات احمدیہ)

متعدینے کا وجوبی حکم منسوخ ہے۔ منسوخ نہ ہونے والا قول منسوخ ہونے والے قول سے بہتر ہے۔

بیان کردہ تفسیر کے بعد دیکھیں:

علامہ رازی رحمہ اللہ نے جس قول کو ترجیح دی ہے، اور علامہ احمد المعروف بملا جیون رحمہ اللہ نے جس قول کو ترجیح دی ہے اسی کے مطابق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے، لیکن بعض جہلاء نے اپنی جہالت کی وجہ سے اسے مورد طعن و تشنیع بنایا۔ ایسے ہی ایک رسالہ ”کنز الایمان پر پابندی کیوں؟“ کو دیکھ کر راقم نے سب سے پہلے ”تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان“ تصنیف کی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نے اپنے تصور سے بھی بالاتر تصنیفی کام کیا۔

معرض کا تفصیلی نوٹ:

طلاق شدہ عورت: البقرة میں طلاق کے احکام بیان کرنے کے بعد قرآن کریم نے طلاق شدہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے ساتھ احسان سے پیش آنے کا حکم بطور یاد دہانی کے مکرر فرمایا اور کہا ”والمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین“ اس جگہ مترجم حضرات نے ”متاع بالمعروف“ کا ترجمہ.....

کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا (تھانوی)

فائدہ دینا ساتھ اچھی طرح کے (شاہ رفیع الدین)

خرچ دینا ہے موافق دستور کے (شاہ عبدالقادر)

کپڑے کے جوڑے وغیرہ سے کچھ سلوک کرنا (ذہبی نذیر احمد)

..... کیا، تاکہ اس آیت میں طلاق شدہ عورتوں کے حقوق واجبہ اور اخلاق حسن سلوک کی تمام صورتیں شامل ہو جائیں، وہ صورتیں حسب ذیل ہیں۔

﴿۱﴾ مہر مقرر تھا اور اب خلوت و ملاقات کے بعد طلاق دے دی گئی، تو اب عورت کو پورا مہر دیا جائے گا، اور تاعدت نان و نفقہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

﴿۲﴾ مہر مقرر نہ تھا اور خلوت کے بعد طلاق دے دی گئی، تو اب مہر مثل واجب ہوگا اور عدت کا نان نفقہ بھی۔

﴿۳﴾ مہر مقرر تھا اور خلوت سے پہلے طلاق دے دی گئی تو اب آدھا مہر واجب ہوگا۔

﴿۴﴾ لڑکی صغیرہ اور ناقابل خلوت ہے یا قابل خلوت ہے مگر خلوت نہیں ہوئی تو اب اسے کپڑے ایک جوڑا دینا واجب ہوگا اور اس پر عدت نہ ہوگی۔

ان تمام صورتوں میں عورت کو فائدہ پہنچانا صادق آتا ہے، کہیں پورے مہر کی صورت، کہیں مہر مثل کی صورت میں اور کہیں آدھے مہر کی صورت اور آخری مسئلہ میں صرف ایک جوڑا کپڑے دینے کی صورت میں۔

اس آیت مذکورہ میں تمام صورتیں شامل ہیں اور قرآن کریم نے اس کیلئے ایک عام لفظ ”متاع بالمعروف“ استعمال کیا ہے لیکن مولانا احمد رضا خان صاحب نے ”متاع بالمعروف“ کا ترجمہ فرمایا ہے ”اور طلاق والیوں کیلئے بھی مناسب نان و نفقہ ہے یہ واجب ہے پرہیز گاروں پر“

خان صاحب کے ترجمہ کے مطابق مذکورہ چوتھی صورت بھی آیت کے حکم (نان و نفقہ) میں شامل ہے کیونکہ وہ بھی طلاق والیوں میں شامل ہے، حالانکہ یہ وہ طلاق والی ہے جس پر عدت واجب نہیں تو پھر شرعی نان و نفقہ کیا؟ بطور حسن سلوک کے صرف کپڑے کا ایک جوڑا دینا کافی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ مولانا بریلوی کے سامنے کوئی ترجمہ ایسا بھی ہو جس کی مرحوم نے پیروی کی ہے، لیکن بقول رضا خانی حضرات کے جس مجتہد و فقیہ بے مثال نے فتاویٰ رضویہ کے نام سے بارہ ہزار صفحات پر مشتمل فقہی مسائل کا خزانہ امت کے لئے چھوڑا ہو اس کی نظر آیت پاک کی اس باریکی کی صورت کی طرف کیوں نہیں گئی اور آیت کے مفہوم کو ایک صورت میں خاص کر کے آیت کی حقیقی روح کو بے اثر کر دیا، اس پر تعجب ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا مختصر تفسیری حاشیہ ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت کیا چیز ہوتی ہے، لکھتے ہیں پہلے خرچ فرمایا تھا یعنی جوڑا اس طلاق پر کہ مہر نہ ٹھہرا ہو اور ہاتھ نہ لگایا ہو، یہاں سب پر حکم فرمایا سب طلاق شدہ عورت کو مہر واجب کے ساتھ ساتھ کپڑے کا جوڑا دینا بھی مستحسن ہے تاکہ علیحدگی کے باوجود آپس میں صلح و احسان کے جذبات موجود رہیں، اور پہلی صورت میں یہ جوڑا دینا اور کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا ضروری ہے۔

امید کی جاسکتی تھی کہ محشی مرحوم اس آیت پر تشریحی نوٹ لکھ کر مسئلہ کو صاف کرتے لیکن مرحوم محشی بھی یہاں سے صاف بچ کر نکل گئے، اور قرآن کریم کی ایک فقہی آیت کا ترجمہ تشنہ رہ گیا۔

میں نہیں چاہتا کہ خان صاحب مرحوم کے ترجمہ کا علماء دیوبند کے تراجم اور تفاسیر سے موازنہ کر کے اپنے رضا خانی بھائیوں کو تکلیف پہنچاؤں لیکن جو حضرات علمی مسائل کو علمی مسائل کی نظر سے دیکھتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ حضرات شیخ الہند کا تفسیری حاشیہ اور مولانا اشرف علی خان صاحب تھانوی کی بیان القرآن اور مولانا عبدالحق

صاحب حقانی کی تفسیر حقانی کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ان حضرات نے البقرة کی قانونی آیات طلاق کو قانونی اسلوب و انداز میں کس سلیقہ سے واضح کیا ہے اور کنز الایمان ان تفاسیر کے مقابلہ میں ایک سطحی اور طالب علمانہ تفسیر نظر آتی ہے۔ (معارضین بحث نم)

راقم کا تبصرہ:

راقم نے تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان میں آج سے کئی سال پہلے یوں تبصرہ کیا، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ پر یہ اعتراض کرنا کہ آپ فقہ کی باریکیوں سے بے خبر ہیں، لیکن خود معترض صاحب نے جو چوتھی صورت مطلق ذکر کی ہے اس میں مہر کے مقرر ہونے یا نہ ہونے کی کوئی قید نہیں لگائی، وہ محل نظر ہے کیونکہ لڑکی صغیرہ اور ناقابل خلوت ہے اور مہر مقرر تھا تو طلاق کی صورت میں نصف مہر ہے صرف جوڑا کپڑوں کا دینا کافی نہیں ہاں اگر مہر مقرر نہ ہو تو یہ صورت ہے لیکن معترض صاحب نے مہر کے مقرر ہونے یا نہ ہونے کی کوئی قید نہیں لگائی۔

اسی طرح یہی دو صورتیں اس عورت میں بھی ہیں جو قابل خلوت تو ہے لیکن اس کو طلاق قبل از خلوت دی جائے تو مہر مقرر ہونے کی صورت میں نصف مہر اور مہر کے مقرر نہ ہونے کی صورت میں متعہ (کپڑوں کا جوڑا) دیا جائے گا، حالانکہ مہر کے مقرر ہونے کی صورت میں یہ لازم نہیں۔

”وان تزوجها ولم یسم لها مہرا او تزوجها علی ان لا مہر لها فلها مہر مثلها ان دخل بها او مات عنها ولو طلقها قبل الدخول فلها المتعة۔ (بدایۃ المبتدی)

اگر نکاح کیا لیکن مہر مقرر نہیں کیا یا نکاح ہی اس شرط پر کیا کہ مہر نہیں دیا جائے گا، ایسی صورت میں اس عورت کو طلاق دخول کے بعد دی گئی یا اس کا خاوند فوت ہو گیا تو اس عورت کو مہر مثل دیا جائے گا، فوت ہونے کی صورت میں دخول یا عدم دخول کی قید نہیں۔ اگر اسی صورت میں یعنی مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا یا مہر کی نفی کر دی گئی تھی تو طلاق دخول سے پہلے دے دی گئی تو کپڑوں کا جوڑا دینا واجب ہے۔

دوسری بات یہ سمجھیں کہ معترض صاحب نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں اپنے ہی حضرات کے تراجم اور تفاسیر کو دیکھا جو اردو زبان میں ہیں کیونکہ وہ خود لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ مولانا بریلوی کے سامنے کوئی ترجمہ ایسا بھی ہو جس کی مرحوم نے پیروی کی ہے، یہ اعتراف حقیقت ہے جس کی وضاحت ابھی آتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا فقہی مسائل سے تعلق ہے جس کا اعتراف معترض صاحب نے برملا کیا ہے، لہذا فقہی مسائل کی تفسیر مدارک التنزیل کو دیکھیں، آپ نے اس طرح تفسیر کی، ”وَلِلْمُطَلِّقَاتِ مَتَاعٌ“ ای نفقة العدة کہ اس آیت کریمہ میں ”متاع“ سے مراد دوران عدت نان و نفقہ دینا ہے۔

اب یہ کہنا کہ ترجمہ چوتھی صورت کو شامل نہیں کہ وہاں عدت نہیں، یہ فقہی باریکی سے بے خبری ہے۔ یہ غلط ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تفسیر مدارک کے سین مطابق ہے تو جب یہ کہا جائے گا کہ کثر الایمان ایک طالب علمانہ تفسیر ہے تو اس سے یہ خود بخود لازم آئے گا کہ صاحب مدارک بھی ایک طالب علم کی حیثیت میں تھے اور ان کی تفسیر بھی طالب علمانہ ہے۔

پھر علامہ رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اولیٰ (بہتر) قرار دیا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ تفسیر کبیر بھی ایک طالب علمانہ تفسیر ہے، پھر ملا جیون رحمہ اللہ نے بھی یہی معنی پسند فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تفسیرات احمد یہ بھی ایک طالب علمانہ تفسیر ہے۔

یہ تو سورج کے سامنے منہ چڑھانے کے مترادف ہے، بلکہ اپنی جہالت و حماقت کا اعتراف کرنا ہے۔ پھر اس آیت کریمہ میں بھی متعدی معنی لیا جائے تو تکرار لازم آئے، مختصر المعانی میں ایک شاندار ضابطہ مراد لیا گیا ہے ”التاسیس اولیٰ من التاکید“ نیا معنی لینا بنسبت پہلا معنی لینے کے زیادہ بہتر ہے، تکرار اور تاکید میں پہلا معنی ہی مراد ہوتا ہے، غیر تکرار میں نیا معنی مراد ہوتا ہے۔

تفاسیر کے مطالعہ سے تو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ کے ترجمہ کی فوقیت واضح ہوتی ہے، کیونکہ اس میں تکرار نہیں اور متعہ والا معنی لینے میں تکرار ہے۔

پھر ”حقاً“ کا معنی وجوب ہے، اور چار صورتوں میں صرف ایک صورت میں وجوب ہے یعنی مہر مقرر نہیں تھا اور طلاق وطی اور خلوت صحیحہ ہے پہلے دے دی گئی، اس صورت میں متعہ واجب ہے، باقی تمام صورتوں میں وجوب نہیں، لہذا متعہ والا معنی کرنے سے وجوب منسوخ ماننا پڑتا ہے لیکن نان ونفقہ والا معنی کرنے سے وجوب منسوخ نہیں ماننا پڑتا۔ یہی وجہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو فوقیت عطا کر رہی ہیں، لیکن جس شخص کے علم کا محور شیخ الہند کا تفسیری حاشیہ اور بیان القرآن اور تفسیر حقانی ہو وہ نہ سمجھ سکے تو کوئی اعتراض بھی نہیں، کیونکہ کم علم کو معذور ہی سمجھنا چاہئے، البتہ جہل مرکب کے حامل کو سمجھانا بھی ممکن نہیں، لیکن اگر ضد اور عناد کو چھوڑ کر حقیقت پسندی کی طرف آنا ہو تو معتبر تفاسیر کی عبارات کو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کی تائید کے لئے پیش کر رہا ہوں تاکہ حق نظر آئے اور محققین کو طالب علمانہ حیثیت دینے کی حماقت کرنے سے اجتناب کیا جائے، ورنہ ان مفسرین کی شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور اپنی حماقت ثابت ہو جائے گی۔

البحر المحیط میں ہے ”وقیل المراد بالمتاع ههنا نفقة العدة“ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ”متاع“ سے مراد عدت کا نفقہ ہے۔

یہاں سے بھی پتہ چلا کہ ”نان نفقہ“ ترجمہ اعلیٰ حضرت کا ہی نہیں، بلکہ اس میں اور ارباب تفسیر بھی شریک ہیں الجامع لاحکام القرآن للقرطبی نے بھی اختلاف بیان کرتے ہوئے معترض صاحب کی چوتھی صورت کو ایک قول میں خارج کیا ہے۔ الجامع کی عبارت کو ملاحظہ کریں۔

”وقال عطاء بن رباح وغيره هذه الآية في الثيبات اللواتي قد جو معهن اذ تقدم في غير هذه الآية ذكر المتعة للواتي لم يدخل بهن“ (قرطبی)

عطاء بن رباح وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت ان عورتوں کے بارے میں ہے جن سے جماع کیا گیا ہو، ثیبہ ہوں، اس لئے کہ جن عورتوں سے دخول نہیں ہوا ان کے متعہ کا پہلی آیت میں ذکر آچکا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے۔

”قيل المراد بمتاع في هذا الآية نفقة ايام العدة كما هو المراد فيما سبق من قوله تعالى وصية لازواجهم متاعا الى الحول بجامع ان المرأة في كلا صورتين الموت والطلاق محبوسة لحقوق الزوج فيجب الانفاق في ماله“

متاع سے مراد زمانہ عدت کا نان و نفقہ مراد ہے، جیسا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے قول ”وصية لازواجهم متاعا الى الحول“ میں وفات کی عدت کے نان و نفقہ کا بیان ہے، دونوں صورتوں یعنی موت و طلاق میں وجہ جامع یہ ہے کہ عورت چونکہ دوران عدت اپنے آپ کو حقوق زوج میں پابند رکھتی ہے اس لئے خاوند کے مال سے اس کا نفقہ لازم ہے۔

اس طرح روح المعانی میں ہے۔

”وقيل المراد بالمتاع نفقة العدة“

اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں ”متاع“ سے مراد دوران عدت نان و نفقہ دینا ہے۔

ناظرین کرام آپ نے مذکورہ بالا معتبر تفاسیر کی عبارات سے سمجھ لیا ہوگا کہ اس آیت کریمہ میں ”متاع“ کا ترجمہ ”نان و نفقہ“ کرنے میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ منفر د نہیں، بلکہ اکابرین مفسرین کرام کے اقوال بھی موجود ہیں، اب مخالفت برائے مخالفت کے اصول پر عمل کرتے ہوئے جوش عناد کی وجہ سے جنبش قلم کی زد میں اکابرین مفسرین کرام کو لپیٹنا کہاں کا انصاف ہے۔

میں یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا، یہ کہنا ”کہ ہو سکتا ہے کوئی ترجمہ ایسا ہو“ اس سے پہلے تفاسیر کو دیکھ لیا جائے تاکہ بعد میں خود ہی صیاد اپنے دام میں نہ پھنس جائے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

”(طلاق والیوں کو) خرچ دینا ہے موافق دستور کے“

اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ یہ ہے ”اور طلاق والیوں کیلئے بھی مناسب طور پر نان و نفقہ ہے“

دونوں ترجمے ایک جیسے ہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت نے ”نفقہ“ کا لفظ استعمال کیا ہے اور شاہ عبدالقادر صاحب

نے اسی لفظ کا ترجمہ ”خرچ“ ذکر کیا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت نے ”مناسب طہہ پر“ تحریر فرمایا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ”موافق دستور کے“ تحریر کیا ہے۔

جب ”مناسب نان و نفقہ“ اور ”خرچ دینا ہے موافق دستور کے“ ان میں کوئی فرق نہیں تو شاہ عبدالقادر

صاحب کے ترجمہ کی تعریف اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو مورد طعن و تشنیع بنانا، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ایسا کوئی

منصف شخص کر سکتا ہے؟ ایسا کوئی صاحب علم کوئی صاحب دانش کر سکتا ہے؟ نہیں نہیں ایسا کرنا صاحب انصاف،

صاحب علم اور صاحب دانش سے تو نہیں ہو سکتا۔

(تسکین الحنان فی محاسن کنز الایمان)



كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ☆

(سورة البقرة آیت ۲۴۲)

☆ ۱ ☆

اللہ یونہی بیان کرتا ہے تمہارے لئے اپنی آیتیں کہ کہیں تمہیں سمجھ ہو۔

☆ ۲ ☆

اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کوتا کہ تمہیں کامل عقل آجائے۔

كَذٰلِكَ: اسی طرح۔

”ای مثل ذلک البیان الواضح لاحکام السابقة“
یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے احکام واضح طور پر بیان فرمائے۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ:

”الدالة على ما تحتاجون اليه معاشا ومعادا“

اسی طرح اللہ تعالیٰ واضح طور پر تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتا ہے یعنی وہ آیات جن کے تم دنیا اور آخرت میں محتاج ہو۔
(روح المعانی)

”کذلک“ اشارۃ الی ماسبق من احکام الطلاق والعدة (یبین اللہ لکم آیاتہ) وعبدانہ
سیبین لعبادہ من الدلائل والاحکام ما یحتاجون الیہ معاشا ومعادا۔ (مظہری)
اللہ تعالیٰ نے جس طرح طلاق اور عدت کے احکام واضح طور پر بیان فرمائے ہیں اسی طرح اپنے بندوں کے لئے دلائل و احکام بیان فرمائے گا جن کے وہ دنیا اور آخرت کی زندگی میں محتاج ہیں،
یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے واضح طور پر دلائل و احکام بیان کرنے کا وعدہ فرما دیا ہے۔

خیال رہے تفسیر مظہری کے مطابق ”کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ“ کا ترجمہ یہ ہوگا ”اسی طرح کھول کر بیان کرے گا اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات کو۔“

جس طرح اللہ تعالیٰ نے طلاق وعدت وغیرہ کے مسائل کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے اسی طرح جن کاموں کا تمہیں حکم دیا ہے اور جن کاموں سے تمہیں روکا ہے ان کے حلال ہونے اور حرام ہونے کو اور ان کے فرض ہونے اور ان میں حدود لازم آنے کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے، جن احکام کی تمہیں محتاجی ہوتی ہے ان کو رب تعالیٰ واضح طور پر بیان فرمادیتا ہے ان کو مجمل (غیر واضح) نہیں چھوڑتا۔
(صابونی)

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ: تاکہ تمہیں کامل عقل آجائے۔

ان الفاظ مبارکہ کے علامہ شہاب الدین السید محمود احمد آلوسی رحمہ اللہ نے تین معانی بیان فرمائے،

﴿۱﴾ ”لکی تکمل عقولکم“

تاکہ تمہاری عقلیں کامل ہو جائیں۔

اسی کے مطابق راقم نے ترجمہ کیا ہے ”تاکہ تمہیں کامل عقل آجائے“

﴿۲﴾ ”لکی تصرفوا عقولکم الیہا“

تاکہ تم اپنی عقلوں کو ان احکام کی طرف پھیر سکو۔

﴿۳﴾ ”لکی تفہموا ما ارید منها“

تاکہ تمہیں سمجھ آجائے، ان احکام کی جن پر عمل کرنے یا چھوڑنے کا تم سے ارادہ کیا گیا ہے۔

(روح المعانی)

☆☆☆☆☆

